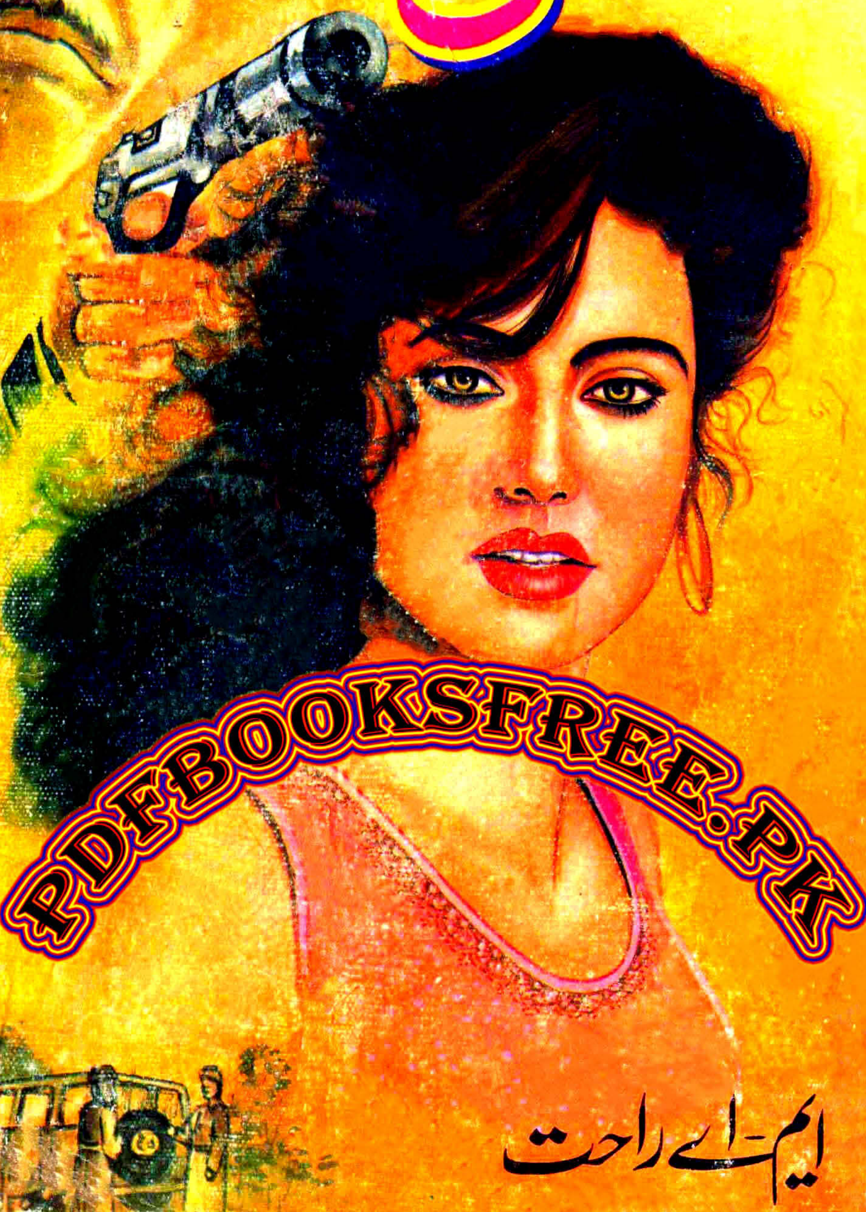
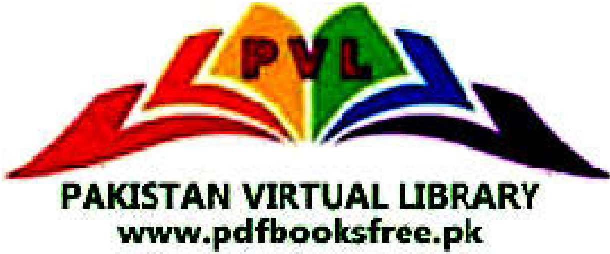
قفس



ایم اے راحت

سب سے مشکل تحریر
انتساب ہے...... چنانچہ میری
ہر تحریر کا انتساب میرے
اور جناب مقبول بھائی کے نام
جھگڑا ہی ختم......

ایم اے راحت



جیلر کے اسسٹنٹ نے وہ درخواست جیلر کے سامنے رکھ دی اور جیلر نے درخواست پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہے یہ؟"

"جناب عالی! ایک دلچسپ درخواست' براہ کرم اسے پڑھ لیجئے۔" جیلر نے نگاہیں اٹھا کر اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا۔ اسسٹنٹ کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کاغذ میں کوئی ایسی بات ہے جو اسسٹنٹ جیلر کو 'مسکرانے پر مجبور کر رہی ہے۔ چنانچہ جیلر نے درخواست پر نگاہیں ڈالیں۔ مختصر سی لیکن دلچسپ تحریر تھی۔

"جناب عالی! مودبانہ درخواست ہے کہ مجھے جیل سے رہائی نہ دی جائے' میں نے زندگی کے چودہ سال یہاں گزارے ہیں' جیل مجھے اپنا گھر لگتی ہے' یہاں میرے بہت سے شناسا موجود ہیں۔ ان کے درمیان اچھا وقت گزارتا رہا ہوں۔ میرے ریکارڈ میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے' مجھے رہائی مل رہی ہے' جناب عالی! باہر کی دنیا سے میری کوئی شناسائی نہیں رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ باہر جاکر پھر سے جرم کی دنیا میں داخل ہو جاؤں۔ اس لئے میری رہائی منسوخ فرمائیے اور مجھے مستقل یہیں رہنے کی

اجازت دے دیجئے۔ آپ کا تابعدار

نادر شاہ

قیدی نمبر۔1760

جیلر نے دوبارہ اس تحریر کو پڑھا۔ نگاہیں اٹھا کر اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا' لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی کوئی لکیر نہیں ابھری تھی۔ اسسٹنٹ کو نجانے کیوں یہ درخواست دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جیلر اس درخواست کو پڑھ کر خود بھی مسکرا دے گا کہ ایسے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں اس دنیا میں لیکن جیلر نے کہا۔ "تم مسکرا رہے ہو' یہ تو ایک بہت ہی غم انگیز تحریر ہے' کاش تم اس تحریر کی گہرائیوں میں جھانک سکتے۔"

"سر!" اسسٹنٹ جیلر اٹینشن ہوگیا۔

"غور کرو اس شخص نے زندگی کے چودہ سال یہاں جیل میں گزار دیئے ہیں۔ گویا اس کی آدھی زندگی ختم ہوگئی۔ ہو سکتا ہے کبھی کوئی ہو اس کا' لیکن اب کوئی نہیں ہے' بہرحال بڑے دکھ کی بات ہے' ذرا بلاؤ اسے' میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

یس سر۔" اسسٹنٹ نے کہا اور ایڑھیاں بجا کر باہر نکل گیا۔ پھر تقریباً" بیس منٹ کے بعد وہ ایک لمبے چوڑے قیدی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ جس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ بدن سے خوب تندرست و توانا لگتا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں موٹے موٹے ہونٹ۔ اس دوران جیلر نے اس کا فائل بھی منگوالیا تھا اور اسے پڑھ رہا تھا۔ قیدی کا نام نادر شاہ ولد امیر شاہ تھا۔ بستی بابا شیر علی کا رہنے والا تھا۔ قتل کے الزام میں عمر قید ہوئی تھی۔ بعد کا ریکارڈ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔ بہرحال قیدی جیلر کے سامنے پہنچ گیا۔

"نادر شاہ! تمہاری درخواست مجھے ملی ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

"جو کہنا تھا سر وہ کہہ دیا ہے' بجائے اس کے کہ نیا جرم کر کے واپس جیل میں آؤں' آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ مجھے یہیں رہنے دیں۔ کوئی نیا جرم کرائیں گے تو کسی کو نقصان پہنچے گا۔"

"نادر شاہ تم بالکل جوان ہو' کتنی عمر میں آئے تھے یہاں۔"

"اب تو کچھ یاد نہیں رہا ہے صاحب' یہی تو لکھا ہے میں نے اپنی درخواست میں کہ دنیا کو بھول چکا ہوں' باہر والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ تو کیا فائدہ مجھے ان کے درمیان بھیجنے سے یہیں پڑا رہنے دیں۔"

"خیر' دیکھو نادر شاہ' یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے' البتہ تمہیں ایک مشورہ دیا جاسکتا ہے۔ اگر جرم نہیں کرنا چاہتے تو بھلا کون تمہیں مجبور کر سکتا ہے۔ جاؤ باہر کی دنیا میں اپنے لئے ایک اچھا۔ انسان تلاش کرو جسے اپنے آپ میں اتار سکو۔ دنیا کو تمہاری ضرورت ہے نادر شاہ' تم جیسے قوی ہیکل جوان کی ضرورت ہے اس دنیا کو' اپنا تجزیہ خود کرو اور اپنے آپ کو اس دنیا کے لئے ایک اچھا انسان ثابت کرو۔" نادر شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"کمال ہے۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو روتے ہوئے جیل میں آتے ہیں۔ اپیلیں کرتے ہیں بڑی عدالت تک مقدمات لے جاتے ہیں' اپنے لئے رہائی مانگتے ہیں' اور ہم ہیں کہ جیل میں رہنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں تو ہماری درخواست منظور نہیں ہو رہی۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو نادر شاہ۔ آزادی کے چند لمحات پوری زندگی کا حاصل ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو جیل کی چار دیواری میں قید رکھ کر خود اپنی ذات کو اور

فطرت کو دھوکا دے رہو' پنجروں میں قید پرندوں سے پوچھو کہ کھلی فضائیں کیا چیز ہوتی ہیں' خیر اپنی اصلاح کرلو' ویسے بھی ہم قانون کے حکم پر ہی آزادی دے سکتے ہیں۔ باقی تمہاری اس درخواست کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔"

جیلر نے اسے واپس لے جانے کی ہدایت کر دی اور نادر شاہ کو واپس پہنچا دیا گیا۔

دبلے پتلے بدن کا مالک یہ شخص جیل کی دنیا میں سب کے لئے حیرانی کا باعث تھا۔ خود نادر شاہ کی اس چودہ سالہ زندگی میں یہ شخص کتنی ہی بار جیل آیا تھا رہائی پاکر چلا گیا تھا۔ سب اسے ٹنڈا بابا کہتے تھے۔ ٹنڈا اس لئے کہتے تھے کہ اس کا بازو شانے کے پاس سے غائب تھا۔ عجیب مکرو سی شکل کا مالک تھا۔ عموماً" کاپی پینسل ہاتھ میں رہتی تھی۔ پتہ نہیں جیل کے حکام اس کے ساتھ اتنی رعایت کیوں برتتے تھے۔ کئی بار نادر شاہ سے بھی مل چکا تھا۔ اپنے آپ کو پامسٹ کہتا تھا۔ قیدیوں کے ہاتھ دیکھتا تھا اور پیشنگوئیاں کرتا تھا' لیکن بہرحال کسی کو اس کی ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ نادر شاہ کی رہائی میں تین دن باقی رہ گئے تھے اسے اس کی اطلاع دے دی گئی تھی اور نادر شاہ واقعی اداس ہوگیا تھا۔ یہاں بہت سے لوگوں سے اس کی شناسائی تھی اور یہ دنیا اسے بری نہیں معلوم ہوتی تھی۔ بس ایک عمل' نہ کوئی مشکل' نہ کوئی پریشانی' بیمار ہوا تو اسپتال' محنت مشقت' کھانا پینا' زندگی ایک معمول پر تھی۔ باہر کی دنیا اس نے ہمیشہ کے لئے بھلا دی تھی۔ اگر کبھی ذہن میں ماضی کے خیالات آتے تو وہ نفرت سے انہیں جھٹک دیتا۔ ماضی کوئی چیز نہیں ہوتا لیکن اس وقت ٹنڈا بابا اس

کے پاس پہنچا اور اس نے اسے رہائی کی مبارکباد دی تو نجانے کیوں عجیب سا احساس ہوا' ٹنڈا بابا کہنے لگا۔

"اور میں تمہارے ماضی کی کتاب لے کر آیا ہوں۔" نادر شاہ نے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھ پر تعجب نہیں ہوتا تمہیں؟"

"پھر وہی سوال کروں گا کیا مطلب؟"

"میں کون ہوں' مجھے بتاؤ میں کون ہوں؟"

"قیدی!"

"یہ تو ٹھیک ہے' لیکن میری شخصیت تمہیں عجیب نہیں لگی۔"

"نہیں۔"

"کمال کے انسان ہو' اچھا خیر چھوڑو' تمہیں تمہارے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تم کون ہو' کہاں سے آئے ہو' کیوں آئے ہو۔"

"بتاؤ۔" نادر شاہ سرد لہجے میں بولا۔

"بستی بابا شیر علی پہاڑوں میں آباد تھی' کیا تم نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک بڑے سے گلیشیر نے ساری بستی کو ایک اجتماعی قبر میں تبدیل کر دیا تھا۔" نادر شاہ ـ سرد نگاہوں سے ٹنڈا بابا کو دیکھا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بستی شیر علی کی بات ٹھیک ہے' گلیشیر کی بات مجھے نہیں معلوم' میں باہر کی دنیا سے کوئی شناسائی نہیں رکھنا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے' حالانکہ مجھے تمہارے بارے میں تمام تفصیلات معلوم ہیں

جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں جانتا۔"

"اس لئے کہ میں تم میں دلچسپی لیتا رہا ہوں' تمہارے بارے میں بگ باس کو بتاتا رہا ہوں اور بگ باس نے تمہیں یہ سمجھ لو کہ رجسٹر کرلیا ہے۔" نادر شاہ نے نگاہیں اٹھا کر ٹنڈا بابا کو دیکھا اور بولا۔

"میرا خیال ہے اب تم دماغی توازن کھوتے جا رہے ہو۔"

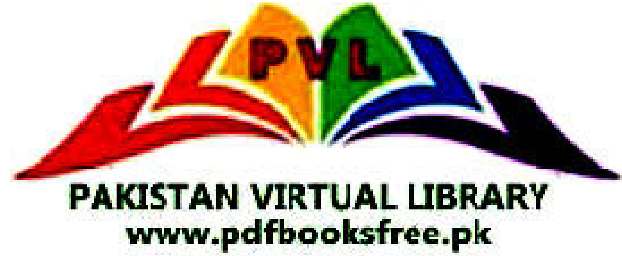
"باہر جاکر اگر کوئی منصوبہ ذہن میں ہے تو سو میں سے نوے فیصد اپنے منصوبوں پر کام کرو' شادی کرو' بچوں کے باپ بن جاؤ' بیوی کے شوہر بن جاؤ' کندھوں پر بوجھ لاد کر زندگی گزار دو' پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے تو خودکشی کرلو' بچوں کے لئے اسکول کے کپڑے نہ ہوں' فیس نہ جاسکے تو دریا میں چھلانگ لگا دو' بیوی کو مار دو' بچوں کو قتل کر کے نہر میں پھینک دو' اور اگر یہ سب کچھ نہ کرنا چاہو تو بگ باس کے پاس چلے جاؤ' اپنا نام بتاؤ' بگ باس تمہیں ایک اچھی زندگی دے گا' تمہارے بارے میں مناسب فیصلے کرے گا۔" نادر شاہ خاموشی سے ٹنڈا بابا کی صورت دیکھتا رہا' پھر اس نے کہا۔

"تمہارے پاس اپنے دماغ کی صحت کا کوئی سرٹیفکیٹ ہے۔"

"جیل سے باہر جاؤ گے تو نیلے رنگ کی ایک ویگن تمہیں املی کے درخت کے نیچے کھڑی نظر آئے گی' گزر گاہ وہی ہے۔ ویگن کے پاس سے آگے بڑھ گئے تو بگ باس کے آدمی یہ سمجھ لیں گے کہ تم بگ باس سے نہیں ملنا چاہتے' ویگن ٹرن لے گی اور واپس چلی جائے گی۔ ویگن کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اندر بیٹھ جاؤ گے تو تمہیں بگ باس کے پاس پہنچا دیا جائے گا' کیا سمجھے۔"

نادر شاہ خاموشی سے ٹنڈا بابا کی صورت دیکھتا رہا۔ اچانک ہی ٹنڈا بابا وہاں سے

واپس پلٹ گیا اور نادر شاہ اس پر غور کرتا رہا۔ جیل میں آنے جانے والا یہ پراسرار شخص اگر یہ سب کچھ کرتا ہے تو واقعی بڑا سائنٹفک عمل ہے' اس نے فیصلہ کیا کہ بگ باس کے پاس ضرور جائے گا۔



جیل سے باہر قدم رکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی سیارے پر اتر گیا ہو۔ کتنا اجنبی ماحول ہے باہر کی دنیا کا۔ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر تھی جب جیل پہنچا تھا' عمر قید کا مطلب تھا کہ عمر جیل میں ہی ختم ہو جائے' لیکن یوں بھی ہوتا ہے' جیل کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ عمر ختم نہیں ہوتی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے باہر کی دنیا اس وقت نا سمجھ میں آنے والی دنیا ہوتی ہے' کیونکہ زندگی چودہ سال آگے بڑھ چکی ہوتی ہے۔ بھٹکے بھٹکے قدموں سے آگے بڑھا۔ نجانے کیوں ایک خوف کا سا احساس ہو رہا تھا' لیکن پھر اسے وہ نیلی ویگن نظر آئی اور ایک دم یوں محسوس ہوا جیسے پرانے دور کا کوئی شناسا مل گیا ہو۔ ایک ایسا جس سے بات کی جاسکتی ہے جو ہاتھ کا سہارا دے کر کچھ قدم آگے بڑھا سکتا ہے۔ ٹنڈا بابا رہا ہونے سے پہلے بھی ملا تھا اور اس نے یاد دہانی کرائی تھی۔ نادر شاہ کو یقین تو بالکل نہیں تھا۔ ایک ایسے شخص پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے جس کا دماغی توازن ہی مشکوک ہو' لیکن نیلے رنگ کی ویگن دیکھ کر بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ٹنڈا بابا نے سچ کہا تھا۔ ویگن کے آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا تھا لیکن جو سائیڈ مرر اس میں لگا ہوا تھا اس میں ڈرائیونگ سیٹ

پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور کا چہرہ بے شک نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ بڑی عجیب بات تھی۔ کسی ناشناسا جگہ پہنچ کر ایک ایسا عمل کرنے میں جو مشکوک ہو' لیکن اب اتنا بزدل بھی نہیں تھا کہ ایک مرتبہ کوشش کر کے نہ دیکھ لیتا' ویگن کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کر لیا۔ اسی وقت عقب سے دو ہاتھ آگے بڑھے اور کالے رنگ کی ایک پٹی اس کی آنکھوں پر کسنے کی کوشش کی گئی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے پٹی کسنے والے کی کلائیاں پکڑ لیں۔ تبھی عقب سے آواز ابھری۔

"دوست یہ ضروری ہے۔ ہم حکم کے بندے ہیں۔ اگر آنکھوں پر پٹی باندھوا لو تو تمہاری مہربانی ہوگی۔ یہ بات میں بگ باس کے حوالے سے کہہ رہا ہوں' ویسے ٹنڈا بابا کو چاہئے تھا کہ یہ بات تمہیں پہلے بتا دیتا۔" آواز میں بے حد نرمی تھی' عاجزی تھی' درخواست تھی۔

نادر شاہ کے ہاتھ فوراً ڈھیلے پڑ گئے اور پٹی تنگ ہو گئی۔ تبھی ویگن اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی۔ نادر شاہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ویگن رکی تو عقبی دروازہ کھول کر ایک دو یا تین جتنے بھی آدمی تھے نیچے اتر گئے۔ سائیڈ کا دروازہ کھول کر نادر شاہ کو نیچے اتارا گیا اور نادر شاہ کو یہ تجربہ بھی بڑا عجیب لگا تھا۔ انسان اگر اندھا ہو جائے تو کتنا بے بس ہو جاتا ہو گا۔ بازوؤں سے پکڑ کر اندر لے جایا گیا اور پھر کسی کمرے میں داخل کیا گیا۔ کرسی پر بٹھایا گیا اور پٹی کھول دی گئی۔ نادر شاہ نے کچھ دیر تو آنکھیں بند رکھی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں تو روشنی بڑی مدھم اور پرسکون تھی اور جس کمرے میں وہ بیٹھا ہوا تھا وہ کسی آڈیٹوریم کی طرح لگ رہا تھا اور بھی بہت سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں لیکن ایسے نہیں کہ ان پر کوئی شو دیکھا جا سکے' البتہ سامنے کا پلیٹ فارم زمین سے ڈھائی فٹ اونچا تھا۔ کسی آڈیٹور کے پلیٹ فارم کی طرح ہی تھا اور اس پر نیم تاریک ماحول میں ایک شخص ایک کر

پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب نادر شاہ کے حواس درست ہو گئے تو کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کی آواز ابھری۔

"مجھے بگ باس کہا جاتا ہے۔" یہ الفاظ ادا کر کے وہ چند لمحات کے لئے رکا جیسے اپنے کہے ہوئے الفاظ نادر شاہ کے ذہن میں بٹھا دینا چاہتا ہو۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا۔

"ٹنڈا بابا ہمارا ایجنٹ ہے' وہ جیل اس لئے نہیں جاتا کہ اس نے کوئی چھوٹا موٹا جرم کیا' بلکہ ہم چھوٹے موٹے جرم کے ذریعے اسے جیل بھیجتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک پورا گروہ موجود ہے' اور اس گروہ میں تقریباً اسی فیصد افراد جیل کے وہ قیدی ہیں جن کا تجزیہ ٹنڈا بابا نے جیل میں ہی کیا تھا' یعنی وہ ہمارے لئے کارکنوں کا سلیکشن جیل جا کر کرتا ہے' اور جب ہمارے مطلب کے قیدی رہا ہوتے ہیں تو ہم انہیں یہاں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر کے مستقل اور بہترین کام دیتے ہیں اور ان کی زندگیاں عیش و عشرت سے گزرتی ہیں۔ ہم ہر شخص کا سلیکشن اس کے مزاج اس کے ماحول کے مطابق کرتے ہیں۔ ہمارا کاروبار اسمگلنگ' بلیک مارکیٹنگ اور پتھروں کی خرید و فروخت ہے۔ دولت کے حصول کے لئے ہر وہ عمل کر لیا کرتے ہیں جو ضروری ہوتا ہے' تم جانتے ہو نادر شاہ کہ اس دور میں جینے کا ایک ہی سہارا ہے' اور وہ ہے دولت' جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں' ان کے بارے میں کوئی صحیح لفظ تلاش کرنا مشکل ہے۔ مختصر گفتگو سے تم نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں' مجھے تمہارے بارے میں مکمل رپورٹ مل چکی ہے۔ چودہ سال پہلے کے ماضی کو دہرانا ہو سکتا ہے تمہارے لئے ناخوشگوار ہو' اس لئے میں ان باتوں کو نہیں دہراؤں گا' صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم رائفل کے کھلاڑی تھے اور رائفل کا کھیل ہی تمہیں جیل تک لے آیا' کیا اب بھی تمہاری نشانہ بازی ویسی ہو گی جیسی تھی؟"

یہ پہلا سوال تھا جو نادر شاہ سے کیا گیا تھا۔ نادر شاہ کے حلق سے بھاری آواز نکلی۔ "ہاں۔"

"ویری گڈ۔"

"دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا تم میرے ساتھ کام کرنا پسند کرو گے۔" دوسری با بھی نادر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں "ہاں" ہی کہا تھا۔

اور اب وہ نور خیل جا رہا تھا' زمانہ قدیم میں......... اپنی پچھلی زندگی کو وہ زمانہ قدیم ہی تصور کرتا تھا۔ اس نے ایک دو بار نور خیل کا نام سنا تھا۔ سرحدی علاقہ تھا او کچھ خاص باتوں کے لئے مشہور تھا۔ وہ خاص باتیں اب نادر شاہ کو یاد نہیں رہ تھیں۔ نہ انہیں یاد کرنے کے لئے وہ ذہن پر زور دینا چاہتا تھا' کیونکہ ان یادوں ے ساتھ اسے بستی بابا شیر علی یاد آتی تھی اور بستی بابا شیر علی کی یادوں کے ساتھ بدا میں خون کھولتا تھا۔ ان لوگوں کو اپنے ہاتھوں موت کی نیند سلا چکا تھا جن سے دشمنی تھی اور اگر دشمن بھی زندہ نہ رہے تو بے کیفی کے علاوہ اور کیا ہاتھ آسکتا ہے۔

"دیکھو باس! تم ایک پہاڑی آدمی کو اپنے گروہ میں شامل کر رہے ہو' ہم لوگ احکامات کی پابندی ضرور کرتے ہیں لیکن گردن اٹھا کر' کبھی ہم سے گردن جھکانے مت کہنا۔ اگر اس شرط پر ہمیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو رکھو ورنہ آنکھوں پر باندھ کر آبادیوں میں چھوڑ دو' ہمیں کبھی یاد نہیں آئے گا کہ ہم کسی ایسی جگہ آ تھے۔ اگر کہیں ہماری زبان سے یہ بات نکل جائے تو خاموشی سے اپنے آدمی کو دینا کہ ہمیں کسی بھی مقام پر گولی مار دے۔" جواب میں بگ باس نے کہا تھا۔

"نہیں نادر شاہ! ہمیں بھی اٹھی ہوئی گردنیں پسند ہیں' لیکن اس کے ساتھ عمل کرنے والے ہاتھ اور فیصلہ کرنے والا دماغ بھی' اور یہ دونوں چیزیں تمہار پاس موجود ہیں' اس لئے ہم تمہیں گردن جھکانے والا دوست نہیں' سر اٹھانے و

دوست کہیں گے۔"

نور خیل کے تیمور سردار کے پاس جا کر نادر شاہ کو بہت سے کام کرنے تھے۔ فی الحال وہ اس ٹین کی بس میں بیٹھا ہوا سستے راستے پر سفر کر رہا تھا۔ یہ تو بس تھی جو اپنے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کی جسمانی حفاظت بھی کرتی تھی' ورنہ راستے اس قابل نہیں تھے۔ پھر موسم بھی ذرا سخت تھا۔ سردی پڑ رہی تھی۔ بادل جھکے ہوئے تھے اور نادر شاہ کو بستی بابا شیر علی کی ہواؤں کا احساس ہو رہا تھا۔ ان ہواؤں کی نمی یہ بتاتی تھی کہ آسمان برف سے بوجھل ہے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ برف زمین تک منتقل ہونا شروع ہو جائے گی۔ اندازہ درست ہی نکلا' ہوائیں چل پڑی تھیں اور ڈرائیور نے وائپر کھول دیئے تھے۔ برف کے باریک باریک ذرات آسمان سے زمین کا سفر طے کرنے لگے اور مسافروں نے جلدی جلدی تھوڑے بہت کھلے ہوئے شیشے بھی چڑھا دیئے۔ بس کے دروازے پر کھڑے ہوئے کنڈکٹر نے دروازے کو مضبوطی سے بند کر کے لاک کر دیا۔ ڈرائیور نے بس کی رفتار سست کر دی۔ تجربے کار مسافر ڈرائیور کو ہدایات دینے لگے اور ڈرائیور برف کی دھند میں ڈرائیونگ کرنے لگا برف باری چند ہی لمحوں میں شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی اور مسافر گھبرانے لگے' تب ڈرائیور نے کہا۔

"مجبوری ہے بھائیو' خضر گڑھ میں ہمیں قیام کرنا ہو گا' اس برف باری میں آگے کے راستے بہت خطرناک ہو سکتے ہیں۔" مسافروں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ قدرتی عمل پر بھلا کوئی کیا اعتراض کر سکتا تھا۔ خضر گڑھ زیادہ دور نہیں تھا' سیدھے راستے سے بس کو بستی خضر گڑھ لے جانا تھا' اور یہی سب سے قریب جگہ تھی۔ چنانچہ نہایت احتیاط کے ساتھ چوڑی پگڈنڈی سے بس نیچے اتار لی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ خضر گڑھ کے اڈے پر جا کھڑی ہوئی۔ مقامی لوگ برف باری کا

لطف لے رہے تھے۔ سامنے بنے ہوئے بڑے سے جھونپڑا ہوٹل میں آگ روشن تھی اور ہوٹل کے ملازمین جگہ جگہ یہ آگ روشن کر رہے تھے۔ بس کا ادھر آجانا سب کے لئے باعث دلچسپی تھا۔ ڈرائیور نے انجن بند کر دیا اور لوگ اس برفباری کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ زیادہ تر افراد کو نور خیل ہی جانا تھا۔ نور خیل ایک اچھی خاصی بستی تھی۔ اس کے آس پاس اور بھی چھوٹی چھوٹی بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا زبردست جنگل تھا جو ایک آبادی سے ملحق تھا۔ نادر شاہ کو اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی کہ برف باری کب تک رہتی ہے۔ نور خیل جانے کے لئے کوئی وقت یا دن مقرر نہیں تھا۔ بس اسے وہاں جانا تھا اور ب اطمینان انداز میں اپنے کام کا آغاز کرنا تھا۔ چنانچہ طویل عرصے کے بعد جیل کی زندگ سے چھٹکارا حاصل کرے دنیا کے اس ناپسندیدہ عمل کی طرف رخ کرکے اسے پہلی با اپنی بستی جیسا ماحول ملا تھا۔ یہ اندازہ تو اسے لوگوں کی گفتگو سے ہی ہو گیا تھا کہ بر اب اس وقت تک نور خیل کا رخ نہیں کرے گی جب تک کہ برف باری ک اثرات زائل نہیں ہو جائیں گے۔ پہاڑی آبادیوں میں ایسا ہوتا ہے خصوصاً برف باری کے موسم میں سفر ذرا محتاط انداز میں کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر برف باری غیر متو ہو تو پھر اس طرح کے واقعات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مسافر مطمئن بھی اور غیر مطمئن بھی۔ غیر مطمئن صرف وہ لوگ تھے جنہیں اپنے گھر کی فکر تھی ا ایسے کاموں کی جن کا انجام دینا فوری طور پر ضروری تھا، نادر شاہ ان میں نہیں تھ چنانچہ وہ اپنے بلند و بالا قد و قامت کے ساتھ اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس کندھے پر رکھ بستی گھومنے چل پڑا۔ خضر گڑھ ایک ناہموار بستی تھی اور ہر طرح کی ناہمواریاں یہ بھی نظر آرہی تھیں، لیکن اس مکان کی تعمیر ذرا مختلف تھی اور اسکے سامنے لگا خوبصورت باغیچہ بالکل جدید طرز کا تھا۔ باغیچے میں کھلے ہوئے پھولوں پر برف

ذرات جمتے جارہے تھے اور ڈالیاں وزن سے جھک رہی تھیں۔ نادر شاہ کو یہ پھول بہت حسین محسوس ہوئے اور وہ لکڑی کا پھاٹک عبور کرکے ان پھولوں کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر انہیں دیکھنے لگا۔ نجانے کیوں یہ پھول اسے بہت پسند آرہے تھے۔ اسی وقت بائیں سمت سے ایک آواز ابھری۔

ترسا دیا ہے ابر گریزاں نے اس قدر
برسے جو بوند بھی تو سمندر لگے مجھے

پھٹی پھٹی بھرائی ہوئی مردانہ آواز تھی۔ نادر شاہ کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ اس نے ایک شخص کو دیکھا جو برآمدے میں بچھی چارپائی پر کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ آواز اسی کی تھی، نادر شاہ ایک لمحے تک اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا، نہ اس نے کچھ کہا نہ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے، چنانچہ نادر شاہ خود ہی اس کی جانب بڑھ گیا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچا اس شخص کی آواز ابھری۔

ٹوٹ کر وقت کے ساحل پہ بکھر جاتے ہیں
ایسے رشتے جنہیں زنجیر نہیں ملتی ہے

کمبل میں جنبش ہوئی اور نادر شاہ کو ایک دبلے پتلے شخص کا چہرہ نظر آیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"آہ بھائی، برف کی چادر کیوں اوڑھ رہے ہو، میرے کمبل میں کافی وسعت ہے، ادھر آجاؤ۔" نادر شاہ کو یہ آدمی دلچسپ لگا تھا، چنانچہ نادر شاہ اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے نادر شاہ کو چارپائی پر جگہ دے دی تھی، پھر وہ بولا۔

"اپنے شانوں اور بدن کے ان حصوں سے برف کو جدا کر دو، ورنہ یہ میرا کمبل بھی گیلا کر دے گی۔ پھر میں تمہیں کمبل میں جگہ دوں گا۔"

"اور۔" نادر شاہ نے سوال کیا۔

"اور کیا چاہتے ہو؟"

"قہوہ۔"

"ارے واہ۔ لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ اس وقت اللہ سے کچھ اور بھی مانگ لیا جاتا تو مل جاتا' میرے بھائی پتہ نہیں اگر کچھ اور مانگتے تو ہماری تقدیر میں ہوتا یا نہیں' لیکن قہوہ تمہاری تقدیر میں ضرور ہے۔ ابھی گلاب قہوہ لاتا ہوگا' واہ' ویسے قہوے کا لطف اسی وقت ہے جب وہ کسی کے ساتھ مل کر پیا جائے۔"

"کون ہو تم؟" نادر شاہ نے اپنی فطرت کے مطابق سوال کیا۔

"سیپ کا سوداگر' کیا سمجھے۔ سیپ کا سوداگر' سمجھ رہے ہونا۔"

"نہیں' لیکن نہ سمجھانا چاہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"نہیں میں سمجھانا چاہتا ہوں' پرانی بات ہے ہم کسی کے عشق میں گرفتار ہوئے تھے۔ نام ان کا زمرد جانم' سزائے عمر قید نہیں تھی' بلکہ سزائے عمر تھی۔ یعنی جب تک سانس ہے قیدی رہو۔ عشق ایسی ہی بلا خیز چیز ہے۔ زمرد جانم نے ہم پر ہی تکیہ نہ کیا چونکہ ہم ٹھہرے صرف شاعر' قلاش' ہاں حسن ذوق نے انہیں ہم سے جدا بھی نہ ہونے دیا۔ زندگی کے دوسرے مسائل بھی ساتھ تھے۔ کسی سے رابطہ کیا اور اس نے کفالت کی ذمے داری اٹھالی۔ شہر کی زندگی سے ہٹا کر خضر گڑھ میں یہ گھر بنا کر دیا کہ زمرد جانم کا حسن جہاں سوز کہیں ان کے سرمایہ حیات کو نہ لے اڑے' اور ہم کہ صرف شاعر تھے اور لطافتوں کے سوداگر تھے' زمرد جانم کے عشق میں لپٹے ہوئے یہاں تک آگئے وہ تو شکر تھا کہ والد حضور نان بائی تھے۔ اس کے علاوہ کچھ شاہی کھانے وغیرہ پکانے کے ماہر بھی۔ یہ فن ہمیں بھی سونپ دیا تھا' چنانچہ زمرد جانم کے عشق میں باورچی بن کر یہاں تک پہنچے اور اب یہیں رہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ مست مولا ہیں' روٹیاں توڑتے ہیں شعر کہتے ہیں' زمرد جانم کی مہربانی ہے کہ انہوں

نے باورچی خانے سے ہٹا کر برآمدے میں بٹھا دیا ہے۔ چنانچہ کمبل اوڑھے یہاں بیٹھے رہتے ہیں' جب بھی آمد کی کمی ہوتی ہے' زمرد جانم کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے ہیں اور پھر اشعار موزوں ہوتے رہتے ہیں' لگ رہا ہے بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی آپ کا نام کیا ہے؟"

"صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا دوست' قہوہ ملے گا تو دوستی مکمل ہوگی۔"

نادر شاہ کو بھی اس شخص کی گفتگو میں لطف آنے لگا تھا۔

"کمال ہے' دنیا کتنی خود غرض ہوگئی ہے' وہ دیکھو گلاب آگیا۔ چہرہ تو اس کا گلاب جیسا نہیں ہے' لیکن طلب اگر کہیں سے پوری ہو تو طلب پوری کرنے والا گلاب' گلاب ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"یہ نرم و نازک باتیں تم پر ہی سجتی ہیں' لیکن آنے والے کے ہاتھ میں جو برتن ہیں وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی وہ قہوہ ہی لا رہا ہے۔" گلاب قریب آگیا تو شاعر نے کہا۔

"گلاب! ہمیشہ کہا ہے تم سے کہ موسم کی ہر چیز میں ایک مہمان کی گنجائش رکھا کرو' وہ جو کہا ہے ناکہ "

چاہیے دل کے جھروکوں کو کھلا رہنے دو
عین ممکن ہے کہ آجائے کوئی مہمان عزیز

تو ذرا بھاگ کر قہوے کا ایک دوسرا برتن لے آؤ۔ ہم اس وقت تک اس پیالے میں قہوہ نہ انڈیلیں گے جب تک کہ دوسرا برتن نہیں آجائے گا۔" گلاب خاموشی سے اندر چلا گیا تھا۔ نادر شاہ نے اس دلچسپ آدمی کو دیکھا اور کہا۔

"قہوے کے آجانے سے یہ امید پیدا ہو چلی ہے کہ قہوہ پینے کو مل جائے گا۔ چنانچہ اب تم سے تعارف ہو جائے تو کیا ہرج ہے؟"

"عزیز م!" جتنا تعارف ہوا اتنا کافی ہے' اگر نام پوچھنا چاہو تو ہمیں مرحوم کہہ لیا کرو' بس اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی نام نہیں ہے۔"

"تعجب ہے' میرا نام نادر شاہ ہے۔"

"نادر شاہ درانی ہو' یا زمانہ' حال کے نوادرات میں سے ہو۔"

"کہا نا تم تو کمبل اوڑھ کر خضر گڑھ میں یہ برف باری دیکھ سکتے ہو۔ میں سنگلاخ چٹانوں پر چلنے والا آدمی ہوں' اس لئے نزاکتوں میں نہیں الجھتا۔"

"پہاڑی لگتے ہو۔"

"پہاڑ نہیں ہوں' انسان ہوں۔" نادر شاہ نے جواب دیا۔ گلاب نے قہوے کا برتن لاکر رکھا اور شاعر نے پیالوں میں قہوہ انڈیلا اور ایک پیالہ نادر شاہ کو پیش کیا۔ نادر شاہ نے ابھی پیالہ ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ بائیں سمت سے ایک ہنسی کی آواز ابھری اور پھر وہ ہنسی مجسم ہو گئی۔ ایک ہنستی ہوئی شکل' ایسا شگفتہ چہرہ کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ دھلا دھلا' بڑی بڑی نرگسی آنکھیں ایک ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے جو نادر شاہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ دیکھتی رہیں' نادر شاہ خود بھی قہوہ پینا بھول گیا تھا۔ ایک لمحے تک دونوں طرف خاموشی رہی پھر عقب سے آواز آئی۔

"یاقوت کیوں تنگ کر رہی ہو' افضال! کیا یاقوت تمہاری طرف آئی ہے۔"

اسی سمت سے جدھر سے لڑکی آئی تھی ایک معمر خاتون باہر آگئیں۔ عجیب سا منظر تھا۔ ایک طرف عمر رفتہ' ایک طرف جوانی کی کہانی۔ ماں بیٹیاں ایک ہی شکل کی مالک تھیں۔ نادر شاہ کے ہونٹوں پر پسندیدہ مسکراہٹ پھیل گئی تو عمر رسیدہ خاتون آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نادر شاہ کے پاس آگئیں۔ پھر بولیں۔

"ارے افضال کون ہیں یہ' تمہارے مہمان ہیں؟"

"ہاں ایسا ہی سمجھ لیجئے زمرد جانم' اصل میں برف کے ساتھ آسمان سے ٹپکے

ہیں' میں نے سوچا قہوے سے ذرا پگھلالوں' کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔"

"تم سچ مچ مرحوم ہو چکے ہو' ایسی اچھی شخصیتوں کو باہر کیوں بٹھا رکھا ہے۔"

"بس ایسے ہی۔"

"چلو خیر ہم نے قہوہ پلا دیا' اب باقی خاطر مدارت تم کرلو۔" نادر شاہ ابھی تک اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کا نام یاقوت لے کر پکارا گیا تھا۔ شاعر جسے افضال کے نام سے پکارا گیا تھا بولا۔

"ویسے آدمی بڑے دلچسپ معلوم ہوتے ہیں پہاڑ زادے ہیں۔ تفصیل نہیں بتائی کہ کون ہیں۔"

"تم نے پوچھی ہی کہاں ہوگی۔ کیوں' انہوں نے اپنے بارے میں کچھ بتایا آپ کے بارے میں کچھ پوچھا۔ میں سمجھتی ہوں ایسا نہ ہوا ہوگا کچھ اشعار سنا دیئے ہوں گے بس۔" نادر شاہ ہنسنے لگا تو عورت نے کہا۔

"آیئے اندر آیئے' ہمارے ساتھ کچھ وقت گزاریئے۔ اچھے لگے ہیں آپ۔"

نادر شاہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا' لڑکی کو دیکھنے کے بعد ایک لمحے کے اندر دل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ کچھ وقت یہاں گزار لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ اندر جانے کے لئے اٹھا تو افضال نے کہا۔

"اصل میں دنیا بڑی عجیب جگہ ہے' چاہتے تو تمہیں اپنے لئے تھے' مگر چاہے گئے ہو اس لئے بڑی چاہت کے ساتھ روانہ کر رہے ہیں' اللہ بیلی۔" نادر شاہ مسکراتا ہوا ان دونوں کے ساتھ اندر چلا گیا تھا۔ یاقوت نے کئی بار پلٹ پلٹ کر نادر شاہ کو دیکھا تھا اور اس کے بعد نادر شاہ ایک سجے سجائے خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ اسے بیٹھنے کی پیشکش کی گئی پھر زمرد جانم نے کہا۔

"بات کچھ بھی نہیں' نہ تم سے کچھ لینا ہے نہ دینا ہے اصل میں برف باری

کے مہمان ہماری ایک روایت کے مطابق اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور یہ خضر گڑھ میں پہلی برف باری ہے اور ہم نے پہلی برف باری میں تمہیں دیکھا ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"نادر شاہ۔"

"چلو شجرہ نسب نہ پوچھیں گے، رہتے کہاں ہو؟"

"ان آبادیوں میں اجنبی ہوں.......... لیکن یہاں اپنا مقام بنانا چاہتا ہوں۔"

"گویا تعمیر کی منزل میں ہو۔"

"شاید۔"

"ہمیں یہ نہ معلوم تھا، لیکن بہر حال اپنے بلند و بالا قدوقامت اور اچھی شخصیت.......... کے باعث دلکش لگے ہو، جیتے رہو۔"

"آپ کون ہیں؟"

"بس اگر کچھ درکار ہے تو بتاؤ۔ تفصیلات میں نہ پڑو۔"

نہیں شکریہ، کچھ نہیں چاہیے، غالباً میں نے سچائیاں بیان کیں تو آپ کو پسند نہیں آئیں۔" نادر شاہ نے کہا اور عورت اس کی صورت دیکھ کر رہ گئی۔ کچھ لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"دیکھو برا مانو تو مان جانا ہمیں اعتراض نہیں ہوگا، زندگی میں انسان کو ہم پلہ افراد سے متعلق رہنا چاہیے۔ جو ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں ان سے دلچسپی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک مشکل داستان شامل کرلو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں سیپ کے سوداگر نے مجھے بہت کچھ بتایا۔" نادر شاہ صاف گو آدمی تھا، لیکن عورت کا چہرہ شکن آلود ہوگیا۔ اس نے کسی قدر نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"افضال بے شک اس قابل نہیں رہا ہے کہ اسے یہاں رکھوں، لیکن یاقوت.........." عورت جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔ لڑکی کے چہرے پر کسی قدر ناخوشگواری کے نقوش نظر آئے اس نے کہا۔

"اماں آپ اندر جائیے، اب تھوڑا سا وقت مجھے دے دیجئے۔"

"دیکھو بیٹی۔"

"کچھ نہیں اماں۔ آپ براہ کرم تھوڑا سا وقت دے دیجئے نا مجھے۔"

"ٹھیک ہے۔" زمرد جانم نے کہا اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ لڑکی نے نادر شاہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"قصور ان کا بھی نہیں، ہم ایسے لحات کی پیداوار ہیں جو خوشگوار نہیں ہوتے، بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم نگینے ہیں، جنہیں مخمل کا بکس درکار ہوتا ہے، ہم اسی میں سجتے ہیں۔ ورنہ ماند پڑ جاتے ہیں، مطلب تو سمجھ ہی گئے ہوں گے آپ۔" نادر شاہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ہاں میں نے سمجھ لیا ہے اور سنو یاقوت! میں چلتا ہوں، مخمل کا بکس بن کر اگر تم تک آؤں تو ایک بات ذہن میں رکھنا، تمہیں اسی میں جگمگانا ہوگا، ورنہ اپنی آب و تاب کھو بیٹھوگی۔"

یہ کہہ کر نادر شاہ اپنی جگہ سے اٹھا، یاقوت حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر نادر شاہ وہاں سے سیدھا باہر نکلا چلا گیا تھا۔ نجانے کیوں یاقوت نے اس کے دل پر ایک عجیب سا اثر کیا تھا۔

نایاب کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس نے وحشت بھرے انداز میں ایک زوردار چیخ ماری اور پکارنے لگی۔

"بابا جان! بابا جان پیچھے دیکھئے بابا جان۔ بابا جان پیچھے دیکھئے۔" لیکن سردار تیمور کا اور جہانگیر کا اس سے اتنا فاصلہ تھا کہ اسکی آواز ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ سردار تیمور اپنی بڑی بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جنگل میں نکلا ہوا تھا۔ نایاب بہت اچھا نشانہ لگالیتی تھی اور اس کے پاس رائفل بھی موجود تھی لیکن جو صورت حال اچانک ہی پیش آئی تھی وہ اس کی توقع کے بالکل خلاف تھی۔ سردار تیمور نے اپنے بیٹے جہانگیر کے ساتھ ایک انتہائی کالا تیندوا شکار کیا تھا اور جیسے ہی تیندوا نیچے گرا تھا' باپ بیٹے اس کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ تیندوا مرگیا تھا' سردار تیمور اور جہانگیر دلچسپی سے اس کے پاس پہنچے تھے کہ عقب کے ٹیلے پر ایک اور تیندوا نمودار ہوا' کوئی پندرہ فٹ کا فاصلہ تھا اس ٹیلے کے اور سردار تیمور کے درمیان اور نایاب دیکھ چکی تھی کہ کالا تیندوا سردار تیمور اور جہانگیر پر چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہے اور ان دونوں کو پیچھے سے آنے والی اس موت کا کوئی علم نہیں ہے۔ نایاب ہذیانی انداز میں چیخیں مار

رہی تھی۔ اپنی بساط بھر ساری کوشش کرڈالی تھی اس نے' لیکن ان دونوں تک اس کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ اچانک ہی نایاب کے کان کے قریب ایک دھماکا ہوا اور اسی وقت کالے تیندوے نے سردار تیمور پر چھلانگ لگائی لیکن یہ دھماکا سن کر نایاب ٹیلے پر سے پھسلتی اور لڑھکتی ہوئی نیچے جاگری۔ ٹیلے کی اونچائی کوئی سات آٹھ فٹ تھی اور یہ کوئی ایسی اونچائی نہیں تھی کہ اسے کوئی چوٹ لگتی' ویسے بھی ٹیلہ ہلکی اور نرم برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ نایاب نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹیلے کی بلندی پر کھڑے ہوئے اس انسانی ستون کو دیکھا جس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور سامنے نظر آنے والا تیندوا دوسرے مردہ تیندوے کے قریب جاگرا تھا۔ گولی نے اس کے بھیجے کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ نایاب کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا نہ ہی کافی فاصلے پر کھڑا سردار تیمور اور اس کا بیٹا اس دوسرے تیندوے کی موت اور گولی چلانے والے کے بارے میں کچھ سمجھ سکے تھے۔ نایاب نے ایک لمحے میں خود کو سنبھالا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بے انتہا بہادر لڑکی تھی۔ تب اس نے غور سے اس شخص کو دیکھا۔ لمبے چوڑے جسم و جان کا مالک' کوئی پہاڑی ہی تھا۔ نایاب اس طرح سامنے کے منظر میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے نہ تو اس اجنبی کی آہٹ محسوس کی' نہ اسے اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے دیکھا' لیکن صورت حال اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اجنبی نشانے کا سچا تھا اور اس وقت اس نے صحیح معنوں میں سردار تیمور اور جہانگیر کی جان بچائی تھی۔ اجنبی نے کہا۔

"کالے تیندوے جب برفانی موسم میں شکار کرنے کے لئے نکلتے ہیں تو عموماً اپنے جوڑے کے ساتھ نکلتے ہیں' غالباً" بزرگ شکاری کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مرنے والے تیندوے کا نر یا مادہ اس سے زیادہ فاصلے پر نہ ہوگا اور انتقام لینے کے لئے وہ یقینی طور پر حملہ کرے گا اس کے علاوہ کالے تیندوے بہت شاطر ہوتے ہیں

اور ہمیشہ چالاکی سے حملہ کرتے ہیں' یہ تمہاری رائفل۔" اس نے رائفل نایاب کی جانب اچھلا دی جسے نایاب نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اجنبی لاپروائی سے وہاں سے ہٹا تو نایاب نے اسے آواز دی۔

"سنو بات سنو' میری بات سنو۔" اور اجنبی رک گیا۔

تم نے سردار تیمور اور میرے بھائی کی جان بچائی ہے میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ اجنبی رک گیا پھر اس کا لہجہ بدل گیا۔

"محترمہ میری جگہ آپ بھی ہوتیں تو کسی کی جان بچانے سے گریز نہ کرتیں' تاہم یہ بہت اچھی بات ہے کہ میں نے ایسے لوگوں کے لئے تھوڑا سا کام کیا جو کسی کے احسان کو احسان سمجھتے ہیں' اس شکریہ پر آپ کا شکریہ۔"

"سنو تو سہی بابا جان سے ملو' میں بابا جان کو بتاؤں گی کہ ان کی جان بچانے والا کون ہے۔"

جواب میں اجنبی مسکرا دیا اور بولا۔

"اور اس کے بعد بابا جان مجھے تھوڑے سے کاغذ کے ٹکڑے انعام میں دے کر کہیں گے کہ اجنبی ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ اپنے احسان کا صلہ لو۔"

"بابا جان یہ کیوں کہیں' یہ کیوں نہ کہیں کہ جناب آپ کا نام کیا ہے۔ پہلے یہ پوچھیں گے وہ آپ سے۔" نایاب نے شوخی سے کہا اور اجنبی ہنس پڑا پھر بولا۔

"تو میں انہیں بتادوں گا کہ میرا نام نادر شاہ ہے۔"

"ضرور بتائیے۔ آئیے میرے ساتھ۔"

ادھر سردار تیمور بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا' دوسرا تیندوا واقعی اس کے لئے ناقابل یقین تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جس نے بھی اس تیندوے کو ہلاک کیا ہے وہ باکمال شخصیت کا مالک ہے کیونکہ اتنا عمدہ نشانہ نایاب کا نہیں ہو سکتا۔ نایاب نے تو

بس رائفل ایسے ہی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ گولی چلاتی تھی اور سردار تیمور کو کبھی اس کا نشانہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ صحیح نشانہ لگا بھی نہیں سکتی تھی جبکہ بارہ سالہ جہانگیر اس سے کہیں اچھا نشانہ لگالیا کرتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تیندوا کسی اور نے ہی مارا ہے اور نایاب کے ساتھ اس نے اس دراز قامت نوجوان کو دیکھ لیا تھا۔ دونوں تیندووں کی لاشیں اسی طرح وہاں چھوڑ کر وہ بیٹی کی جانب بڑھنے لگا۔ اس وقت بڑی غلطی ہوگئی تھی۔ ایک شکاری سے ایسی غلطی تصور نہیں کی جاسکتی تھی لیکن ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی۔ تب سردار تیمور اپنی بیٹی نایاب کے پاس پہنچ گیا۔ رائفل نایاب ہی کے ہاتھ میں تھی۔ سردار تیمور نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا دوسرے درندے کا شکار تم نے کیا ہے نایاب۔"

"نہیں بابا جان' یہ اس بہادر آدمی کا کام ہے اور سچ ہے کہ اگر اس وقت یہ نہ ہوتا تو بابا جان آپ غلطی کر بیٹھے تھے۔"

"مجھے احساس ہے اس کا اور اس نوجوان کی جاں نثاری کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں' دوست یقینی طور پر تم نے بروقت اس دوسرے درندے کو نشانہ بنا کر مجھ پر اور میرے بیٹے پر بہت بڑا احسان کیا ہے' احسان کا کوئی صلہ نہیں ادا کیا جاتا۔ سردار تیمور سب سے پہلے تمہیں اپنے ساتھ نور خیل لے جانے کی درخواست کرتا ہے۔ کیا تم ایک دن کے لئے میرا مہمان بننا پسند کرو گے؟"

"اگر یہ ایک محبت بھری دوستانہ پیشکش ہے سردار تو اسے قبول نہ کرنا پہاڑی باشندوں کی روایت کے خلاف ہے' اور میں یقینی طور پر اسے قبول کرتا ہوں' لیکن یہ اگر اس چھوٹے سے کام کی کاوش کا صلہ ہے تو معافی مانگوں گا سردار۔"

"نہیں۔ یہ صرف ایک محبت بھری درخواست ہے۔"

"تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟" نادر شاہ نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سردار تیمور کے ساتھ اس کی جیپ میں جا رہا تھا۔ نایاب سردار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ جہانگیر اس شخص کے ساتھ، سب لوگ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ سردار تیمور نے کہا۔

"پہاڑ کے بیٹے اسلحے کا کھیل بہت شاندار کھیلتے ہیں، جوان کیا تم شکاری ہو؟"

"اور پہاڑے زادے درندوں کے شکاری بھی ہوتے ہیں، کالے تیندوے یا دوسرے پہاڑی جانور ہماری طرح اپنے جوڑے اور غول بنا کر رہتے ہیں، اگر کوئی بھٹک کر ہی کسی طرف آ جائے تو الگ بات ہے لیکن اگر ایک درندہ دیکھا جائے اور اس کا فاصلہ زیادہ نہ ہو تو یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا دوسرا ساتھی نر یا مادہ اس سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔"

"تم تجربے کار شکاری ہو یہ بات میں جانتا ہوں، لیکن بس کالے تیندوے اس قدر نایاب ہوتے ہیں اور مجھے بہت عرصے سے کالے تیندوے کی ایک کھال کی آرزو تھی اور اس آرزو نے مجھے بے اختیار کر دیا۔" سردار تیمور نے جیپ کے عقب میں دونوں تیندوں کو گردن گھما کر دیکھتے ہوئے کہا اور نادر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، ایک مکار مسکراہٹ۔

نور خیل کا بہت بڑا زمیندار سردار تیمور کسی زمانے میں فوج میں بھی رہ چکا تھا، لیکن ایسا زیادہ عرصے نہ ہو سکا، ٹانگ میں گولی لگی تھی اور اس کے بعد آپریشن کرنے کے بعد گولی نکالی گئی اور ٹانگ چھوٹی بڑی ہو گئی جس کی بناء پر اسے ملٹری سے ریٹائر کر دیا گیا تھا، لیکن ملٹری میں داخلہ خاندانی روایت کا ایک حصہ تھا۔ سردار تیمور کی آبائی زمینیں نور خیل کے بہت بڑے علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سادگی سے رہنے کا عادی تھا۔ پہاڑوں میں آبادی سے دور اپنی دنیا آباد کی تھی، جو دس بارہ ملازموں۔ اپنی بیٹی نایاب، بیوی زریاب اور دوسرے چند افراد پر مشتمل تھی۔ بیٹوں میں صرف جہانگیر تھا اور ایک اور بیٹی الماس بھی تھی جو جہانگیر سے دو سال چھوٹی تھی جبکہ نایاب کی عمر اکیس سال ہو چکی تھی اور سردار تیمور جو ان بیٹی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بیٹیاں اپنا منصب پالیں، عزت و آبرو کے ساتھ گھر سے رخصت ہو جائیں تو ماں باپ کی عید ہوتی ہے، ورنہ جب بھی کوئی نظر اٹھتی ہے اس میں تشویش ہوتی ہے اور یہ تشویش سردار تیمور کے ذہن میں بھی تھی۔ اس کا بچپن کا دوست اور ملازم خاص بدر شاہ ہمیشہ اس کے اچھے برے معاملات میں شریک رہا کرتا، اپنے مالک کی عزت وہ

مالک ہی کے طور پر کیا کرتا تھا لیکن سردار تیمور اسے دوست ہی کا درجہ دیتا تھا او اپنے اچھے برے معاملے میں اسے شریک رکھتا تھا۔ ویسے بدر شاہ بہت گہری نگاہ مالک تھا اور شاید اسے سردار تیمور سے زیادہ اچھے برے کی تمیز تھی۔ سردار تیو اسے تقریباً" گھر کے سارے ہی معاملات میں شریک رکھتا تھا۔ نادر شاہ کا ان لوگو کے درمیان آجانا کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں تھی کسی محسن کے ساتھ اچھائی سلوک کرنا ہی پڑتا تھا' جبکہ نادر شاہ تو ویسے بھی ایک بہت ہی اچھا انسان ثابت ہو تھا' اس نے اپنے حالات زندگی بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ساری دنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے' بس تنہائی کا شکار ہو کر پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔ شہری آبادیوں سے اکتا کر ادھر نکل آیا ہے اور زندگی کے پرسکون گوشوں کی تلاش میں ہے۔ تب سردار تیمو نے اسے اپنے ہاں جگہ دے دی تھی اور کہا تھا۔

"نادر شاہ! تمہارے لئے میرے پاس کوئی کام نہیں ہے' جو کام پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے اگر اپنے لئے کسی کام کو بہتر سمجھتے ہو تو اسے اختیار کرلو' تم نے ج احسان مجھ پر کیا ہے اس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا تمہیں اور نہ ہی اس کا کوئی صل ہوتا ہے۔"

نادر شاہ نے قرب وجوار کی آبادیوں سے سردار تیمور کے مفادات کی وصولیا کی ذمے داری سنبھال لی تھی اور نہایت شان کے ساتھ یہ کام سرانجام دے رہا تھ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس نے دوسرے بہت سے کام سنبھال لئے تھے۔ وہ ن صرف ایک اچھا موٹر مکینک تھا بلکہ مویشیوں کا رکھوالا بھی تھا' ٹیوب ویل کی مرمت بھی کرلیا کرتا تھا۔ کھیتوں میں ٹریکٹر بھی چلا لیا کرتا تھا اور یہ کام اس سے کبھی کے نہیں جاتے تھے' اس قدر شدید مشقت کرتا تھا وہ کہ سردار تیمور بھی حیران رہ جاتا تھ اور اسے چھپ چھپ کر دیکھا کرتا تھا۔ یہ قوی ہیکل جوان شکل و صورت سے تو کوئ

اچھا آدمی نہیں لگتا تھا لیکن اس کی سیرت لاجواب تھی اور وہ بے انتہا محنتی انسان تھا۔ دوپہر کی شدید دھوپ میں ایک دن جب وہ ٹریکٹر پر بیٹھا زمین کا سینہ کھود رہا تھا تو سردار تیمور نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔ نادر شاہ نے ٹریکٹر سردار تیمور کے پاس لاکر روک دیا۔

"نیچے اتر آؤ۔" سردار تیمور نے کہا اور اس نے فوراً" تعمیل کی۔

"سلام مالک۔" وہ قریب پہنچ کر بولا۔

"وعلیکم السلام! سلام کرنے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن تم پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو' کسی تعلیم یافتہ انسان کے منہ سے کسی انسان کے لئے مالک کا لفظ سن کر میں حیران ہوا ہوں' میں تمہارا مالک نہیں۔ تمہارا دوست ہوں۔ ساتھی ہوں تمہارا۔"

"اسی لئے آپ سردار ہیں تیمور صاحب' اگر آپ مالک ہوتے تو آپ کو یہ درجہ حاصل نہ ہوتا۔" تیمور نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"چلو ٹھیک ہے تم میری ایک بات مان لو گے۔"

"میں آپ کی ہر بات مان لوں گا۔ صرف حکم دیجئے مجھے۔"

"اتنی محنت نہ کیا کرو کہ مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔"

"لوگ کہتے ہیں محنت کا ایک مقام ہوتا ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے جیسے کسی انسان کو یہ مقام کیسے حاصل ہوتا ہے۔" نادر شاہ نے کہا اور سردار تیمور چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن سے بہت سے اجنبی خیالات گزر گئے تھے۔ پھر اس نے بے خیالی کے سے انداز میں کہا۔

"نہیں۔ بزرگ یہی کہتے آئے ہیں اور سب کہتے ہیں اور جو بات سب کہتے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہوتی۔ یقیناً" محنت کا ایک مقام ہوتا ہے۔ جاؤ محنت کرو۔" سردار

تیمور نے کہا اور نادر شاہ پر ادب انداز میں گردن جھکا کر ٹریکٹر پر جا بیٹھا۔

اسی رات سردار تیمور نے اپنی بیوی سے کہا۔ "اگر ہم اپنی نایاب کی شادی نادر شاہ سے کر دیں تو کیسا رہے۔" بیوی نے چونک کر تیمور کو دیکھا اور بولی۔ "نادر شاہ......... ہمارا ملازم........."

"دل چاہے تو یہ کہہ لو......... تم جانتی ہو میں نے اپنے ساتھ کام کرنے والے کسی بھی شخص کو ملازم' یا خود سے کمتر نہیں سمجھا۔"

"لیکن وہ۔"

"اسے بہت کچھ دے کر ہم اس کی حیثیت بدل دیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے حد محنتی اور عزت کرنے والا ہے۔ میرے خیال میں وہ ہماری نایاب کو خوش رکھے گا۔"

"نایاب اسے پسند کرے گی۔"

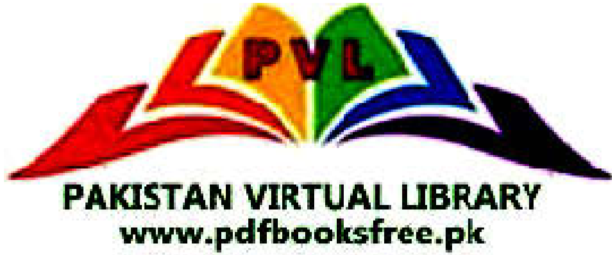
"پہاڑی پھول' سادہ لوح اور پاکیزہ ہے۔"

"اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں۔"

"نہیں۔" تیمور نے پتھریلی آواز میں کہا اور خورشید خاموش ہو گئی لیکن نہ تیمور اور نہ خورشید کو یہ پتہ چل سکا کہ معمول کے مطابق نادر شاہ چھپ کر یہ بات سن رہا ہے۔

عظیم الشان حویلی کے ایک سنسان گوشے میں اس نے موبائل فون پر ایک نمبر ڈائل کیا اور لائن مل جانے پر کہا۔

"میں نے کامیابی کا پہلا مقام حاصل کر لیا ہے بگ باس۔"



"بگ باس نے کچھ لمحے تک تو خاموشی اختیار کی پھر کہا۔ "میں کہانیاں نہیں سنتا نادر شاہ......... بہتر یہ ہے کہ کہ مجھے تفصیل بتاؤ۔"

"خوشی کا موقع ہے بگ باس......... ورنہ تمہارے اس لہجے پر میں خود بھی تلخ لہجے میں بات کرتا یا پھر موبائل بند کر دیتا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں دوستی پسند کرتا ہوں غلامی نہیں۔" اور نادر شاہ کے ان الفاظ پر بگ باس کا لہجہ بدل گیا۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"انسان کسی بھی مقام پر ہو کچھ کمزوریاں اس کے اندر باقی رہتی ہیں نادر شاہ .... میں اپنے ساتھیوں سے اس لہجے اور انداز میں بات کرنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ اگر کبھی میرے لہجے میں کسی سختی کا احساس ہو تو اسے دوستی کے رجسٹر میں درج کر لینا اور برا نہ ماننا۔ تم خود بھی کسی موقعے پر اپنا لہجہ تلخ کر سکتے ہو۔" اور ان الفاظ نے نادر شاہ کا مزاج معتدل کر دیا۔ اس نے کہا۔

"اصل میں تم نے مجھ سے کہا تھا بگ باس......... کہ سردار تیمور کے گھر میں اپنے لئے کوئی جگہ حاصل کر لوں یہ جگہ میں نے سردار تیمور کے دل میں حاصل کر لی

ہے اور دل میں حاصل کی ہوئی جگہوں میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔" بگ باس کا طریقہ کار یہی تھا کہ بات کو سوچتا سمجھتا........ پھر بولتا۔ تو اس وقت بھی اس نے توقف ہی کیا تھا اور بات کو پوری طرح سمجھنے کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں........ لیکن دل کے دروازوں سے اندر داخل ہونے کے لئے دل کے راستے ہی اپنائے جاتے ہیں۔ کسی دوسرے کے دل پر بے شک قبضہ کرلو لیکن جہاں مفادات سامنے ہوں' وہاں راستہ اپنے دل سے گزر کر نہیں بننا چاہیے۔ اپنے دل کو ہمیشہ محفوظ رکھو۔ میرا مطلب تو سمجھ رہے ہوگے۔ تم نے وہاں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کہیں اپنے دل میں سردار تیمور کے لئے کوئی جگہ تو نہیں بنائی۔"

جواب میں نادر شاہ نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"نہیں بگ باس........ زمانہ قدیم میں بستی بابا شیر علی کا ایک لڑکا دل کا کھیل بھی کھیلتا تھا لیکن پھر وقت نے یہ کھیل ختم کر دیا اور نادر شاہ دل کا کھلاڑی نہ رہا۔ اس نے سینے سے دل نکال کر باہر پھینک دیا اور اس کی جگہ چٹانوں میں پڑا ہوا پتھر کا ایک ٹکڑا رکھ لیا اور اب اس ٹکڑے پر ہلکے نقش بنتے ہیں تو نادر شاہ نقوش کو مٹا دیتا ہے۔"

"ہوا کیا ہے........ تفصیل نہیں بتاؤ گے۔"

"میں نے سردار تیمور کے دل میں ایک مقام بنالیا ہے اور اب سردار تیمور اپنی بیٹی نایاب کی شادی مجھ سے کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ سردار تیمور کی سب سے بڑی بیٹی کا نام نایاب ہے۔ اس سے چھوٹا ایک لڑکا ہے جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک اور چھوٹی بیٹی ہے۔ باقی سب ملازمین ہیں۔ گویا یوں سمجھ لو بگ باس کہ میری ٹکر پر کوئی نہیں ہے۔"

"تم واقعی وہی ہو جو میں نے سوچا تھا اور میں نے کسی کو کسی کام کی داد دینے

ں بخل سے کام نہیں لیتا۔ بے شک یہ اتنا ہی بڑا کام کیا ہے کہ تمہیں اس کی داد ملنی پاہیے۔ میں نے تمہیں صرف وہاں اپنے پاؤں جمانے کے لئے کہا تھا لیکن لگتا ہے تم نے ان علاقوں سے سردار تیمور کے پاؤں ہی اکھاڑ دیئے ہیں۔ ویری گڈ نادر ناہ........ ویری گڈ۔"

"لیکن مجھے ایک بات کا شکوہ ہے تم سے بگ باس۔"

"کہہ دو۔"

"تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سردار تیمور سے تم کیا چاہتے ہو؟"

"سنو........ تحفے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ پتھر کے ٹکڑوں سے لے کر یروں اور پلاٹینیم تک........ میں تمہیں تمہاری شادی کے بعد اس انکشاف کا تحفہ وں گا کہ سردار تیمور تک رسائی حاصل کرنے کے لئے میں نے تمہیں کیوں مجبور کیا ھا۔ مناسب اوقات میں مجھے حالات سے آگاہ کرتے رہو۔"

"بگ باس تم بہت چالاک ہو' چلو ٹھیک ہے........ اسی وقت صحیح........ میں جانتا ہوں کہ یہ تمام کاوشیں بے مقصد نہیں ہوں گی۔"

"کامیابی کی مبارکباد میرے دوست........ ان تمام ہدایتوں کے ساتھ جو میں نے تمہیں دی ہیں۔" اور اس کے بعد بگ باس اور نادر شاہ کے درمیان گفتگو کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔

سردار تیمور بہت معتدل انسان تھا۔ فوج کی زندگی نے اسے بااصول بنایا تھا اور انہی اصولوں کے ساتھ اس نے زندگی کا یہ سفر بڑے پرسکون انداز میں طے کیا تھا۔ انسانی ہمدردی انسانوں سے محبت........ وطن پرستی' یہ ساری چیزیں ضمیر کا حصہ تھیں۔ نایاب سب سے بڑی بیٹی تھی۔ بیوی کے بعد بیٹی کا وجود سامنے آیا تھا۔ تمام تر محبتیں اس کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اپنی پہنچ سے بڑھ کر تمام مشکلات مول لیتے ہوئے نایاب کو تعلیم دلائی تھی۔ بدر شاہ بچپن کا ساتھی تھا۔ ایک تجربے کار اور مشفق ملازم اور سب سے بڑھ کر ایک وفادار دوست........ ہر مسئلے کا ساتھی' حقیقت یہ تھی کہ نایاب کی پرورش صحیح معنوں میں بدر شاہ ہی نے کی تھی۔ بڑے اصولوں کا مالک تھا۔ بے شک اپنی اوقات کو مدنگاہ رکھتا تھا لیکن کبھی کبھی ایسے مشورے بھی دے دیا کرتا تھا جن پر خود تیمور کو حیرت ہوتی تھی۔ بہرحال........ تیمور نے بدر شاہ سے اس موضوع پر بات کی۔

"دیکھو بدر شاہ........ پہاڑوں کی اپنی ایک روایتیں ہوتی ہیں۔ ابھی تک نایاب کے لئے ایسا کوئی رشتہ نہیں آیا جس پر ہم غور کرتے بلکہ تمہارے علم میں کیا

نہیں ہے کوئی رشتہ ہی نہیں آیا اس کے لئے........ اور بہرحال یہ بات باعث تشویش ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نایاب کسی شکل و صورت میں یا حیثیت میں کم ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ ہمارا محدود ہونا ہے۔ ہمارے تعلقات بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جوان بیٹیوں کے باپوں کو تشویش تو ہوتی ہے اس وقت جب بیٹیاں شادی کے قابل ہو جائیں اور انہیں کوئی مناسب رشتہ نہ ملے۔ میں یہ سمجھتا ہوں بدر شاہ کہ اس سلسلے میں چاروں طرف نگاہ رکھنی چاہیے اور اگر کوئی بہتر بات ذہن میں آئے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"

"سردار نے کچھ سوچا ہے۔" بدر شاہ نے پوچھا۔

"ہاں........ یہ لڑکا........ لڑکا تو نہیں کہنا چاہیے اسے۔ میری مراد نادر شاہ سے ہے۔ یہ شخص بڑی اعلیٰ اقدار کا مالک نظر آتا ہے اور تم جانتے ہو کہ اگر انسان بااصول ہو' محنتی ہو تو اس پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔"

بدر شاہ کی آنکھوں میں بے چینی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس کے چہرے کی بے چینی دیکھ کر سردار تیمور نے کہا۔

"نہیں بدر شاہ جو کچھ تمہارے ذہن میں ہے اسے کہنے سے گریز نہ کرنا۔"

"میں گریز نہیں کر رہا سردار........ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ انسانی حسیات کو اگر آپ کوئی حیثیت دیتے ہیں تو میں اپنی انہی حسوں کو سامنے رکھ کر یہ کہتا ہوں کہ یہ اچھا آدمی نہیں ہے اور پھر آپ یہ دیکھو کہ نایاب اور اس کی عمر میں کتنا فرق ہے۔" سردار تیمور کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا۔ سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بدر شاہ........ میرا ذہن خراب مت کرو۔ بہت سوچا ہے میں نے اس بارے میں........ میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارا تجربہ مجھ سے کم ہے لیکن کبھی کبھی انسان

کی سوچ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے بہت غور کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے۔ تم نہیں جانتے بدر شاہ کہ بیٹیوں کو عزت کے ساتھ گھر پہنچانے کی ذمہ داری تو باپ ہی کی ہوتی ہے۔ ماں تو اس وقت صرف ایک شریک کار ہوتی ہے۔ بدر شاہ بہت سوچا ہے میں نے نایاب کے بارے میں۔ اتنی عمر ہے اس کی کہ اب اسے اپنے گھر کا ہو جانا چاہیے۔ جہاں تک تم نے عمر کے فرق کی بات کی ہے تو شاید تمہیں میری بات سے اتفاق نہ ہو۔ یہ سوچ ہمیشہ سے میرے ذہن میں ہے کہ ایک تجربے کار شوہر ایک اچھا گھر بنا سکتا ہے۔ بشرطیکہ شریف النفس ہو۔ اس شخص کے چہرے اور حلئیے کے بارے میں' میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن بدر شاہ مرد کے بارے میں آج بھی وہی تصور ہے کہ باہمت ہو۔ تن درست ہو اور اپنی بیوی کو حفاظت کے ساتھ رکھ سکتا ہو۔ اس کے ضروری حقوق پورے کر سکتا ہو اور بس.......... شاید میں زمانہ قدیم ہی کا انسان ہوں۔"

"سردار.......... یقینی طور پر مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ میں کبھی اس بات سے انکار نہیں کروں گا کیونکہ سردار کی معلومات لامحدود ہیں جبکہ میرا علم صرف اسی حویلی تک ہے۔"

"میرے ذہن پر یہ بات نقش ہوگئی ہے کہ نادر شاہ کی شکل میں ایک اچھا انسان ہمیں مل گیا ہے۔ میں تمہاری مدد چاہتا ہوں بدر شاہ۔"

"بدر شاہ ہمیشہ کی طرح دل و جان سے حاضر ہے سردار.......... میری ذمہ داریاں جو ہیں وہ میں ہر قیمت پر پوری کروں گا۔" یہ حقیقت تھی کہ بدر شاہ کو سردار تیمور نے ہمیشہ اپنے دوست کا مقام دیا تھا اور اس کی بات کو ہر حال میں اہمیت دیتا تھا لیکن بہرحال اپنی ذمہ داریاں وہ اس انداز میں سمجھتا تھا کہ بدر شاہ کی کوئی بیٹی نہیں تھی' پھر نایاب کی بات آئی۔ نایاب نے بے شک انہی پہاڑوں میں رہ کر زندگی گزاری

تھی لیکن وہ باہر کی دنیا سے بھی اجنبی نہیں تھی اور اس کی وجہ کتابیں تھیں انتہائی خوش ذوق اور نفیس طبیعت کی مالک تھی وہ.......... اس کی بہترین مونس کتابیں ہی تھیں۔ علم و ادب سے گہرا لگاؤ رکھنے والی نایاب کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس کی زندگی کے لئے نادر شاہ کا انتخاب کیا گیا ہے تو وہ حیران رہ گئی بہت سوچا اس نے..........

بہت غور کیا۔ کتابی علم نے اس کا ساتھ دیا۔ ہزاروں جگہ وہ پڑھ چکی تھی کہ ماں باپ کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ زمانہ کتنا ہی آگے بڑھ جائے۔ جو لوگ ماں باپ کے فیصلوں سے اتفاق کرتے ہیں' وہ بہتر زندگی گزارتے ہیں۔ شوہر کے لئے کبھی اس نے شہزادوں کے خواب نہیں دیکھے تھے حقیقت کی دنیا سے تعلق رکھتی تھی وہ.......... درختوں پر زندگی کی حسین فضاؤں لیں محبتوں کا سبق پڑھنے والے پرندے اس کی نگاہوں سے بھی گزرے تھے۔ رتوں نے اس کے دل میں بھی گدگداہٹیں پیدا کی تھیں لیکن ان گدگداہٹوں میں کوئی ناپاک تصور کبھی نہیں ابھرا تھا اپنے مستقبل کے بارے میں بھی اس نے بارہا سوچا تھا لیکن سارے کے سارے راستے ماں باپ ہی کی سمت جاتے تھے۔ یہ تو خوش بختی ہے کہ انسان کے لئے سوچنے والے ہوں اور جب سوچنے والے ہوں تو اپنے ذہن پر بوجھ کیوں ڈالا جائے لیکن جب خورشید نے اس سے کہا۔

"نایاب.......... فیصلہ کرنے کا حق تو تمہارے بابا جان کو ہے لیکن پھر بھی میں تم سے یہ بات پوچھتی ہوں کہ اگر تمہاری شادی نادر شاہ سے کر دی جائے تو تمہیں کوئی اعتراض ہوگا۔" نایاب نے خاموشی اختیار کئے رکھی تو ماں نے پھر کہا۔

"نایاب.......... خدا کے لئے مجھے اپنے دل کا حال تو بتاؤ۔" نایاب نے نگاہیں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"بابا جان سے میں کسی اختلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ لوگ جو بھی بہتر سمجھیں کریں میری تقدیر میں جو بھی لکھا ہے میں اس پر گردن جھکاتی ہوں۔ بابا جان سے میں اختلاف کر کے ان کی محبتوں کو نہیں کھونا چاہتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہی ہوگا جو بابا جان چاہتے ہیں۔"

خورشید کی تجربہ کار نگاہوں نے ایک لمحے کے اندر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ نایاب کی آنکھوں میں وہ روشنی نہیں چمکی ہے جو ایسے موقعوں پر نوجوان لڑکیوں کی آنکھوں میں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی۔ سردار تیمور ایک نرم خو اور نفیس طبیعت کا انسان تھا لیکن اس کے فیصلے بہرحال آخری ہوا کرتے تھے اور نایاب جانتی تھی کہ ان فیصلوں میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں نوری نے یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد کہ نایاب کو نادر شاہ سے منسوب کیا جارہا ہے' نایاب سے کہا۔

"چھوٹی سرکار........ کیا آپ کو یہ رشتہ پسند ہے۔" نوری بھی نایاب کے ساتھ بچپن ہی سے منسلک تھی۔ ایک ایسے شخص کی بیٹی جسے ایک جنگلی درندے نے ہلاک کر دیا تھا۔ بن ماں کی بچی تھی سردار تیمور کے علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ تیمور اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اس کے بعد نوری اور نایاب ساتھ ساتھ ہی پروان چڑھیں اور نوری نایاب سے اس طرح منسلک ہوگئی کہ زندگی کا ہر اچھا برا ایک دوسرے کو بتا دیا گیا تھا۔ نایاب نے نوری کو دیکھا لیکن کتابی علم نے ساتھ دیا۔ زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہوتی ہے چاہے کتنے ہی قریبی شخص سے کیوں نہ کی جائے۔ کون جانے کب کوئی نادانستگی میں دکھ کا باعث بن جائے' تو وہ بولی۔

"نوری بابا جان کا فیصلہ ہے اور میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی کہ بابا جان کے کسی فیصلے سے انحراف کروں۔" نوری خاموش ہوگئی تھی۔

سردار تیمور نے نور خیل اور بستی خضر گڑھ کے درمیان علاقے میں جہاں داہنی سمت جنگلوں کا وسیع و عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور بائیں سمت سردار تیمور کی خوبصورت زمینیں تھیں' ایک تھوڑا سا قطعہ جہیز میں نادر شاہ کو دیا اور وہیں ایک خوبصورت مکان بھی بنوا دیا تاکہ نادر شاہ اپنے طور پر زمین کے اس قطعے پر کھیتی باڑی کرے۔ اور اس کا نام زمینداروں میں شامل ہو جائے۔ شکل کے لحاظ سے نادر شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں لگتا تھا حالانکہ اس کا ماضی بڑا ہی عجیب تھا اور بہت کم لوگ بابا شیر علی کے نادر شاہ کو جانتے تھے کیونکہ بستی بابا شیر علی روئے زمین سے مٹ چکی تھی۔ بہرحال نادر شاہ نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے لئے ایک مقام حاصل کرلیا سردا تیمور نے نایاب کی شادی اس سے کرکے دونوں کو ان کے گھر منتقل کر دیا۔ نور بھی ایک طرح سے جہیز میں ہی ملی تھی۔ اس کے علاوہ چند ملازم جو عارضی طور پر نادر شاہ کو دے دیئے گئے تھے۔ نادر شاہ نے کچھ اس طرح سردار تیمور کے ذہن پر قبضہ کیا کہ اس نے نادر شاہ پر مکمل بھروسہ کرلیا اور شاید بگ باس نامی شخص نے جس کے تجربے کی وسعتوں کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ نادر شاہ کے اندر چھپے ہوئے مجرم کو

دیکھ لیا تھا۔ ذہانت سے جو اپنا ہر کام کر سکتا تھا چنانچہ شادی کے تقریباً" ایک مہینے کے بعد بگ باس نے نادر شاہ سے رابطہ قائم کیا اور نادر شاہ نے موبائل پر اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بگ باس میں جانتا ہوں کہ تم ایک لمحے بھی میری طرف سے غافل نہ ہوئے ہوگے میں نے سوچا کہ ذرا پہلے اپنے اطراف کو مضبوط کرلوں اس کے بعد تمہیں یہ خوشخبری سناؤں۔" تو بگ باس نے اس کے جواب میں کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے نادر شاہ کہ میں تم پر نگاہ نہیں رکھتا ایک بار کسی پر نگاہ ڈال لیتا ہوں اور یہ فیصلہ کرلیتا ہوں کہ کوئی میرے لئے کس طرح کارآمد اور کس حد تک ناکارہ ہے۔ اس کے بعد میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں......... اگر اسے اپنے لئے کارآمد شخصیت سمجھ لوں۔"

"تب پھر میں کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک کامیاب سربراہ ہو اپنے گروہ کے۔"

"سردار تیمور نے تمہیں سرداری دے دی تمہارا باغ بے حد خوبصورت ہے اور اسکے آس پاس کی زمینیں بھی لیکن ان زمینوں پر کاشت کرکے یا اس باغ کی آمدنی سے تم اس علاقے کے سب سے بڑے سردار نہیں بن سکتے۔ میں چاہتا ہوں نادر شاہ کہ لوگ تمہیں اس علاقے کا سب سے بڑا سردار سمجھیں اور کہیں .... بلکہ تم اس علاقے کے سب سے بڑے سردار بنو اور اس کے لئے تمہیں اس چھوٹے زمین کے قطعے پر بالکل بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی معمولی سی آمدنی تمہارے ملازموں کی تنخواہوں تک کے لئے پوری نہیں ہوسکتی۔"

"آگے کہو.......... آگے کہو بگ باس۔"

"آگے یہ ہے کہ تمہیں ان علاقوں پر قبضہ کرنا ہے۔ اب میرے نئے منصوبوں کے بارے میں سنو' انہی پہاڑوں میں تمہیں کم از کم اپنے دو یا تین ٹھکانے

بنانے چاہئیں۔ ان ٹھکانوں پر تمہارے اپنے آدمیوں کی مناسب تعداد ہونی چاہیے۔ ان لوگوں کا انتخاب میں کروں گا جو تمہارے خاص آدمی ہوں گے۔ تمہیں ٹنڈا بابا ضرور یاد ہوگا۔ ٹنڈا بابا کے بارے میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں میں کہ وہ ہمارا سلیکٹر ہے اور وہی کام کے آدمیوں کا سلیکشن کرکے ہمارے پاس بھیجتا ہے۔ ٹنڈا بابا کے پاس اس وقت ایک بہت بڑی کھیپ ہے جس میں مختلف قسم کے لوگ موجود ہیں۔ میں ایک شخص کو تمہارے پاس سب سے پہلے بھیج رہا ہوں۔ اس کا نام شرجیل ہے۔ شرجیل خان تمہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے گا۔ وہ تمہیں بتائے گا کہ وہ کونسی جگہیں ہیں جن میں تمہیں اپنے ٹھکانے بنانے ہیں۔ ہم اسے مکمل طور پر تربیت دے کر تمہارے پاس بھیجیں گے۔ شرجیل ہی تمہارے لئے نئے ملازموں کا بندوبست کرے گا لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ وہ صرف تمہارا خادم ہوگا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں ان علاقوں میں اپنا اقتدار قائم کرنا ہے۔ وہ نور خیل ہو یا خضر گڑھ یا اسکے پاس کی کوئی بھی جگہ تمہیں یہاں ایک ممتاز سردار کی حیثیت حاصل کرنی ہے اور اس کے لئے کسی تربیت کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے اندر ایک سردار موجود ہے جو تیمور جیسے زیرک انسان کو پچھاڑ سکتا ہے۔" بگ باس کی بات پر نادر شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے بگ باس شرجیل کو میرے پاس آنے دو باقی باتیں اس کے بعد ہوں گی۔ بگ باس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔"

نایاب کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تھا۔ اپنا گھر کیا چیز ہوتی ہے اس کے لئے نجانے کیسے کیسے تاثرات ہوتے ہیں۔ نجانے کیا کیا خواہش ہوتی ہیں۔ نایاب نے بھی اس بارے میں بہت کچھ سوچا تھا کیونکہ علیت رکھتی تھی۔ نوخیزیت کی عمر سے نکل چکی تھی اور شادی ہونے کے بعد تو خود بخود ذہن میں ایک عجیب سی پختگی آجاتی ہے۔ وہ ہر احساس سے گزر رہی تھی۔ پہلے بھی اس نے بہت بار اس بارے میں سوچا تھا کہ لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کیسی عجیب و غریب صفات سے نوازتا ہے ایک گھر کے آنگن میں زندگی کا ہر سانس گزارنے کے بعد وہ آنگن بدل جاتا ہے اور اب بدلے ہوئے آنگن میں زندگی کیسی خوشگوار گزر جاتی ہے۔ یہ سب قدرت کا عمل ہے۔ قدرت اگر لڑکیوں کے دلوں میں صبر کا جذبہ نہ رکھے تو کوئی گھر نہ بسے۔ یہ ساری چیزیں اس کے ذہن میں آتی تھیں۔ نوری اس کی بچپن کی ساتھی تھی۔ ہمیشہ ہی اس کے اور نایاب کے درمیان مالک اور ملازم کا ایک انداز رہا لیکن اس کے باوجود نایاب اپنی فطرت سے ذرا مختلف قسم کی لڑکی تھی۔ سردار تیمور ہر چیز کی ایک حد چاہتے تھے اور انہوں نے ایک دو بار نایاب کو سمجھایا بھی تھا کہ یہ حد بڑی ضروری

ہوتی ہے ورنہ بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نایاب نے باپ کی ان باتوں کو ذہن نشین بھی کیا تھا اور تجزیہ بھی کیا تھا۔ سردار تیمور سچ ہی کہتے تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کبھی کبھی پاسبان عقل سے اجازت لے کر دل کو تنہا بھی چھوڑنا پڑ جاتا تھا اور نوری کو قریب لے آیا جاتا تھا۔ نایاب نے محسوس کیا تھا کہ ان لمحات میں نوری ایک اچھی ساتھی ثابت ہوتی ہے۔ اِس وقت بھی نوری اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نایاب سامنے رکھے پنجرے میں بند خوبصورت پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔ نوری خاموشی سے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی نایاب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔

"نوری کیا سوچ رہی ہے۔"

"کچھ نہیں چھوٹی سرکار بس ایسے ہی۔ آپ بھی ان چڑیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ میری نگاہیں بھی ان کی جانب اٹھ گئیں۔ سوچ رہی تھی چھوٹی سرکار کہ ان پرندوں کی زندگی کتنی مختصر لیکن کتنی آزاد ہوتی ہے۔ اپنی مرضی سے فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں بے شک تھوڑا سا جیتے ہیں ان کی جدوجہد کا ایک ہی محور ہوتا ہے۔ پیٹ بھرنا خوراک تلاش کرنا۔ چھوٹی سرکار یہ سکون سے اپنا مقصد تلاش کرتے ہیں اور چند روز جی کر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ کیا زیادہ جینے سے اچھا نہیں ہے کہ تھوڑا سا جیا جائے اپنی پسند اپنی خوشی سے۔" نایاب مسکرا دی پھر بولی۔

"اب کے جب بابا جانی کے ہاں جاؤں گی نا تو ان سے کہوں گی کہ میری نوری کے لئے کوئی اچھا سا نورا تلاش کریں۔" نایاب کے ان الفاظ پر نوری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ پیدا ہوئی اس نے کہا۔

"چھوٹی سرکار جو کہوں گی اسے سچ مان لیں گی۔"

"میں جانتی ہوں تو ہمیشہ سچ کہتی ہے۔" نایاب نے بڑے خلوص سے کہا۔

"آپ کی قربت سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے میرے لئے۔ اگر مجھ سے دوستی رکھنا چاہتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر میرے اوپر احسان ہی کرنا چاہتی ہیں تو صرف اتنا احسان کریں کہ مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔"

"نوری ہر انسان کو اپنی زندگی میں کچھ خوشیاں درکار ہوتی ہیں تجھے نہیں ہیں کیا؟"

"اپنی خوشی ہی کی بات کر رہی ہوں چھوٹی سرکار۔"

"تعجب ہے حالانکہ تیری عمر ایسی ہے کہ تو' چل خیر عجیب سا کہا ہے تو نے' ویسے میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ خود شاہ جی سے بھی اس بارے میں بات کروں۔" نوری نے نایاب کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"ایک بات پوچھوں چھوٹی سرکار برا تو نہیں مانیں گی۔"

"نہیں مانوں گی پوچھ۔"

"چھوٹی سرکار آپ خوش ہیں۔" نوری کے اس سوال پر نایاب چونک پڑی تعجب بھری نگاہوں سے نوری کو دیکھا پھر بولی۔

"تیرا کیا خیال ہے؟"

"آپ خوش نہیں ہیں......... چھوٹی سرکار۔"

"نوری کیا کہہ رہی ہے تو۔"

"چھوٹی سرکار کبھی بھی میں نے' اپنے آپ کو آپ سے آگے رکھ کر نہیں سوچا۔ آپ نے دن کو دن کہا مان لیا' رات کو رات کہا مان لیا۔غور بھی نہیں کیا کہ یہ دن ہے یا رات لیکن چھوٹی سرکار اس معاملے میں آپ کی بات مانوں گی نہیں۔ میرا تجربہ زیادہ نہیں ہے لیکن دل کی خوشی چہرے پر جو رنگ لاتی ہے چھوٹی سرکار وہ رنگ ابھی تک میں نے آپ کے چہرے پر نہیں دیکھا۔" نایاب پریشان نگاہوں سے

نوری کو دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"نوری......... وہ احساس جسے میں خود الفاظ نہیں دے سکی تھی تو نے لفظوں میں ڈھال کر میرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ سچ بتا کیا میں خوش نہیں ہوں۔"

"اور اب آپ ہی کیوں نہ بتادیں۔" نایاب کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"نوری میرا خیال ہے تو ٹھیک ہی کہتی ہے شاہ جی برے انسان نہیں ہیں لیکن نجانے کیوں میرا دل ان سے نہیں لگتا۔ جس حیثیت کے بھی تھے بابا جانی کے پاس رہتے تھے۔ غور بھی نہیں کیا تھا میں نے کبھی ان کی شخصیت پر۔ کبھی سوچا ہی نہیں تھا ان کے بارے میں لیکن بس مجھے عجیب سا لگا ہے نوری......... یوں لگا ہے جیسے مجھے اٹھا کر کسی ایسی جگہ رکھ دیا گیا ہے جو میرے لئے نامانوس ہے۔ اجنبی ہے نوری تجربہ تو میرا بھی نہیں ہے مگر کتابوں میں پڑھا ہے کہ دل سے دل کے راستے منسلک ہوتے ہیں اور صرف میں ہی نہیں شاہ جی بھی کچھ اڑی اڑی سی طبیعت رکھتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کچھ اور سوچ رہے ہوں اور اچانک میں یاد آؤں تو میرا دل رکھنے کے لئے مسکرا دیں۔ کچھ کہہ دیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ ان کی آنکھیں نہیں کہتیں' صرف زبان کہتی ہے سمجھ رہی ہے نا میری بات۔" نوری نے گردن ہلائی اسی وقت نادر شاہ نے اندر قدم رکھا تو نوری جلدی سے کھڑی ہوگئی اور سر جھکا کر باہر نکل گئی۔ نادر شاہ مسکراتا ہوا اندر آگیا تھا اس نے کہا۔

"کیا ہو رہا ہے نایاب......... کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ شاید تم یہاں آکر خوش نہیں ہو۔"

"نہیں......... شاہ جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہارے لئے کچھ اور پرندوں کا بندوبست کروں۔"

"نہیں شاہ جی......... یہ پرندے تو آزاد فضاؤں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"بس ایسے ہی میرا اندازہ تھا۔ اگر بابا جانی کے پاس جانا چاہو تو انتظام کردوں۔"

"جیسا آپ پسند کریں شاہ جی۔"

"میں تمہارے لئے انتظام کئے دیتا ہوں۔ ویسے میں نے ایک نئی گاڑی منگوائی ہے۔ پجارو کہلاتی ہے پہاڑوں میں اس سے سفر آسان ہو جاتا ہے۔ جیپ کے مقابلے میں وہ کشادہ ہوتی ہے اور آرام دہ بھی۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے وہ تمہارے لئے منگوائی ہے۔"

"شاہ جی.......... اتنے احسانات کر رہے ہیں مجھ پر کہ میں سوچتی ہوں کہ ان کا کیا صلہ دوں گی۔" جواب میں نادر شاہ کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ آگئی۔

"ہمارے ان احسانات کا صلہ تو ہمیں مل گیا ہے۔ نایاب.........." انداز بے خیالی کا تھا۔ نایاب کی سوالیہ نگاہیں دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب ہے تمہاری شکل میں۔"

"شاہ جی مہربانی ہے۔" نایاب نے گردن جھکا کر کہا۔ حالانکہ جھکی ہوئی گردن میں اگر چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا جاتا تو اس وقت بھی وہی تاثر حاوی تھا کہ جو جملے نادر شاہ نے اس وقت اپنے منہ سے ادا کئے تھے ان کا اس کے دل سے کوئی تعلق نہیں تھا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ نادر شاہ نے جو کچھ کہا تھا اس کا پس منظر کچھ اور ہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سردار تیمور کی مدد کے بغیر اسے اپنی کاوشوں کا صلہ نہیں مل سکتا تھا۔ بگ باس نے بلاشک و شبہ بہترین اسکیم پیش کی تھی۔ ویسے بگ باس کے منصوبے اب سامنے آرہے تھے اور نادر شاہ زندگی کا ایک بڑا حصہ جیل میں گزارنے کے بعد جو تاثر لے کر باہر نکلا تھا اس میں نیکی اور شرافت کا کوئی جزو نہیں تھا۔ برائی کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد وہ مکمل طور پر ایک برے انسان کی حیثیت سے

سامنے آیا تھا۔ بگ باس نے بہت بعد میں اسے وہ حقیقت بتائی تھی جس کے لئے اس نے ایک طویل منصوبہ بندی کی تھی۔ بگ باس سے اس کے مسلسل رابطے تھے۔ پہلا حکم اسے بگ باس نے یہ دیا تھا کہ وہ ایک طویل علاقے کا دورہ کرے۔ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا اور پڑوسی ملک کی سرحدیں کئی جگہ اس سے ملتی تھیں، بعض علاقے انتہائی دشوار گزار تھے اور وہاں بہت سے درے اور گھاٹیاں ایسی بکھری ہوئی تھیں جہاں عام انسانی قدم نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے ان علاقوں کی بھرپور نگرانی بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ ایسے ہی علاقے ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز ہوتے ہیں اور خاص طور سے بگ باس نے جو مارکنگ کی تھی وہ انہی علاقوں کے بارے میں تھی۔ پھر اس کے بعد شرجیل آگیا تھا اور شرجیل بہت سے منصوبے لے کر آیا تھا۔ ایک مکار قسم کا آدمی جس کی آنکھوں سے مکاری جھلکتی تھی جو قدموں میں بچھ جانے کا عادی تھا اور بہت ہی نرم روی سے گفتگو کرتا تھا لیکن نادر شاہ جانتا تھا کہ ایسے لوگ کس قدر خطرناک ہوتے ہیں۔ نادر شاہ نے اس سے کہا تھا۔

"شرجیل تم جو کچھ ہو مجھے اچھی طرح اس کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ میں نے بھی زندگی کے چودہ سال جیل میں گزارے ہیں اور ایسے لوگوں کے درمیان گزارے ہیں جو جرم و سزا کے ہر اصول سے واقف تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان بہت اچھے رابطے رہیں۔ اپنا منصب بتاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک طریقہ کار وضع کروں۔" اس مکار شخص نے بڑے ادب سے گردن جھکائی اور بولا۔

"شاہ جی.......... شرجیل بس یہ چاہتا ہے کہ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور عزت سے بات کی جائے باقی اسے آپ کا غلام بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بگ باس کے سارے منصوبوں میں شرجیل دلچسپی لیتا ہے کیونکہ یہی اس کی ڈیوٹی ہے اگر ہم اپنی

ڈیوٹی سے ہٹیں گے شاہ جی تو بگ باس تو اندھیرے کا تیر ہے۔ کون جانے یہ تیر کس طرف سے آئے اور کسے زخمی کر دے۔ اس لئے شاہ جی آپ بھی اطمینان رکھیں اور میں بھی اطمینان رکھوں۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں مل کر دنیا کا کوئی بھی کام کریں لیکن وہ بگ باس کی مرضی اور اصولوں کے خلاف نہ ہو۔"

"گویا تم میرے نگراں بنا کر بھیجے گئے ہو۔" نادر شاہ نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"اپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے آپ کے مفادات مشترکہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن خفیہ طور پر۔" اور اس مکار شخص کی یہ بات نادر شاہ کو پسند آئی تھی نادر شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن میرے اور اپنے درمیان ادب و احترام کا خیال رکھنا۔"

"آپ کو کبھی کوئی شکایت نہ ہو گی۔"

"تو پھر اب یہ بتاؤ کہ منصوبے کیا کیا ہیں۔"

"شاہ جی کچھ مال آیا کرے گا۔ یہ مختلف چیزیں ہوں گی۔ اسلحے کی پیٹیاں بھی ہو سکتی ہیں اور ایسی چیزیں بھی جن کی ضرورت سرحد کے دونوں طرف ہو۔ ہمارا کام بس صرف یہ ہو گا کہ اسے یہاں تک لائیں راستوں کی نگرانی رکھیں' صفائی کا معقول بندوبست ہو' بیچ کی رکاوٹیں نہ رہیں۔ پھر مال یہاں سے آگے بڑھ جائے گا جہاں جہاں اس کی کھپت ہو گی اس کی ذمہ داری باس کے اپنے شانوں پر ہے۔ کیا سمجھے' بس اتنا سا کام ہے اور کمیشن شاہ جی......... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کمیشن پچاس فیصد جو آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہے گا اور یہ کمیشن اتنا ہو گا شاہ جی کہ آپ سرداروں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"

نادر شاہ نے یہ تمام باتیں قبول کر لی تھیں اور اس طرح شرجیل یہاں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ویسے نادر شاہ نے محسوس کیا تھا کہ وہ شخص بہتر ہی

ہے ادھر سردار تیمور بھی' ناخوش نہیں تھا اور اس نے کئی بار مسکراتے ہوئے بدر شاہ سے کہا تھا۔

"بدر شاہ تجربہ نہ تو تمہارا ہے نہ میرا۔ میرے لئے بھی یہ کام بالکل نیا تھا اور تمہارے لئے بھی لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ محنت کر رہا ہے' محنتی تو وہ پہلے بھی تھا تم نے دیکھا اس نے اچھی خاص زمینیں بڑھالی ہیں' باغوں میں پھل لٹکے ہوئے ہیں' زمینوں پر کاشت ہو رہی ہے اور سنا ہے کہ قرب و جوار میں بھی کچھ زمینوں کی خریداری کر رہا ہے وہ......... میں خوش ہوں بدر شاہ۔"

"آپ خوش ہیں......... سردار تیمور اور ہماری بچی خوش ہے۔ تو بھلا میں خوش کیوں نہ ہوں گا۔" بدر شاہ نے مسرور لہجے میں کہا تھا لیکن اس کی پیشانی پر گہرے غور و فکر کی ایک لکیر تھی اور اس لکیر کا پس منظر یقینی طور پر کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔

یوں "قفس" سے نکلنے کے بعد نادر شاہ نے مختصر وقت میں اپنے لئے جو مقام حاصل کیا تھا وہ بہت ہی آگے کا مقام تھا اور بعض اوقات تو وہ خود سوچتا تھا کہ .... اس نے جیلر سے بقیہ زندگی جیل ہی میں گزارنے کی خواہش کی تھی۔ اس وقت یہ خواہش دنیا سے بے زاری کا اظہار تھی لیکن اب جو زندگی اسے حاصل ہوئی تھی۔ اسے پانے کے بعد اسے اپنی اس خواہش پر ہنسی آتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بگ باس اس کے لئے بڑا ہی کار آمد ثابت ہوا تھا اسے بگ باس کی وجہ سے بہت کچھ حاصل ہوگیا تھا۔ بگ باس کے جو منصوبے تھے ان پر کام ہو رہا تھا اور نادر شاہ نے اس وقت اپنے پانچ ٹھکانے بنائے تھے یہ ٹھکانے پہاڑوں کے مختلف حصوں میں تھے۔ یہاں اس کے آدمی اس کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے اور نادر شاہ کو ان علاقوں میں بہت بڑی حیثیت کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن دین کے معاملے میں بگ باس بہت ہی نفیس ثابت ہوا۔ نادر شاہ کے اکاؤنٹ بڑھتے جارہے تھے اور جب اسے اپنی منزل کا احساس ہوا تو اس کے دل میں اور بہت سے خیال جاگ اٹھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترقی کے راستوں پر سفر کرنے کے لئے اسے نایاب کا سہارا حاصل ہوا تھا

لیکن ایک اور شکل بھی اس کے ذہن میں بار بار ابھرتی تھی۔ مستقل مزاج آدمی تھا جلد بازی کا قائل نہیں تھا۔ دل تو کئی بار چاہا کہ اس طرف جائے لیکن کچھ کہہ کر آیا تھا وہ.......... اور جو کچھ کہہ کر آیا تھا اس کی تکمیل چاہتا تھا۔ شرجیل اب اس کا بالکل وفادار آدمی تھا۔ ایک دن اس نے شرجیل سے کہا۔

"شرجیل! بستی خضر گڑھ گئے ہو کبھی۔"

"بہت بار شاہ جی۔"

"فی الحال کافی دن تک ہمیں فراغت ہے بستی خضر گڑھ چلے جاؤ۔ وہاں رک کر ذرا جائزہ لو۔ ہمیں زمین کا بس ایک ٹکڑا چاہیے۔ اپنے طور پر کوئی بھی خوشنما جگہ حاصل کرکے وہاں ایک مکان کی تعمیر شروع کرادو۔ دیکھنے کے قابل مکان چاہیے اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہ کام کردو۔ مطلب سمجھ گئے ہو گے میرا وہ مکان ہمارے اس مکان سے کم خوبصورت نہ ہو۔"

"تعمیر ہو جائے گی شاہ جی.......... میں تو خیر اتنا وقت نہیں دے سکوں گا لیکن بستی خضر گڑھ میں میرا ایک دوست رہتا ہے اور خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ بھی کنسٹرکشن کا ہی کام کرتا ہے۔ بہترین انجینئر ہے۔ آپ اگر چاہیں تو.........."

"نہیں کام صرف تم کو کرنا ہے اور اطمینان بخش طریقے سے کرنا ہے۔ یہ کام کرکے واپس آجاؤ۔ ہمیں اس سلسلے میں جلدی ہے۔"

تقریباً ڈھائی ماہ کے بعد شرجیل نے ایک دن نادر شاہ کو دعوت دی اور کہا۔

"شاہ جی.......... آپ کے ساتھ خضر گڑھ جانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں خیریت..........؟"

"بس تھوڑا سا وقت دے دیجئے۔" نادر شاہ نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ خضر گڑھ کے خوبصورت علاقے میں وہ خوبصورت مکان دیکھنے کے قابل تھا۔ نادر شاہ

اسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔ مکان کی تعمیر بالکل جادوئی طریقے سے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی کوئی پچیس مزدور اسے آخری شکل دینے میں مصروف تھے اور امید یہ تھی کہ ایک ڈیڑھ ہفتے کے اندر اندر یہ کام ہو جائے گا۔ نادر شاہ نے تعریفی نگاہوں سے شرجیل کو دیکھا اور مسرور لہجے میں بولا۔

"بات صرف اتنی نہیں ہے شرجیل کہ ایک خوبصورت مکان تعمیر ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ مجھے تم جیسی کارکردگی کا مالک شخص ملا۔ جس پر میں مکمل بھروسہ کر سکتا ہوں۔" شرجیل نے واپسی میں کہا۔

"شاہ جی.......... بات اصل میں یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی بگ باس سے ہٹ کر میرے بارے میں سوچا ہے' اور جو آپ نے میرے لئے کیا ہے وہ مجھے اس بات کیلئے مجبور کرتا ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل اس طرح ہو کہ آپ کا دل خوش ہو جائے۔ نادر شاہ مسکرا کر خاموش ہوگیا تھا۔

پھر تقریباً" دو ہفتے کے بعد جب شرجیل نے اسے یہ اطلاع دے دی کہ مکان کو ہر طرح کے فرنیچر سے آراستہ کر دیا گیا ہے اور اس میں ہر وہ شے مہیا کر دی گئی ہے جس کی انسانی زندگی کو ضرورت ہوتی ہے تو نادر شاہ شرجیل کو ساتھ لے کر چل پڑا تھا۔ شرجیل کو ابھی تک اس مکان کی حقیقت معلوم نہیں تھی کہ یہ کیوں تعمیر کرایا گیا ہے۔ مکان پر پہنچ کر نادر شاہ نے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر شرجیل کو وہیں چھوڑ کر پجارو میں بیٹھ کر چل پڑا۔"

بستی خضر گڑھ میں اسے ایک چیلنج ملا تھا اور اس چیلنج کو قبول کر کے وہ آگے بڑھا تھا۔ یہاں کچھ ایسے کردار اسے ملے تھے جن میں وہ خود الجھا ہوا تھا۔ نایاب سے اس نے شادی کی تھی اور حقیقتہ" نایاب کی وجہ سے اس کے مستقبل کے خواب پورے ہوئے تھے۔ نایاب خود بھی ایک محبت کرنے والی لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اس

نے نادر شاہ کا ہمیشہ احترام کیا تھا اور نادر شاہ اس سے غیر مطمئن نہیں تھا لیکن مطمئن ہونا الگ بات ہے اور.......... پسند کرنا الگ۔ یاقوت نے شاید اس کے ذہن کے لطیف گوشوں پر ایک ضرب لگائی تھی.......... اور وہ اکثر نادر شاہ کو یاد آتی رہتی تھی۔

پجارو اس نے کافی دور چھوڑ دی اور اتر کر پیدل اس طرف چل پڑا جہاں ایک بار پہلے آیا تھا۔ سب کچھ وہی تھا۔ ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ احاطے کے برآمدے میں شاعر موجود تھا۔ اس نے دور سے ہی نادر شاہ کو دیکھا اور ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ نادر شاہ مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا تو اس نے کہا۔

"اب تم یہ پوچھو گے کہ میں نے تمہیں پہچانا یا نہیں۔ برفباری کے مہمان آج بھی میں تمہیں قہوہ پلا سکتا ہوں۔"

"تم باکمال ہو۔ مجھے واقعی حیرت ہوئی۔ اتنی مختصر سی ملاقات میں کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔" نادر شاہ بولا۔

"محبت دکھ اٹھا کر بھی محبت
مرا کردار ہے عادت نہیں ہے"

"تم اچھے انسان ہو۔ مجھے پسند ہو۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ گے۔"

"زخم ہی کھولنے آئی ہے تو عجلت کیسی
چھو مرے زخم کو اے باد صبا آہستہ"

"میرے بارے میں جتنا جانتے ہو اتنا کافی ہے۔ داستان شروع کروں گا تو ختم نہیں ہوگی تم اکتا جاؤ گے۔ دیکھو اب اتنا بے حیثیت ہوگیا ہوں کہ لوگوں کو میرے کی شناسا پر حیرت ہوتی ہے وہ دیکھو زمرد جانم حیران ہے کہ میرے پاس اتنی دیر کون رک گیا۔"

"نادر شاہ نے دیکھا کہ زمرد جانم اسی طرف آرہی ہے۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ

قریب پہنچ گئی اور بولی۔ "آپ.......... کس سے ملنا ہے آپ کو۔" نادر شاہ خاموشی سے زمرد جانم کو دیکھتا رہا تو وہ دوبارہ بولی۔

"آپ نے بتایا نہیں۔"

"کم از کم اس سے نہیں ملنا جو کسی سے مل کر اسے پہچان بھی نہ سکے۔"

"کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟"

"اس سوال کا ابھی جواب نہیں دوں گا۔ ذرا یاقوت کو بلوا دیں۔"

"تم یاقوت کو کیسے جانتے ہو؟"

"یاقوت تمہیں ضرور پہچان لے گی۔" افضال نے کہا اور زمرد جانم نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولی۔

"تم نے اب صرف مجھے بدنام کرنے کا کام سنبھال لیا ہے۔ مجھے معاف کرنا' اجنبی شاید.......... لیکن نہیں.......... ارے اوہ.......... تمہارا نام نادر شاہ ہے نا.......... ارے اوہ میری یاد داشت۔ حالانکہ تمہارا قدوقامت تمہاری شخصیت میرے ذہن پر ٹھوکریں مار رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے تم اجنبی نہیں ہو' لیکن تمہارا حلیہ بھی پہلے سے بہت مختلف ہے۔ اس وقت تم کسی پہاڑی قبیلے کے سردار لگ رہے ہو۔"

زمرد جانم نے آخر کار اسے پہچان لیا۔

"اور پہلے کیا لگ رہا تھا۔"

"پہاڑی قبیلہ۔" زمرد جانم برجستہ بولی اور ہنس پڑی' پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔

"آؤ میرے ساتھ اندر آؤ' قصور پہلے بھی تمہارا ہی تھا اور اب بھی تمہارا ہی ہے۔ بھلا کوئی باسلیقہ شخص افضال کے پاس بھی آسکتا ہے۔ آؤ اندر آؤ!"

"یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن"
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح"

افضال کی آواز ابھری اور جانم نے ناک چڑھا کر کہا۔

"آؤ نادر شاہ!" نادر شاہ نے جانم کے ساتھ آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"واپسی میں تم سے مل کر جاؤں گا شاعر..........!" پھر وہ اندر کی طرف چل پڑا۔ جانم اسے شناسا ڈرائنگ روم میں لے گئی تھی۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اب جب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے تو تم سے ہونے والی باتیں بھی مجھے یاد آگئیں۔ تم نے کہا تھا کہ تم ان آبادیوں میں اجنبی ہو' تم نے یہ بھی کہا تھا کہ ابھی تعمیر کی منزل میں ہو' اتنے مختصر وقت میں کوئی تعمیر نہیں ہوتا۔ کیا تم نے دھوکہ دینا اور جھوٹ بولنا سیکھ لیا ہے۔"

"اور تم نے کہا تھا جانم کی تم اپنی زندگی میں ایک مشکل داستان نہیں شامل کرنا چاہتیں۔"

"ہاں ہماری زندگی پرسکون ہے۔ اس ساکن جھیل میں کوئی پتھر نہ گرے تو اچھا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد یاقوت سے بھی ہماری بات ہوئی تھی اور اس نے ہمیں ساری تفصیل بتا دی تھی۔ اس نے تمہیں بتایا تھا کہ خوبصورت نگینوں کو مخمل کے بکس درکار ہوتے ہیں اور تم نے اس سے کہا تھا کہ تم اسے مخمل کا بکس مہیا کرو گے اور اسے اس بکس میں جگمگانا ہوگا۔"

"تمہاری یاداشت تو اچانک بہت اچھی ہوگئی ہے جانم۔ سب کچھ یاد آگیا تمہیں۔"

"تم یاد آئے تو باقی سب کچھ یاد آگیا لیکن اب یاقوت کا وقت برباد نہ کرو تو اچھا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"پہلے بھی جب تم چلے گئے تھے تو وہ کئی دن کھوئی کھوئی رہی تھی۔ کچا ذہن ہے بھٹک گیا تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ صرف اپنی منزل کی طرف قدم بڑھائے ادھر ادھر نہ بھٹکے۔"

"اس کی منزل کیا ہے۔" نادر شاہ نے پوچھا۔

"مخمل کا بکس..........! صرف مخمل کا بکس جس میں وہ جی سکے..........!"

"یاقوت کہاں ہے؟" نادر شاہ مسرور لہجے میں بولا۔

"خدا کا شکر ہے اس وقت موجود نہیں ہے۔ تم سے ملتی اور پھر کئی دن مضطرب رہتی۔ ابھی اس کے اندر پختگی نہیں پیدا ہوئی۔"

"ہاں لیکن براہ کرم دوبارہ یہاں نہ آنا۔ تم سے عاجزانہ درخواست ہے۔ آ تمہیں باہر پہنچا دوں!" نادر خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑا۔ جانم اس کے پیچھے آئی تھی۔ نادر شاہ کو گیٹ کی طرف جانے کے بجائے افضال کی طرف جاتے دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھی اور نادر شاہ کا راستہ روکتی ہوئی بولی۔

"اس فضول آدمی سے مل کر تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا نادر شاہ' میں تمہیں اس سے باتیں کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔" نادر شاہ راستہ بدل کر افضال کے پاس پہنچ گیا لیکن جانم بھی دوڑتی ہوئی وہیں آگئی تھی۔ "میں تمہیں یہاں ایک لمحے رکنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ سختی کرو گے تو پولیس سے رابطہ کروں گی اور افضال تم اس شخص سے بالکل بات نہیں کرو گے ورنہ سچ مچ مرحوم ہو جاؤ گے۔"

نادر شاہ نے گردن گھما کر جانم کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔ "یاقوت آجائے اس سے کہنا مجھ سے ملے بغیر نہ جائے شام کو دوبارہ آؤں گا۔ آؤ افضال شاید ہم یہاں باتیں نہیں کر سکیں گے۔"

"بات صرف نمک کی ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ ضرور چلتے کیونکہ ہائی بلڈ پریشر

کے مریض ہونے کی وجہ سے طویل عرصہ سے نمک چھوڑ رکھا ہے لیکن بات وفاؤں کے آخری لمحات کی ہے۔ اب اس آخری عمر میں جانم سے کیا منحرف ہوں گے۔ ہماری معذرت قبول کرو۔" افضال نے کہا لیکن نہ تو جانم کو نہ خود افضال کو اس کا گمان تھا جو اچانک ہو گیا۔ نادر شاہ نے اچانک جھک کر افضال کو اٹھایا تھا۔ کندھے پر رکھا تھا اور تیزی سے گیٹ کی طرف چل پڑا تھا۔

زمرد جانم کا منہ تعجب سے کھل گیا' یہ واقعی اس کی توقع کے خلاف تھی۔ افضال تو دھان پان ہی تھا اور اس لمبے چوڑے آدمی کے کندھے پر ہل جل نہیں رہا تھا زمرد جانم کئی قدم دوڑی چلی گئی لیکن خود اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھ دوڑنے سے کیا فائدہ ہو گا جبکہ نادر شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چند ہی لمحوں میں پجارو تک پہنچ گیا اور اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ جیب سے چابی نکال کر درا کھولا اور افضال کو اندر رکھ دیا۔ دروازہ بند کر کے وہ گھوما اور دوسری طرف اسٹیئرنگ پر آکر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں پجارو اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اور جیسے وہ تھوڑی سی آگے بڑھی افضال کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔ نادر شاہ نے اس پر نہیں دی تھی' افضال نے کہا۔

"بخدا تصور میں بھی نہیں تھا کہ زندگی کبھی یہ اعزاز دے گی' ہم اغواء ہوں گے۔ آہ نجانے کون سی نیکی کر ڈالی تھی جس کے نتیجے میں یہ سرخروئی حا ہوئی۔ اس موقع کے لئے تو کمبخت کوئی شعر بھی نہیں ہوا اور اتنی جلدی مناسب شعر موزوں کرنا آسان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ حیرتوں کا عالم ہے۔ حقیقت

ہے کہ نزاکتوں کا چورن ہو گیا یعنی ہمیں اس طرح اٹھا کر کندھے پر رکھا گیا کہ خود کو لکڑیوں کا گٹھر بھی نہیں' لکڑی کہہ سکتے ہیں۔ بھئی واہ ایک نئے رمز ایک نئی لذت سے آشنا کیا ہے تم نے۔ دعاؤں کے سوا ایک شاعر اور کیا دے سکتا ہے۔"

نادر شاہ بالکل خاموشی سے افضال کی بکواس سنتا رہا جو اس نئے گھر تک پہنچنے تک جاری رہی اور یہاں بھی ختم نہ ہوئی بس موضوع بدل گیا۔ پجارو جب گھر کے خوبصورت دروازے کے اندر داخل ہوئی تو شاعر نے ایک لمحے کا توقف اختیار کیا پھر پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔

"یوم سحر معلوم ہوتا ہے۔ ہر چیز ناقابل یقین ہے۔ یہ پرستان جس کا دروازہ کبھی کھلا ہوا نہ دیکھا آج ہمیں اندر سے دکھائی دے رہا ہے اور بالکل سمجھ میں نہیں آرہا کہ لانے والے کا اس سے کیا تعلق ہے' بھائی یہ جگہ یہ مکان.......... صرف اتنا بتا دیں کہ آپ یہاں کیسے! آپ کا اس سے کیا تعلق' صحیح معنوں میں سٹی نام کی ایک چیز ہوتی ہے' کیسی ہوتی ہے وہ وہ ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ سٹی گم ہو گئی' اگر وہ نظر آئے بغیر گم ہو جاتی ہے تو درحقیقت اس وقت ہم بھی اسی کیفیت کا شکار ہیں' یعنی ہماری سٹی گم ہو گئی ہے۔"

"خود نیچے اترو گے یا کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں۔"

"اگر کندھے پر اٹھا کر لے جاتے تو کم از کم جانم کے سامنے قسم کھانے کے قابل رہتے کہ اپنے پیروں سے کہیں نہیں گئے۔" نادر شاہ نے شاعر کو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں' شرافت سے چلو ورنہ..........!"

"واہ۔ یہ سختی بھی لازم تھی ہم جیسے بگڑے ہوئے نان بائی پر۔ چل رہے ہیں عزیزم' جس جگہ لے جا رہے ہو' وہاں چلنے کے لئے اگر سر کے بل بھی کہو تو حاضر

ہیں۔" نادر شاہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ بڑی نایاب چیز تھا یہ ش بھی۔

دور سے شرجیل بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھ میں کسی اور سوچ کے آثار تھے لیکن وہ آگے نہیں بڑھا اور نادر شاہ افضال کو لے اندر داخل ہو گیا۔ افضال ایک ایک چیز کو بغور دیکھ رہا تھا اور تبصرے بھی کرتا جا تھا' کہنے لگا۔

"درحقیقت زمانہ قدیم میں کوہ قاف کی کہانیاں بڑی اہمیت رکھتی تھیں اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ان کہانیوں کو اشارتی طور پر بیان کیا جاتا تھا' کوہ قاف تو ہمار سامنے ہی ہے اور دولت' جن اور پریاں پیدا کر دیتی ہے اور لمحوں میں ایسے مکا تعمیر ہو جاتے ہیں۔ اس خوبصورت خطے سے گزرتے ہوئے کئی بار جانم نے کہا تھا' اگر یہاں ایک چھوٹا سا کاٹیج تعمیر کرا لیا جائے تو بڑی خوشگوار فضا ہے یہاں کی لیکن جا میں اب وہ جان کہاں رہی کہ اس کے لفظوں میں وزن ہو۔ کہا تو ہو گا اس نے اپ سرپرست سے' لیکن سرپرست نے اہمیت نہ دی کہ جو دے چکا تھا وہی کم نہیں ۔ اور انسان ایسے ہی بھگتان بھگتا ہے۔ کبھی خضر گڑھ جیسے پر فضا علاقے میں ایس خوبصورت مکان بنا کر اور کبھی ہم جیسے گدھے چوکیداری کر کے' بات تو ایک ہ ہوئی۔" نادر شاہ اسے ایک کمرے میں لے گیا اور پھر کرسی پر بٹھا کر بولا۔

"جانم کے بارے میں مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔"

"ہائے عزیزی یہی تو خرابی ہے اس عشق خانہ خراب کی یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ۔"

بہار نے میری آنکھوں پہ پھول باندھ دیئے
رہائی پاؤں تو کیسے' حصار رنگ میں ہوں

"وہ سامنے ہو تو زبان کھلے اور نہ ہو تو زبان ہی نہ رہے' کمبخت گھر کا چھوڑا ہے ناگھاٹ کا۔

"یہاں سے واپسی چاہتے ہو۔" نادر شاہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"چاہتیں تو بہت سی ہیں' نہ جا سکے تو شہید عشق کہلائیں گے' ویسے جانم اس گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے اور کہتی ہے کہ نجانے کون خوش نصیب ہو گا جو اس میں رہے گا' لیکن عزیزی تمہارا اس گھر سے کیا تعلق ہے۔ بتاؤ گے.........؟"

نادر شاہ اسے گھورتا رہا' جانتا تھا اور اندازہ ہو چکا تھا کہ شاعر جانم کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ اسے یہاں لانا بے مقصد نہ رہے گا۔ جا کر ایک کی چار لگائے گا اور تیسری ملاقات پر شاید بہت سے مسئلے حل ہو جائیں۔ ملازمین کو بلا کر اس نے کہا کہ شاعر کو باہر چھوڑ آؤ۔ افضال جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"حقیقت تو یہی ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا جو تم نے کیا۔ جب ہم اپنی زبان نہیں کھول رہے تو تم سے کچھ پوچھنے کا حق بھی کہاں رکھتے ہیں۔"

"سنو......... یاقوت سے کہنا دوبارہ آؤں گا' میں نے صرف اسی کے لئے یہاں اپنا گھر بنایا ہے۔" اور اس کے بعد نادر شاہ نے افضال کو سوال کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ملازم اسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے تھے اور جب وہ باہر چلا گیا تو اسی وقت شرجیل اس کے پاس آ گیا۔

"اس شخص کا نام افضال ہے نا؟"

"تم کیسے جانتے ہو؟"

"یہاں کتنا وقت رکیں گے شاہ جی۔"

شرجیل نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"نہیں چلنا ہے، فوراً" چلنا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد پجارو واپس پلٹ رہ تھی اور نادر شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ جانم کا تعاون نہ کرنا ا ناگوار گزر رہا تھا لیکن اس میں بھی ایک لذت تھی۔ اب جب افضال جانم کو نادر ش کے بارے میں بتائے گا تو وہ حیران بھی ہوگی اور شاید تیسری ملاقات میں اس کے ل بہت سے دلچسپ پہلو چھپے ہوں۔ پجارو زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی اور خضر گڑھ سے باہر ہی نکلی تھی کہ موسم نے رنگ بدلا اور ہلکی ہلکی برف آسمان سے زمین کی جانب آنے لگی۔ سفر بڑا پر لطف ہوگیا تھا اور نادر شاہ دلچسپی سے نجانے کون کون سی باتیں سوچتا ہوا مسکرا رہا تھا البتہ اس نے شرجیل کو غیر معمولی طور پر خاموش دیکھا اور اسے دیکھا اور یاد آگیا کہ شرجیل نے افضال سے واقفیت کا اظہار کیا تھا تو نادر شاہ نے کہا۔

"اگر اسے جانتے ہو تم تو یقینی طور پر زمردِ جانم سے بھی تمہاری واقفیت ہوگی۔"

"اوہ.......... شاہ جی آپ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ یہی نام تو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پر یاد ہی نہیں آرہا تھا، زمرد جانم.......... زمرد جانم.........."

"جانتے ہو اسے؟"

"ہاں.......... ایک بھولی ہوئی کہانی یاد آگئی۔ حسن و جمال کا ایک ایسا شاہکار جس کے لئے جو کچھ بھی نہ ہو جاتا کم تھا اور وہ نواب سرگم تھا، بہت بڑا آدمی جس نے زمرد جانم کے لئے بہت کچھ کیا لیکن ایک رقیب بھی پیدا ہوگیا اس کا، دونوں دشمن تھے اور دونوں زمرد جانم کے شیدائی اور زمرد جانم اس بازار کی عورت تھی، لیکن ایک معیاری گھرانے کی فرد، یعنی ایسا گھرانہ جس کے اپنے اقدار تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ جگہ بری تھی بہرحال نواب سرگم کا رقیب جس کا نام ضرغام غازی تھا۔ نواب

سرگم سے زیادہ طاقتور نکلا اس نے الیکشن جیتا، اقتدار حاصل کیا اور نواب سرگم کو گرفتار کرا دیا لیکن سزا ہونے کے کوئی بیسویں دن نواب سرگم نے جیل میں خودکشی کرلی اور اس کی لاش اس کے ورثاء کے حوالے کر دی گئی لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد ضرغام غازی مارا گیا، اور نہ صرف وہ بلکہ اس کے خاندان کے کچھ دوسرے افراد بھی ختم ہوگئے، ایک ایسا شخص جس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، لیکن وہ مکمل طور پر نہ مرسکا اور اسے اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ مردہ تصور کرلیا گیا تھا۔ اس نے جو حلفیہ بیان دیا وہ یہی تھا کہ اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے والا نواب سرگم تھا پولیس الجھن میں پڑ گئی، لیکن نواب سرگم کہیں سے برآمد نہیں کیا جاسکا۔ اہل خاندان نے اس کی لاش دفن کی تھی، اور یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ جب پولیس نے اپنے شبے کی تصدیق کے لئے نواب سرگم کی قبر کھودی تو خالی تھی اور نواب سرگم کا ڈھانچہ اس میں موجود نہیں تھا۔ زمرد جانم نواب سرگم کی منظور نظر تھیں لیکن وہ بھی نواب سرگم کے بارے میں کچھ نہ بتا سکیں اور پھر وہ اس بازار سے ہی غائب ہوگئیں، اصل میں شاہ جی۔ میں خود بھی ایک زمانے میں شوقین مزاج رہ چکا ہوں لیکن میں زمرد جانم میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا بلکہ وہاں کوئی اور تھی جس کے لئے میں جاتا تھا اور وہیں میں نے اس شاعر کو دیکھا تھا۔ جو زمرد جانم کا شیدائی تھا، لیکن بھلا اس کی کیا مجال کہ یہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے درمیان شامل کرے۔ بس زمرد جانم کے مختلف کام کیا کرتا تھا، اور میں اتنا جانتا ہوں کہ.......... تھا یہ زمردِ جانم کا عاشق، اسی طرح میری نگاہوں میں آیا تھا، جو مخصوص حلیہ اور مخصوص انداز یہ رکھتا ہے اس کی وجہ سے میں نے اسے پہچان لیا۔" نادر شاہ حیرت اور دلچسپی سے یہ کہانی سن رہا تھا، اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ زمرد جانم اگر نواب سرگم کی رکھیل ہے تو اسے یہ بھی

معلوم ہو گا کہ نواب سرگم کہاں ہے؟"

"اگر زمرد جانم سے یہ شخص اب بھی منسلک ہے تو یقینی طور پر زمرد جانم نواب سرگم کے بارے میں جانتی ہوگی۔ ویسے شاہ جی یہ بات ضروری تو نہیں ہے کہ زمرد جانم اب بھی نواب سرگم ہی سے منسلک ہو۔ یا درحقیقت نواب سرگم کے بارے میں جو کہانی منظر عام پر آئی' وہ سچی ہی ہو۔ زمرد جانم کسی اور سے بھی تو منسلک ہو سکتی ہے' لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کو یہ شاعر کہاں سے مل گیا اور آپ اسے کیوں لائے تھے؟"

نادر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا' برف باری میں گاڑی آگے بڑھ رہی تھی اور بائیں سمت جنگلوں کے وسیع و عریض سلسلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے' جب نادر شاہ کی نگاہ ایک طرف اٹھی تو اس نے دھوئیں کے بادل بلند اٹھتے ہوئے دیکھے اور چونک کر بولا۔

"یہ دھواں کیسا اٹھ رہا ہے اس علاقے میں' اس سے پہلے تو ہمیں ایسا کوئی دھواں نظر نہیں آیا۔" شرجیل نے چند لمحات دھوئیں پر نگاہیں جمائے رکھیں پھر بولا۔

"وہ جگہ جہاں سے یہ دھواں اٹھ رہا ہے' ایک سرکاری گیسٹ ہاؤس ہے' جو بہت ہی خوبصورت بنا ہوا ہے' لیکن بہت کم استعمال ہوتا ہے' ہو سکتا ہے گیسٹ ہاؤس میں کوئی سرکاری مہمان آکر ٹھہرے ہوں۔"

"ہوں۔ دیکھو شرجیل یہ بات مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں کوئی بھی اجنبی' خاص طور سے سرکاری افراد ہمارے علم میں ہونے چاہئیں۔ ہم یہاں کے حالات سے باخبر رہ کر ہی اپنے کام کو بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔"

"پتہ چل جائے گا شاہ جی۔ چوبیس گھنٹے کے اندر پتہ چل جائے گا۔" شرجیل نے جواب دیا اور نادر شاہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

حیدر زمان گھر میں داخل ہوا تو نزہت اور شیری نے معمول کے مطابق اس کا ستقبال کیا۔ حیدر زمان کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' س نے بیٹی کو اٹھا کر پیار کیا' بیوی کی طرف محبت سے دیکھا اور بولا۔

"یقینی طور پر میز پر چائے لگی ہوگی' آؤ وہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" جس طرح حیدر زمان وقت کا پابند تھا نزہت بھی کسی طور اس سے پیچھے نہیں رہی تھی۔ مارے پروگرام ایک دوسرے کے علم میں ہوا کرتے تھے' حیدر زمان کو اگر کبھی دفتر یں دیر ہونے کا خدشہ ہوتا تو وہ پہلے سے نزہت کو مطلع کر دیتا کہ کہیں وہ پریشان نہ ہو' اور نزہت ہمیشہ اسے حیران کر دیا کرتی تھی کہ کبھی حیدر زمان کو کسی گھریلو مسئلے یں کوئی الجھن نہ ہو۔ زندگی کے راستے اگر اس طرح ہموار ہو جائیں تو صحیح معنوں یں جنت نظیر بن جاتے ہیں اور کسی کسی خوش نصیب کو دنیا ہی میں ایسی جنت حاصل ہو جاتی ہے۔ حیدر زمان اور نزہت کی زندگی بھی جب سے ایک دوسرے سے وابستہ ہوئی تھی وہ یہی محسوس کرتے تھے' ماضی کچھ ایسا تھا کہ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر محبتوں اور سرپرستوں سے خالی تھے۔ دونوں میں گہری شناسائی تھی اور دونوں ہی نے

باہمی طور پر یہ طے کرکے کہ انہیں ایک دوسرے کا ساتھی بن جانا چاہیے۔ کورٹ میں جاکر اپنے آپ کو ایک دوسرے سے منسلک کرلیا تھا' پھر ساری محبتیں ایک دوسرے کے لئے وقف نہ ہوتیں تو کیا ہوتا۔ چند ہی دوست تھے جن پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا' ان میں شاہ رخ بھی تھا' جو پولیس کا عہدیدار تھا اور ترقی کی منازل طے کرتا جارہا تھا' ادھر حیدر زمان نے ایک مخصوص شعبہ زندگی میں تعلیم اور مہارت حاصل کی تھی اور اسی میں کام کر رہا تھا' سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نزہت اور حیدر زمان ایک ہی مزاج کے مالک تھے' کلاسیکل زندگی کے شائق۔ حقیقتوں کے رسیا' قدرتی ماحول اور مناظر کے دیوانے اور اس سلسلے میں ان سے جو بھی ممکن ہو سکتا تھا کرتے رہتے تھے' لیکن آج حیدر زمان نزہت کو کوئی بڑی خوشخبری سنانا چاہتا تھا چنانچہ گرم چائے کے لذیذ گھونٹ لیتے ہوئے اس نے اپنی بیٹی شیری سے کہا۔

"شیری بیٹے ایک بار ہم ایک بستی گھومنے گئے تھے' جہاں تم نے بھینس کا دودھ پیا تھا' تازہ اور کچا دودھ۔"

"ہاں ڈیڈی۔"

"اس دن انکل شارو بھی ہمارے ساتھ تھے نا۔"

"ہاں۔ شاہ رخ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ تمہیں کیسا لگا تھا وہ ماحول؟"

"ڈیڈی میں تو ممی سے ہمیشہ ہی یہ کہتی رہی ہوں کہ ممی ہم ایسی جگہ جاکر کیوں نہیں رہتے جہاں بہت سے درخت ہوں' پرندے ہوں' پھول ہوں اور بس ہم ہوں۔"

"تو ممی نے کیا جواب دیا۔" حیدر زمان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ممی کہنے لگیں کہ بیٹے آپ کے ابو کی نوکری ہے یہاں' ہم ایسی جگہ چھوڑ کر تمہاری پسند کی جگہ کیسے جاسکتے ہیں۔ ابو بات تو سچ ہے امی کی آپ تو یہاں نوکری

کرتے ہیں نا؟"

"ہاں بیٹے۔ تمہاری امی کو وہ جگہ کیسی لگی تھی؟"

"ڈیڈی آپ امی سے کیوں نہیں پوچھ رہے؟"

"ہاں۔ بھئی آپ ہی بتایئے مسز نزہت زمان؟"

"کیا بات ہے آج چہرے پر خوشی کا عالم ہی کچھ اور ہے' قصہ کیا ہے؟"

"چلئے ہم نے زندگی میں کوئی بات آپ سے چھپائی ہے محترمہ نزہت۔ بڑی زبردست خوشخبری ہے' ہمارا ٹرانسفر محکمہ جنگلات میں ہوا ہے اور ہمیں ایک بہت ہی خوبصورت پہاڑی جنگل کی نگرانی سونپی گئی ہی اور فاریسٹ آفیسر کا عہدہ دے کر ہمیں نور خیل بھیجا جارہا ہے۔"

"کیا واقعی؟" نزہت نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ تردد ہے تو بس ایک کہ وہاں شیری کی تعلیم کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"شیری کے لئے آپ بالکل بے فکر رہیں' ویسے بھی تو میں ہی اسے ابھی تیاریاں کرا رہی ہوں' ہم یہاں اسے رجسٹرڈ کرا دیتے ہیں اور میں اپنی دوست مسز راحیل سے بات کرلوں گی' سال کے سال ہم اسے امتحان دلانے کے لئے یہاں لے آیا کریں گے' باقی ذمے داریاں آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" حیدر زمان پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"طریقہ کار تو یہ غیر فطری ہے لیکن مجبوری ہے۔ ہمیں جلد سے جلد اس علاقے میں جاکر چارج لے لینا ہے۔ ایک بات بتاؤ نزہت۔"

"جی پوچھئے۔ آپ نے تو میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے ہیں۔ میں تو بڑی خوش ہوں آپ کو پتہ نہیں دیہی زندگی میری روح سے منسلک ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے

میری مٹی کسی ایسی ہی جگہ سے اٹھائی گئی ہے اور یہ بات میرے خمیر میں شامل ہے۔"

"آپ یہ فرما رہی ہیں کہ ہم نہیں جانتے۔" حیدر زمان نے کہا اور نزہت مسکرا دی۔

"نہیں جناب! جانتے ہیں آپ' اچھی طرح جانتے ہیں مگر آپ کیا سوچ رہے تھے اور کس الجھن کا شکار تھے۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں نزہت' کہ اگر میں تمہیں یہیں چھوڑ کر کچھ عرصے کے لئے وہاں جاؤں' وہاں کے ماحول کا جائزہ لوں' یہ دیکھوں کہ علاقہ کیسا ہے' آس پاس کے لوگ کیسے ہیں' تو کیا یہ مناسب نہیں ہو گا۔"

"بالکل مناسب نہیں ہو گا۔" نزہت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"آپ وہاں جا کر کسی درخت پر رہیں گے۔" نزہت نے سوال کیا اور حیدر زمان ہنس پڑا' پھر بولا۔

"بندر سمجھا ہے کیا؟"

"اگر آپ کسی درخت پر بھی رہیں گے تو ہم دونوں بھی اسی درخت پر آپ کے ساتھ رہیں گے' کیا سمجھے آپ جناب فاریسٹ آفیسر صاحب۔"

"کہنا یہ چاہتی ہو کہ ہر حالت میں تم ساتھ ہی جاؤ گی۔"

"ہر حالت میں۔" نزہت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور حیدر زمان ایک بڑی سی سانس لے کر سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"اکیلے تو مجھ سے بھی ایک دن گزارا نہیں ہو گا نزہت' بس یہ سوچ رہا تھا کہ وہاں جا کر ذرا اس بات کا جائزہ لے لوں کہ ہمیں وہاں رہنے میں کیا پریشانی ہو سکتی

ہے۔"

"دونوں مل کر جائزہ لیں گے' آپ اکیلے ہی پریشان کیوں ہوں اور ویسے بھی جانا تو ہے نا' جیسا کہ آپ کہہ چکے ہیں۔"

"ہاں جانا تو ہے۔"

"تو پھر چلیں گے۔"

"بڑی محدود زندگی ہو گی وہاں کی۔"

"تو یہیں ہماری زندگی میں کونسے بہت سے لوگ ہیں اور پھر سچ بتاؤں آپ کو حیدر کہ بے شمار لوگ الجھنوں کا باعث ہوتے ہیں' یا تو پھر یہ لوگ اتنے ہی اپنے ہوں کہ ان کے بغیر گزارا ہی مشکل ہو جائے اور اگر اتنے اپنے نہ ہوں تو پھر سچ بات یہ ہے کہ آگے تم خود سمجھدار ہو۔" حیدر زمان ہنسنے لگا' حالانکہ بہت پریشان تھا وہ۔

خوشی اس بات کی تھی کہ فاریسٹ آفیسر کا عہدہ ملا تھا اور اس کے ساتھ ہی افسران بالا نے اسے بہت سے اختیارات سونپے تھے' ہدایتیں بھی کی تھیں' خاص طور سے محکمہ جنگلات کے ڈائریکٹر نے اس سے کہا تھا۔

"حیدر زمان! تم جس عہدے کے ساتھ اس علاقے میں جا رہے ہو' وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بات صرف یہی نہیں ہے کہ وہاں جا کر تم جنگلوں اور درختوں کی دیکھ بھال کرو گے بلکہ وہ علاقے کچھ اور بھی معاملات کے لئے مشکوک قرار دیئے جاتے ہیں' جن کی تفصیل تمہیں بعد میں معلوم ہو گی۔ بہت سے لوگ مجرمانہ عمل بھی کرتے ہیں۔ طریقہ کار مختلف ہے' مثلاً درختوں کی کٹائی' تم جانتے ہو درخت اور جنگل ہماری فضائی زندگی کے لئے کس قدر اہمیت کے حامل ہیں' ہم درخت لگانے کی پذیرائی کرتے ہیں' درخت کٹنے کی نہیں' قیمتی لکڑی چوری ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اور بھی بہت سے مسئلے ہیں' تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ لکڑی کاٹنے والوں

یا دوسرے مجرمانہ عمل کرنے والوں کو تم گرفتار کرکے تحقیق کے لئے اڑتالیس گھنٹے اپنے پاس رکھ سکتے ہو' اور اس کے بعد تحقیق مکمل کرکے انہیں پولیس کے حوالے کرسکتے ہو' تمہارے علاقے کے تین تھانے لگتے ہیں' نورخیل' خضرگڑھ اور اس کے ساتھ ہی مراد گڑھی۔ مراد گڑھی کو ایک طرح سے تحصیل کا درجہ دیا گیا ہے اور باقی دو جگہوں پر چھوٹی چھوٹی چوکیاں ہیں' تو اپنے مجرموں کو تم مراد گڑھی پولیس اسٹیشن کے حوالے کرسکتے ہو' مطلب یہ ہے کہ یہ عہدہ معمولی نوعیت کا حامل نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ساتھ ہی حیدر زمان کو ترقی کی خوشخبری بھی دی گئی تھی' یہ ساری باتیں دل کو خوش کرنے والی تھیں' لیکن بس شہری زندگی سے ہٹ کر دیہی زندگی کا تصور ذرا الجھن کا باعث تھا' لیکن نزہت نے یہ الجھن بھی دور کردی تھی۔ چنانچہ تیاریاں شروع ہوگئیں' ننھی سی شیری جو پٹرپٹر باتیں کرتی تھی' ان دونوں سے اس بھاگ دوڑ کی تفصیلات پوچھ رہی تھی۔

"شیری بیٹے' آپ نے بندر دیکھے ہیں۔" حیدر زمان نے کہا۔

"پہلے نہیں دیکھے تھے' لیکن حال میں بندروں کے بارے میں کچھ سنا ہے اور ہم بھی ان میں شامل ہوگئے تھے۔"

"بہت شریر ہے۔ اچھا یہ بتاؤ خوبصورت سے علاقوں میں جاکر تم کیا محسوس کروگی۔"

"پہلے اپنے آپ کو بندر محسوس کروں گی' پھر سوچوں گی کہ اپنے آپ کو کیا محسوس کروں۔" شیری نے جواب دیا اور نزہت اور حیدر زمان ہنسنے لگے۔ شیری چند لمحات کے بعد بولی۔

"لیکن ڈیڈی! وہاں جنگل میں میری سالگرہ میں کیا پرندے ہرن' شیر اور چیتے بھی شریک ہوا کریں گے' جنگلوں میں تو یہی ہوتے ہیں نا۔"

"دیکھیں گے' جس کو دعوت دیں گے وہ آئے گا۔"

"اور انکل شارو.........؟"

"ارے ہاں' یہ شاہ رخ ان دنوں ملک سے باہر گیا ہوا ہے' پتہ نہیں کب واپس آئے گا۔ خیر میں گھر پر اطلاع دے دوں گا۔ اسے پتہ لگ جائے گا کہ ہم کہاں گئے ہیں۔"

"ہاں۔ کم از کم شاہ رخ کو تو پتہ لگنا ہی چاہیے' ورنہ وہ ناراض ہوگا۔"

"میں اطلاع دیتا ہوا چلا جاؤں گا۔" حیدر زمان نے کہا۔

پیکنگ مکمل ہوگئی۔ محکمے کو اطلاع دے دی گئی' اس کے بعد ایک سفر کیا گیا' سرکاری ریسٹ ہاؤس کیا تھا......... جنگلوں کے درمیان ایک ایسا حسین گھر تھا جسے ایک آئیڈیل گھر کہا جاسکتا تھا۔ اوپر اور نیچے کی منزل ملا کر کوئی گیارہ کمرے۔ چھ سرونٹ کوارٹر' وسیع و عریض احاطہ سارے کا سارا گھر انتہائی بلند و بالا درختوں کی چھاؤں میں' قرب وجوار میں چاروں طرف درخت لگے ہوئے تھے۔ سامنے وسیع و عریض جنگل پھیلا ہوا' قابل دید جگہ تھی' یہاں سب سے پہلے جس شخص نے حیدر زمان سے ملاقات کی وہ گل جمال تھا' ایک درمیانی عمر کا تنومند آدمی' یہ یہاں کا انچارج تھا' میٹرک پاس' پہاڑی بستیوں میں اگر کوئی میٹرک کرلیتا ہے تو اسے بستی کا سب سے قابل آدمی سمجھا جاتا ہے' یہ قابل آدمی گل جمال تھا جو بہت ہی خوش مزاج اور اچھی طبیعت کا آدمی تھا۔ گل جمال کے مل جانے سے تو ایسا محسوس ہوا جیسے یہاں کوئی پریشانی ہی نہ ہو' اس نے بتایا کہ وہ سائیکل پر جاکر پاس کی بستی سے سامان بھی لاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جنگلات میں جو دفتر ہے' وہاں سارے انتظامات وہی کرتا ہے' اس دفتر میں تقریباً آٹھ آدمی موجود تھے' اس کے علاوہ مزید کام کرنے کے لئے کچھ افراد ریسٹ ہاؤس میں بھی موجود تھے۔

یہ یہاں کی زندگی تھی، جسے دیکھ کر نزہت تو دیوانی ہوگئی تھی اور اس نے انتہائی پرمسرت لہجے میں کہا تھا۔

"یقین کرو حیدر زمان! یہ میرے خوابوں کی تعبیر ہے، میں نے اکثر زندگی میں اس جگہ کے خواب دیکھے ہیں، اور یہ خواب میرے لئے اس قدر مسحور کن ہوا کرتے تھے کہ میں نجانے کب تک ان کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔ میں اپنے آپ کو ایک دیہاتی لڑکی محسوس کرکے زندگی کی سب سے بڑی خوشی پالیتی ہوں۔"

حیدر زمان بھی مسرور ہوگیا تھا۔ اپنی پرانی جیپ میں اس نے شیری اور نزہت کے علاوہ گل جمال اور دو گن مینوں کے ساتھ جنگلی علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ جنگل بہت خوبصورت تھا اور درخت انتہائی قدیم اور قیمتی لکڑی والے لیکن کہیں کہیں حیدر زمان کو کچھ درخت کٹے ہوئے بھی ملے تھے، ان کے تنے زمین میں اگے ہوئے تھے، یہاں یہ دیکھ کر حیدر زمان کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"گل جمال! یہ کیا ہے؟"

"ایسے تیرہ درخت کٹ ہوئے ہیں صاحب۔ ان جگہوں کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے اور اس کی رپورٹ بھی پرانے فاریسٹ آفیسر صاحب نے بنا کر محکمے کو دے رکھی ہے۔"

"اس رپورٹ کی نقل موجود ہے۔"

"ہاں اس وقت تک صرف چھ درخت کٹے تھے، لیکن اب زیادہ درخت کٹ گئے ہیں صاحب، یہ درخت جو کٹے ہیں نا ان کی لکڑی بہت قیمتی ہے۔ لاکھوں روپے کی مالیت کا ایک درخت ہوتا ہے۔"

"لیکن بقیہ درختوں کے کٹنے کا ذمے دار کون ہوگا۔"

"چارج میں، میں نے آپ کی جگہ ان درختوں کی کمی کو لکھ دیا ہے صاحب۔"

"یہ تو خیر اچھا کیا ہے تم نے گل جمال، لیکن ان درختوں کے کٹنے کا کوئی ذر پتہ نہیں چلا۔"

"نہیں صاحب! ابھی تک پتہ نہیں چلا۔"

"ہوں......... ہمارے پاس کتنے گن مین موجود ہیں۔"

"گن مین چھ ہیں صاحب، دو کوٹھی پر رہتے ہیں، باقی چار ادھر آفس میں۔"

"بقیہ افراد۔"

"صاب، وہ اپنا اپنا الگ کام سرانجام دیتے ہیں، دو کلرک ہیں، دو چپڑاسی۔"

"اصل میں، میں یہ چاہتا ہوں گل جمال کہ جنگلوں میں باقاعدہ گشت کا بندوبست کیا جائے، اور اس کے لئے میں کوئی کوشش کرتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ میں موٹر سائیکلیں حاصل کرلوں، دو موٹر سائیکلیں کافی ہوں گی، درختوں کے کٹنے کی رپورٹ بھی مجھے محکمے کو پیش کرنا ہوگی۔"

"گل جمال حاضر ہے جناب، جیسا آپ پسند کریں۔"

"اس کے علاوہ گل جمال، مجھے قرب و جوار کے علاقوں کے بارے میں بھی رپورٹ چاہیے۔"

"وہ بھی میں آپ کو بتا دوں گا جناب۔ بائیں سمت نور خیل ہے۔ بستی بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد بھی آبادیاں جگہ جگہ ہیں۔ پہاڑ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے صاحب۔ اگر کوئی دور دراز جاکر اپنے لئے آرام کی جگہ بنانا چاہے تو سرکاری روک ٹوک نہیں ہوتی۔ ہاں بس ادھر بجلی نہیں جاتی۔ ان لوگوں کی حفاظت کا بندوبست نہیں ہو سکتا لیکن پہاڑی لوگ دوسروں کی حفاظت پر بھروسہ نہیں کرتے، وہ اللہ کے بعد اپنی حفاظت کے قائل ہوتے ہیں۔ پھر ادھر خضر گڑھ ہے اور داہنی سمت سیدھے جا کر مراد گڑھی ہے۔ تحصیل مراد گڑھی......... میں آپ کو

سارے نقشے دے دوں گا صاحب۔"

یہاں آمد کے بعد ہر صبح زندگی سے بھرپور تھی اور ہر شام خوشیوں سے لدی۔ ملازمین تھے' گل جمال تو بہت ہی اچھا انسان تھا۔ چنانچہ حیدر زمان کو یہاں آکر جر ذہنی الجھنوں کا خدشہ تھا وہ بالکل پیش نہیں آئی تھیں اور زندگی کچھ اور پر کیف ہو گئ تھی۔

جانم بے اختیار دوڑی تھی اور پھر رک گئی تھی۔ اس طرح دوڑنا اس کی اپنی شخصیت کے خلاف تھا لیکن کیا ہی حیرت ناک بات ہوئی تھی۔ وہ شخص چہرے سے ہی برا آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن وہ اس قدر جارحیت پسند ہوگا اس کا اندازہ جانم کو نہیں تھا۔ خضر گڑھ میں ایک چھوٹی سی پولیس چوکی تھی۔ اس میں چند کانسٹیبل' ایک ایس آئی ہوا کرتے تھے۔ پہلے تو جانم نے سوچا کہ جاکر افضل کی اس طرح اغواء کرنے کی رپورٹ درج کرائے' لیکن پھر بہت سے وسوسے دل میں آگئے۔ وہ شخصیت جس سے اس کا تعلق تھا' پتہ نہیں جانم کا پولیس اسٹیشن جانم پسند کرے یا نہیں' حقیقت یہ تھی کہ جانم خود بھی پھونک پھونک کر قدم رکھتی تھی' اپنی حیثیت کا اسے اندازہ تھا۔ عمر کے اس ڈھلان پر ظاہر ہے قدر دانوں کے دل میں وہ مقام باقی نہیں رہتا' یہ تو بس کچھ اقدار والے ہی ہوا کرتے ہیں جو زبان سے کچھ کہہ کر زندگی نبھا دیا کرتے ہیں۔ یہی کیفیت جانم کے سرپرست کی تھی اور جانم بھی کچھ ایسی ہی طبیعت کی تھی کہ اس نے ایک عمر گزار دی تھی اور کبھی دل یا آنکھ میں کوئی میل نہیں لائی تھی' جبکہ اب تو ایک طویل عرصے سے سرپرست کی طرف سے کوئی پذیرائی ہوئی تھی نہ

کوئی معاوضہ ملا تھا۔ نہ کوئی اطلاع، رابطے ٹوٹتے ہوئے تھے اور جانم جانتی تھی کہ اسے اسی طرح گزر کرنی ہے۔ ساری عمر کچھ نہ کچھ پس انداز کیا تھا جو ابھی طویل عرصے تک ساتھ دے سکتا تھا، لیکن آگے کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ رابطے بے شک ٹوٹے ہوئے تھے اور جانم کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اپنے سرپرست کے بارے میں معلومات حاصل کرے لیکن اتنا جانتی تھی کہ جب تک ادھر سے آزادی کا پروانہ نہ ملے اپنی طرف سے قفس سے نکلنا زندگی کو ختم کرنے کے مترادف تھا کیونکہ سرپرست موجود نہیں تھا۔ دل میں کوئی نہ کوئی گنجائش ضرور تھی جس کی بناء پر جانم، افضال کو جس حیثیت میں بھی سہی یہاں تک لے آئی تھی۔ البتہ اتنا جانتی تھی کہ شاعر کی شخصیت قطعی ناکارہ ہے۔ زندگی میں کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا اس نے، شعرو شاعری کی، مفت کی روٹیاں توڑیں اور یہی اس کا منصب بن چکا تھا، درحقیقت چوکیداروں ہی کی جگہ دے دی تھی جانم نے اسے، باورچی تھا، کھانا پکانا جانتا تھا۔ کبھی خاص ضرورت ہوتی تو باورچی خانے میں بلا لیتی، باورچی کبھی کبھی چھٹی چلا جاتا تھا، بس اس وقت ذرا افضال کی عزت بڑھ جاتی تھی، ورنہ وہ کیا اور اس کی بساط کیا لیکن اس وقت افضال کی اس طرح گمشدگی جانم کے لئے بڑی مشکل کا باعث تھی۔ گلاب نے بھی دور سے یہ منظر دیکھا تھا اور دوڑتا ہوا جانم کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"کیا بات ہے مالکن، کیا افضال بیمار ہو گئے ہیں اور وہ آدمی انہیں اسپتال وغیرہ لے گیا ہے۔" جانم نے چونک کر گلاب کو دیکھا۔ بے خیالی کے انداز میں اس کا جائزہ لیتی رہی اور اس کے بعد بولی۔

"ذرا جاؤ دیکھو، وہ اسے کہاں لے جارہا ہے۔" گلاب نے حیرانی سے جانم کی صورت دیکھی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن اس نے کافی فاصلے پر ایک

شاندار گاڑی آگے جاتے ہوئے دیکھی تھی۔ قرب و جوار میں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ آس پاس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر جانم کے پاس واپس آگیا۔

"وہ نہیں ہی، جاچکا ہے۔"

"کہاں؟"

"یہ تو نہیں معلوم۔ پیدل نہیں گیا ہے، جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ ایک قیمتی گاڑی میں گیا ہے۔"

"کیا؟" جانم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ وہ گاڑی دور سے دیکھنے ہی سے قیمتی اور شاندار لگتی تھی۔ ویسے اس شاندار آدمی کے پاس ایسی ہی شاندار گاڑی ہونی چاہیے تھی۔"

"جاؤ۔ میں نے ہمیشہ منع کیا ہے کہ فضول باتوں سے گریز کیا کرو۔ اوہو دیکھو شاید وہ یاقوت آرہی ہے، وہ یاقوت ہی ہے نا، کتنے عرصے سے کہہ رہی ہوں کہ میری دور کی نظر کمزور ہو گئی ہے، چشمہ بنوا دیا جائے لیکن کوئی سننے والا ہی نہیں ہے۔"

"وہ یاقوت ہی ہے۔" گلاب نے کہا۔

یاقوت ایک خوبصورت چھڑی ہاتھ میں لئے ایک ملازم کے ساتھ پیدل چلی آرہی تھی۔ خوبصورت لباس میں ملبوس تھی۔ واک کرنے کے لئے گئی تھی۔ جانم نے نادر شاہ کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ یاقوت کہاں گئی ہے۔ عام لوگوں کو بتائی بھی نہیں جاسکتی۔ یاقوت کے تحفظ کے لئے اتنا معقول بندوبست نہیں تھا جتنا ہونا چاہیے تھا لیکن یہ بہت اچھی بات تھی کہ یہ بستی غیرت مندوں کی بستی تھی اور بہو، بیٹیوں کو یہاں بہو بیٹی ہی سمجھا جاتا تھا۔ کبھی کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آیا تھا جو جانم کے لئے تشویش کا باعث بن جاتا، یاقوت تھوڑی دیر کے بعد جانم کے پاس پہنچ گئی اور صورت حال کا اندازہ لگاتی ہوئی بولی۔

"کیا بات ہے جانم......... یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کچھ پریشان ہوں۔"

"نہیں......... نادر شاہ یاد ہے تمہیں۔"

"وہ شخص جو برف کا مہمان تھا؟"

"ہاں......... تمہارے ذہن میں تو وہ نقش معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں جانم......... وہ میرے ذہن پر نقش ہے' پہلے بھی میں دوبار آپ سے یہ بات کہہ چکی ہوں......... کیا وہ یہاں آیا تھا۔" یاقوت نے پر شوق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں......... آیا تھا' لباس تبدیل تھا' ایسا لگتا تھا جیسے اس نے لباس کے ذریعے اپنی شخصیت کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہو۔ اچھے تن و توش کا مالک تو پہلے ہی تھا۔ اس وقت اور اچھا لگ رہا تھا' لیکن نقوش میں تبدیلی ممکن نہیں ہوتی اور نقوش اندر کا پتہ دیتے ہیں۔ اندر سے مجھے وہ پہلے بھی اچھا انسان نظر نہیں آیا تھا' اور اب بھی۔ تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا' تم سے ملنا چاہتا تھا۔ افضال کو تو تم جانتی ہی ہو' ہر ایک کے قدموں میں بچھ جانے کا عادی۔ اس سے کچھ پوچھنا چاہا' میں نے انکار کیا تو افضال کے ساتھ سختی کرنے لگا' یہاں تک کہ اسے کھلونے کی طرح اٹھا کر کندھے پر رکھا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ میں اسی پریشانی کا شکار ہوں......... تم ہی مشورہ دو' کیا میں اس کے بارے میں پولیس کو بتاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔ جہاں آپ کا تجربہ کام کرتا ہے جانم' وہاں میں نے بھی آپ سے کچھ سیکھا ہے۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے میں نے آپ کا ہر نقش قدم پانے کی کوشش کی ہے۔ وہ جیسا بھی انسان ہو لیکن میں نہ اسے برا سمجھتی ہوں اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہوں۔"

دروازے سے آنے والی آواز افضال کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ ماں بیٹیاں اچھل پڑیں اور افضال کی صورت دیکھنے لگیں۔ بظاہر افضال میں کوئی تبدیلی

نظر نہیں آتی تھی' جوں کا توں تھا' جانم نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"کہاں لے گیا تھا وہ تمہیں' گلاب پیچھے دوڑا تو کہنے لگا ایک قیمتی گاڑی تو آگے بڑھتی نظر آئی ہے اب اس قیمتی گاڑی میں افضال بھی ہے یہ نہیں معلوم۔"

"اتنی قیمتی گاڑی کہ شاید اس سے پہلے خضر گڑھ میں کبھی نہ آئی ہو اور اس کے بعد جانم حیرانی تمہیں یہ ہوگی کہ جو مکان تمہاری آنکھوں میں حسرت بن جاتا تھا۔ جس کے سامنے سے گزرتے ہوئی تم کہتی تھیں کہ یہ خوابوں کی سرزمین ہے۔ اسی مکان کے اندر وہ گاڑی رکی تھی اور مکان میں موجود ملازموں نے جس طرح اس کی پذیرائی کی تھی' اس سے یہی اندازہ ہوا تھا کہ وہی اس گھر کا مالک ہے۔"

"کیا.........!" زمرد جانم اچھل پڑی۔ یاقوت کا چہرہ بھی ہوا ہوا سا ہو گیا' دونوں ماں بیٹیوں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی' ان آنکھوں میں کچھ اور ہی تھا' زمرد جانم نے کہا۔

"اے افضال تمہیں میری قسم۔"

"سمجھ لو کائنات اس قسم میں بند ہے' بولو اس قسم کے سہارے افضال کو کیا کرنا ہے۔"

"سچ بولنا ہے تمہیں' اگر واقعی مجھ سے کچھ لگاؤ رکھتے ہو تو۔ بولو ابھی تم نے جو کہا وہ سچ ہے؟"

"ہاں۔ تمہاری قسم۔"

"میرے خدا۔ وہ شخص آخر ہے کیا چیز یعنی وہ گھر' آہ یاقوت کچھ سن رہی ہو۔ سمجھ رہی ہو۔"

"ہاں اماں۔ تم یقین کرو پہلی ہی نظر میں وہ مجھے بڑی پراسرار شخصیت کا مالک لگا تھا۔ شکل و صورت تو خیر واجبی سی ہی ہے لیکن قدو قامت کی بلندی پر احساس دلا

رہی تھی کہ شخصیت میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ وہ گھر......... ارے توبہ' اماں شاید تمہاری آرزوئیں ہمیشہ کی طرح اب بھی پوری ہو رہی ہیں۔ تم نے کیسے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا کہ "اے کاش کوئی سبیل ایسی نکل آئے کہ ہمارے قدم اس گھر تک پہنچ سکیں' جبھی تو کہتے ہیں اماں کہ ہمیشہ اچھی دعا مانگنی چاہیے۔"

"لیکن ہمارے قدم اس گھر تک کیسے پہنچ سکیں گے یاقوت؟" زمرد جانم نے پر خیال انداز میں کہا۔

"میں ذرا گزرے ہوئے لمحات کو یاد کر رہی ہوں' میں نے اس سے کہا تھا اماں کہ میں مخمل کے بکس میں ہی زندہ رہ سکتی ہوں' ایسا ہی کہا تھا کچھ میں نے کہ "ہم نگینے ہیں اور ہمارے لئے مخمل کے بکس درکار ہوتے ہیں۔" تو کہنے لگا مخمل کے بکس لے کر ہی آؤں گا انتظار کرنا' کسی اور انگوٹھی میں سجنے کی کوشش کی تو تباہ کر دی جاؤ گی۔ تو لگتا ہے اماں یہ جو جلدی جلدی بے شمار مزدوروں نے یہ خوبصورت گھر بنایا ہے' شاید......... شاید میرے ہی لئے ہو؟"

"خیر......... خواب بے شک دیکھو لیکن ایسے نہیں کہ جن کی تعبیر مشکل ہو جائے' ہاں اگر تعبیر سے آغاز ہو تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ افضال کیا وہ اس وقت بھی گھر میں موجود ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم ہی آ گئے تو کافی ہے حالانکہ جانتے ہیں ہمارا آنا اس کے آنے سے بہتر نہیں۔" افضال نے کہا۔

"اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے یاقوت؟"

"اماں یہ اچھی بات ہے کہ میں اس سے نہیں ملی' اگر یہ سچ کہتے ہیں تو آپ کی اجازت ہو تو میں اس طرف چلی جاؤں' خود ملوں اس سے۔" کچھ لمحوں کے لئے زمرد جانم کی آنکھوں میں سوچ کے آثار گہرے ہوئے پھر اس نے تجربے کارانہ انداز

میں کہا۔

"جاؤ گی اور وہ نہ پاؤ گی جو سوچتی ہو تو دکھ ہو گا' اور دکھ کی لکیر ہمیشہ شفاف چہروں کو داغدار کر دیتی ہے۔ انتظار کرو' تقدیر اگر کچھ دینے پر آمادہ ہے تو اسے اپنے دروازے تک آنے دو فیصلہ بعد میں کریں گے۔"

"مگر اماں آپ نے رویہ بھی تو اچھا نہیں رکھا۔ پہلے بھی آپ نے ایسا ہی کیا تھا' اور اب بھی۔" یاقوت نے تلخی سے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ زمرد جانم سرد نگاہوں سے ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ناتجربے کار لڑکی خود کو تجربے کار سمجھتی ہے۔"

موسم بہار کا پہلا پرندہ درختوں کی چوٹیوں پر اترا تو قرب و جوار میں مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ سردار تیمور اپنی جیپ میں بیٹھ کر باہر نکل پڑا۔ خورشید جو اس کی بیوی تھی بیٹی اور بیٹا سب کے سب ساتھ تھے۔ بس نایاب نہیں تھی اور اس کا احساس سبھی کو تھا' بدر شاہ جو جیپ ڈرائیور کر رہا تھا' ایک غم کی لکیر چہرے پر سجائے ہوئے تھا' خورشید کی آنکھوں میں بھی عجیب سے تاثرات تھے' الماس سب سے چھوٹی تھی بول پڑی۔

"بابا جان کیوں نا یوں کریں کہ پہلے باجی کے پاس چلیں باجی کو ساتھ لیں اور اس کے بعد سیر کرنے کے لئے نکلیں۔" گویا الماس نے وہ بھرم توڑ دیا جو سب نے قائم کر رکھا تھا' سب اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ نایاب اب ان کے بس میں نہیں ہے' ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے چنانچہ سب نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ الماس نے کسی سے بات کا جواب ناپایا تو خود بھی خاموش ہو گئی لیکن بدر شاہ اپنی خاموشی نہ روک سکا اور بولا۔

"حکم چاہتا ہوں بڑے مالک۔ کیا کہتے ہیں کیا جیپ کا رخ نایاب بیٹی کے گھر کی

جانب موڑ لوں؟"

"بدر شاہ تم بھی بچوں جیسی بات کرتے ہو' پہلے سے نادر شاہ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا گیا' نایاب نے ممکن ہے اپنے اس مشغلے کے بارے میں اسے بتایا ہو' لیکن اگر ایسا ہوتا تو اب تک وہ یہاں پہنچ چکی ہوتی۔ بدر شاہ تم نہیں جانتے بیٹیوں کو ان کے گھر میں آباد کرنے کے لئے ماں باپ کو اپنے سینے پر پتھر کی نجانے کتنی سلیں رکھنی پڑتی ہیں۔ ہم اپنے مشغلے ان پر مسلط نہیں کر سکتے۔ ہاں رفتہ رفتہ انہیں یہ سمجھا سکتے ہیں کہ اگر وہ ہماری خوشیوں میں اس طرح شرکت کر لیں تو ہمیں یہ احساس نہیں ہو گا کہ وہ اجنبی ہیں۔"

"ایک بار نادر شاہ سے مل کر یہ بات کر لی جائے کہ چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں اگر ہماری بیٹی اسی طرح شریک ہوتی رہے' جس طرح شادی سے پہلے ہوتی رہی ہے تو یہ نادر شاہ کی مہربانی ہو گی' ویسے وہ کبھی منع نہیں کریں گے' جب بھی ملتے ہیں بہت اچھی طرح ملتے ہیں اور ان کی مہربانیاں صاف محسوس بھی ہوتی ہیں۔" خورشید نے کہا۔

"ہاں یہ الگ بات ہے' لیکن ایسی باتیں عورتوں کو ہی زیب دیتی ہیں۔ آہا۔ بدر شاہ ذرا بائیں سمت موڑو۔ وہ جو درہ سامنے کی سمت جاتا ہے یہ ہمارے حفاظتی حصار ہیں جو ہماری سرزمین کو پڑوسی دخل اندازوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔"

"بدر شاہ نے جیپ کا رخ موڑ دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ شاید اس وقت سردار تیمور نے اس موضوع کو بدلنے کے لئے اچانک ہی بات کی ہے طویل راستہ عبور کرنے کے بعد وہ درے کے پاس پہنچ گیا تو سردار تیمور کا چہرہ آہستہ آہستہ سکڑنے لگا۔ اس نے گہری نگاہوں سے درے کے اس حصے کا جائزہ لیا جسے ایک بار فوجی جوانوں نے خود سردار تیمور کی شکایت پر چٹانوں اور پتھروں سے برابر کر دیا تھا اور اس

راستے کو برابر کر دیا تھا جسے مشکوک قرار دیا گیا تھا لیکن اس وقت وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے تھے اور درے میں دوسری جانب جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ سردار تیمور کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اتر کر نیچے آگیا۔ درّے کو جانے والے راستے سے ایک چوڑی پگڈنڈی آگے کی سمت گزرتی تھی۔ سنگلاخ چٹانوں پر نشانات تو نہیں بنتے لیکن باریک پتھر کبھی کبھی اپنے اندر کچھ تصویریں جذب کر لیتے ہیں اور زیرک سردار کو ٹائروں کے کچھ نشانات نظر آگئے تھے جنہیں دیکھ کر وہ سناٹے میں رہ گیا تھا' بدر شاہ بھی اس کے پاس آگیا تو سردار تیمور نے کہا۔"

"بدر شاہ اس کا مطلب ہے کہ اس علاقے کو پھر سے استعمال کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔"

"ممکن ہے بڑے مالک۔ ہمارے اپنے ہی فوجی ادھر سے آتے جاتے ہوں؟"

"صرف امکان پر کوئی بات نہیں چھوڑی جاسکتی۔ بدر شاہ یہ ذمہ داری میں تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ تم یہاں آکر تھوڑی سی نگاہ رکھو' بات صرف اتنی نہیں ہے کہ ہم غیر اور اجنبی ہیں اور ان معاملات سے براہ راست ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے' بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر فرد اپنی سرحدوں کا محافظ ہے اور خاص طور سے ہم جو یہاں رہتے ہیں۔"

"چلو آگے چلو۔" سردار تیمور نے کہا اور دونوں واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گئے' جیپ کا رخ بدل دیا گیا تھا۔

چوتھے ڈیرے پر نادر شاہ' شرجیل کو ملا تھا اور شرجیل اپنے گھوڑے سے اتر کر ں کے پاس پہنچ گیا تھا۔ نادر شاہ قبائلی لباس میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کچھ چیزوں معائنہ کر رہا تھا جو پلنگ پر بچھی ہوئی ایک چادر کے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ یہ کپڑوں ے تھان' بچوں کے کھلونے اور کچھ اور ایسی چیزیں تھیں جن کی ملک میں بے حد پت تھی اور وہ بہت مہنگی حاصل ہوتی تھیں' شرجیل دبے قدموں نادر شاہ کے پاس نچ گیا' تو نادر شاہ نے رخ بدلے بغیر کہا۔

"یہ اندازہ ہو چکا ہے مجھے کہ تم بہت سی جگہوں پر مجھے تلاش کرتے ہوئے ال تک آئے ہوگے۔" شرجیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور بگ باس نے غلط تو نہیں کہا تھا شاہ جی' مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں ایک بے حد ذہین شخص کے پاس جا رہا ہوں۔"

"چھوڑو یہ بتاؤ اس دھوئیں کا راز معلوم ہو سکا۔" نادر شاہ نے کہا۔

"ہاں۔ فاریسٹ آفیسر اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ سرکاری ریسٹ ہاؤس میں مستقل طور پر آبسا ہے' یقینی طور پر جنگلات کی حفاظت کے لئے۔ خاصے

لوگ اس کے ساتھ موجود ہیں اور محکمہ جنگلات کا جو دفتر بہت عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا ایک بار پھر آباد ہو گیا ہے۔"

"ہوں۔ بہتر تو نہیں ہوا۔ اجنبیوں کا ہمارے اندرونی علاقے میں رہنا غی مناسب ہے، بہت سے ایسے کام بھی ہوتے ہیں جنہیں خفیہ رکھنا ضروری ہوتا ہ اس سے پہلے یہاں کیا کیا جاتا رہا ہے؟"

"شاید کچھ نہیں۔ کیونکہ ادھر کام ہی بہت محدود تھا، یہ تو کچھ نئے سلسلے ہیں بڑی چھان بین کے بعد شروع کئے گئے ہیں۔" شرجیل نے جواب دیا، نادر شاہ پرخیا انداز میں گردن ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔

"کوئی بھی بڑا کام کرنے سے پہلے مدمقابل کے بارے میں بھی غور کرنا ضرو ہوتا ہے، کسی سرکاری آدمی سے کوئی دشمنی یا مخالفت مول لینا مناسب نہیں ہے ل اس کا بھرپور جائزہ لے لیا جائے، یہ اندازہ لگالیا جائے کہ کس پائے کا انسان ہے۔ اس کے بعد سوچیں گے اس کے بارے میں فی الحال شرجیل تم یوں کرو کہ اپنے آدمیوں کو اس کے درمیان شامل کردو، جس طرح بھی ممکن ہو سکے، مقامی لوگوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو ہمارے لئے کام کرسکتے ہیں، دو آدمی وہاں موجود ہونے چاہئیں اس کے ساتھیوں میں سے اگر چاہو تو دو افراد ہر خرید لو ہر قیمت پر، سمجھ رہے ہو نا ہمارے دو افراد ہر قیمت پر اس کے ساتھ اور اس کے آس پاس ہونے چاہئیں۔"

شرجیل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہی ہوگا ش جی۔ آپ اطمینان رکھئے گا۔"

انداز یہ ہوتا تھا کہ شرجیل کی اصل شخصیت وہ نہیں تھی جس حیثیت سے وہ نادر شاہ تک پہنچا تھا۔ بگ باس نے ویسے تو نادر شاہ کو یہ بات بتائی تھی کہ شرجیل اس کا غلام ہوگا اور اس کے زیر صدارت کام کرے گا لیکن جس اعلیٰ کارکردگی کا وہ مالک تھا اور جس انداز میں کام کرنے کا عادی تھا، اس سے پتہ چلتا تھا کہ بہت گہری شخصیت کا مالک ہے۔ البتہ شاید وہ نادر شاہ سے غیر مطمئن نہیں تھا اور اس کی وجہ وہ مفادات تھے جو نادر شاہ کے ذریعے اسے حاصل ہوئے تھے۔

ویسے نادر شاہ خود بھی لالچی آدمی نہیں تھا، سب کچھ خود ہی کھا جانے کا شوقین نہیں معلوم تھا۔ ایسے لوگ اپنے کام بڑی خوش اسلوبی سے کرلیا کرتے ہیں اور انہیں غیر معمولی دوست بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ شرجیل بھی یقیناً ایسے ہی غیر معمولی دوستوں میں سے تھا۔

بہرحال دونوں کا تعاون ایک دوسرے کے ساتھ بہترین چل رہا تھا اور یقینی طور پر بگ باس کو بھی اچھی ہی رپورٹیں مل رہی تھیں اور وہ مطمئن تھا۔ بہت مختصر وقت میں شرجیل نے اپنے آدمیوں کے ذریعے دو ایسے افراد منتخب کرلئے جنہیں توڑا جاسکتا

تھا۔

یہ سرکاری ہی آدمی تھے اور سرکاری طور پر ریسٹ ہاؤس اور محکمہ جنگل کے لئے کام کیا کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ بھی ریسٹ ہاؤس ہی تھی۔ ایک کا جاگیر دوسرے کا ریاض تھا۔ جاگیر اور ریاض اس بات پر تیار ہوگئے کہ فاریسٹ آفی کے سارے معاملات انہیں بتائیں اور یہ تفصیل بتائیں کہ وہ کیا ارادے رکھتا ہے ا یہاں کیا کیا کر رہا ہے۔

چنانچہ پہلی رپورٹ جو شرجیل کو ان دونوں سے ملی وہ یہ تھی کہ حیدر ز محکمہ جنگلات کے لئے بڑے جذباتی انداز میں سوچتا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کہا ہے کہ اس کی ڈیوٹی صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ جنگل کے درختوں کی دیکھ بھ کرے بلکہ محکمے کے ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ پہاڑی علاقہ اور سرحد کے قر ہونے کے تحت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ پڑوسی ملک کے دخل انداز ایسی حرکت نہ کرسکیں جو ملکی مفاد کے خلاف ہو۔

درخت بے حد قیمتی ہیں اور اب تک جو درخت کٹ چکے ہیں۔ ان بارے میں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس نے کاٹے ہیں۔ ایسے افراد پر کڑی نگاہ ر جائے جو یہاں جنگل میں ایسی کارروائیوں کے مرتکب ہوں۔ شرجیل نے یہ سا تفصیلات نادر شاہ کو بتائیں تو نادر شاہ نے کہا۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کیا کارروائی کرتا ہے، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے معاملات میں مداخلت ہونے پائے۔"

"اگر آپ حکم دیں تو اس سے ملاقات کر کے اسے اپنا ساتھی بنانے کی کوش کی جائے۔" شرجیل نے نادر شاہ سے کہا اور نادر شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ

لمحات سوچتا رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں شرجیل کسی کو اس وقت تک نہ چھیڑو جب تک کہ وہ تم سے دور رہنے کی اہلیت رکھتا ہے اگر کہیں ہمارا راستہ روکا تو ہم اس سے خود ملاقات کریں گے پہلے اسے دوستی کی پیشکش کریں گے اور اس کے بعد.........." نادر شاہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور شرجیل پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

دونوں کی عمر میں ایک سال کا فرق تھا لیکن زیب النساء ہمیشہ سلطان سے بڑا بننے کی کوشش کرتی تھی۔ محبت کا یہ عالم کہ اگر اسے پتہ چل جاتا کہ سلطان کو اس کے خون کی ضرورت ہے تو اپنے بدن کا سارا خون نچوڑ کر رکھ دیتی۔ بہن بھائیوں میں ایسی بے مثال محبت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے' دونوں ہی اپنے طور پر جنونی فطرت کے مالک تھے اور بہت سی جگہوں پر ان کے جنون نے ان کے راستے روکے تھے' تقدیر ابھی ان سے تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں تھی' آٹھ اور نو سال کے تھے جب ماں رخصت ہوگئی' گیارہویں سال میں باپ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ سلطان کے باپ ذیشان کے خاندان والے نہ ہونے کے برابر تھے' بہت ہی دور کے چند افراد جنہوں نے کبھی ذیشان سے دلچسپی نہیں رکھی تھی اور ذیشان ہمیشہ ان حسرتوں کا شکار رہا کہ اس کا اپنا کوئی سگا رشتے دار نہیں ہے۔ وہ اور اس کی بیوی تو خیر جیسے تیسے بھی بن پڑا زندگی گزار گئے لیکن وہ اپنے بچوں کے لئے دکھی تھے کہ انہیں رشتے دار نہیں ملے اور وہ بھی تنہا ہی زندگی گزریں گے۔ ماں باپ کی جدائی کے بعد دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کی زندگی بن گئے۔ باپ نے ترکے میں گھر چھوڑا تھا' چھوٹے

سے علاقے میں چھوٹے سا گھر۔ سمجھ دار آدمی تھا' بیوی کی موت کے بعد خاص طور سے بچوں کے سلسلے میں محتاط ہوگیا تھا اور جو کچھ بن سکا تھا' پس انداز کرلیا تھا یہی پس انداز کی ہوئی رقم دونوں بہن بھائیوں کے کام آئی۔ لاوارث رہ گئے تھے۔ چنانچہ زیادہ محتاط ہو گئے۔ دو ہی صورتیں ہوتی ہیں' بگڑتے ہیں یا بن جاتے ہیں۔ زیب النساء نے انٹر کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا لیکن بھائی کو بی اے کراکر چھوڑا' جوان ہو چکی تھی اور سلطان کی دلی آرزو تھی کہ بہن کے لئے کوئی رشتہ مل جائے تو بچے کچھے پیسے اس کا گھر بسانے میں خرچ کر دیئے جائیں بس اس کے بعد تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے لیکن زیب النساء نے حتمی طور پر کہہ دیا تھا۔

"دیکھو سلطان' ایک بات ذہن میں رکھنا' میں جانتی ہوں تم ایک اچھے بھائی کی حیثیت سے میرے لیے سوچ رہے ہو لیکن کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ایک اچھی بہن نہیں ہوں۔"

"اگر تم اچھی بہن نہ ہوتیں زیبی تو شاید میری سوچ میں اتنی شدت نہ آتی۔ اب دیکھو نا' دنیا کا ایک ہی رنگ' ایک ہی ڈھنگ ہے' ہم دنیا سے ہٹ کر تو نہیں جی سکتے نا' ہمیں بھی دنیا ہی کی مانند دنیا میں رہنا ہوگا' تمہارا ٹھکانہ ہو جائے گا' ایک گھر مل جائے گا ہمیں' اپنے جیسے غریب لوگ تلاش کریں گے' محبتیں تقسیم کرلیں گے' تم یہ دیکھو کہ ہمارے لیے کچھ نئے سوچنے والے پیدا ہو جائیں گے۔ کم از کم خلوص سے تو سوچیں گے بلکہ میں تو کہتا ہوں کوئی ایسا رشتہ مل جائے جس میں کوئی لڑکی بھی ہو' میں اس سے شادی کرلوں گا اس طرح ہمیں اس کی مزید قربتیں مل جائیں گی۔" زیبی نے ہنستے ہوئے بھائی سے کہا۔

"ارے واہ! کیا چالاکی سے اپنے لیے بھی سوچ لیا ہے لیکن ایک بات ذہن نشین کرلو' اس کے بغیر میں کچھ نہیں قبول کروں گی۔ پہلے گھر میں میری بھابی آئے گی

میں دیکھوں گی کہ بھابھی تمہارا اتنا خیال رکھ سکتی ہے یا نہیں جتنا میں رکھتی ہوں۔ اطمینان ہوگا تو تمہاری بات مان لوگی اور اگر نہیں تو تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔"

"اچھا بابا اچھا، ہم یہ ہوائی قلعے تو بنا رہے ہیں لیکن چلو تمہارے لیے تو نے کچھ کرلیا سو کرلیا، میرے بارے میں لوگ یہ بھی تو پوچھیں گے کہ لڑکا کرتا ہے، پہلے کچھ کرلوں۔"

"ہاں بالکل، ظاہر ہے اب یہ کرنا ہوگا۔" اور سلطان نوکری کی تلاش میں گیا لیکن ایسے لاوارث لوگوں کو بھلا نوکریاں کہاں ملتی ہیں۔ ایک نیا کھیل شروع ہو اور یہ کھیل سلطان کے لیے اجنبی نہیں تھا، تعلیم کے میدان میں بھی اسے ا محرومی کا سامنا کرنا پڑا تھا، بہترین پیپر دیتا، بہترین پیپر ہوتے لیکن پہلی پوزیشن نہیں مل سکی تھی۔ ایسے ایسے نکمّے اور ناکارہ لوگ خفیہ ذرائع سے اپنے نمبر بڑھوا اچھی پوزیشن میں پاس ہو جایا کرتے تھے جن کے بارے میں نہ صرف سلطان ایک ایک فرد کا یہ خیال ہوتا تھا کہ پڑھنے لکھنے سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے خفیہ ذرائع ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے تھے اور وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے تھے ان کے والدین کے تعلقات اور ان کی کمائی ان کے تعلیمی مشاغل میں بھی ان کا سا دے رہی ہے۔ ایسے موقع پر بارہا سلطان جنونی ہوا تھا اور اس نے نجانے کیا منصوبے بنائے تھے لیکن یہ زیب النساء تھی جس نے اس کے سارے منصو صابن کے جھاگ کی طرح بٹھا دیئے تھے اور ہمیشہ سختی کے ساتھ پیش آتے ہوئے ا سے کہتی تھی۔

"دیکھو سلطان بے شک تم مجھ سے ایک سال بڑے ہو لیکن تقدیر نے تمہاری ماں بنا دیا ہے، برا مت ماننا میری بات کا اگر ماں زندہ ہوتی تو وہی تم سے ک

جو آج میرا فرض ہے، ایک بات ذرا اچھی طرح ذہن نشین کرلینا، برائی کا کوئی بھی راستہ اپنایا تو بہن تم سے زیادہ جنونی ہے۔ زندگی میں پھر تم مجھے کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے، اس کے لئے میں ماں اور باپ دونوں کی قسم کھا کر کہتی ہوں، تم سے۔"

اور سلطان جانتا تھا کہ جو جنون اس کی رگوں میں خون بن کر بہہ رہا ہے وہی خون زیب النساء کی رگوں میں بھی ہے چنانچہ یہ مرحلہ گزر گیا۔

لیکن اب ملازمت کے حصول کے لئے جو کوششیں وہ کر رہا تھا ان میں بھی اسے اسی مشکل، اسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور اس کے ذہن میں پھر جنون کی لہریں بیدار ہونے لگی تھیں۔ عزت سے نوکری ملنا مشکل تھی البتہ نوکری کی تلاش میں جن لوگوں سے رابطے ہوئے تھے، ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس سے کہا تھا۔

"سلطان! تمہاری شخصیت تمہارا تن و توش تمہاری وکالت کرتا ہے، دیکھو دوست، زندگی پنج شاخے کی طرح ہوتی ہے بلکہ پنج شاخہ بھی نہیں، ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہو نا، کوئی کسی طرف جاتی ہے، کوئی کسی طرف، غالباً یہ زندگی کی شاہراہیں ہیں، تم سیدھی لکیروں کی جانب بڑھو گے، لکیریں تمہیں زندگی کی انتہا تک لے جائیں گی، بے شک وہ سیدھی ہوں گی لیکن راستے میں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ ٹیڑھی ترچھی زندگی ہی اس دور میں کامیاب زندگی کہلاتی ہے، تمہاری مدد کی جاسکتی ہے لیکن نوکری کے حصول کے لئے نہیں کچھ ایسے کاموں کے لیے جنہیں تم بخوبی سر انجام دے سکتے ہو اور ان کا تمہیں معاوضہ بہترین ملے گا، کیا سمجھے۔"

لیکن سلطان اس پر راضی نہیں ہوا تھا، نوکری کی تلاش کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی، انٹرویو لینے والوں سے نفرت ہو چکی تھی.......... ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا، یہ انٹرویو کھیل ہوتا تھا، بڑے لوگوں کا کھیل، رشوت خوروں کا کھیل،

انسانیت کا مذاق اڑانے والوں کا کھیل' بے بسوں کی تقدیر سے دلچسپی لینے والوں کا کھیل اور اس کھیل کو کھیلنے کا اب اس کا دل بالکل نہیں چاہتا تھا جبکہ ہر صبح باقاعدگی سے اخبار دیکھ کر زیب النساء ان پر سرخ پینسل سے نشان لگایا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہاں درخواست بھجواؤ' انٹرویو دینے جاؤ' شروع میں تو بہت کوششیں کی تھیں' زیب النساء کی ہر خواہش کی تکمیل کی تھی اور بعد میں اسے انٹرویو کے ا... تکمیل کے بارے میں تفصیلات بھی بتائی تھیں لیکن زیب النساء ضرورت سے زیادہ ہی سمجھدار تھی اس نے کہا۔

"دیکھو! دنیا بہت بری ہو چکی ہے لیکن اس کی بقاء یہ ظاہر کرتی ہے بھائی اس میں اچھے آدمی ضرور موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی اس دنیا میں جب دیکھے گا کہ اس میں اب اچھائی کا کوئی عنصر نہیں رہ گیا ہے تو وہ اسے ختم کر دے اور ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ ایسے اچھے لوگ ضرور مل جائیں گے سلطان تمہیں تمہارا مقام دیں گے' بددل نہیں ہونا چاہیے۔"

"کچھ لوگ مجھے میرا مقام دینے کے لیے تیار ہیں زیبی لیکن تم مجھے اس مقـ... تک جانے ہی نہیں دیتی ہو۔"

"یہ دیکھو! آج کا یہ اخبار دیکھو......... چار افراد پولیس مقابلے میں مارے گئے' یہ قتل' یہ خودکشی' یہ سزائے موت' سلطان' میرے بھائی کیا' برائی کرنے کے لیے دوسرے بہت سے لوگ موجود نہیں ہیں جو تم بھی ایسے ہی راستوں کے بارے میں سوچتے ہو۔ میں تم سے پھر یہی بات کہتی ہوں کہ وقت کتنا ہی گزر جائے ابھی ہم زندگی بہتر انداز میں گزار رہے ہیں لیکن بدترین حالات ہو جائیں تب بھی انتظار کریں گے ان لمحات کا جو ہمارے لیے خوشی اور سکون مہیا کر دیں۔ مصائب ا... ناکامیوں سے گھبرا کر ایک بھی قدم غلط مت اٹھانا' صحیح راستے موجود ہیں تلاش ک...

دیر ہو رہی ہے لیکن ان کی موجودگی اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ہمیں مل جائیں گے' ضرور مل جائیں گے۔"

"زیبی! میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے' دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا میں آگ لگا دوں' دنیا کے رنگ ڈھنگ دیکھتا ہوں' اپنے شہر میں ایسے لاتعداد مناظر دیکھتا ہوں' سخت سردیوں میں ٹھٹھرتے ہوئے جسم' پرانے کپڑوں اور دھجیوں کو تلاش کرتے ہوئے اور ایک طرف دولت کے انبار' ایک طرف گندی کیچڑ میں کپڑوں کی بنائی ہوئی چھت' دوسری طرف عظیم الشان بنگلے جن میں ان کے مکینوں کا سراغ لگانا مشکل ہو' یہ تضاد برداشت نہیں ہوتا مجھ سے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو سلطان۔ کیا یہ تضاد کائنات بنانے والے کے علم میں نہیں ہوگا' وہ اسے برداشت کر رہا ہے' اس نے اسے قائم رہنے دیا ہے تو میں یا تم کون ہوتے ہو اس پر نکتہ چینی کرنے والے یا یہ سوچنے والے کہ یہ تضاد کیوں ہے۔ اسے آسمانوں سے قائم رہنے دیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے قائم رہنا ہے' کیا رمز ہے' کیا وجوہات اگر یہ ہم تک نہیں پہنچی ہیں تو ہمیں ان کی کرید نہیں کرنی چاہیے' مالکِ دو جہاں جس کو جو دینا چاہتا ہے دیتا ہے اس کے اقدامات پر نکتہ چینی کرنے والے بہتر سوچ کے حامل نہیں ہوتے' اپنا کام خود کرو' خود دیکھو' خود سوچو۔"

اور سلطان خود دیکھتا اور خود سوچتا رہا لیکن ان سوچوں نے اسے کوئی مدد نہیں دی' یہاں تک کہ وہ اپنی منزل کھو بیٹھا۔ ایک ایسا شخص جو بارہا اسے مل چکا تھا اور اسے پیش کش کر چکا تھا' جب آخری بار اسے ملا تو سلطان نے اس سے کہا۔

"تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"وہ جو تم خود اپنی مدد نہیں کر سکے۔"

"بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"یہ رقم ایڈوانس رکھو، تمہیں جو کرنا ہے اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو، یہ رقم لے جاؤ اور پہلے پندرہ دن تک عیش کرو، اسے خرچ کرو اس کے بعد مجھ سے سے بات کرنا۔" اور جو رقم سلطان کو دی گئی وہ اتنی مناسب تھی کہ سلطان نے سوچ کے دروازے بند کرلیے۔ اب اس نے اپنی صلاحیتیں صرف اس بات پر صرف کیں کہ زیب النساء کو مطمئن کرسکے۔ بہن کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا، بہت ہی تیز اور گہری نگاہوں کی مالک تھی۔ اس کی چالاکیوں سے نمٹنے کے لیے بہت احتیاط سے کام لینا تھا چنانچہ ایک انٹرویو لیٹر خود ٹائپ کرکے گھر پہنچایا اس کے بعد انٹرویو دیا اور تین دن کے بعد اپائٹمنٹ لیٹر بھی ڈاک سے ہی بھجوایا، جسے دیکھ کر زیب النساء خوشی سے دیوانی ہوگئی تھی اور دونوں بہن بھائی گھنٹوں خوشیاں مناتے رہے تھے، گو سلطان کی آنکھوں میں شرم کے آثار تھے اور اسے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ زیب النساء کو دھوکہ دے رہا ہے لیکن وقت کی یہی آواز تھی پھر اس کے بعد جھوٹ کے لاتعداد سلسلے شروع ہوگئے۔ مالکان کی شاندار شخصیت کا تذکرہ کیا گیا۔ ایڈوانس کی رقم زیب النساء کے ہاتھ پر رکھی گئی، باقی رقم بچاکر تحائف خریدے گئے۔ کام کی نوعیت بتائی گئی، زیب النساء کے چبھتے ہوئے سوالات کے جواب دیئے گئے بہرحال زیب النساء کو شبہ تو نہیں ہوا تھا حیرت زدہ ضرور ہوئی تھی وہ اور جب سلطان اسے یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ اس کے مالکان بڑی نفیس طبیعت کے مالک ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ رقم کوئی چیز نہیں ہوتی، محنت سے کام کروگے تو اتنا معاوضہ ملے گا تمہاری تمام مشکلات دور ہوجائیں گی۔ کام کے بارے میں سلطان نے اسے بتایا تھا کہ وہ لوگ کلیئرنگ فارورڈنگ کا کام کرتے ہیں باہر بھی مال بھیجا جاتا ہے، امپورٹ بھی کیا کرتے ہیں، مختلف پارٹیوں کے لیے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پارٹیاں پرائیوٹ طریقے سے بھی کام دیا کرتی ہیں اور یہ کام سیکھنے کے بعد سلطان اگر چاہے تو

اپنا کام بھی شروع کرسکتا ہے۔ بہرحال سلطان نے باقاعدگی سے دفتر آنے جانے کا سلسلہ شروع کرکے زیب النساء کو مطمئن کردیا تھا البتہ ایک خوف اس کے دل میں رہتا تھا۔ دنیا سے تو وہ بالکل نہیں ڈرتا تھا، دلیر اور انتہائی نڈر قسم کا نوجوان تھا، ساری دنیا میں اسے صرف اپنی بہن کا خوف ہوتا تھا، جانتا تھا کہ زیب النساء بھی اتنی ہی جنونی فطرت کی مالک ہے کہ اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ بھائی جرم کی دنیا میں داخل ہو چکا ہے تو شاید وہ کوئی بھی اندھا قدم اٹھا بیٹھے گی۔ سلطان کا دوست وہ ساتھی جس نے اسے برے راستوں پر لگایا تھا، سلطان پر مکمل بھروسہ کرنے لگا تھا اور خود سلطان کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ جو کام وہ کر رہا ہے، اس کی نوعیت کیا ہے۔ یہ اسمگلروں کی ایک پارٹی تھی جو ہر طرح کی اسمگلنگ کا سامان ادھر سے ادھر کرتی رہتی تھی۔ بہت سے پوائنٹس تھے اس کے اور سلطان کو اس کے لیے بڑی محنت اور ہوشیاری سے کام کرنا پڑتا تھا۔ خاص طور سے وہ ایک چیز سے بے حد خوفزدہ ہوا تھا وہ یہ کہ اس کا دوست اس کے اسکول سے لے کر کالج تک کا ساتھی، ایک اچھی حیثیت کا مالک شیراز محکمہ خفیہ میں چلا گیا تھا اور اپنی تربیت مکمل کرکے کسی شہر میں تعینات ہوگیا تھا۔ اس نے سلطان کو اپنی ملازمت کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں، سلطان کو صرف ایک بات کا خدشہ تھا کہ نارکوٹکس کے افسران اعلیٰ میں شیراز کی بڑی شناسائی تھی کہیں کوئی ایسا وقت نہ آجائے کہ شیراز کو اس کا راستہ روکنا پڑ جائے، باقی لوگوں کو تو موجودہ حالات کے تحت اپنی ناکامیوں اور مجبوری کو مدنگاہ رکھ کر نقصان بھی پہنچایا جاسکتا ہے لیکن شیراز، شیراز کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ بہرحال جب انسان برائی کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ابتدائی طور پر تو اسے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دنیا سے نہیں اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ ضمیر کو شکست دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے، تب اس کے اصل کام کا آغاز ہوجاتا ہے۔ سلطان ابھی تک شاید

اپنے ضمیر کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ شیراز بے شک کہیں مصروف ہو گیا تھا لیکن زیب النساء موجود تھی جو کبھی کبھی پریشان ہو کر سلطان کی آمدنی پر غور کرنے لگتی تھی آخر یہ ایسی کون سی ملازمت ہے جس میں دولت اس طرح برس رہی ہے' نوٹوں کی گڈیاں کی گڈیاں آتی ہیں' پتہ نہیں کیوں اس کے دل پر ایک خوف سا طاری رہتا تھا۔ بار بار بھائی سے یہ بات کہتے ہوئے شرمندگی محسوس ہوتی تھی کہ کہیں وہ غلط راستوں پر تو نہیں بھٹک گیا ہے۔ بہرحال بڑا بھی تھا' جوان بھی تھا' تھوڑا سا خیال تو کرنا ہی پڑتا تھا اور آخر کار وہ وقت آگیا جو آنا تھا اور جس کا خوف نجانے کیوں کبھی کبھی زیب النساء کے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیتا تھا۔ اس وقت سلطان گھر پر موجود نہیں تھا' جب دو افراد گھر پر پہنچے۔

دونوں ہی چہروں سے مشکوک نظر آتے تھے' ان میں سے ایک نے زیب النساء سے سلطان کے بارے میں پوچھا۔

"نہیں وہ تو آفس گئے ہوئے ہیں' آپ ان سے کیوں ملنا چاہتے ہیں' کیا آپ کو ان کے آفس کا پتہ معلوم ہے۔"

"آفس۔" ان میں سے ایک نے دوسرے کی شکل دیکھی' دوسرا کہنے لگا۔

"بہن کیا آپ ہمیں بتا سکتی ہیں کہ وہ کون سے آفس میں کام کرتے ہیں؟"

زیب النساء کے ذہن پر ایک ضرب سی لگی اس نے تعجب بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ واقعی اسے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ سلطان کی فرم کا کیا نام ہے' وہ کہنے لگی۔

"اتفاق کی بات ہے کہ مجھے فرم کا نام نہیں معلوم لیکن وہ کلیئرنگ فارورڈنگ کرتی ہے۔"

"بہت بد نصیب آدمی ہے وہ' بہرحال بہن معافی چاہتے ہیں' ہمارا تعلق محکمہ

خفیہ سے ہے اور ہمیں بہت عرصے سے سلطان کے بارے میں یہ رپورٹیں مل رہی ہیں کہ وہ ڈرگس کے اسمگلروں کے ساتھ کام کر رہا ہے کئی دفعہ پولیس کا اس سے سامنا ہو چکا ہے لیکن وہ نکل گیا ہے۔ اس بار اس کے خلاف پولیس کو بہترین ثبوت حاصل ہوئے ہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے پاس تلاشی کا وارنٹ نہیں ہے' یہ دیکھئے یہ ہمارے شناختی کارڈ ہیں اور یہ وارنٹ' بے شک وہ موجود نہیں ہے لیکن اس کی غیر موجودگی میں ہم آپ کے گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھ اور بھی افراد ہیں ہم ہر کام قانون کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ پڑوس کے کسی معتبر آدمی کی تلاش میں ہمارے دو آدمی نکلے ہوئے ہیں ابھی ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی لینا پڑے گی' سب کچھ قانونی طریقے سے ہو رہا ہے۔"

غرضیکہ پڑوس کے ایک بزرگ اور ایک نوجوان آدمی کو ساتھ لے کر نارکوٹکس کے چند افراد اندر آگئے اور اس کے بعد اس عزت دار گھرانے کے ایک ایک گوشے کی تلاشی لی گئی' جہاں چند افراد بڑی باعزت زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ آخر کار ایک خفیہ جگہ سے ہیروئن پاؤڈر کی کچھ تھیلیاں برآمد ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی کچھ ایسے پتے ٹھکانے بھی جہاں سے یہ کاروبار کیا جاتا تھا اور اس کے بعد شک و شبے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ زیب النساء پتھرا گئی تھی' پچھلے تمام شکوک ذہن میں تازہ ہو گئے تھے اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت نظر آنے لگی تھی۔ خفیہ والوں نے بڑی ذہانت سے گھر کی ناکہ بندی کی تھی' زیب النساء نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"اگر سلطان یہاں آگیا تو میں قطعی اس کی مدد نہیں کروں گی' وعدہ کرتی ہوں۔"

نارکوٹکس اور پولیس کے چند افراد گھر کے آس پاس پوشیدہ ہو گئے۔ پڑوسیوں

کو بھی پر سکون رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔ زیب النساء اپنے اوپر ٹوٹنے والی قیامت کے ایک ایک منظر کو دیکھ رہی تھی۔ سلطان معمول کے مطابق گھر واپس آیا چونکہ ناکہ بندی کرنے والوں نے محلے کے افراد کو کنٹرول کر رکھا تھا اس لیے سلطان کو کوئی شبہ نہیں ہو سکا۔ گھر کے دروازے پر اس نے دستک دی تو نارکوٹکس کے ایک آدمی نے اندر سے دروازہ کھولا اسے موبائل پر اطلاع دے دی گئی تھی کہ سلطان گھر آرہا ہے' سب ہوشیار رہیں' جیسے ہی سلطان نے اندر قدم رکھا' اس کی پیشانی پر پستول کی نال رکھ دی گئی اور وہ ششدر رہ گیا اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ سامنے ہی زیب النساء پتھرائی ہوئی کھڑی تھی۔ سلطان نے خود کو سنبھالا اور سخت لہجے میں بولا۔

"کیا تم ڈاکو ہوا اگر ڈاکو ہو تو مجھے بتاؤ کیا چاہیے تمہیں اس گھر سے' یہ پستول ہٹالو' کیا تم نے میری بہن کو خوفزدہ کر رکھا ہے۔"

"اندر آجایئے سلطان صاحب۔ ڈاکو ہم نہیں آپ ہیں' ڈاکو ڈاکے ڈالتے ہیں' مال و دولت لوٹتے ہیں' آپ زندگیاں لوٹ رہے ہیں' ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں' آپ زیادہ بڑے ڈاکو ہیں' تشریف لایئے۔"

"ارے.......... یہ.......... یہ کیا ہے یہ سب کچھ؟"

"آپ کا بڑی شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔" مزید اندر آنے والوں اور اندر سے نکل آنے والوں نے باہر آکر سلطان سے کہا۔ سلطان کو چاروں طرف سے جکڑ لیا گیا' لباس کی تلاشی لی گئی' اس وقت بھی جیب میں ساٹھ ہزار روپے اور ہیروئن کا تھوڑا سا ذخیرہ موجود تھا۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ زیب النساء کے منہ سے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا' سلطان نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"سنو بات سنو! کیا چاہتے ہو تم لوگ؟"

"فی الحال تو تمہیں عزت سے لے جانا چاہتے ہیں' اس گھر میں ان خاتون کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ تمہارے گھر کی تلاشی سے بھی ہمیں کافی سامان مل چکا ہے ویسے بڑے بے غیرت ہو تم' محلے والوں سے پتہ چلا ہے کہ تمہارا تعلق ایک عزت دار گھرانے سے ہے' اس طرح اوپر برائیاں لادلینے سے کیا دولت کے ساتھ ساتھ تمہیں عزت بھی مل سکتی ہے۔"

سلطان کی گردن جھک گئی اس نے ایک بار پھر زیب النساء کی طرف دیکھا تو زیب النساء بولی۔

"میں نے تم سے کہا تھا سلطان کہ ایسا کوئی کام کبھی مت کرنا' اخباروں میں پڑھنے والی خبریں جھوٹی نہیں ہوتیں' بھٹکنے والے اسی طرح بھٹکتے ہیں تم نے شاید میری بات کو مذاق سمجھا تھا۔ سنو.......... جارہے ہو.......... میں نہیں جانتی کہ تمہیں تمہارے اس جرم کی کتنی سزا ہو گی لیکن بس میرے تمہارے رشتے یہیں تک تھے۔ آج یہ رشتے ختم ہو رہے ہیں اب بھلا اس گھر کی دیواریں مجھے عزت کی نگاہوں سے کیسے دیکھ سکیں گی۔ خداحافظ.......... آج سے میری اور تمہاری کہانی ختم ہوتی ہے۔"

"میری بات سنو زیبی' میری بات تو سنو' کوئی ایسا قدم مت اٹھانا' میں واپس آکر تمہیں ساری تفصیلات بتادوں گا' ایک بات سمجھ لو زیبی.......... میری ایک بات سمجھ لو' مجھے کچھ نہیں ہو گا.......... میں تمہیں بتاؤں گا اور تم مطمئن ہو جاؤ گی۔"

"میں مطمئن ہوں جو فیصلہ میں نے کیا تھا اور تمہیں سنایا تھا اس سے اس وقت بھی مطمئن تھی اور اب بھی مطمئن ہوں' منشیات ہمارے گھر سے برآمد ہوئی ہے اور امی کی تصویریں تک پھاڑ کر دیکھی گئی ہیں۔ تمہاری وجہ سے ایسا ہوا ہے' سمجھ رہے ہو نا۔"

لوگ خاموش کھڑے ہوئے تھے' خفیہ والے سلطان کو لے کر باہر چلے تو اس نے کہا۔

"زیبی! کوئی قدم مت اٹھانا........ زیبی۔ دیکھو میں واپس آ کر۔" لیکن اس کے بعد وہ اور کوئی لفظ نہیں کہہ سکا تھا اور اسے باہر لے جایا گیا تھا۔

رات کا ڈیڑھ بجا تھا' نایاب کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ نوری اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی ٹیپ ریکارڈر سن رہی تھی۔ نادر شاہ موجود نہیں تھا۔ نوری تو سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ نایاب نے اسے پکار لیا تھا اور نوری اس کے پاس آ گئی تھی۔ روشنیاں بجھا دی گئی تھیں اور نائٹ بلب جلالیا گیا تھا' نجانے کیوں نایاب کو ایک بے کلی کا سا احساس ہو رہا تھا۔ چار دن پہلے گھر گئی تھی' سردار تیمور بھی کچھ الجھا الجھا سا نظر آیا تھا حالانکہ نایاب سے پوچھتا رہا تھا کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہے یا نہیں۔ نایاب نے کہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے اپنے عمل اور اپنے رویے سے اس نے ذرہ برابر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ اسے یہاں کوئی الجھن ہے لیکن الجھن تھی شاید سردار تیمور نے یہ الجھن اس کے چہرے پر محسوس کر لی تھی اور کئی بار اس سے اس بارے میں پوچھا تھا لیکن نایاب نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ کوئی ایسا جواب نہیں دیا تھا جو باپ کو پریشان کر دے البتہ دل میں اس نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا میں خوش ہوں اور دل اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔ بہرحال اس وقت کی بے کلی ناقابل فہم تھی۔ نوری سے بہت دیر تک باتیں کرتی رہی تھی۔ نوری کی باتیں بھی بہت عمدہ ہوا کرتی تھیں اس نے نوری سے سوال کیا تھا کہ

نوری کیا میں خوش ہوں' جواب میں نوری ہمدردی کی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور جب اس نے نوری کو جواب دینے پر مجبور کیا تو وہ بولی۔

"میں نہیں جانتی چھوٹی سرکار کہ آپ خوش ہیں یا ناخوش۔ اصل میں خوشی انسان کے اپنے اندر رہتی ہے اور ایسا ساتھ پاکر نمودار ہوتی ہے جو غم اور خوشی کا ساتھی ہو' مجھے معاف کیجئے گا چھوٹی سرکار اپنی اوقات سے بڑی بات کر رہی ہوں' مجھے ہمیشہ ہی یوں لگتا ہے جیسے آپ کے دل میں شاہ جی کی حیثیت ایک احترام کرنے والی کی تو ہو' ایک شوہر کی نہ ہو' احترام اور محبت میں فرق ہوتا ہے۔" نوری کے ان الفاظ پر نایاب خاموش ہوگئی تھی۔ بہرحال نیند نہ اسے آرہی تھی نہ نوری کو حالانکہ اس نے نوری سے معذرت بھی کی تھی کہ اس وقت اسے جگا کر بلوالیا لیکن نوری نے بہت محبت سے کہا تھا۔

"اگر ایسا نہ ہوتا چھوٹی سرکار تو انسان جہیز میں نہ دیئے جاتے' وہ تو محبتوں ہی سے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔"

نایاب اس وقت اس کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوئی تھی جو باہر کی جانب کھلتی تھی اس عظیم الشان عمارت کا احاطہ بے حد وسیع تھا۔ گیٹ کے پاس خود نادر شاہ نے ایک نئی عمارت بنوائی تھی جس کی تعمیر کافی دن تک ہوتی رہی تھی اس سے پہلے یہاں ملازموں کے کوارٹر تھے جو وہاں سے ہٹوا دیئے گئے تھے' نایاب نے اس بات پر غور بھی نہیں کیا تھا لیکن اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے وہ گیٹ کے نزدیک کچھ ہنگامہ آرائی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بڑی خاموشی سے دو بڑے ٹرک اندر داخل ہوئے تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ انہیں بہت سے آدمی دھکا دے کر اندر لائے تھے اور ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ نایاب نے نوری کو آواز دی اور نوری جلدی سے اس کے پاس پہنچ گئی۔

"یہ دیکھ نوری' یہ کیا ہو رہا ہے؟" نوری نے باہر دیکھا اور اس کے بعد کچھ چور سی بن گئی۔ نایاب نے کوئی جواب نہ پاکر اسے دیکھا اور بولی۔

"یہ.......... یہ کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا تجھے۔"

"میں کیا کہوں چھوٹی سرکار ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"آپ دیکھئے ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں دوبار پہلے بھی ایسا دیکھ چکی ہوں' اب اس عمارت سے سامان کی پٹیاں نکال نکال کر لائی جائیں گی۔ بہت سے لوگ ان پیٹیوں کو ان ٹرکوں پر بار کریں گے اور اس کے بعد وہ سب کے سب ٹرکوں کو دھکا دے کر باہر نکالیں گے' باہر جانے کے بعد یہ ٹرک اسٹارٹ ہوں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ یہ ٹرک ایسی پیٹیاں لے کر بھی آتے ہیں اور یہ پیٹیاں اسی طرح اس عمارت میں پہنچا دی جاتی ہیں جس طرح انہیں باہر لے جایا جاتا ہے۔"

"مگر دن کی روشنی میں تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" نایاب نے حیران لہجے میں کہا پھر کچھ لمحے خاموش رہ کر بولی۔ "پتہ نہیں شاہ جی کو اس بات کا علم ہے یا نہیں ویسے ایک بات بتا نوری تو نے جتنی بار بھی یہ کارروائی دیکھی ہے' کیا اس کارروائی کے وقت تجھے شاہ جی نظر آئے۔" "نہیں۔"

"آہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاہ جی کو اس بات کا علم ہی نہ ہو۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔" نوری نے جواب دیا اور نایاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"میں سمجھتی ہوں ساری باتیں اپنی جگہ لیکن کوئی اور یہ سب کچھ کر رہا ہے تو شاہ جی کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ ضرور علم ہونا چاہیے۔" نوری نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کئے رکھی تھی۔

زمرد جانم کانوں پر لوٹ رہی تھی اسے بڑی شدت کے ساتھ نادر شاہ کا انتظا
تھا وہ جو پہلے کسی قابل نہیں تھا اس سے دوبار ملاقات ہوئی تھی۔ دونوں بار زمرد جا
نے اس کی شخصیت کے بارے میں سوچا تھا لیکن اس سے آگے کچھ بھی نہیں سو
تھا۔ اچانک وہ بڑی حیثیت کا مالک بن گیا تھا اور زمرد جانم بڑی بے چینی سے اس
انتظار کر رہی تھی کئی بار اس نے یاقوت سے بھی کہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے یاقوت.......... وہ آئے گا یا نہیں۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے اماں، ویسے اگر یہ گھر اسی کا ہے تو ظاہر ہے کسی مقصد
لئے تو بنوایا ہوگا، اس نے۔"

"تمہیں یہ امید نہیں ہے کہ یہ ہمارے لیے ہو سکتا ہے۔"

"جھوٹی امیدوں پر میں نے کبھی انحصار نہیں کیا، اماں، جو چیز حاصل ہو جا
وہ اپنی ہوتی ہے جو اپنے ہاتھ کی پہنچ سے باہر ہو اس پر بھلا کیا بھروسہ کرنا۔"

"تم کوشش تو کر سکتی ہو۔"

"اماں میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی کوئی کوشش کی ہے، کیا مجھے کوشش آ

آتا ہے۔"

"دیکھو یاقوت! میں نے تمہاری پرورش کے لیے جو کچھ کیا ہے، تمہیں اس کا صلہ دینا ہے مجھے۔ کسی بہت بڑے پھیر میں نہ رہنا، ہماری زندگی تو ایک جوا ہوتی ہے، داؤ لگایا، جیت گئے تو زندگی سدھر گئی، ہارے تو سب کچھ گیا۔ ہمیں خود ہی اپنی حفاظت کرنا ہوتی ہے، کہیں چوکے تو سمجھ لو پھر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"وہ آئے تو سہی اماں دونوں بار تم نے اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک تو نہیں کیا یہی سمجھ کر تھوڑا سا منہ لگا لیتیں کہ ہے تو انسان ہی۔ اماں کبھی کبھی مفادات کو ٹھکرا کر انسانیت کے راستے بھی اپنانے پڑتے ہیں۔"

"بیٹی ناتجربے کاری بول رہی ہے تمہاری اگر تم یہ جان لو کہ جس طبقے سے ہم تعلق رکھتے ہیں یا جو اصلیت ہماری ہے اس کی اس دنیا میں کیا گنجائش ہے تو سب کچھ بھول جاؤ، کانوں کو ہاتھ لگاؤ اور مجھ سے بھی دو قدم آگے نکل جاؤ لیکن چھوڑو اب وہ کر جو ہماری ضرورت ہے۔"

"تم تو اتنا بھی معلوم نہیں کر سکیں اماں کہ وہ گھر اس کی ملکیت ہے بھی یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آئے، میں اس کی جانب قدم بڑھاؤں اور پتہ چلے کہ جو ہم سمجھے وہ غلط ہے، تب کیا ہوگا؟" زمرد جانم کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"یہ بھی تمہاری ذہانت پر منحصر ہے، فوراً ہی دل و جان سے اس کے قدموں میں نہ بچھ جانا بلکہ ایسا انداز اختیار کرنا کہ اسے بالکل یہ اندازہ نہ ہو کہ ہماری توجہ اس کے گھر پر ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اماں، وہ جس چہرے مہرے کا آدمی ہے یا پھر جیسا کہ تم نے سوچا کہ کسی قبیلے کا سردار ہے تو کیا اتنا ہی بیوقوف ہوگا؟" زمرد جانم کے چہرے پر

مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"تاریخ پڑھ لو تو تمہیں بہت سی حقیقتوں کا علم ہو جائے' بڑے بڑے ز
فرماروا یہاں تک کہ یونان کا مفکر اور فلسفی ارسطو بھی عورت کے سامنے کانو
ہاتھ رکھتا ہے' بیٹی عورت کی ذات مرد کی ہر داستان پر چھائی ہوئی ہے اگر ہم
خوبی بھی نہ حاصل ہوتی تو مردوں کے درمیان ہمارا کوئی مقام نہ ہوتا۔ تم یہ سمجھ
دنیا کا چالاک سے چالاک انسان اگر کہیں مات کھاتا ہے تو صرف عورت کے سا
شرط یہ ہے کہ خود تمہارے اندر بھی کوئی صلاحیت ہو' کیا سمجھیں؟" یاقوت
ایک ٹھنڈی سانس لیکر گردن ہلائی تو زمرد جانم نے کہا۔

"بیٹی بے وقوف مردوں سے دنیا خالی نہیں ہے' میں نے ہمیشہ ایک ہی دعا
ہے تمہارے لیے' تم وہاں سے اپنی زندگی کا آغاز مت کرو جہاں سے میں نے ک
بلکہ تمہیں وہ برتری حاصل ہو جو مجھے حاصل نہیں ہے۔ اب کیا بتاؤں تمہیں
یوں سمجھ لو کسی کے نام پر یہاں آئی تھی لیکن اب میری طرف کوئی توجہ نہیں
اور بس گزارہ کر رہی ہوں۔ یہی خوش بختی ہے کہ باہر کی دنیا سے دور اس پہا
مقام پر جینا اتنا مہنگا نہیں ہے' تھوڑے بہت سہارے حاصل ہیں' یہ بھی دیکھو ک
تک رہتے ہیں اسی لیے تو افضال کی ذات کو غنیمت سمجھتی ہوں کہ موا مردود کسی
کسی قابل تو ہے' ایک شکل تو نظر آتی ہے۔"

نادر شاہ کچھ دن کے بعد پھر نمودار ہوا اور اس وقت یہ اتفاق تھا کہ زمرد جانم اور یاقوت دونوں ہی موجود تھیں اور نادر شاہ ان کے سامنے ہی اندر داخل ہوا تھا لیکن آج بھی لباس میں کوئی خاص بات تھی نا انداز میں.......... دونوں کو دیکھ کر مسکرایا.......... اس وقت افضال کسی کام سے نکلا ہوا تھا' عقب میں گلاب تھا' یاقوت نے فوراً ہی اپنے کام کا آغاز کر دیا' نادر شاہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور یاقوت کے بجائے زمرد جانم سے مخاطب ہو کر بولا۔

"کبھی کبھی ایسے شناساؤں سے بھی پالا پڑ جاتا ہے زمرد جانم' جو گلے کا ہار ہو کر رہ جاتے ہیں' شکر ہے آج یاقوت بھی تمہارے ساتھ موجود ہے۔"

"اور اس دن تو تم یہ کہہ کر گئے تھے کہ مجھ سے مل کر جاؤ گے' یہ اتنے عرصے کے بعد تمہاری شام ہوتی ہے۔"

"میری صبح ہی خراب کر دی جاتی ہے' شام کی ہمت تو بڑی مشکل سے کر پاتا ہوں۔"

"سوچنے کا انداز ہے نادر شاہ' کچھ لوگ اپنی بات کو صحیح طور بیان نہیں کر سکتے'

جیسے میں' نہ اس دن میں تم سے منحرف ہوئی تھی نہ آج منحرف ہوں بلکہ میں نے تمہاری ذات تمہاری شخصیت کو پسند کیا تھا اور تم نجانے کیا سمجھے' شاید میں تمہیں سمجھا نہیں پائی' یاقوت اگر یہ تمہارے مہمان ہیں تو پھر تم ہی انہیں دیکھو۔" زمرد جانم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی تو یاقوت نادر شاہ کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ تو موسم بہار کے مہمان ہیں جس طرح درختوں پر نئی پتیاں اور کونپلیں نکل آتی ہیں' ڈالیوں پر پھول کھل جاتے ہیں' پرندوں کی آواز میں خوشیاں رقص کرنے لگتی ہیں' اسی طرح ان کی آمد بھی موسم بہار کی آمد ہوتی ہے' یہ مانیں یا نہ مانیں' کیوں شاہ جی.........؟" دوستی کی بات تو کر کے گئے تھے' دوستی ایسے نبھائی جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں ایسی شکایت تھی' انداز میں ایسا بانکپن تھا کہ کچھ لمحوں کے لئے نادر شاہ جیسا زیرک آدمی بھی اپنا انداز بھول گیا' کہنے لگا۔

"میں آتا......... آتا رہتا لیکن ایک شرط لگا دی تھی تم نے' کہا تھا کہ تم مخمل میں سجنے والا نگینہ ہو اور اگر مخمل کا بکس تمہارے لیے نہ ہو تو تم ماند پڑ جاتی ہو اور میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ بکس لے کر آؤں گا' کسی اور بکس میں سجنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تمہاری چمک دمک مٹا دوں گا۔" یاقوت ہنس پڑی پھر بولی۔

"اور تم کہو گے کہ وہ بکس تم لے کر آئے ہو۔ دیکھو بات یہ ہے کہ تمہیں یہ احساس ہے کہ تم صنف قوی ہو اور میں صنف نازک ہر چیز کا ایک مقام ہوتا ہے' عورت کے اندر بانک پن ہوتا ہے اور مرد کے اندر کھردرا پن۔ جب یہ دونوں یکجا ہوتے ہیں تو ذہنوں کو تسکین حاصل ہوتی ہے' تمہاری یہی سخت مزاجی تمہاری شخصیت کا حسن ہے اور یہی حسن مجھے پسند ہے' میری مانو تو تمہاری شخصیت کا یہ انداز ہی میری مخمل میں سجنے والی بات کا جواب ہے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" نادر شاہ نے یاقوت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ارے کہاں......... زبان سے ہی کہہ دو تم تو سچ مچ زمانہ قدیم کی وحشت کا مظاہرہ کرنے لگے۔"

"آؤ۔" نادر شاہ نے کہا اور یاقوت کو لیے ہوئے دروازے سے باہر نکل آیا۔ شرجیل تھوڑے فاصلے پر پجارو میں موجود تھا' نادر شاہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پجارو اسٹارٹ ہو کر ان دونوں کے قریب آ رکی۔ نادر شاہ نے اس کا دروازہ کھولا' یاقوت کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک لمحے کے لئے تو یاقوت کا دل دھڑکا لیکن ہمت کرنا ضروری تھا' نادر شاہ خود بھی اس کے قریب آ بیٹھا اور شرجیل نے پجارو آگے بڑھا دی' کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ اسی خواب محل میں داخل ہو گئے اور یاقوت سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ محل میں اترنے کے بعد نادر شاہ نے یاقوت کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا پھر دیر تک وہ یاقوت کو اس گھر کا نظارہ کراتا رہا تھا اس کے بعد اس نے کہا۔

"تم ان ملازموں پر حکمرانی کر سکتی ہو' یہ گھر اب تمہاری ملکیت ہے' میری طرف سے یہی مخمل کا وہ بکس ہے جس کے لئے تم نے مجھ سے فرمائش کی تھی' لیکن ایک بات سمجھ لینا اس کے در و دیوار میرے مخبر ہیں۔ یہاں تمہاری ماں آ سکتی ہے' شاعر آ سکتا ہے' ملازم ہیں لیکن کوئی اور شخص یہاں کبھی نہ آئے خاص طور سے ایک ایسا شخص جس کی آنکھوں میں تمہارے لئے پسندیدگی کے جذبات ابھریں اگر ایسا ہوا تو اسی گھر میں تمہیں کسی ستون سے باندھ کر خاکستر کر دوں گا' اب میں چلتا ہوں ان ملازموں کے ذریعے اپنے ہر مسئلے کو حل کرو۔" نادر شاہ پجارو میں جا بیٹھا یاقوت کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے اٹھا لیکن منہ سے الفاظ نا نکل سکے۔ وہ خوابوں کے اس محل کو دیکھ رہی تھی اور یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا واقعی یہ اسی کے لیے ہے۔

بدر شاہ مالک کے حکم کے مطابق اس علاقے کی بھرپور نگرانی کر رہا تھا' بہت ذہین اور باصلاحیت انسان تھا' اپنے طور پر جب اس نے کام کا آغاز کیا تو کچھ فیصلے کئے سردار تیمور نے بس اتنی ذمہ داری سونپی تھی کہ اس جگہ کے دوبارہ منظر عام پر آجانے کا سراغ لگائے لیکن بدر شاہ مزید گہرائیوں کے ساتھ اپنا کام کر رہا تھا اور مکمل طور پر انہی کوششوں میں مصروف تھا کہ اس جگہ کے کھل جانے اور یہاں نظر آنے والے ٹائروں کے نشانات کا جائزہ لے' چنانچہ اس نے عقل سے کام لیتے ہوئے اسی درے کے دہانے پر ڈیرہ نا بنایا بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بلند پہاڑی ٹیلے کو اپنا مسکن بنایا اور آج اسے یہاں تیسرا دن تھا' ضروری سازو سامان کے ساتھ وہ ایک ایسی چٹان کی آڑ میں ڈیرہ جمائے ہوئے تھا جو چاروں طرف سے ایک محفوظ مورچے کی مانند تھی اور اس مورچے سے قرب و جوار کے دور دور تک کے علاقے کا جائزہ لیا جا سکتا تھا' دور بین' جسم گرم کرنے کے لئے خاص قسم کا گیس ہیٹر' کھانے پینے کا خشک سامان' یہ تمام چیزیں اس نے احتیاط سے اپنے ساتھ رکھ لی تھیں اور تیسرے دن اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی' رات کے کوئی تین بجے کا وقت تھا'

ن میں برف باری ہو چکی تھی اس کے بعد موسم کچھ بہتر ہوگیا تھا' لیکن رات کو یک بار پھر ہلکی برف باری کا آغاز ہوگیا اس کے ساتھ ساتھ ہی مدھم مدھم ہوائیں ی چلنے لگی تھیں۔ ان کی وجہ سے موسم کچھ شدید ہوگیا تھا اور اس وقت موسم کی دت نے ہی بدر شاہ کو جگا دیا تھا۔ گیس ہیٹر کچھ اور قریب کرکے اس نے ادھر ادھر اہیں دوڑائیں اور اپنی کمیں گاہ سے باہر کا جائزہ لیا پھر وہ بری طرح چونک پڑا۔ گیس ٹر کی ہلکی سرخ روشنی رات کی ان گھور تاریکیوں میں دور سے دیکھی جا سکتی تھیں۔ ں لیے اس نے پھرتی سے گیس ہیٹر بجھا دیا' درے میں آخری سرے پر اس نے ھم روشنی دیکھی تھی اور اسی روشنی نے اسے محتاط کر دیا تھا چنانچہ بدر شاہ جلدی ے سنبھل گیا تھا پھر اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور انتہائی محتاط طریقے سے ری طرف کا منظر دیکھنے لگا۔ کچھ نقل و حرکت ہو رہی تھی اور اس کے بعد بدر شاہ نے دو ٹرک درے کے سرے کی سمت آتے دیکھے' ناہموار راستوں پر وہ سست روی ے چلے آرہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ بدر شاہ کے سامنے سے گزرے اور بڑھے داہنی سمت کو مڑتے چلے گئے' ان دشوار گزار راستوں پر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح آمد و رفت ہوتی ہوگی لیکن بہرحال تصدیق ہوگئی تھی کہ یہاں اسرار کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ بس اتنا ہی معلوم کرنا تھا اسے۔ پھر اس کے بعد وہ ہاں نہیں رکا البتہ دونوں جگہوں کو اس نے نگاہوں میں رکھ لیا تھا۔ صبح اجالا ہونے ردار تیمور کی رہائش گاہ پر پہنچا' شدید موسم اور برف باری کے باوجود' سردار تیمور عمول کے مطابق جاگ رہا تھا اس نے آگ روشن کر رکھی تھی اور غالباً" چہل قدمی ے بعد آگ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بدر شاہ کو دیکھ کر وہ فوراً" سنبھل گیا اور جب در شاہ قریب پہنچا تو اس نے جلدی سے کہا۔

آؤ۔ بدر شاہ آگ کے سامنے بیٹھو' یقینی طور پر تمہارے چہرے پر جو تجسس نظر

آرہا ہے' اس کا پس منظر کچھ ہے۔ بدر شاہ نے سردار تیمور کو ساری تفصیل بتائی سردار تیمور کا چہرہ بجھ گیا' اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ٹرک داہنی سمت گئے تھے لیکن ادھر تو کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"جی سردار........ میں آپ سے اجازت لے کر گھوڑے پر بیٹھ کر اس را کے بارے میں اندازہ لگاؤں گا اور یہ دیکھوں گا کہ ٹرک کس طرف گئے ہیں۔ سردار تیمور نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے' بدر شاہ۔"

"میں سمجھا نہیں؟" بدر شاہ نے تعجب سے کہا لیکن سردار تیمور نے ک جواب نہیں دیا' کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"موسم ذرا بہتر ہو جائے' ہمیں کچھ سازو سامان کے ساتھ درے کی جانب چ ہو گا' میں نے ایک فیصلہ کیا۔" بدر شاہ نے سوالیہ انداز میں سردار تیمور کو دیکھا سردار تیمور نے کہا۔

"ان چٹانوں کو ڈائنامائٹ لگا کر اڑا دینا ہے تاکہ وہ راستہ بند ہو جائے۔"

بہت بڑا فیصلہ تھا لیکن بدر شاہ کے ذہن میں کوئی چیز چبھ رہی تھی' کوئی ایسی بات ذہن میں واضح نہیں ہوئی تھی' کیا بات ہو سکتی ہے وہ کیا' بات ہو سکتی ہے۔ بدر ش اپنے ذہن سے سوال کرتا رہا' لیکن اسے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ بہرحا سردار تیمور بہتر جانتا تھا اور وہ خود بھی اچھا خاصا بے چین نظر آتا تھا' ادھر بدر شاہ کو ہدایات دی گئی تھیں وہ ان پر عمل کرنے کی تیاریاں کرنے لگا' پہاڑوں کے باسی سب کچھ جانتے تھے انہیں وہ کرنا آتا تھا جو ان کے حق میں بہتر ہو۔ تمام انتظامات مو تھے' پہاڑیوں میں کام شروع ہو گیا' بڑی بڑی چٹانوں میں سوراخ کر کے ان میں بارو کے ذخیرے بھر دیئے گئے اور پھر ایک مقررہ وقت پر خوفناک دھماکے ہوئے اور در

کے دونوں سمت کھڑی ہوئی چٹانیں جگہ چھوڑنے لگیں' پتھروں کے بادل فضا میں بلند ہوئے اور جب وہ زمین تک پہنچے تو درے کا دہانہ ان سے ڈھک چکا تھا' سردار تیمور اپنے بیٹے کے ساتھ بہت دور گھوڑے پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا' جہانگیر نے بھی اپنی آنکھوں سے دوربین لگائی ہوئی تھی' پھر سردار تیمور آہستہ آہستہ واپس اپنے گھر کی جانب چل پڑا' اس کی پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں تھیں اور جب رات کو بھی بہت دیر تک وہ نا سویا تو اس کی بیوی خورشید کو اس سے پوچھنا پڑا۔

"کیا بات ہے سردار آپ کچھ پریشان ہیں۔ کچھ بے چین ہیں آپ' یقینی طور اس بے چینی کی کوئی وجہ ہوگی۔" تیمور نے بیوی کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"تم سو جاؤ خورشید میں جاگ رہا ہوں اور اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔"

"میرے بھی کچھ فرائض ہیں سردار' کیا مجھے اپنی اس الجھن میں شامل نہیں کرو گے جو بے چینی تمہیں مضطرب کر رہی ہے' کیا میں اسے سکون سے برداشت کر سکتی ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' زندگی کے بہت سے مسائل ہوتے ہیں جن کے بارے میں انسان غور کرتا ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اس مشکل کا شکار نہیں ہونا چاہیے' تھوڑی سی پریشانی ہے مجھ تک ہی رہنے دو۔"

"آپ کی مرضی ہے' میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ میری بھی مجبوری ہے میں اس سلسلے میں بیشک خاموشی اختیار کر لوں گی' بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤں گی لیکن میری نیند بھی آپ ہی کی طرح مضطرب ہوگی۔"

"ٹھیک ہے کوئی بات ہوتی تو میں تمہیں ضرور اطلاع دیتا' نایاب کا خیال آتا ہے' پتہ نہیں وہ کیسی زندگی گزار رہی ہے' نجانے کیوں میرے دل میں بار بار یہ

خیال ابھرتا ہے کہ نایاب کو ہم وہ نہیں دے سکے جو دینا چاہتے تھے۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ کہیں میری ضد اور انتہا پسندی نے میری بیٹی کا دل نا دکھا دیا ہو۔ نجانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے نایاب خوش نہیں ہے' وہ آتی ہے تو ہنستی ہے' مسکراتی ہے' مجھ سے کہتی ہے کہ وہ خوش ہے لیکن اس کے چہرے پر کرب کی ایک لکیر ہوتی ہے۔ میں اس لکیر کا راز جاننا چاہتا ہوں خورشید اگر تم میری مشکلوں میں میرا ساتھ دینا چاہو تو جس طرح بھی بن پڑے یہ معلوم کرو کہ میری بیٹی خوش ہے یا نہیں۔" خورشید نے ایک ٹھنڈی سانس لی' دیر تک سوچتی رہی پھر گردن ہلا کر بولی۔

"یہ معلومات ایسے ہوتی ہیں سردار کہ ان کے بارے میں پہلے ہی سوچنا پڑتا ہے' ناہم مجبور تھے نا بے کس۔ نا ہمارے سامنے مشکلات تھیں' ہم انتظار کر سکتے تھے اور اپنی بیٹی کو اس کی پسند کے مطابق رشتہ دے سکتے تھے۔"

"نہیں دے سکتے تھے' بس یہی اختلاف مجھے پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ کتنا اضطراب ہوتا ہے۔ باپ کے دل میں' میں تمہیں بھی اس اضطراب سے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ تم ماں ہو مجھ سے زیادہ محبت کرنے والی لیکن فرائض مختلف ہوتے ہیں' باپ کا فرض کچھ اور ہوتا ہے ماں کا کچھ اور.......... میں نے ایک محافظ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ایک دوسرے محافظ کو سونپی تھیں' دیکھو دعائیں ہی کی جاسکتی تھیں۔" خورشید خاموش ہوگئی' شوہر کی بے چینی اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

پہاڑوں کے راستے بند ہوگئے تھے' بگ باس نے بیشک بہت سی ذمہ داریاں
لور سے اس علاقے میں نادر شاہ کے سپرد کی تھیں' مطمئن بھی تھا اور خوش
ن اپنے طور پر غافل بھی نہیں تھا۔ قرب و جوار پر اس کی پوری پوری نگاہ
نلف طریقوں سے اس نے اپنے آدمیوں کو یہاں فروکش کر دیا تھا' چنانچہ
میں ہونے والے بلاسٹ نے جہاں جنگل کے پرندوں اور چرندوں کو بدحواس
ہیں درے سے کافی فاصلے پر ایک پہاڑی غار میں موجود دو افراد وحشت زدہ
ہر نکل آئے اور پھرتی سے پہاڑ کی بلندیاں طے کرنے لگے پھر چوٹی پر پہنچ کر
نے دوربین سے درے کا جائزہ لیا اور ہکا بکا رہ گئے۔

"یہ کیا ہوا؟" ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا لیکن دوسرا کوئی جواب
دے سکا تھا۔ پہلا آدمی بولا۔

"وہ راستہ بند ہوگیا جس سے ہمارے مال کی ترسیل ہوتی تھی۔"

"اور ڈائنامائٹ کے دھماکے کرکے یہ راستہ بند کیا گیا ہے' اس کا مقصد سمجھے

"صرف ایک........ وہ یہ کہ کسی کو اس بات کا شبہ ہو گیا ہے۔"
"کسی سے کیا مراد ہے تمہاری' سردار تیمور ایک فوجی بھی ہے اور ایک ذی سردار بھی اور یہ اسی کا علاقہ ہے' باس کو فوراً" اطلاع دو' اس بڑے نقصان کا تم تو بھی نہیں کر سکتے جو ہو گیا ہے۔ اس سے تو فوری طور پر ہمارے مال کی آمد و رفت راستہ بند ہو گیا ہے' یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ باس کو فوراً" اطلاع دی جائے۔"
"ٹھیک ہے........" اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے ٹرانسمیٹر نکال اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے کہا۔ "میں پوائنٹ نمبر چار سے بول رہا ہوں' باس سے فوراً" بات کراؤ۔ ایک اہم اطلاع ہے۔
"ایک منٹ انتظار کرو........ اوور........"
"میں انتظار کر رہا ہوں۔ اوور........" دوسری طرف کچھ لمحات کے لئے خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد باس کی آواز سنائی دی۔
"ہاں........ پوائنٹ فور سے بول رہے ہو۔"
"کوڈ نمبر ٹرپل زیرو۔" اس نے اپنی شناخت کرائی۔
"ٹھیک ہے۔ کہو کیا بات ہے۔"
"باس پوائنٹ نمبر چار میں ڈائنامائٹ سے دھماکے کئے گئے ہیں اور درے کے دروازے پر چٹانیں گرا کر دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو کیا وہاں کوئی فوجی کارروائی ہوئی ہے۔"
"نہیں باس بالکل نہیں۔ ہم دن رات آنکھیں کھلی رکھتے ہیں' سردار تیمور نے ابھی کچھ دن قبل ادھر کا دورہ کیا تھا۔ اسے شاید کوئی شبہ ہو گیا تھا۔ زمین پر جھک

جھک کر دیکھتا رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہم بھی وہاں پہنچے اور ہم نے ز
جھک کر دیکھا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے باس وہاں ٹائروں کے کچھ نشانات باقی رہ گئے
شاید اسے انہی پر شبہ ہوگیا ہے' جس کی وجہ سے اس نے اور تو کچھ نہیں ک
مائٹ لگا کر چٹانیں اڑادیں اور اس سے درے کا راستہ بالکل بند ہوگیا۔"

"بہت برا ہوا ہے۔ یہ بہت ہی برا ہوا ہے' اس گدھے سے ایسی غلطی کی
نہیں تھی۔ گدھا پن کر گیا ہے وہ۔ یہ بات سمجھائی تھی میں نے اسے کہ کسی قس
نشانات نہ چھوڑے جائیں۔ ایک بہت قیمتی جگہ برباد ہوگئی۔ ہو سکتا ہے سردار
فوری طور پر فوج سے رابطہ قائم کرے اور ان علاقوں میں نقل و حرکت شد
جائے۔ آہ اس طرح تو ہمارا کروڑوں کا نقصان ہو جائے گا۔ بہت سا مال ترسیل
لئے تیار ہے۔ آخر رہا نا گدھے کا گدھا' اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتا۔
نادر شاہ۔ تم مسلسل وہاں کا جائزہ لیتے رہو' کوئی بھی نئی اطلاع ہو تو مجھے فوراً
کرو۔ خاص طور سے اگر اس علاقے میں کوئی فوجی ہیلی کاپٹر یا ٹرک دیکھے جائ
ایک لمحہ ضائع کئے بغیر مجھے اطلاع دی جائے۔"

"ٹھیک ہے باس.......... اور کوئی حکم۔"

"نہیں.......... اوور اینڈ آل۔" دوسری جانب سے کہا گیا اور ٹرانسمیٹر پر
کرنے والے شخص نے بھی ٹرانسمیٹر بند کر دیا' اب اس کے چہرے پر اطمینان
آثار نظر آرہے تھے' اس نے کہا۔

"بس اپنا کام اتنا ہی تھا۔" دوسرا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

جنگل کا پر فضا ماحول۔ حیدر زمان' نزہت اور دونوں کی مشترکہ محبت شیری کو بہت راس آیا تھا' چند ہی روز میں چہرے نکھر گئے تھے اور آنکھوں سے خوشیاں ٹپکنے لگی تھیں۔ اس وقت بھی شیری گل جمال کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے وسیع و عریض لان پر کھیل رہی تھی۔ خوبصورت پرندے درختوں پر پھدک رہے تھے۔ گل جمال تو شیری پر عاشق ہوگیا تھا' پہاڑی آدمی تھا وفا کا پیکر۔ بچے دیکھے تھے اس نے اس سے پہلے بھی' ریسٹ ہاؤس میں سرکاری افسر آئے تھے' لیکن اتنے اچھے لوگ گل جمال کو پہلے کبھی نہیں ملے تھے۔ شیری جیسی بچی سے مل کر تو وہ ششدر رہ گیا تھا' کہنے لگا۔

"بیٹے میں بستی میں جاؤں گا تو ایک پنجرہ لے کر آؤں گا۔ ابھی خضر گڑھ میرا گھر ہے۔ ادھر بڑا سا پنجرہ بنا رکھا ہے میں نے' میں اسے اٹھا کر لے آؤں گا اور پھر تمہیں درختوں سے خوبصورت پرندے پکڑ پکڑ کر دوں گا۔ ہم وہ پنجرہ کدھر رکھیں یہ بتاؤ؟" شیری نے اسے دیکھا اور بولی۔

"بابا جان یہ پرندے چھوٹی سی عمر لے کر اس دنیا میں آتے ہیں' آندھی چلتی ہے' بارش ہوتی ہے' سردی پڑتی ہے' درختوں سے گرتے ہیں مرجاتے ہیں۔ ان کی

چھوٹی سی زندگی بس اسی سے تو خوش رہتی ہے کہ درخت کی اس شاخ سے اس شا تک' اور اس شاخ سے فضا میں۔ ہم ان سے اس چھوٹی سی زندگی کی آزادی بھ چھین لیں' نہیں بابا جانی انہیں پنجروں میں قید نہیں کرنا چاہیے' آپ ان کی جو بھ خدمت کر سکتے ہو کھلی فضا میں ہی کرو۔ ہم ان کے لئے چھوٹے چھوٹے برتن رکھیں گے۔ ان برتنوں میں ان کے لئے دانہ رکھیں گے تاکہ یہ خوراک کی تلاش میں زیا پریشان نہ ہوں۔" گل جمال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ تعج بھری نگاہوں سے شیری کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بچی کی زبان تو نہیں تھی۔ یہ ایک ب کی سوچ تو نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تو کسی درویش کی سوچ تھی۔ کسی بہت بڑ صاحب علم کا کمال تھا گل جمال بہت دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔"

"شیری بابا۔ یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟"

"ماما نے۔ میں نے ایک بار بازار سے گزرتے ہوئے پرندوں کے پنجرے دیکھ تھے اور ماما سے کہا تھا کہ میں یہ پنجرہ خریدوں گی' تو ماما نے مجھے یہ بات بتائی' وہ بر لوگ ہوتے ہیں جو ان معصوم پرندوں کو پکڑ کر قید کر لیتے ہیں اور پھر یہ پرندے انہیں بددعائیں دیتے ہیں۔" گل جمال نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی وہ واقعی حیران رہ تھا۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے شیری بابا' ہم کان پکڑتا ہے تم ہم سے بڑی سوچ رکھتی ہو۔"

"چلو کھیلتے ہیں گل بابا۔" لیکن اسی وقت حیدر زمان اور نزہت تیار ہو کر با نکل آئے' گل جمال انہیں دیکھ کر مستعد ہو گیا تھا' حیدر زمان نے کہا۔

"بابا گل جمال' چلو جیپ نکالو تھوڑا سا سروے کرنا ہے مجھے' دو آدمیوں ساتھ لے لو۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" سامنے ہی جاگیر اور ریاض نظر آرہے تھے' گل جمال

نے انہیں اشارہ کیا اور دونوں قریب آگئے۔

"سروے کے لئے چل رہے ہیں' تیار ہو جاؤ۔"

"ابھی آئے۔" دونوں نے کہا اور تیزی سے اپنے کوارٹر کی جانب بھاگ گئے۔

گل جمال تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی ہوئی جیپ لے آیا تھا۔ حیدر زمان' شیری اور نزہت کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا۔ ریاض اور جاگیر اسٹین گنیں سنبھال کر پیچھے اس مخصوص فریم میں کھڑے ہو گئے جو خاص طور سے گن مینوں کے لئے بنایا گیا تھا۔

گل جمال نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور حیدر زمان اپنا قیمتی کیمرہ سیٹ کرنے لگا' وہ گل جمال کو ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

"اس وقت ہمیں جنگل کے چاروں کونوں کا جائزہ لینا ہے۔ جنگل سے باہر باہر کے راستے اختیار کرو۔"

"ٹھیک ہے سر۔" گل جمال نے جیپ کی رفتار خاصی تیز رکھی تھی' جگہ جگہ رک کر حیدر زمان اپنے قیمتی کیمرے سے مووی بنا رہا تھا۔ اس سے جنگل کے درختوں میں درختوں کی تعداد' جہاں کوئی خامی ہو' وہ جگہ کیمرے میں محفوظ ہوتی جا رہی تھی' جس جگہ درخت کٹے ہوئے تھے وہاں جیپ رکوا کر حیدر زمان نے وہاں کی فلم دور دور تک بنائی' انتہائی قیمتی درختوں کو اس نے کیمرے میں محفوظ کیا۔ اچانک ہی یہ دورہ کیا گیا تھا' اس لئے جنگل کے محافظوں کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا گیا لیکن جب کوئی ذمے دار افسر اپنی ذمے داریاں پوری کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے تو عملہ بھی مستعد ہو جاتا ہے' دل سے نہ سہی بے دلی سے' اسے نوکری عزیز ہوتی ہے۔ وہ نوکری قائم رکھنے کی کوشش بھی کرتا ہے' چنانچہ عملہ مستعد ہی نظر آیا اور حیدر زمان نے ان میں سے بعض افراد کو طلب کر کے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی' اور انہیں اپنی جیب سے تھوڑے تھوڑے نقد انعامات بھی دیئے' بہرحال جنگل کا یہ سروے بہت

طویل ثابت ہوا تھا اور جگہ جگہ کارروائی کرتے ہوئے خاصا وقت صرف ہوا تھا۔ نزہت نے کہا۔

"حیدر دیکھو بھئی کئی گھنٹے ہوگئے' اب تھوڑی دیر جیپ رکوا دو' ذرا سا آرام کرلیں' میرا خیال ہے چائے کے بجائے کھانا کھالیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔" حیدر زمان کے اشارے پر ایک جگہ جیپ روک دی گئی۔ کھانا گھر ہی سے تیار ہوکر آیا تھا' تمام تیاریاں مکمل تھیں' دونوں ملازموں کے علاوہ اس علاقے کے پہرے دار بھی آگئے۔ ضروری اقدامات کے بعد سب نے مل کر کھانا کھایا' گل جمال شیری کو لے کر تھوڑا سا آگے بڑھ گیا تھا اور اسے درختوں کے بارے میں بتا رہا تھا' ادھر حیدر زمان نزہت کے ساتھ ایک خوبصورت علاقے میں موجود تھا' نزہت کہنے لگی۔

"ویسے حیدر اگر شادی کے ابتدائی دنوں میں تمہاری پوسٹنگ اس جگہ ہو جاتی تو میں اپنی وہ ساری آرزوئیں پوری کرلیتی' جو میرے دل میں چھپی کی چھپی رہ گئیں۔"

"ارے۔ ان آرزوؤں کا تذکرہ کبھی نہیں کیا آپ نے ہم سے نزہت۔"

"ایسی باتیں تذکرہ کرنے کی تو نہیں ہوتیں۔ یہ خواب تو ذہن میں ابھرتے ہیں' اور ذہن ہی میں دوبارہ سو جاتے ہیں۔ ہنسو گے تم اگر میں اپنے دل کی بات بتاؤں تمہیں تو۔"

"ہنسوں گا بے شک لیکن مذاق اڑانے کے لئے نہیں بلکہ تمہاری معصومیت پر' بتاؤ پلیز کیا خواب ہوتے تھے وہ۔"

"بس کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ میں ایک دیہاتی لڑکی ہوں۔ میرا شوہر کھیتوں میں ہل چلا رہا ہو' میں دوپہر کو اس کے لئے کھانا لے کر جاؤں' اس کے سامنے کھانے کی پوٹلی کھول کر رکھوں۔ میرے پاس پنکھا ہو اور میں اسے پنکھا

ں۔ وہ کھانا کھائے اور مسکرا کر مجھے دیکھتا رہے بس......!"

"واہ واہ........ واہ واہ۔ کیا آئیڈیا ہے۔ میں نے ایک فلم میں دیکھا تھا مما۔"

ب سے شیری کی آواز سنائی دی اور دونوں چونک کر پلٹ پڑے۔

"ارے شیری۔ تم چور ہو' چوری چوری کسی کی باتیں سننا کوئی اچھی بات تو ں ہے۔"

"نہیں مما آپ کہتی ہیں نا کہ بچوں کو بڑوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے کیونکہ ں کی باتیں عقل دیتی ہیں۔ میں تو بس یہ دیکھنے آگئی تھی چوری چوری کہ آپ ے کیسی عقل کی باتیں کر رہے ہیں' میں نے وہ باتیں بھی ذہن نشین کرلی ہیں جب ری شادی ہوگی نا مما تو میں اپنے شوہر کے لئے کھانا لے کر ضرور جاؤں گی۔"

"ارے باپ رے باپ۔ یہ لڑکی تو بڑی خطرناک ہوگئی ہے۔" سب قہقہے نے لگے' وہ تو شکر تھا کہ شیری گل جمال کو یہاں نہیں لے آئی تھی۔ کافی دیر تک تفریح ہوتی رہی' حیدر زمان نے کہا۔

"اب ہم اتنے بوڑھے بھی نہیں ہوئے ہیں' تم اپنے یہ شوق ضرور پورے کر نا' میں اپنے شیری بیٹے کے لئے ریسٹ ہاؤس کے پاس' رختوں میں جھولے ڈلوا

مال کو آواز دی تو وہ قریب آگیا۔

"ہمیں جھولوں کے لئے رسیوں کا انتظام کرنا ہے۔ ریسٹ ہاؤس کے سامنے الے جو درخت ہیں ان میں جھولے ڈالیں گے۔"

"جی صاحب ہو جائے گا بندوبست۔ آرام سے ہو جائے گا' آپ بے جھولے تو ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں بھی پڑ سکتے ہیں۔"

"نہیں گل جمال بابا جنگل میں۔" حیدر زمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے صاحب۔"

"خیر اب اٹھتے ہیں گل جمال بابا' آگے کا سفر طے کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" جنگل کی یہ سیر بہت زیادہ دلچسپیوں کی حامل ثابت تھی۔ شیری بھی خوش تھی نزہت بھی' اس کے ساتھ ہی حیدر زمان کے چہر تھوڑی سی تشویش کے آثار بھی نظر آ رہے تھے' جب ریسٹ ہاؤس کی طرف ہوئی تو حیدر زمان نے گل جمال سے کہا۔

"گل جمال جتنے پہرے دار ہیں آج شام کو انہیں ریسٹ ہاؤس میں ط کرلو۔ میں انہیں ہدایات جاری کرنا چاہتا ہوں' اب تک جو میں نے کٹے ہ درخت دیکھے ہیں' ان کی تعداد پینتیس ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعد درخت کی ایک شاخ بھی نہ کاٹی جائے میں سرکاری حکام کو اطلاع دے کر یہ اجا نامہ حاصل کروں گا کہ درخت کاٹنے والے کو گولی سے اڑایا جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی گل جمال ایک اور کام بھی کرنا ہے ہمیں۔ ایک وارننگ تختیوں پر لک جگہ جگہ ٹانگ دی جائے کہ درخت کاٹنے والوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اس نتیجے میں انہیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے' کیا سمجھے؟ پہلے انہیں سمجھادیا اس کے بعد بھی اگر درختوں کی چوری کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو پھر چوروں کو ہماری مجبوری بن جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" گل جمال نے گردن ہلا کر کہا' حیدر زمان کے چہر گہری سنجیدگی طاری تھی' ادھر جاگیر نے گہری نگاہوں سے ریاض کو دیکھا تھا او وہ ریسٹ ہاؤس میں واپس پہنچ گئے تھے اور ان کی ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی تو ریاض جاگیر سے کہا۔

"شرجیل صاحب کو اس بات کی اطلاع دینا بے حد ضروری ہے۔"

چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ پڑوسی کئی بار سلطان کے گھر کے دروازے پر دستک دے چکے تھے' لیکن زیب النساء نے دروازہ نہیں کھولا تھا' کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو بہت عرصے سے یہاں رہتے تھے ان کے تعلقات زیبی اور سلطان کے والدین سے تھے' ویسے یہ بات تو سب ہی جانتے تھے کہ سلطان بدکردار نہیں ہے' لیکن بہرحال جو کچھ ہوا تھا' دنیا وہ دیکھتی ہے یہ کون سوچتا ہے کہ جو ہوا تھا وہ کیوں ہوا تھا' دیکھنے والے تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا تھا۔ بہرحال زیادہ تر لوگ ہمدرد ہی تھے اور ہمدردی سے ہی سوچ رہے تھے لیکن ان کی کوششوں نے زیبی کا دروازہ نہیں کھلوایا تھا' وہ اندر ہی تھی' لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ زیبی کسی وکیل سے رابطہ قائم کرے۔ سلطان کی ضمانت کرائی جائے۔ کوشش کی جائے کہ وہ رہا ہو جائے' کون جانے کسی نے سازش ہی کی ہو۔ زیبی یہ تمام باتیں سن رہی تھی' لیکن پتھرائی ہوئی تھی۔ کان بند تھے دل اور دماغ کے رابطے ٹوٹ چکے تھے۔ بس ایک پتھرائی ہوئی سی کیفیت اس پر طاری تھی' ماضی کی کہانیاں فلم کی شکل میں چل رہی تھیں' بھائی سے بہت سی باتیں کی تھیں اس نے۔

کہا تھا کہ غلط راستوں پر مت جانا' کیا پاؤ گے یہ تو میں نہیں جانتی' کیا کھوؤ
جانتی ہوں اور کھونے والی چیزوں میں سرفہرست بہن ہوگی۔ سلطان تو بدکرد
زمانے کی گرد میں دب گیا' لیکن کیا میں بھی جھوٹی ہوں؟ میں نے جو اس سے کہا
کیا میں وہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ صلاحیت میرے اندر ہے' میں
کی طرح دنیا سے ڈر جانے والی نہیں ہوں۔ میں لوگوں سے خوفزدہ ہو جانے
میں سے نہیں ہوں۔ سلطان میرے بھائی میں جانتی ہوں کہ تم حالات سے گھ
تھے لیکن اس کے باوجود تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا' معاشرے میں برے
لمحوں میں پیدا ہو جاتے ہیں' اپنی اچھائیوں کو برقرار رکھ کر معاشرے کا ایک فر
تعمیر ہو جائے تو معاشرے کی چھت کو ایک ستون مل جاتا ہے۔ میرے بھائی میں ن
کشی کر کے بھی تمہیں وہ ستون بنانا چاہتی تھی' لیکن تم وہی بن گئے جو لوگ
میں بن جاتے ہیں۔ اب اگر میں تم سے دوبارہ ملتی ہوں تو پھر مجھ میں اور تم میں
فرق نہیں رہے گا۔ میرے کردار میں بھی ایک داغ لگ جائے گا' ناممکن ہے
صرف موت تلاش کرنی چاہیے موت اور پھر چوبیس گھنٹے کے بعد بغیر کھائے پیئے
کشی اور پیاس میں مبتلا زیب النساء رات کی تاریکیوں میں گھر سے باہر نکل
پیروں میں لغزش تھی۔ سر چکرا رہا تھا۔ وہ جھومتی جھامتی محلے سے باہر نکل آئی۔
کشی صرف خودکشی۔ موت صرف موت۔ یہ موت گھر کی چہار دیواری میں
تلاش کی جا سکتی تھی' لیکن نجانے کیوں دل میں یہ بات بھی آئی تھی کہ جب س
رہا ہو کر آئے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ زیب النساء نے خودکشی کر لی ہے بہن کی
سے مطمئن ہو جائے گا۔ سوچے گا وہ کہ اس دنیا سے چلی ہی گئی۔ اب دنیا سے ک
دینا ہے۔ کس کا خوف ہے کہ برائیوں کے راستے پر قدم بڑھانے سے روکے۔
قدم جہاں تک بھی پہنچ جائیں کوئی ہرج تو نہیں اور اس طرح ایک مجرم کی تکمیل

جائے گی۔ اگر اسے زیب النساء کی موت کا پتہ نہ چلے تو وہ پہلی بات تو یہ کہ اسے تلاش کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ وہ اس بات سے خوفزدہ رہے گا کہ ممکن ہے زیب النساء اسے دیکھ رہی ہو۔ اس کے آئندہ جرائم سے واقف ہو' ایسی شکل میں وہ جرم کرتے ہوئے غور کرے گا' سوچے گا اور ممکن ہے بہن کا خیال اسے مستقل مجرم نہ بننے دے۔ چاہتی تو گھر میں بھی وقت صرف کر سکتی تھی۔ اہل محلہ اتنے سنگدل نہیں تھے کہ طعنہ زنی کرتے۔ تقریباً سبھی پرانے شناسا تھے۔ بس ایک آدھ گھر ایسا تھا جس میں کرائے دار رہا کرتے تھے' ورنہ سارے کے سارے پرانے لوگ لیکن بھائی سے کہہ دیا تھا اس نے کہ اگر اس نے برائی کی طرف قدم بڑھائے تو کم از کم زیبی کو نہیں پا سکے گا' اور سلطان نے ایسا کر لیا تھا۔ وہ جتنا جنونی تھا زیبی کسی طور اس سے کم نہیں تھی۔ رات کی تاریکیوں میں نجانے کتنی دور نکل گئی تھی۔ پھر خیال آیا کہ اب کیا کرے' اگر زندگی موت کے حوالے کرنی ہے تو طریقہ کار کیا اختیار کیا جائے۔ تنہا بہت کم گھر سے باہر نکلی تھی۔ تعلیم کے حصول کے زمانے میں بھی سلطان ہی اسے ساتھ لے کر جاتا تھا۔ راستے وغیرہ کچھ نہیں معلوم تھے۔ ایک ذرا سی وحشت نے سر ابھارا۔ غلطی تو نہیں کر لی ہے کہیں۔ آبرو کے دشمن تو ہر طرف سرگرداں ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بات کوئی اور ہی شکل اختیار کر جائے۔ خوف بھری نگاہوں سے اس نے چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی ریلوے اسٹیشن نظر آئے۔ ریل کی پٹڑی نظر آئے تو اس پر سر رکھ دے اور زندگی کھو بیٹھے' لیکن زبردستی تو ہر چیز نظر نہیں آ جاتی۔ پھر کیا کروں۔ لوگ تو آسانی کے ساتھ موت تلاش کر لیتے ہیں۔ کہیں رسی کا پھندا بنا کر' کہیں کوئی زہریلی چیز کھا کر' لیکن یہاں نظریہ ذرا کچھ اور تھا۔ آہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ قدموں میں تیزی آ گئی' کوئی تعین تو تھا نہیں لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد پانی کی ''شڑر شڑر'' سنائی دی۔ جانتی تھی کہ

ایک بڑا دریا اس کے شہر سے بہتا ہے' چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تو وہ پل نظر آیا جو زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' دریا اسی کے نیچے بہہ رہا تھا۔ تیز قدموں سے اس جانب چل پڑی۔ یہی طریقہ کار بہتر ہے۔ اب موت کا خوف اور موت کی طلب یکجا ہوگئی تھی۔ ایک جانب ایک دہشت تو دوسری جانب جنون۔ پل تک پہنچتے پہنچتے خاصا وقت لگ گیا۔ دماغ میں سناٹے ابھر آئے تھے۔ پل کے بیچوں بیچ پہنچ گئی۔ جھانک کر دریا کو دیکھا' تیز و تند روانی' دریا کا بہاؤ خوفناک حد تک تیز۔ ایک لمحے تک چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچتی رہی۔ ماحول سے بے نیاز ہوتی جارہی تھی۔ موت آہستہ آہستہ سایہ فگن ہو رہی تھی۔ اونچی پتھر کی گرل لگی ہوئی تھی۔ اس گرل پر چڑھنا ہے' پاؤں جمانے ہیں اور اس کے بعد آنکھیں بند کرکے کلمہ پڑھ کے دریا میں کود جانا ہے۔ کچھ بھی ہو کلمہ پڑھنا تو ضروری ہے حالانکہ خودکشی حرام ہے لیکن پھر بھی بات وہی ہے' عمل اپنی جگہ' فرض اپنی جگہ۔ گرل کے پہلے خانے پر قدم رکھا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا کان بند ہوگئے تھے۔ یہ نہ دیکھ سکی کہ کسی گاڑی کی روشنیاں اس پر پڑی ہیں۔ اب تو موت کے تاریک اندھیرے دماغ پر چھاگئے تھے اور حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔ گرل کا دوسرا حصہ' تیسرا حصہ اور اس کے بعد آخری حصہ' سر چکرانے لگا۔ ہوا کی تیزی دھان پان سے بدن کو گہرائیوں پر لے جانے میں تعاون کرنے لگی اور.........

ایک لمحے کی چوک ہوگئی ہوتی تو وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ روشنی میں اس نے لڑکی کو پل کی گرل پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا' جیپ حالانکہ اس جگہ سے کافی فاصلے پر تھی۔ جہاں بیگم کو بھی وہ روشنیوں میں نظر آگئی تھی۔ شاہ رخ نے ایکسیلیٹر بالکل نیچے لگا دیا' جیپ کو اس لڑکی کے پاس لے جاکر روکنا بھی ایک مشکل کام تھا۔ بہرحال کوشش کامیاب ہوگئی' جیپ کو بریک لگا کر اس نے پھرتی سے چھلانگ لگا دی۔ یہ بھی خوش بختی تھی کہ جیپ میں تھا' کھلے ہوئے دروازے سے پل کی گرل تک چھلانگ لگانے میں کم از کم دروازے کو کھولنے کے لئے وقت نہیں صرف کرنا پڑا تھا۔ لڑکی کے پاؤں گرل سے اونچے ہو چکے تھے اور شاہ رخ نے وحشیانہ انداز میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے تھے۔ یہ برق رفتاری اس کے اپنے لئے بھی نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ پتھریلی گرل سے ٹکراتا تو سینے کی ہڈیاں بھی ٹوٹ سکتی تھیں۔ بیلنس خراب ہوکر خود بھی گرل کی گہرائیوں سے نیچے جاسکتا تھا' لیکن خوس قسمتی نے ساتھ دیا' تھوڑی سی مہارت بھی کام آئی اور سب سے زیادہ اعصاب کی مضبوطی معاون ہوئی لڑکی کے جسم کے گرد ہاتھوں کا ہالہ بن گیا۔

ہلکے پھلکے بدن کو شاہ رخ نے اپنے قوی ہیکل ہاتھوں میں اٹھالیا۔ اس دوران بیگم بھی جیپ سے اتر کر شاہ رخ کے پاس آگئیں۔

"کون ہے......... کیا کر رہا تھا......... کیوں کر رہا تھا؟" جہاں بیگم نے بیٹے پوچھا۔ شاہ رخ اعصابی کشیدگی کو دور کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا، سنبھل بولا۔

"کر رہا نہیں، کر رہی تھی......... خودکشی......... بچ گئی۔"

"اللہ تیرا شکر ہے......... کیا زہر کھالیا ہے؟"

"زہر کھالیتی اماں تو کم از کم ہم تو مصیبت میں نہ پڑتے، اور پھر زہر کھا کر یہاں تک تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گھر میں آرام سے بستر پر لیٹ جا کسی کو پریشانی نہ ہوتی۔ صبح کو لوگ دیکھتے آرام سے کفن دفن کا انتظام کرتے، ہماری جان کو مصیبت پڑ گئی۔"

"ارے تو بک بک کئے جارہا ہے اٹھا اسے، بے ہوش ہے کیا۔ پتہ نہیں کیا ہے بچی کو؟"

"ایک لمحے کی کسر رہ جاتی تو ہو جاتا......... اب اسپتال لے چلوں یا تھانے۔"

"تجھے شرم نہیں آتی ہر وقت تھانہ تھانہ......... انسانیت بھی کوئی چیز ہے اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر، دیکھ تو سہی زخمی ہے کیا۔" جہاں بیگم ساتھ ساتھ جیپ تک گئی تھیں۔ جیپ میں بٹھا کر ماں سے کہا کہ اسے سنبھالیں اور کے بعد اسپتال چل پڑا۔ ایک پرائیویٹ اسپتال جس پر چوبیس گھنٹے کی سروس لکھا تھا سامنے آیا تو شاہ رخ نے اسی کی طرف جیپ موڑ دی، وارڈ بوائے مستعد لڑکی کو اسٹریچر پر ڈال کر فوراً اندر لے گئے، ڈاکٹر بھی آگیا اور اس نے بڑی دل سے پوچھا۔

"کیا ہوا......... کیا بات ہے؟"

"بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہوگئی ہیں ڈاکٹر صاحب، پلیز آپ دیکھئے کیا بات ہے۔"

"ہوں۔" ڈاکٹر معائنہ کرنے لگا تمام تر معائنہ کرنے کے بعد بولا۔ "آپ کی مسز ہیں؟"

"جی ہاں......... آپ کی دعا سے۔" شاہ رخ نے شرارت سے کہا تو جہاں بیگم کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ڈاکٹر نے تھوڑا سا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"ایک اتفاقیہ بے ہوشی ہے پورے سسٹم میں کوئی خرابی نہیں ہے، میں طاقت کا انجکشن لگائے دیتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو یہاں داخل کر دیں ویسے ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ انجکشن لگایئے، دیکھ لیتے ہیں۔"

"اس کے ساتھ ہی اگر آپ اجازت دیں تو اعصابی کشیدگی دور کرنے کے لئے نیند کا ایک انجکشن بھی دیئے دیتا ہوں، ویسے معاف کیجئے گا کوئی نا اتفاقی ہوگئی تھی آپس میں........."

"شدت کے ساتھ، میں تو انہیں طلاق دینے پر آمادہ تھا۔"

"کیسے ہیں آپ لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر زندگی بھر کے رشتوں کو اس طرح ملیامیٹ کرنے پر تل جاتے ہیں۔" عمر رسیدہ ڈاکٹر نے ناراض ہو کر کہا اور نرس کو انجکشنوں کے لئے ہدایات دینے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب یہ نافرمان ہے، کبھی زندگی میں میری بات مان کر نہیں دی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کی باتیں ایسی ہی ہوں جنہیں ان کا ذہن قبول نہ کرتا ہو، آپ لوگ کیوں یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے منہ سے نکلے بیویوں کو ہی سب کچھ کرلینا چاہیے۔"

"نکاح کے وقت اقرار کرتی ہیں یہ لوگ........"

"اقرار کرتی ہیں آپ کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارنے کا۔ وفا پرست رہنے کا' غلامی کا اقرار تو نہیں کرتیں' نہ مذہب نے اس کی اجازت دی ہے۔"

جہاں بیگم دور جاکر کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی تھیں۔ شاہ رخ کی فطرت کو جانتی تھیں' شرارت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور اتنی سنجیدگی سے شرارت کرتا تھا کہ سامنے والے کو گمان بھی نہ ہوسکے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں کہیں کوئی جھوٹ ہے۔ ڈاکٹر نجانے کیا کیا لیکچر دیتا رہا۔ شاہ رخ کو اور شاہ رخ نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ اپنی بیگم کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ نرس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انجکشن دے دیئے' ڈاکٹر نے شاہ رخ کو ہدایت کی کہ گھر لے جاکر وہ بیگم صاحب کو ذرہ برابر کوئی طعنہ تشنہ نہ دے اور ان کا دل خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد انہوں نے لڑکی کا جائزہ لیا اور بولے۔

"بالکل ٹھیک ہیں یہ' پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ذرا بھی کوئی گڑبڑ محسوس کریں تو پھر میرے پاس لے آیئے۔"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب........ انہیں جیپ میں منتقل کرا دیجئے۔"

"ہاں میں ہدایات دیئے دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

لڑکی کو جیپ میں پہنچا دیا گیا۔ شاہ رخ نے بل ادا کیا جہاں بیگم جیپ میں آگئی تھیں۔ شاہ رخ جیپ میں پہنچا' لڑکی کو وہ شانے سے لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ شاہ رخ نے جیپ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی تو جہاں بیگم نے کہا۔

"تجھے خدا سمجھے شاہ رخ........ پیٹ میں درد کر دیا میرے تو........ تیری بکواس ضبط نہیں ہو رہی تھی مجھ سے' پتہ نہیں بے چاری بچی کون ہے' کس مشکل کا شکار ہے؟"

"اماں یہ نہ سمجھیں میں نے کوئی رومانی کھیل کھیلا ہے۔ جان بچائی ہے اپنی۔ ڈاکٹر کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ کوئی اجنبی لڑکی ہے ہمارے لئے اور محترمہ خودکشی کرنے کی غرض سے دریا میں کودنے کی تیاریاں کر رہی تھیں تو جو ہوتا آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ چار دن کے بعد مجھے مراد گڑھی جاکر چارج لینا ہے' یہاں پھنس جاتا' مصیبت میں' ڈاکٹر صاحب نبض تک نہ دیکھتے اس کی اور پتہ نہیں اس پر کیا گزرتی' بس سمجھ لیجئے یہ ڈرامہ کرکے میں نے اپنی جان بچائی ہے۔"

"تیرے ڈرامے میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہ ادھر کہاں موڑ رہے ہو گھر نہیں چل رہے۔"

"پولیس اسٹیشن لے جارہا ہوں ریاست علی کو تفصیلات بتا دوں گا اور کہہ دوں گا کہ میرا نام نہ لے' بلکہ اپنے چارج میں بتا دے۔ ورنہ اماں مجھے دیر لگ جائے گی۔ کیا فائدہ۔"

"ارے شاہ رخ' اب تو ہندوستانی فلموں کا پولیس والا بننے کی کوشش مت کر' جن کا وجود کم از کم اس دنیا میں نہیں ہوتا' صرف ہندوستان کی فلموں میں ہوتا ہے اور سارے پولیس والے ایک ہی انداز میں بندروں کی سی شکل بنا کر کہتے ہیں کہ اپنا فرض پورا کر رہے ہیں ڈرامے باز کہیں کے........ چل اسے گھر لے چل۔ نجانے کس کی عزت آبرو ہے۔ نجانے کونسی مشکل کا شکار ہو کر زندگی لینے پر تل گئی تھی۔ گھر لے چلتے ہیں ہوش میں آئے گی سمجھائیں گے' حالات معلوم کریں گے........ کچھ مدد کر سکے اس کی تو مدد کریں گے انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"مروا دیا اماں بیگم........ کوئی مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔"

"تو پولیس والا ہے یا کوئی سرکاری کلرک' مسئلہ تیرے لئے کیا بن سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے تھانے پہنچانے سے لڑکی اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے' چلو گھر چلو

سیدھے میں کہہ رہی ہوں۔" آخر میں جہاں بیگم کے لہجے میں حکم کی کیفیت پید ہوگئی اور شاہ رخ نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک چھوٹے سے بنگلے میں جاکر رکی۔ لڑکی ابھی تک بے ہوشی کی کیفیت میں تھی، شاہ رخ نے خود ہی اسے بازوؤں میں اٹھایا اندر لے جاکر اماں کے کمرے میں پہنچا دیا۔

"اسے میرے بستر پر ڈال دے میں اس کے پاس ہی رہوں گی، بس ہوش میں آجائے گی تو اس سے اس کے بارے معلوم کروں گی۔"

"ٹھیک ہے آپ جیسا پسند کریں۔" شاہ رخ نے کہا اور ماں کی ہدایت کے مطابق لڑکی کو بستر پر لٹانے کے بعد باہر نکل آیا، لیکن پھر کچھ سوچ کر دوبارہ اندر رخ کرکے بولا۔

"دروازہ باہر سے بند کئے دے رہا ہوں احتیاطاً یہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ اور بھی بہت سے معاملات خراب ہو سکتے ہیں، آپ چاہیں تو دروازہ بجا کر مجھے طلب کر سکتی ہیں۔ آپ سو گئیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوبارہ باہر نکل جائے، سمجھ رہی ہیں نا آپ۔"

"ٹھیک ہے۔" ماں نے کہا اور شاہ رخ نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ پھر اپنے بیڈ روم کی طرف آگیا۔ ایک پولیس آفیسر ہونے کی حیثیت سے یہ احتیاطی قدم اٹھایا تھا اس نے ویسے لڑکی کے بارے میں ذہن الجھا ہوا تھا۔ خیر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ لڑکی نوجوان ہے معلومات حاصل کرلوں گا اس سے اور اگر مدد کے قابل ہوئی تو یہاں بہت سے تھانوں میں اس کے انچارج دوست لگے ہوئے تھے، جس سے بھی کہتا وہ لڑکی کی مکمل دادرسی پر آمادہ ہو جاتا۔ انسپکٹر شاہ رخ اپنے کمرے میں آیا لباس تبدیل کیا اور بستر پر لیٹ کر آنے والے وقت کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب اسے پہاڑی آبادی مراد گڑھی میں اپنے عہدے کا چارج لینا تھا۔

تقریباً تمام لوگ حویلی سے باہر گئے ہوئے تھے۔ شرجیل نادر شاہ کی ناک کا بال تھا۔ اس کے علاوہ وہ خصوصی لوگ جو عام طور سے نادر شاہ کے ساتھ آتے جاتے رہتے تھے، باہر نکلے ہوئے تھے۔ ہاں گھر کے مخصوص ملازم جو معصوم قسم کے لوگ تھے اور صرف اپنے کاموں سے کام رکھتے تھے۔ آنکھیں بند، زبان بند، کان بند، صرف ہاتھ پاؤں چلتے تھے۔ نادر شاہ نے بھی انہیں بتا دیا تھا کہ انہیں صرف اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔ ادھر اُدھر کی کوئی بات نگاہوں میں آجائے تو زبان تک نہ پہنچنے پائے، جسے نوکری عزیز تھی اس نے احکامات کی پابندی اپنا شعار بنالی۔ نوری خاص طور سے نایاب کی ملازمہ تھی۔ ہر لحظہ ساتھ رہنے والوں میں اس کا مسئلہ بالکل الگ تھا۔ اس وقت دونوں اس بات پر متفق ہوگئی تھیں کہ اس عمارت کا جائزہ لیا جائے جہاں یہ پراسرار نقل و حرکت ہوتی ہے۔ نایاب نے نوری سے کہا تھا۔

"نوری! یہ میرا گھر ہے، بابا جان نے مکمل اعتماد کے ساتھ مجھے یہاں بھیجا ہے۔ شاہ جی میرے شوہر ہیں۔ ان کے ہر اچھے برے کا ہر طرح سے خیال رکھنا میری ذمے داری ہے۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ شاہ جی کے گرد کس طرح کے لوگ بکھرے ہوئے ہیں۔

اس بارے میں جاننا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ ہم لوگ اس جگہ کا جائزہ لیں گے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ چھوٹی سرکار۔" نوری نے کہا۔ کئی دن کی کوششوں کے بعد آخر کار انہیں یہ موقع ملا تھا اور وہ دونوں تیار ہو گئی تھیں۔ کوٹھی کے دوسرے ملازموں کی بے نیازی ان کے لئے فائدہ مند تھی' چنانچہ جب حویلی کے اس حصے میں پہنچیں تو انہیں میدان صاف ملا تھا۔ بڑا گیٹ یہاں سے کافی دور تھا اور چوکیدار کو وہاں مستعد رکھا جاسکتا تھا' بعض اوقات تین تین چوکیدار وہاں ہوا کرتے تھے۔ اندر کے معاملات چونکہ مکمل طور سے قابو میں تھے اور کوئی خطرہ اندر سے نہیں تھا' اس لئے اندر کبھی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ نوری اور نایاب اس عمارت سے اندر داخل ہو گئیں۔ خاصی وسیع جگہ تھی جو خاص طور سے بنائی گئی تھی۔ راہداری سے گزرنے کے بعد ایک انتہائی وسیع ہال نظر آتا تھا' جس کی چھت نیچی تھی غالباً" اس پر دو چھتی تھی۔ اس کا طرز تعمیر کچھ مخصوص سا تھا' اس ہال میں لاتعداد کارٹن چنے ہوئے تھے' بڑے چھوٹے۔ کچھ گتے کے کچھ لکڑی کے۔ بعض کارٹن کھلے ہوئے بھی تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں کھول کر چیک کیا گیا ہو۔ یہ دونوں ان کارٹنوں کو دیکھتی رہیں پھر نایاب نے آگے بڑھ کر لکڑی کے ایک ایسے کارٹن پر سے گتہ ہٹایا جس کی کیلیں اکھاڑی گئی تھیں' ڈھکن ہٹا کر اس نے اندر جھانکا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں' جو کچھ اسے اندر نظر آیا تھا وہ ناقابل یقین تھا' بہت ہی شاندار قسم کی غیر ملکی رائفلیں اس کارٹن میں بڑے قرینے سے چنی گئی تھیں۔ نایاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔ ایک فوجی کی بیٹی تھی صورتحال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا نوری بھی بات سمجھ گئی تھی دیر تک خاموش رہنے کے بعد نایاب نے کہا۔

"نوری اور کوئی کارٹن کھلا ہوا ہے تو اسے دیکھو۔" نوری نے حکم کی تعمیل کی۔ دوسرے کارٹن میں اعلیٰ درجے کے پستول تھے تیسرے میں کارتوسوں کے مخصوص قسم کے پیکٹ۔ ان تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد نایاب نے انہیں پہلے کی طرح ڈھک دیا اور بوجھل قدموں سے اس جگہ سے باہر نکل آئی۔ صورت حال کا اندازہ لگانے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ نوری بھی سب کچھ سمجھ گئی تھی نایاب اندر جاکر بستر پر لیٹ گئی' نوری اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اس نے نایاب کا بازو سہلاتے ہوئے کہا۔

"چھوٹی سرکاری آپ کا رنگ پیلا پڑ رہا ہے' اس قدر پریشان نہ ہوں۔"

"نہیں نوری۔ میں ٹھیک ہوں' یہ عارضی جھٹکا ہے' ذہن صاف ہو جائے گا۔ ایسے دھچکے مجھے پہلے بھی لگتے رہے ہیں' جب میں نے بابا جان جیسے زیرک انسان کو دھوکا کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ بابا جان کے کسی بھی معاملے میں بولنا میرے لئے ممکن نہیں ہے' میں اس وقت بھی سمجھتی تھی۔ دیکھو میرا تجربہ بابا جان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے' لیکن بچپن ہی سے نجانے کیوں ایک احساس میرے دل میں بیٹھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انسان لاکھ خود کو چھپانے کی کوشش کرے' اگر گہری نگاہوں سے اسے دیکھا جائے تو اندر کی برائی اس کے چہرے پر کہیں نہ کہیں ضرور چھلک آتی ہے' اور یہ شخص جسے میری تقدیر کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ اندر سے بھی برا ہے اور باہر سے بھی برا ہے۔ حیرت بابا جان پر ہے کہ وہ کیسے دھوکا کھا گئے۔ کتنا خوفناک آدمی ہے یہ۔ اب تمہیں راتوں کو ٹرکوں کی آمد اور سامان کے منتقل ہونے کا اندازہ ہو گیا ہے کیا ہوتا ہے' کیا کرتا ہے یہ۔ کیسا بھیگی بلی بن کر بابا جان تک پہنچا تھا اور کس طرح اس نے بابا جان کو متاثر کیا تھا اور اب کیا کر رہا ہے یہ نوری سب پتہ چل گیا۔"

"ایک مشورہ دوں آپ کو چھوٹی سرکار۔" نوری نے کہا اور نایاب سوالیہ انداز

میں نوری کو دیکھنے لگی۔

"چھوٹی سرکار آپ بڑے سردار کو یہ ساری بات بتادیں۔ بڑے سردار حالات بدلنے سے پہلے شاہ جی کو سنبھال لیں گے۔ ہو سکتا ہے ان کے سمجھانے بجھانے سے شاہ جی ان کاموں سے بعض آجائیں۔" نایاب عجیب سی نگاہوں سے نوری کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"بابا جانی نے یہ سوچ کر یہ سب نہیں کیا ہوگا۔ میں ان کے دل کو خوشی پہنچانے کے بجائے غم نہیں دینا چاہتی۔ شاہ جی سے میں خود ہی بات کروں گی۔ کچھ بھی ہے نوری وہ میری تقدیر کے مالک ہیں۔ نوری کچھ بھی ہے شاہ جی کو کوئی تکلیف پہنچانا میرے لئے ممکن نہیں، کیسے کر سکتی ہوں۔ میں ایسا۔ ایسا تو میں کر ہی نہیں سکتی نوری کچھ بھی ہے میرے مالک ہیں وہ، میں خود ہی ان سے بات کروں گی۔ ان سے پیار سے کہوں گی کہ شاہ جی یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے، کیا ضرورت ہے ہمیں ایسے ناجائز کام کرنے کی جو کبھی عذاب بن جائے۔ وہ اندر سے برے ہوں یا باہر سے، بابا جان نے انہیں میری تقدیر کا مالک بنا دیا ہے اور میں نے بابا جان کے اعتماد کو دھوکا نہیں دیا تو اب بھلا میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں نوری۔ نہیں، سمجھاؤں گی میں شاہ جی کو۔" نایاب کا لہجہ بدل گیا تھا اور مشرق کی تخلیق، مشرق کے وجود میں آگئی تھی۔

بڑی مشکل سے یاقوت کو یقین آسکا کہ نادر شاہ جو کچھ کہہ کر گیا ہے وہ سچ ہے۔ ملازمین اس کا ثبوت تھے ان کا احترام اسے یقین دلا رہا تھا کہ یہ خوبصورت مکان اب اس کی ملکیت ہے، لیکن زمرد جانم کو وہ بہت دیر تک یقین نہ دلا سکی۔ زمرد جانم مسلسل کہہ رہی تھی۔

"یہ کوئی فریب ہے یاقوت، دھوکا ہے۔ ہم لوگ کہیں کسی بڑی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جائیں۔"

"اماں ہم تو ساری زندگی ہی کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار رہے ہیں، اس پہاڑی آدمی کو کتنی مشکلوں کے بعد ہم نے قبول کیا ہے۔ بے شک یہ ایک حسین جگہ ہے لیکن اس وقت جب انسان یہاں اپنی زندگی کے تمام معمولات کا عادی ہو جائے اور اپنے آپ کو سمجھا لے کہ اب یہ اس کی زندگی ہے۔"

"وہ اور بات تھی کم از کم میں نے تمہیں پورے اعتماد کے ساتھ یہ گھر دیا ہے، لیکن تم اپنی ناسمجھی میں دھوکا کھا رہی ہو، میں جتنا بھی غور کرتی ہوں میرے دل میں وسوسے سر ابھارنے لگتے ہیں، وہ جس عالم میں یہاں آیا تھا، وہ بڑا عجیب تھا۔ کچھ بھی

نہیں تھا اس کے پاس۔ معمولی سی زندگی کا مالک تھا وہ۔ چند لمحوں کے اندر اندر ا
نے اتنی دولت حاصل کرلی کہ تمہیں یہ قیمتی مکان بنوا کر دے دے۔ تم دیکھ ل
یاقوت یہ کوئی بہت بڑا فریب ثابت ہوگا۔ ہم خوش فہمیوں کا شکار ہو جائیں گے او
اس کے بعد یہ خوش فہمیاں جس شخصیت نے مجھے یہ مقام دیا ہے' وہ کوئی معمو
شخصیت نہیں ہے۔ اس کی حکم عدولی جو مشکلات ہمارے لئے پیدا کر سکتی ہے تم ا
کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"تو پھر اماں ایک ہی بات کہہ سکتی ہوں میں آپ سے' آپ نے اپنے تجر
سے بات کہی' میں اپنے تجربے سے یہ بات کہتی ہوں کہ جو شخص مجھ سے یہ بات کہ
کر گیا ہے کہ میری آنکھوں میں کسی اور کے لئے محبت کے چراغ جلے تو مجھے اسی گھ
کے ستونوں سے باندھ کر زندہ جلا دے گا' جب اس نے یہ الفاظ اپنے منہ سے اد
کئے تھے نا اماں' تو میں نے اپنے بدن کے اردگرد اپنے قد سے بلند شعلے اٹھتے ہو
دیکھے تھے۔ میں ان شعلوں میں نہیں جھلسنا چاہتی' آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کس حا
تک میرا ساتھ دے سکتی ہیں۔"

"تمہارا کہنا یہ ہے کہ تم یہاں اس مکان میں رہو گی۔"

"ہاں اماں........ یہی ہے میرا کہنا۔"

"اور میں؟"

"آپ سمجھ لیجئے کہ آپ نے بیٹی رخصت کر دی' ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم
جس ماحول سے تعلق رکھتے ہیں وہاں بیٹیاں رخصت ہو کر کہیں جاتی نہیں ہیں۔ آپ
میرے ساتھ آجایئے' مجھے اعتراض نہیں ہوگا' لیکن کسی ایک ایسی چیز کو مجھے اپنا
سمجھنے دیجئے جس کے لئے وقت مجھے یقین دلا رہا ہے کہ وہ میری اپنی ہے آپ کے
کہنے سے یا کسی اور کے کہنے سے میں اپنے مستقبل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی

اماں۔" زمرد جانم اسے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پھیل گئے' وہ نرم لہجے میں بولی۔

"بیٹی تمہارے مستقبل کو تابناک دیکھ کر کیا مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ بس کچھ وسوسے کچھ خوف ہیں۔ جو یہ سب کچھ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ یہ سب ٹھیک ہے تو مجھ سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں اماں اور اس بات پر حیران ہوں کہ آپ اتنا منحرف کیوں ہو رہی ہیں۔ آپ مجھے بتایئے اگر آپ اس گھر کو چھوڑ کر میرے ساتھ رہتی ہیں تو کیا فرق پڑ جائے گا۔"

"نہیں بیٹا کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ گھر دے کر مجھے غالباً یہ احساس دلایا گیا ہے کہ میں جس کی ملکیت ہوں وہ اپنی جھوٹن بھی کسی کو نہیں دینا چاہتا۔ برسوں ہوگئے اس نے مجھ سے ملاقات نہیں کی ہے۔ میری خبر نہیں لی ہے۔ بڑے بڑے بینکوں میں اس کے اکاؤنٹ ہیں۔ میرے لیے بھی ایک مخصوص رقم آتی ہے' اور میں سمجھتی ہوں یہ صرف بینکوں کی اعلیٰ کارکردگی ہے جو مخصوص کر دیا گیا ہے اسی کا عوض ملتا ہے مجھے ورنہ باقی اور کچھ نہیں ہے۔"

"سمجھ رہی ہوں اماں۔ سمجھ رہی ہوں' لیکن تم ایک بات تو سوچو تم وقت سے آگے بڑھ چکی ہو اور میں وقت کا سفر کر رہی ہوں۔ ابھی میرے پاس منزل تلاش کرنے کے لئے عمر ہے راستہ ہے۔ ہو سکتا ہے اماں میں راستہ تلاش کرلوں۔ تم نے بھی تو قناعت کی ہے' انحصار کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے خون میں گنجائش ہے' کسی اچھے وقت کو پکارنے کی۔ ہم آرزو رکھتے ہیں طلب رکھتے ہیں۔ ممکن ہے وقت ہمیں مل جائے اور ہم نہ سہی ہماری نسلوں میں سے کوئی ایک باعزت کہلا سکے۔ اماں بیج بویا جاتا ہے ضروری تو نہیں کہ وہ درخت ہماری زندگی میں ہی پھل

دینے لگے‘ کونپل پھوٹتی ہے‘ سینچا جاتا ہے اسے‘ اور عمریں اسے درخت بناتی ہ
لیکن اماں وہ درخت ہمارے نام سے تو منسوب ہو سکتا ہے۔ بہت دور آسمانوں
ہم اسے لہلہاتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہی ہوں تیری بات‘ ٹھیک ہے ہم اس گھر میں منتقل ہو جا
ہیں۔ محدود رہیں گے‘ محتاط رہیں گے۔ پھر کسی نئے کردار کو اپنے درمیان آ
اجازت نہیں دیں گے‘ تو کوشش کرنا چاہتی ہے کوشش کر‘ مرحوم سے کہتی
سامان منتقل کرنا شروع کر دے۔ تھوڑا کچھ یہاں رہنے دے‘ تاکہ اسے بھی شکایت
ہو جس نے میری پرورش کی ہے۔“

”ہاں اس میں کوئی ہرج نہیں ہے اماں۔ ہماری جائیداد ہی بڑھ رہی
یاقوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔“

نادر شاہ نے چونک کر رجسٹر پر سے نگاہیں ہٹائیں۔ گھڑی میں وقت دیکھا۔ موبائل پر بدستور بیل ہو رہی تھی۔ رات کے اس پہر کون ٹیلی فون کر سکتا ہے۔ اس نے سوچا پھر موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا اور ایک دم مستعد ہو گیا۔ باس کا فون تھا اس نے جلدی سے موبائل آن کیا اور بولا۔

”نادر شاہ..........“

”سو گئے تھے؟“

”نہیں باس‘ کچھ کام کر رہا تھا بیٹھا ہوا۔“

”شاید جھوٹ بول رہے ہو‘ کیونکہ اگر تم سو رہے نہ ہوتے تو اتنے بڑے واقعے سے ضرور باخبر ہوتے۔“

”باس مجھے افسوس ہے کہ بار بار مجھے تم سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے ساتھ وہ لہجہ اور وہ زبان نہ اختیار کیا کرو جو دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ میرا مزاج بہت مختلف ہے۔ اصولی طور پر مجھے اس وقت فون بند کر دینا چاہیے اور تمہیں وقت دینا چاہیے کہ اپنے الفاظ کو درست کر کے مجھ سے دوبارہ بات کرو‘ لیکن آخری بار

وارننگ دے کر، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا بات ہے؟" دوسری طرف کچھ لمحات کے لئے خاموشی طاری ہوگئی، پھر باس کی سپاٹ آواز ابھری۔

"الفاظ کا حساب کسی مناسب وقت کے لئے چھوڑ دیتے ہیں نادر شاہ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا پوائنٹ فورڈیڈ ہوگیا ہے، وہاں ایک بڑا بلاسٹ کر کے دہانے پر چٹانیں گرادی گئی ہیں اور دہانہ بند ہوگیا ہے۔"

"ہاں مجھے اطلاع مل چکی ہے، شاید تمہیں دیر سے اطلاع ملی ہے باس۔"

"یہ اطلاع تم نے مجھے نہیں دی۔"

"اس کی وجہ ہے، ان علاقوں کی ذمہ داری تم نے مجھے سونپی ہے باس۔ چنانچہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تمہیں نہیں مجھے غور کرنا ہے، ہمارے پاس ایسے کئی پوائنٹ ہیں جہاں سے مال کی ترسیل ہو سکتی ہے۔ بس تھوڑے سے راستے بدلنے پڑیں گے۔"

"تم خود کو بہت زیادہ ذہین سمجھتے ہو نادر شاہ یہ بات نہ تمہارے حق میں بہتر ہے نہ میرے حق میں، میں تم سے بہت عرصے پہلے سے یہ کام کر رہا ہوں اور راستے بدلنے کا مقصد میں جانتا ہوں۔"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو باس۔" نادر شاہ نے اس وقت باس کے لہجے کے سپاٹ پن کو محسوس کیا تھا اور اندازہ لگایا تھا کہ باس بہت زیادہ مشتعل ہے۔

"مشورہ دینا چاہتا ہوں تمہیں۔ درے کا وہ علاقہ تمہارے سسر کی ملکیت ہے۔ وہ زمینیں سردار تیمور کے نام ہیں۔ وہ زمینیں اس سے مانگ لو۔ یہ ضروری ہے کہ اب وہ زمینیں تمہاری ملکیت ہونی چاہیں۔ ہم وہاں پہاڑی احاطہ بنائیں گے اور درے کا راستہ کھول کر اس جگہ کو محفوظ کرلیں گے۔ یہ منصوبہ بہت عرصے سے میرے ذہن میں ہے لیکن اب تمہارے ذریعے اس کی تکمیل ہونی چاہیے، اس زمین کو

اصل کرنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے تجویز ذہن میں رکھ لی ہے، باقی کاموں کی طرف سے تم طمئن رہو، کام معمول کے مطابق ہوں گے اور میں نے ان کی ذمہ داری قبول کی ہے۔" دوسری طرف سے لائن اچانک بے جان ہوگئی۔ باس نے فون بند کر دیا تھا س کا موڈ بھی بہت زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ نادر شاہ نے خود بھی موبائل آف کیا اور کچھ سوچنے لگا لیکن چند لمحات بھی نہ گزرے تھے کہ اچانک اسے چونکنا پڑا۔ بیل لیمپ کی روشنی میں اس کے علاوہ ایک اور انسانی سایہ لرز رہا تھا ایک پرچھائیں جو اس کی اپنی نہیں تھی۔ اس کے سامنے متحرک تھی۔ وہ بری طرح چونک پڑا، یہ کون ہے؟ اس نے حیرت سے پوچھا اور بے اختیار پلٹ کر عقبی سمت دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے بدن میں گرم گرم لہر دوڑ گئی تھی، جو چہرہ اسے نظر آیا تھا وہ اس کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔

اول تو رات اتنی گزر گئی تھی کہ خوابگاہ میں نایاب کے جاگتے رہنے کا جواز نہیں تھا۔ پھر یہ جگہ جہاں نادر شاہ کام کر رہا تھا خوابگاہ سے کافی فاصلے پر تھی الگ بات ہے کہ اس جگہ کا ایک الگ دروازہ خوابگاہ کے سامنے والے درواز راہ داری کی طرف تھا اور اس پر ایک دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے امکانات نہیں تھے کہ روشنی چھن کر باہر جائے گی۔ بہرحال نایاب اس کے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے نادر شاہ کے ذہن میں مختلف خیالات آ اسے اپنے رویے کا تعین کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے تعین کیا اور اس کے ہونٹو مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نایاب......... تم اس وقت جاگ رہی ہو خیریت تو ہے۔"

"شاہ جی......... میں جاگتے رہنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی تو جاگ رہے ہیں" نایاب نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

"ایں......... ہاں ہمیں تو کچھ کام تھے۔ اب دیکھو نا انسان کو زندگی مصروف تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے۔ تمہارے تحفظ

لئے ہمیں جاگنا ہی ہوگا۔" نایاب کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"شاہ جی......... انسانی زندگی اس دنیا میں ایسی شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے ہمیں اس بات سے انکار نہیں۔ لیکن اس وقت تمہاری یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"شاہ جی......... آپ میرے تحفظ کے لئے سرگرداں ہیں اور میں آپ کی بقاء چاہتی ہوں......... دیکھئے میری بات کا برا نہ مانیئے۔ مرد عموماً بزدل عورتوں کو پسند کرتے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کر کے ان کے آقا بن سکیں۔ لیکن آپ یہ بھی تو سوچئے کہ عورت پر بھی تو مرد کی ابتدائی ذمہ داری ہوتی ہے۔ شاہ جی......... آپ مجھ سے کہیں زیادہ تجربے کار، مجھ سے کہیں زیادہ سمجھ دار ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ پر ایک بات میں ضرور کہوں گی شاہ جی......... برائیوں کے راستے خوبصورت پھولوں سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا اختتام تباہی کے خوفناک گڑھوں پر ہوتا ہے۔ شاہ جی......... شروع میں انسان اگر سنبھل جائے تو مشکلات ٹل جاتی ہیں۔ راستے غلط ہونے کا اگر احساس ہو جائے، تو انہیں بدل لینا مناسب ہوتا ہے۔"

"نصیحتوں کا پورا پلندہ کھول دیا ہے تم نے......... کیا بات ہے کھل کر کہو۔"

"شاہ جی......... دروازہ کے پاس جو عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس میں جو کچھ رکھا ہوا ہے۔ وہ میں دیکھ چکی ہوں شاہ جی کیا ہے وہ؟"......... نادر شاہ کی نظروں میں ایک لمحے کے لئے بھیانک تاثر ابھرے۔ ایک بار پھر اس کا ذہن گھوما لیکن بہت شاطر آدمی تھا۔ شاطر نہ ہوتا تو یہاں تک نہ پہنچ پاتا۔ اس نے کہا.........

"اگر ہم تم سے وہ سب کچھ چھپانا چاہتے نایاب تو تمہیں خود اندازہ ہے کہ چھپا سکتے تھے۔ لیکن بابا چھپانے کی کوشش نہیں کی ہم نے وجہ تھی اس کی۔ تم گہرا راز دار ہمارا اور کون ہو سکتا ہے لیکن بتانا بھی ضروری نہیں تھا اپنے ا سوچنے کا انداز ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ تم غلط انداز میں سوچنے لگتیں۔ ہمیں اب احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے سب ٹھیک ہی کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ تھوڑی غلطی کر گئے اور گھر کے گھر میں اسے تم سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"شاہ جی........ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ میں آپ کی زندگی کے ہر پہلو رازدار ہوں۔" نادر شاہ کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آئی جسے وہ پی گیا۔ عورت ا یہی سمجھتی ہے تو مرد کی کامیاب زندگی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اگر وہ مرد کی زندگی ک ہر پہلو سے واقف ہو جائے تو پھر مرد کے لئے زندگی مشکل بن جائے۔ یہ نادر شاہ سوچ تھی لیکن بہرحال اس نے اپنا لہجہ نرم ہی رکھا۔ کہنے لگا........

"بات اصل میں یہ ہے کہ میرے سامنے میرا مستقبل ہے۔ سردار تیمور بہ بڑے آدمی ہیں۔ شاہ ہیں وہ........ جب انہوں نے اپنی عزت میرے حوالے کر د ہے۔ اپنی آبرو میرے تحفظ میں دے دی ہے تو مجھ پر بھی تو فرض ہے کہ اسے ا کی شان کے مطابق رکھوں۔ اور شان کو قائم رکھنے کے لئے اس دور میں جو کچھ کر پڑتا ہے تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں شاہ جی........ مگر شان وہ ہوتی ہے جو ہمیشہ قائم رہ قائم رہے تو شان رہتی ہے۔ ورنہ فریب۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو........؟"

"شاہ جی........ آپ بتانا پسند کریں گے کہ وہاں اس گودام میں کیا ہے؟"

"دیکھ چکی ہو تو پھر کیوں پوچھتی ہو۔"

"شاہ جی........ کیا وہ خطرناک نہیں ہے........؟"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں ہے۔"

"شاہ جی........ ہمارے پاس بہت سی زمینیں ہیں۔ ہمارے آس پاس جو بکھرا ہوا ہے وہ اس حویلی کی شان کو قائم رکھنے کے لئے بہت ہے۔ اسی زمین میں اگر توسیع کی جائے تو یہ سونا اگلنے لگے گی۔ ہمیں سونا چاہیے تو ہم کیوں نہ ان زمینوں سے مانگیں۔ ملک دشمنی کر کے کیوں یہ سب حاصل کریں' شاہ جی........ اس سے ڈر بھی لگتا ہے۔ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں۔"

"ہاں بے شک ہوتا ہے........ لیکن ایک بات ذہن میں رکھو۔ مرد جو فیصلہ کرتا ہے سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ شامل ہونے کا موقع ضرور دوں گا۔ لیکن وفاداری اس کا نام ہے کہ جو دیکھو' جو سوچو اسے اپنی آنکھوں اور اپنے سینے میں محفوظ کر لو۔ وہاں سے کسی بھی چیز کو باہر نہ جانے دو۔ اپنی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے میری مدد کرو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے سپرد کوئی ایسی ذمہ داری کروں جو ہمارے مستقبل کے راستے بنانے میں مدد دے۔ بس اتنا ہی ہونا چاہیے۔ ایک اچھی بیوی' ایک اچھی ساتھی اور اچھی انسان کی حیثیت سے تم میری باتوں پر پوری پوری توجہ دو گی۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں شاہ جی کہ آپ جو کچھ سوچ رہے ہیں........"

"نایاب" نادر شاہ نے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا........ "میں کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کرتا جتنا تم سے کہہ چکا ہوں میری حد اتنی ہی ہے۔ تم بھی اپنے سامنے ایک لکیر کھینچ لو۔ لکیروں کا موجود ہونا بہت اچھا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی انسانی ذہن ایسی الجھنوں میں گرفتار ہوتا ہے کہ سامنے والے کو کوئی تلخ جواب بھی مل سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں تلخیوں سے گریز

کریں۔ اور اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی عقل کو میرے عمل میں شامل کردو۔ یعنی جو کچھ میں کروں جو کچھ میں سوچوں اس کے بارے میں تم صرف یہی سوچو کر یہی ضروری ہوگا۔ یہ آخری الفاظ ہیں۔ اس کے بعد میں چاہوں گا کہ تم آرام کرو اور میں اپنے کام میں مصروف ہو جاؤں۔" نایاب کچھ لمحے خاموشی سے نادر شاہ کو دیکھتی رہی اور پھر گردن جھکا کر واپس پلٹ گئی۔

زیبی نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ ذہن میں دریچ کے دروازے کھل گئے۔ قبر پانی کی قبر...... زمین کی گہرائیاں...... جنت، دوزخ کیا ہے یہ...... انسان اگر پانی میں ڈوب کر خودکشی کرے تو اسے قبر کیسے مل سکتی ہے۔ اب کسی کو کیا پتا کہ کون کیسے مرا ہے......؟ فرض کرو میں پانی میں کودی تھی...... مر گئی تھی میرا جسم بہتا ہوا کسی ساحل سے جا لگا۔ کچھ لوگوں نے مجھے دیکھا۔ مجھ پر افسوس کیا اور پھر میری تدفین کر دی تو کیا قبر ایسی ہوتی ہے۔ یہاں تو کمر کے نیچے نرم بستر ہے اور یہ خوبصورت کمرہ، کیا قبر ایسی ہو سکتی ہے۔ خودکشی کے بعد تو انسان جہنم میں ہی جاتا ہے۔ اور جہنم بہرحال اتنا خوبصورت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ میں مری ہی نہ ہوں۔ ہاں کچھ گڑبڑ تو ہوئی تھی۔ پانی میں کود رہی تھی لیکن پانی کا تو کوئی احساس نہیں تھا۔ لعنت ہے مجھ پر فضول باتیں سوچے جا رہی ہوں۔ ارے بابا...... میں زندہ ہوں...... بالکل زندہ ہوں۔ کسی طریقے سے بچ گئی ہوں۔ ان فلموں کی طرح جن میں عام طور سے خودکشی کرنے والے یا دریاؤں میں کودنے والے بچ جاتے ہیں۔ کوئی انہیں نکال کر اپنے گھر لے جاتا ہے۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہے۔ مجھے کسی نے دریا سے نکال لیا ہے۔ یہ جگہ کون سی ہے اس کا اندازہ کرنے کی

کوشش کی جائے۔ اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک خوبصورت شکل نظر
اور وہ جلدی سے اپنی جگہ لیٹ گئی۔ پولیس آگئی ہے شاید.......... آنا ہی تھا۔ اس
دل میں سوچا.......... پھر ایک دم آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی۔ وہ تو ایک تصویر
پولیس کی وردی میں ملبوس کسی خوبصورت نوجوان کی تصویر جو سامنے رکھی ہو
تھی۔ اور اس کی آنکھیں زیبی کی نگرانی کر رہی تھیں۔ بڑی دیر تک اس تصویر
دیکھتی رہی۔ نقوش کچھ ایسے جاذب نگاہ تھے کہ دیر تک ان سے آنکھیں نہ ہٹ
سکیں۔ لیکن پھر ہوش و حواس نے ذہن پر ضرب لگائی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن
ہوا کیا ہے۔ آہ واقعی.......... کسی نے اس کی زندگی بچالی ہے اور اب وہ یہاں موجو
ہے۔ اب کیا ہوگا.......... نہ جانے کون لوگ ہیں.......... کیسے لوگ ہیں..........؟ ذہن
پر خوف کی ایک پرچھائیں چھا گئی۔ اگر وہ خطرناک لوگ ہوئے تو کیا ہوگا۔ پولیس
والے کی یہ تصویر یہاں کیوں رکھی ہوئی ہے۔ ماضی کی بہت سی باتیں ذہن میں تا
ہو گئیں۔ اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کیا جواب دے گی وہ۔ کیا بتا
گی اپنے بارے میں۔ لوگوں کو یہ نہیں جاننا چاہیے کہ وہ ایک مجرم بھائی کی بہ
ہے۔ وہاں سلطان نے رشتوں کے دھاگے توڑ دیئے۔ وہ نہیں کیا جو میں نے کہا تھا
حالانکہ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ سلطان ساری باتیں قابل برداشت ہیں لیکن
جرم کی دنیا میں داخل ہونے کی کبھی کوشش نہ کرنا میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔
سلطان جانتے تھے کہ میں جو کہتی ہوں اور جس لہجے اور اعتماد کے ساتھ کہتی ہوں و
سچ ہوتا ہے۔ سلطان میں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ تم نے بہن کا مان
نہیں رکھا میری آبرو چھین لی تم نے.......... دنیا کی نگاہوں میں مجھے غلیظ کر دیا..........
ایک بار پھر وہ چونک پڑی کہیں سے آہٹ ابھری تھی۔ کوئی آ رہا تھا یا کوئی ادھر سے
گزر رہا تھا' نہ جانے کون سا گھر ہے.......... کون سی جگہ ہے کتنے لوگ ادھر رہتے

ں۔ فی الحال ایک فیصلہ کرنا ہے وہ یہ کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں علم نہیں
دینا چاہیے میں کون ہوں؟.......... کیا ہوں؟.......... یہ پتا نہیں چلنا چاہیئے ان کو اور
ں کے لئے اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا کہ وہ گونگی بن جائے۔ آہٹیں
دروازے تک آگئیں۔ پھر جس شخص نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اسے دیکھ کر
زیبی کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ ایک ایسی مہربان عورت کا چہرہ تھا جس میں
وقار' محبت' پیار' ممتا ساری چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ اس چہرے پر بکھری ہوئی ساری
لکیروں میں سے ہر ایک لکیر میں ایک داستان چھپی ہوئی تھی۔ زیبی نے آنکھیں بند
نہ کیں۔ عمر رسیدہ خاتون اسے ہوش میں دیکھ کر اندر آگئیں جلدی سے اس کے
پاس پہنچیں۔ بڑی محبت سے اس کے قریب بیٹھیں۔ اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں
لیا اور بولیں۔

"تم جو کوئی بھی ہو بیٹی.......... سب سے پہلے میری ایک بات سنو اور اس پر
یقین کر لو۔ تم ایک محفوظ جگہ ہو۔ ایک ماں کے سائے میں ہو۔ بولو.......... کیا میری
بات پر یقین کر سکتی ہو۔" وہ ان الفاظ کی گہرائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس لہجے میں
صداقتیں تلاش کر رہی تھیں اور اسے یہ لہجہ سچ کی تصویر محسوس ہوا۔ اسے یوں
محسوس ہوا جیسے ان الفاظ میں زیر زبر بھی غلط نہ ہوں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے
گردن ہلائی۔

"عورت نے.......... " اب یہ بتاؤ کیا نام ہے تمہارا..........؟

زیبی نے آنکھیں بند کئے کئے منہ کھول دیا۔ اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی
کہ وہ بول نہیں سکتی۔ معمر عورت ایک لمحے میں سمجھ گئی۔

"تم.......... تم بول نہیں سکتیں۔" اس نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے نفی
میں گردن ہلا دی۔ ایک عجیب ادا تھی۔ ایک عجیب انداز تھا۔ معمر عورت کا دل کھنچ

کر حلق میں آ گیا۔ ایک ایسا پیار ایسی ممتا محسوس ہوئی اسے کہ اس نے زیبی کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹی.......... کوئی بات نہیں ہے سن تو سکتی ہو۔" جواب میں اس نے ہاں میں گردن ہلائی۔

"تمہارے قوت گویائی کسی حادثے میں گئی ہے۔" زیبی نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ عورت ذہین اور سمجھ دار ہے۔ عموماً گونگے بہرے بھی ہوتے ہیں جبکہ اس نے اب تک معمر عورت کی ہر بات کو سنا تھا اور اس کا جواب دیا تھا۔ اس لئے اب اپنے آپ کو بہری نہیں ظاہر کر سکتی تھی۔ عورت نے جو سوال کیا تھا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ اگر کسی حادثے میں قوت گویائی چلی گئی ہے تو اس سے سماعت اثر نہیں پڑتا چنانچہ اس نے اس بار بھی اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

"بیٹی.......... لکھنا پڑھنا جانتی ہو.......... ؟" .... معمر عورت نے ایک اور خطرناک سوال کیا اور زیبی نے یہاں بھی معصومیت سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اوہ.......... چلو خیر کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے کہیں جانا چاہتی ہو۔ دیکھو برا مت ماننا میرے دل میں تمہارے لئے بہت محبت ہے اور بہت سے خیالات بھی ہیں۔ تم یہ بتاؤ کیا تم دریا میں کود کر خودکشی کر رہی تھیں۔" زیبی جانتی تھی کہ یہ لمحات کٹھن ہیں' اسے اس منزل سے گزرنا ہے۔ مستقبل اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ لیکن قوت بہت سے فیصلے کرا دیتی ہے۔ ذرا اس صورتحال سے پوری طرح واقف ہو جائے پھر اس کے بعد فیصلہ کرے گی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بہرحال اس نے یہاں بھی ہاں میں جواب دیا۔

"وجہ.......... " معمر عورت نے پوچھا تو زیبی کی آنکھوں میں کرب ابھر آیا۔ یہ کرب حقیقی تھا۔ اس کرب میں بہت سی داستانیں چھپی ہوئی تھیں۔ معمر عورت نے

پھر کہا..........

"تمہارے ماں باپ ہیں.......... ؟" زیبی نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"کوئی اور سرپرست.......... ؟" اور اس بات پر زیبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ معمر عورت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹی کوئی بات نہیں.......... جس کا کوئی نہیں اس کا اللہ ہوتا ہے۔ دنیا کی تنہائیوں سے اکتا کر خودکشی کرنا چاہتی ہوگی۔" زیبی نے گردن جھکا دی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ معمر عورت نے اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا..........

"نہیں بیٹا.......... رومت۔ میں' میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں۔ میرا نام فرزانہ ہے۔ ایک بیٹے کی ماں ہوں۔ بیٹے کا نام شاہ رخ ہے' ہم دونوں ماں بیٹے اپنے آپ میں گم رہتے ہیں۔ ہماری محبت ایک دوسرے کیلئے وقف ہے۔ میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ ساری زندگی یہ آرزو سینے میں رہی ہے کہ کاش کوئی بیٹی ہوتی۔ بیٹیاں گھروں کی رونق ہوتی ہیں۔ کسی گھر میں دس بیٹے ہوں تو وہ گھر اتنا بارونق نہیں ہوتا۔ جہاں ایک بیٹی ہوتی ہے' وہاں پھول برستے ہیں۔ اللہ رکھے میرا شاہ رخ لاکھوں میں ایک ہے۔ انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہے اور بڑا ذہین اور سخت مزاج انسپکٹر تصور کیا جاتا ہے۔ ابھی اس کا تبادلہ ایک اور پہاڑی علاقہ میں ہوا ہے ہم لوگ وہاں جانے والے ہیں بس یوں سمجھ لو کہ ہماری زندگی دو افراد کے گھرانے پر مشتمل ہے۔ نوکر چاکر رکھے تھے لیکن تبادلے کی وجہ سے ان سے معذرت کر لی ہے یہ ہے ہماری زندگی کا مختصر خاکہ.......... بیٹی اگر دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے تو کیا تم ہمیں اپنی خدمت کی عزت بخشوں گی۔ کیا ہمارے ساتھ وقت گزار سکتی ہو.......... ایک ماں تم سے یہ وعدہ کرتی ہے کہ تمہاری عزت آبرو مکمل تحفظ میں ہوگی اور تمہیں بالکل

ایسے لوگوں سے واسطہ نہیں پڑے گا جن کے ذہنوں میں شیطان ہوتا ہے۔ شاہ
نے خوش قسمتی سے تمہیں عین اس وقت دریا میں کودنے کی کوشش کرتے ہو
دیکھا تھا جب کچھ ہی لمحوں میں تم زندگی سے محروم ہو جانے والی تھیں۔ اس
جان پر کھیل کر تمہیں بچایا۔ تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ تمہیں اسپتال لے آ
ڈاکٹروں سے چیک کرانے کے بعد گھر لے آیا اور اب تم ہمارے گھر میں ہو۔ ا
پولیس آفیسر ہونے کی حیثیت سے وہ علاقے کے انچارج کو تمہارے بارے
اطلاع دینا چاہتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا اس نے کہا کہ پہلے بچی سے بات کرلو
خودکشی کرنے کی کوشش کیوں کر رہی تھی کسی مشکل کا شکار ہے۔ یہ معلوم کرلو
پھر اسے اس کی مرضی سے جہاں چاہو پہنچا دینا۔ بیٹی......... ان تمام باتوں کو جاننے
بعد اب جو سب سے اہم سوال ہے' وہ یہ ہے کہ کیا تم ایک ماں کی آرزو پوری کرو
گی۔ اگر تمہارے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو کیا ایک ماں کے گھر کو اپنے لئے ایک
محفوظ ٹھکانہ تصور نہیں کرو گی۔ بولو.........' بس یہ معلوم کرنا ہے تم سے........."

فرزانہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں۔ زیبی نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ تقدیر اگر
موقع دے رہی تو جینے میں کیا حرج ہے۔ موت تو بہت آسان چیز ہے۔ جب زندگی
سے بیزار ہو جاؤ تو موت کے حصول کے لئے کوشش کرلو' مل ہی جاتی ہے۔ کسی نہ
کسی شکل میں۔ زندگی مل رہی ہے اور اس انداز میں مل رہی ہے تو دیکھ تو سہی کہ
اس نئی زندگی سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ معمر عورت نے
کہا۔

"آخری سوال کروں گی۔ اگر تم ہمارے پاس رہنے میں کوئی دقت محسوس
نہیں کرتیں تو صرف ایک بار اور گردن ہلا دو' ہاں کے انداز میں بات ختم ہو جائے
گی۔" اور زیبی نے آنکھیں بند کر کے ہاں میں گردن ہلا دی۔

شاندار ہائی وے بننے کے بعد ان پہاڑی آبادیوں کا ایک دوسرے سے بہتر
تعلق قائم ہو گیا تھا۔ شاندار سڑک جہاں زرعی زمینوں کو بہت سے فائدے پہنچاتی
تھی وہیں ان بڑی بڑی سڑکوں پر فیکٹریاں تعمیر ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اور بعض
فیکٹریوں میں کام بھی شروع ہو گیا تھا۔ حکومت نے مقامی لوگوں کی آسانی کے لئے
اس پر بسیں چلا دی تھیں۔ اور بہت سی کمپنیاں ان بسوں کو اسپانسر کر رہی تھیں جن
کے ملازمین شہری آبادیوں یا قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے اور طویل
فاصلے طے کر کے ان فیکٹریوں تک آتے تھے۔ ان بسوں میں ان سے بہت معمولی سا
کرایہ لیا جاتا تھا۔ بقیہ ادائیگی خود فیکٹریوں کے مالکان کیا کرتے تھے۔ جب آبادیاں
ہوتی ہیں تو ہر طرح کی سہولتیں بھی فراہم کر دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس ہائی وے کی
خوبصورتی اور افادیت کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اس پر کئی موٹیل بنائے گئے تھے' اس کے
ساتھ ساتھ ہی جدید طرز کے پیٹرول پمپ' جن پر بہت سی آسائشیں فراہم کی گئی
تھیں۔ انتہائی حسین مناظر سے سجے ہوئے اس علاقے میں یہ پیٹرول پمپ بھی بہت
خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ حسین ترین عمارت بنائی گئی تھی۔ اور بلندیوں سے دیکھنے

پر ایک کھلونا سا رکھا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ فیروز بھی اسی پیٹرول پمپ پر سروس بوائے کے طور پر کام کرتا تھا۔ اور اپنے ساتھیوں کی نگاہوں میں انتہائی پراسرار حیثیت کا مالک تھا۔ اکثر چاچا ظہور اور ریاض علی زیادہ تر اسی کے بارے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ چاچا ظہور کہتا تھا۔

"بچپن میں ایک فلم دیکھتی تھی نام تھا اس کا "قلی شہزادہ........." ہوا یوں تھا کہ ایک شہزادہ روٹھ کر اپنی ریاست سے نکل آیا تھا۔ کام دھندا کچھ جانتا نہیں تھا۔ پیٹ بھرنے کے لئے قلی کی حیثیت سے اسٹیشن پر کام کرنے لگا۔ پھر ایک رئیس زادی نے اسے دیکھا اس سے محبت کرنے لگی۔ اپنی دانست میں وہ شہزادے پر رحم کھا رہی تھیں اور ایک غریب قلی کو اس نے اپنی محبت کے قابل سمجھا تھا۔ لیکن جب سارے مراحل طے ہوگئے اس کی شادی شہزادے سے ہوگئی۔ پھر پتا چلا کہ وہ شہزادہ ہے۔ تو یقین کر ریاض کہ ایک دن اچانک ایک بڑی سی گاڑی آئے گی۔ یہاں رکے گی، وہ لوگ جو اس گاڑی میں بیٹھے ہوں گے اپنے فیروز کو دیکھیں گے اتر کر اس کے سامنے جھک جائیں گے اور کہیں گے کہ پرنس آپ یہاں کہاں......... اس کے بعد ایک عمر رسیدہ عورت اس گاڑی سے اتر کر آئے گی اور روتے ہوئے کہے گی کہ بیٹے......... مجھے معاف کردو.........

"جیسا کہو گے ویسا ہی کیا جائے گا تمہاری شادی اسی لکڑہارے کی لڑکی سے کر دی جائے گی جسے تم پسند کرتے ہو۔" جواب میں ریاض خوب قہقہے لگاتا تھا۔

"چاچا ظہور......... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ انسان کے ذہن کو بھٹکا کر نہ جانے کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔"

"تیرا کیا خیال ہے ریاض......... میں غلط کہتا ہوں ذرا اس کی شکل صورت دیکھ، اس کے ہاتھ دیکھ، پیٹرول بھرتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی اجنبی کام کر رہا ہو۔

ڑیوں میں لوگ آتے ہیں اسے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

اس وقت فیروز کی ڈیوٹی پمپ نمبر دس پر تھی اور ایک خوبصورت سی گاڑی پمپ پر آکر رکی تھی۔ ادھیڑ عمر شخص ڈرائیور کر رہا تھا۔ اور ایک نوجوان عورت لڑکی نہیں کہا جاسکتا اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مرد نے چابی فیروز کو اور فیروز چابی لے کر گھوم کر عورت کی طرف آیا اور پھر پیٹرول ڈالنے کے لئے کن کھولنے لگا۔ عورت کی گردن فیروز کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی۔ گہری نیلے نگ کی ڈانگری میں اس کا ورزشی جسم بے حد خوبصورت نظر آرہا تھا اور بادلوں کی ماؤں میں چمکدار سفید رنگ روشن اور دلکش نقوش ایک عجیب دلکش منظر پیش کر ہے تھے۔ لیکن عمر رسیدہ شخص کی کڑی نگاہیں عورت کا اور اس کا جائزہ لے رہی یں۔ فیروز نے ٹنکی کا ڈھکن کھولا۔ پھر پیچھے سے جانے کے بجائے دوبارہ سامنے کی ت سے ہی گزرا اور قریب آکر پیٹرول کا پائپ پکڑا۔ پھر وہ گھوم کر اس طرف آیا تھا ر پائپ کو نیچے سے دوسری جانب ڈال دیا۔ مرد کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ فیروز نے پیٹرول بھرا اور اس کے بعد پائپ کو واپس ڈال کر گھوما۔ پہلے پائپ نکالا، مرد کی داشت جواب دے گئی۔ کہنے لگا۔ "اے سروس بوائے......... کیا تم اسی طرح یہاں کام کرتے ہو.........؟"

"میڈم......... آپ نے مجھ سے کچھ کہا.........؟" فیروز گھوم کر عورت کی طرف آگیا۔

"نہیں......... صاحب کچھ کہہ رہے ہیں تم سے۔" عورت بولی۔

"جی میڈم فرمائیے۔"

"میں نے کہا کہ صاحب تم سے کچھ کہہ رہے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا میڈم......... میں اونچا سنتا ہوں۔"

"میں تمہیں ابھی سناتا ہوں۔" مرد نے کہا اور گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ وہ غ سے آپے سے باہر ہوگیا تھا۔ لیکن فیروز مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اور چابی ا کے حوالے کرتا ہوا بولا.........

"سر......... اصل میں آپ نے اس طرف گاڑی کھڑی کردی تھی۔ اگر آ لیفٹ سائیڈ آ جاتے تو آسانی ہوتی۔ تینتیس لیٹر پیٹرول پڑا ہے گاڑی میں......... بر کرم اس کی پیمنٹ کردیجئے۔" کچھ ایسی دلکشی تھی اس آواز میں اور کچھ ایسا اندا تھا کہ وہ شخص اپنا غصہ بھول گیا۔ اس نے جیب سے نوٹ نکال کر اسے دیئے او فیروز نے پیٹرول کا پائپ ہک میں لٹکا دیا۔ پیسے گن کر کیشئر کی جانب بڑھایئے۔ اس دوران مرد نے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔ عورت نے دو تین بار پلٹ کر اس طرف دیکھا تھا۔ یہ ساری کارروائی ظہور چاچا اور ریاض دونوں دیکھ رہے تھے۔ دونوں ہی مسکراتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔ کیشئر بھی مسکرا رہا تھا۔ چاچا ظہور نے کہا۔

"یہ آدمی دوبارہ تو کبھی اس پیٹرول پمپ سے پیٹرول نہیں لے گا فیروز۔".........

"کیوں چاچا جی؟"

"بس تم سے چڑ گیا ہے۔"

"چاچا جی......... میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔"

"اور بہرہ کون بن گیا تھا۔" کیشئر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں......... حفیظ بھائی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر میرے کان کیوں بند ہو جاتے ہیں۔" سب ہنسنے اور مسکرانے لگے۔ فیروز نے سامنے لگی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا.........

"اچھا......... میرا تو ٹائم ختم......... یہ لیجئے حساب کتاب......... سنبھالئے آپ لوگ۔" اور اس کے بعد وہ اس کیبن کی جانب چل پڑا۔ جہاں یہاں کے ملازمین اپنے کپڑے چینج کیا کرتے تھے۔ فیروز نے اندر جاکر لباس تبدیل کیا۔ اس کا ٹائم ختم ہوگیا تھا اب اس کی جگہ دوسرے سروس بوائے نے لینی تھی۔ ایک سادہ سی جینز اور قمیض پہن کر وہ باہر نکلا تو کسی کالج کا اسٹوڈنٹ لگ رہا تھا۔ سب سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ پیٹرول پمپ کے سامنے ہی مخالف سمت جا کھڑا ہوا اور بس کا انتظار کرنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی ایک بس آئی۔ اور اس پر چڑھ گیا۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ بس میں بیٹھ کر وہ غالباً" مراد گڑھی جاتا تھا۔ یہیں اس کا قیام تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بس مراد گڑھی کے علاقے میں جاکر رکی تو فیروز نیچے اتر گیا۔ نیچے اترنے کے بعد وہ لاابالی سے انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ اور آخر کار اس کا اختتام ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے کے گیٹ پر ہوا۔ مراد گڑھی میں ہر طرح کی آبادی تھی یہاں بڑے بڑے لوگوں نے بھی اپنے مکانات بنا رکھے تھے۔ مقامی آبادی بھی خاصی وسیع و عریض تھی۔ فیروز نے بیل پر سے انگلی اٹھائی تو ملازم نے دروازہ کھول دیا۔ پھر فیروز کو دیکھ کر اس نے سلوٹ کیا۔ فیروز مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے کہا.........

"غلام علی بابا......... کتنا کہا ہے تم سے کہ گیٹ پر سلوٹ مت کیا کرو۔ کسی دن اپنا جلوس نکال دو گے۔"

"آپ ٹھیک ہو صاحب۔"

"ہاں ٹھیک ہوں......... کوئی خاص بات تو نہیں۔"

"نہیں صاحب۔"

"کوئی ٹیلی فون۔"

"نہیں صاحب۔"

"ٹھیک.........." فیروز نے کہا۔ خوبصورت چھوٹا سا بنگلہ آرام و آسائش کی ہر شے سے آراستہ تھا۔ فیروز ایک کمرے میں پہنچا۔ الماری سے ایک لباس نکالا اور واش روم کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب واش روم سے برآمد ہوا تو حلیہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ باہر آکر اس نے بال وغیرہ سنوارے۔ خوب صورت سوٹ زیب تن کیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ بنگلے کے گیراج میں خوبصورت اکارڈ کھڑی ہوئی تھی اکارڈ باہر نکالی اور آگے بڑھا تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد اکارڈ فراٹے بھر رہی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے لیکن اگر وہ اس پیٹرول پمپ سے اکارڈ میں پیٹرول بھی بھرواتا تو وہاں موجود لوگ اسے پہچان نہیں سکتے تھے۔ سونے کی کمانیوں والا سنہری چشمہ اور پروقار حسین چہرہ ان لوگوں کو یہ احساس ضرور ہوتا کہ یہ شکل جانی پہچانی سی ہے۔ یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل ان سے رخصت ہونے والا شخص اس وقت ان کے سامنے ہے۔ اکارڈ فراٹے بھرتے ہوئے سفر طے کرتی رہی۔ اور پھر شہری آبادی میں داخل ہوکر فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے رکی۔ پارکنگ میں اکارڈ کھڑی کرنے کے بعد فیروز نیچے اترا اور لابی کی جانب بڑھ گیا۔ خوبصورت لابی میں کچھ غیر ملکی جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ نگاہیں تعریف کے انداز میں اس کی جانب اٹھیں لیکن فیروز اپنی مخصوص میز پر جا بیٹھا۔ اسے شاید کسی کا انتظار تھا۔

شاندار پجارو فیروز گڑھ کے سب سے حسین مکان کے سامنے رک گئی۔ اوپر کی منزل میں یاقوت کھڑکی میں بیٹھی تاحد نظر پھیلے ہوئے برف پوش پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس علاقے میں موسم تقریباً ابر آلود ہی رہا کرتا تھا۔ اس وقت بھی ابر چھایا ہوا تھا۔ یاقوت کے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات رقصاں تھے۔ کچھ یادیں۔ کچھ احساسات ذہن پر مسلط تھے وہ بلند و بالا قدو قامت' وہ کھردر انداز' وہ انوکھا چہرہ...... زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ مرحوم سے اس کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی شاعر نے کہا........ "تو نے کبھی اپنے اندر جھانکا ہے یاقوت..........؟"

یاقوت نے سرد نگاہوں سے افضال کو دیکھا اور بولی۔ "اپنے اندر جھانک کر مجھے کیا ملے گا.......... اس دنیا نے مجھے اندر سے تو خالی کر دیا ہے۔"

"یہ بڑی بڑی باتیں تیری زندگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تو نے ابھی ہوشمندی کی جانب رخ کیا ہے۔ ابھی سے اپنے آپ کو تجربے کار نہ کہہ۔ کبھی کبھی من چاہتا ہے کہ تجھ سے تیرے بارے میں بات کروں اور آج تقدیر نے مجھے یہ موقع مہیا کیا ہے۔ ورنہ ہم تو باہر کی چیز تھے۔ اب کبھی کبھی اندر جانے کا راستہ بھی مل جاتا

ہے۔ کیونکہ جانم اپنے اس گھر میں بھی رہتی ہے۔" نہ جانے کیوں یاقوت کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوگیا اس نے کہا..........

"کیا کہوں تم سے افضال بابا؟"

"نادر شاہ کے بارے میں تیرے حالات جاننا چاہتا ہوں۔"

"بھلا کیا؟"

"کیسا انسان لگتا ہے وہ تجھے؟"

"تم اپنے تجربے کی بات کرتے ہو' اپنا تجربہ بتاؤ۔"

"جب وہ پہلی بار یہاں آیا تھا تب بھی میں نے اس کے اندر ایک اور انسان دیکھا تھا۔ درحقیقت وہ وہ نہیں تھا جو نظر آیا تھا۔ بلکہ وہ تھا جو نظر آرہا ہے۔ اتنے کم عرصے میں اس نے تیرے لئے یہ خوبصورت مکان تعمیر کر دیا۔ تجھ سے بات کرنے کے بعد ہی اس نے ایسا کیا ہوگا۔"

"ہاں.......... یہ تو ہے۔"

"تو پھر اس سے اندازہ لگالے کہ کس طرح کا انسان ہو سکتا ہے وہ.......... میں تو بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا ایک مرد کی حیثیت سے وہ تجھے پسند ہے۔"

یاقوت نے طنزیہ نگاہوں سے افضال کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی..........

"کیا مرد کی حیثیت سے زمرد جانم کو افضال بابا پسند تھا۔" افضال کے چہرے عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر اس نے کہا۔

"ہاں.......... تیری ماں نے میرے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ حالانکہ میری اوقات اس وقت بھی کچھ نہ تھی۔ اب تو میرے سوال کا جواب دینے کیلئے مجبو ہوگئی ہے.......... بتا۔"

"بابا.......... بات اصل میں یہ نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو اس کا آئیڈیل ا

جائے۔ مگر میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ اگر میری ماں تمہیں پسند بھی کرتی تھی تو اس نے تمہیں نظر انداز کر کے کسی اور کو اہمیت دی کیونکہ وہ اس کی مجبوری تھی۔ کیونکہ اس "اور" کی ہی وجہ سے زندگی گزری اس نے ہمیں یہاں اس لئے لاکر رکھا تھا کہ کسی اور کی نگاہیں اس تک نہ پہنچنے پائیں۔"

"اس لئے بابا افضال یہ بات میں بھی جانتی ہوں کہ میرا مستقبل کسی شریف زادے سے وابستہ نہیں ہو سکے گا۔ اور کون جانے آنے والے وقت میں ماں کا وہ سرپرست جو بہرحال اس کی زندگی کی گاڑی کسی نہ کسی طرح دھکیل رہا ہے اس سے منحرف ہو جائے' ہاتھ کھینچ لے اپنا۔ جب میرا مستقبل اسی شکل میں محفوظ رہ سکتا ہے تو میں کیوں نہ اپنے لئے قدم آگے بڑھاؤں۔"

"گویا تو اسے پسند نہیں کرتی ویسے عجیب سا انسان ہے۔ مگر زبان کا دھنی ہے جو کہہ گیا تھا وہ کر بیٹھا ہے' ایسے بھی مل جائیں تو بڑی بات ہوتی ہے۔ آیا نہیں کافی دنوں سے۔؟" یاقوت نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

لیکن اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ آج ہی پجارو آکر رک گئی اور یاقوت نے تعجب سے سوچا کہ کیا واقعی اس نے دل سے نادر شاہ کو یاد کیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ایک عجیب سا احساس اس کے اندر بیدار ہوگیا۔ دل سے پوچھا تو کوئی جواب نہیں ملا' یعنی وہ تڑپ' وہ لگن اندر سے نہیں ابھری تھی۔ تاہم اس نے سوچا کہ پذیرائی نہ کی گئی تو مستقبل محفوظ نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ تیزی سے اتر کر نیچے کی جانب چل پڑی۔

پھر جب باہر پہنچی تو ایک اور شخص افضال سے محو کلام پایا اس شخص کی بھی جھلکیاں دیکھ چکی تھی' نادر شاہ کا ساتھی تھا۔ مورنی کی طرح گردن اٹھا کر ادھر ادھر نادر شاہ کو تلاش کرنے لگی۔ اسی دور آنے والا اس کی جانب متوجہ ہوگیا تھا بڑھا اور یاقوت کے پاس پہنچ گیا۔

"آپ کے پاس اپنے مالک کا پیغام لایا ہوں۔ یہ مالک نے آپ کے لئے بھ ہے' اسے قبول فرمایئے۔"

"شاہ جی نہیں آئے۔"

"نہیں۔ شاہ جی نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ وعدے کے مطابق یہ نذرانہ جا ہے اور ہر مہینے آپ کے پاس آتا رہے گا۔ شاہ جی کو جیسے ہی فرصت ملے گی آپ پاس آئیں گے۔" یہ کہہ کر آنے والے نے ایک چھوٹا سا پیکٹ یاقوت کی طر بڑھا دیا۔ یاقوت نے پیکٹ لیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا کیا نام ہے؟"

"شرجیل۔" وہ بولا اور واپسی کے لئے پلٹ گیا۔ پھر وہ پجارو اسٹارٹ کر چل پڑا۔ افضال قریب آ گیا تھا۔ اس نے عادت کے مطابق کہا۔

بہار آئی ہے صحراؤں میں شاید
گھروں میں اب کے ویرانی بہت ہے

"کیا ہوا' کیا کہہ گیا وہ؟"

"کچھ نہیں یہ پیکٹ دے گیا ہے شاہ جی کی طرف سے۔ کہہ گیا ہے کہ فرص ملے گی تو آئیں گے۔"

"کیا ہے اس میں' کھول کر دیکھا؟"

"نہیں"

"تو پھر دیکھو۔" افضال نے کہا اور یاقوت نے پیکٹ اسی کی طرف بڑھا دیا افضال وہیں بیٹھ کر پیکٹ کھولنے لگا پیکٹ سے ایک لاکھ روپے کے نوٹ نکلے افضال نے مسکرا کر وہ نوٹ یاقوت کی طرف بڑھا دیئے اور بولا۔

صبا نے پھر درِ زنداں پہ آ کے دستک دی
سحر قریب ہے' دل سے کہو نہ گھبرائے

"بہرحال آغاز کچھ ہے' انجام خدا ہی جانتا ہے۔"

"گویا مجھے میری قیمت ملنا شروع ہو گئی۔"

"بڑی بات ہے' ذرا جانم سے تو کہہ کر دیکھو' جان نچھاور کر دے گی نادر شاہ پر۔ کہا جاتا ہے کہ شیطان کا نام لو تو وہ دور نہیں ہوتا' اس جان جاناں کو تو میں شیطان کہہ بھی نہیں سکتا' وہ دیکھو آ رہی ہے۔" اور سامنے ہی سے جانم آتی ہوئی نظر آئی۔ قریب آ کر بولی۔

"میں نے نادر شاہ کی پجارو دیکھ لی تھی' نظر نہیں آ رہا' کیا ادھر نہیں آیا۔" اس سوال کے ساتھ ہی اس کی نظر نوٹوں پر پڑی اور وہ حیرانی سے آگے بڑھ آئی۔ نوٹوں کو دیکھا پھر بولی۔

"کیا وہ چلا گیا؟" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو جانم نے آگے بڑھ کو نوٹ اٹھالئے۔

"کتنے ہیں۔؟"

"پورے ایک لاکھ اور ہر ماہ یہ رقم پہنچ جایا کرے گی۔"

یاقوت کے بجائے افضال نے جواب دیا اور جانم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا واقعی۔؟" جواب میں افضال کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگا۔

"کسی شخص کو عشق کرنا ہی نہیں چاہیے' ساری زندگی اس چمک کی طلب میں گزار دی جو ان کاغذ کے ٹکڑوں کو دیکھ کر جانم کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ خیر جانم خوش تو جہان خوش۔ یہ ہوا کا سودا ہے جانم' مبارک ہو۔"

"واقعی یہ شخص تو کچھ آگے کی چیز نکلا' ہے کہاں۔؟"

"آیا ہی نہیں تھا' بس وعدے کی تکمیل کی ہے۔ اس کا ملازم آیا تھا۔"

"تعجب ہے' کتنا بڑا دھوکا کھایا تھا میں نے اس کے سلسلے میں' میں تو سمجھی تھی کہ ایسے ہی ایک اجڈ سا پہاڑی ہے مگر وہ تو.........."

"آہ.......... آہ.......... آہ کاش کوئی ایسا ہی دھوکا آپ ہمارے لئے کھالیتیں۔"

"تم اپنی فضول باتوں سے گریز نہ کرنا۔ آؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں یاقوت۔" جانم نے کہا اور افضال ہنسنے لگا۔ جانم یاقوت کا ہاتھ پکڑ کر اندر چل پڑی تھی۔

سردار تیمور نے خود کار رائفل چیک کی' ایمونیشن ساتھ لیا' باہر بدر شاہ جہانگیر کے ساتھ کھڑا ہوا تھا' جہانگیر نے بھی شکاری لباس پہنا ہوا تھا اور اپنے ننھے سے وجود اور نو عمری کی خوبصورتی میں بہت ہی دلفریب نظر آرہا تھا۔ خورشید نے مسکراتے ہوئے تیمور کو دیکھا اور ہنس کر بولی۔

"اللہ نظر نہ لگائے' اب بھی جب آپ اسلحے سے لیس ہو کر تیار ہوتے ہیں تو لگتا ہے ماضی پھر سے سامنے آگیا ہے۔"

"ماضی بہت خوبصورت چیز ہوتی ہے خورشید' اور انسان جب بھی اس کے بارے میں سوچتا ہے اس کے دل میں حسرت بیدار ہو جاتی ہے۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے' ہم تو بڑی خوشیوں کے درمیان جی رہے ہیں۔ حسرت کی کیا بات ہے؟"

"نہیں۔ کارکردگی وہ نہیں رہتی دل چاہتا ہے کہ ہر مشکل سے بھڑ جاؤ اور اسے اپنے سامنے سرنگوں کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ نہیں ہوتا خورشید جو ہونا چاہیے اب تو ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا پڑتا ہے۔ کہ کہیں کوئی لغزش نہ ہو جائے۔"

"سردار یہ تو زندگی ہے ایسا ہی ہوتا ہے' جس سے پوچھو گے وہ کہے گا۔ یہ ہوا وقت ہی تو انسان کو احساس دلاتا ہے کہ سورج چاند ستارے کس طرح اپنا جاری رکھتے ہیں۔"

سردار تیمور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگا۔ "چلو ٹھیک ہے لیتے ہیں آپ کی بات بھی۔"

"بابا جانی ایک بات بتائیے۔" اچانک ہی ننھی الماس نے کھلونوں سے ہٹا کر باپ کی طرف دیکھا اور سردار تیمور اس جانب متوجہ ہو گیا۔ "پوچھو بیٹا۔"

"یہ لڑکیوں پر اتنی پابندیاں کیوں ہوتی ہیں اب دیکھئے جہانگیر بھائی بھی تو کے ساتھ شکار پر جا رہے ہیں۔ میں کیوں نہیں جا سکتی۔"

"بیٹا' بیٹیاں شکار نہیں کرتیں۔ ہاں کبھی کبھی خود شکار ہو جاتی ہیں۔ کسی کی غلطی تو ہوتی ہے۔ اچھا خورشید میں چلتا ہوں۔" سردار تیمور نے کہا اور عجیب سا تاثر چہرے پر لئے باہر نکل گیا۔ بدر شاہ نے جیپ اسٹارٹ کی۔ تیمور برابر گیا اور جہانگیر اپنا پستول سنبھال کر جیپ کے پچھلے حصے میں باڈی گارڈز کی طرح ہو گیا۔ تیمور اسے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ بدر شاہ نے کہا۔

"بڑے مالک کس طرف چل رہے ہیں ہم آج۔ تیتروں کا شکار کرنا ہے یا اس سے بڑے جانوروں کی ہو گی۔" سردار تیمور مسکرایا پھر بولا۔

"آج جانوروں کا شکار نہیں کریں گے بلکہ درندوں کا شکار کریں گے۔ درندے جو وطن کی آبرو کے دشمن ہیں۔ درے کی جانب چلو۔" بدر شاہ نے گر جھکائی اور اس کے بعد خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا۔ سردار تیمور کی نگاہیں دور تک بھٹک رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ "کوئی اطلاع ملی تمہارے آدمیوں سے۔؟"

"نہیں کوئی خاص اطلاع نہیں درہ بالکل بند ہو چکا ہے' آپ نے خود دیکھ

ہے۔ ہمارے آدمی مسلسل علاقے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں آئی جس سے یہ اندازہ ہو کہ ان لوگوں کی کارروائی جاری ہے۔ ویسے بڑے مالک ایک سوال میرے ذہن میں بار بار مچلتا ہے۔"

"کیا؟" سردار تیمور نے بدر شاہ کی طرف دیکھا۔

"بڑے مالک! درے کا راستہ آپ نے بند کرا دیا ہے۔ وہاں پر ٹائروں کے نشانات بھی ملے ہیں' لیکن بڑے مالک آپ نے اس مسئلے کو خود اپنے ہی ہاتھوں میں سنبھالا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ سرحدی محافظوں کو ایک رپورٹ بھیج دیں تو فوری طور پر اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا جائے' یہاں حد بندی کر دی ائے' تاروں کی باڑھیں لگا دی جائیں اور اس طرف مکمل پہرہ لگ جائے' آپ نے ا کیوں نہیں کیا مالک۔" سردار تیمور نے سامنے سے نگاہیں ہٹا کر بدر شاہ کو دیکھا' ر تک خاموش رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا نا بدر شاہ۔ یہ ساری باتیں کبھی کسی کے سامنے زبان سے مت نکالنا۔ اب بھی تم سے یہی درخواست کر رہا ہوں' خاموشی اختیار کئے رکھنا۔"

بدر شاہ نے حیرانی سے سردار تیمور کو دیکھا تو سردار تیمور آہستہ سے بولا۔

"ہاں بدر شاہ یہ ضروری ہے' ایک خدشہ ہے میرے دل میں ایک احساس ہے۔ ایک خیال ہے' نہ مجھ سے اس خدشے کے بارے میں پوچھو نہ احساس خیال کے بارے میں' بس اتنا سمجھ لو کہ خدا نہ کرے کہیں میرا تجربہ شکست نہ کھا گیا ہو۔ دعا کرو بدر شاہ کہ کوئی ایسی غلطی نہ ہو گئی ہو مجھ سے جس کا ازالہ میں خود زندگی کی آخری سانس تک نہ کر سکوں۔"

بدر شاہ خاموشی سے جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔ سردار تیمور کی بات اس کی سمجھ

میں نہیں آئی تھی' لیکن اس نے سردار تیمور کے چہرے کی تپش دیکھی تھی۔ نہ
کیا خیال سردار تیمور کے چہرے پر سرگرداں تھا۔ دفعتا" ہی سردار نے چونک کر
طرف دیکھا اور کہا۔ "وہ دیکھو چیلیں اڑ رہی ہیں' میں نے ان کے درمیان د
گدھ بھی پرواز کرتے دیکھے ہیں۔ ذرا رخ بدلو ادھر دیکھیں۔ یقینی طور پر یہ منظ
ہے کہ وہاں کوئی بڑا جانور یا کوئی انسان زخمی یا مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے' چلو
اس طرف چلو دیکھیں تو سہی قصہ کیا ہے۔

بدر شاہ نے بھی اس طرف دیکھ لیا۔ چیلیں کافی نیچے پرواز کر رہی تھیں
ٹیلوں پر کچھ گدھ بھی بیٹھے نظر آرہے تھے۔ بدر شاہ نے جیپ کا رخ اس کی طرف
دیا۔ سردار تیمور کے چہرے پر تجسس تھا۔ بدر شاہ بھی تعجب بھری نگاہ سے ادھر اد
دیکھ رہا تھا' اور جیپ اونچے نیچے راستے طے کرتی ہوئی اسی سمت جارہی تھی۔ تھو
دیر کے بعد جیپ نے یہ فاصلہ مکمل کرلیا' چڑھائی چڑھتی ہوئی بلندی تک پہنچی ا
ایسی جگہ رک گئی جہاں سے مزید اوپر نہیں جایا جاسکتا تھا۔ بدر شاہ تیمور اور جہانگیر
رائفلیں سنبھالے آگے بڑھنے لگے۔ ایک بڑے سے ٹیلے کی آڑ میں پہنچ کر وہ رک
بدر شاہ نے دو تین فائر کئے تو گدھ ٹیلوں سے اڑ گئے۔ ٹیلے کے عقب میں انہوں
جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ بدر شاہ کے منہ سے ای
سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"پناہ یا خدایا........ یہ تو........ یہ تو........"

سردار نے بھی وہ دونوں لاشیں دیکھیں تھیں جنہیں گدھوں نے ادھیڑ کر رکھ
تھا۔ لاشیں پرانی نہیں تھیں۔ قرب و جوار میں خون بکھرا ہوا تھا۔ گدھ ان دونوں
کے سروں پر منڈلا رہے تھے اور اگر وقفے وقفے سے ہوائی فائرنگ نہ کی جاتی تو یقینی
طور پر یہ گدھ نیچے اتر آتے۔ ویرانوں میں یہ جانور انتہائی خوفناک ہوتے ہیں۔
خصوصا" ایسے لمحات میں جب خون ان کے منہ لگ چکا ہو۔ اس بات کو تیمور اور بدر
شاہ نے محسوس کرلیا۔ جنگل کے باسی ہونے کے وجہ سے وہ ان حالات سے ناواقف
نہیں تھے۔ گدھ عارضی طور پر دھماکے سن کر اڑ گئے تھے لیکن اب وہ پھر نیچے جھکتے
چلے آرہے تھے اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ ان پر ہی حملہ کر دیں۔ سردار تیمور
نے کہا۔

"جلدی گاڑی میں چلو۔" اور بدر شاہ اور سردار تیمور پھرتی سے اپنی گاڑی کی
جانب چل پڑے۔ گدھوں کی وجہ سے ان انسانی لاشوں کے قریب جاکر ان کے
بارے میں یہ پتہ لگانا کہ وہ کون ہیں ایک مشکل کام تھا۔ تاہم ان کے چہروں کے جو
نقوش انہوں نے دیکھ لئے تھے' اس سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ دونوں چہرے ان کے

لئے اجنبی ہیں۔ اپنی جیپ کو خاصا پیچھے لاکر بدر شاہ نے ایک بار پھر روک دیا۔ گ
ان لاشوں پر جھک گئے تھے اور بڑی خوفناک صورت حال تھی۔ سردار تیمور نے کہ

"جو خطرہ ہم نے مول لے لیا تھا' وہی بہت کافی تھا۔ ایسی جگہوں پر گدھ ز
انسانوں تک کو ہڑپ کر جاتے ہیں' وہ تو شکر ہے کہ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے ور
ہم جلد بازی کا شکار ہو جاتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون ہیں اور یہاں کیا
رہے تھے۔"

دفعتاً بدر شاہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ قرب و جوار میں بکھرے ہو
پہاڑی ٹیلوں میں کئی غاروں کے دہانے بھی نظر آرہے تھے جس طرف بدر شاہ
اشارہ کیا تھا وہاں کوئی عنابی رنگ کی چیز چمک رہی تھی۔

"ہاں میں نے دیکھ لیا' چلو ادھر چلو۔"

جیپ پتھریلے راستوں کو عبور کرتی ہوئی اس غار کے پاس جا پہنچی۔ دن ک
روشنی میں یہ عنابی چیز نظر بھی آگئی تھی ورنہ اگر ذرا بھی اندھیرا ہوتا تو اسے دیکھ
مشکل تھا۔ یہ ایک رومال تھا جو پتھر پر پڑا ہوا تھا۔ دونوں نیچے اتر آئے' بدر شاہ نے
رومال اٹھالیا اور اس کے بعد اس کی نگاہیں غار کے دہانے کی جانب اٹھ گئیں۔

"سردار اس غار میں بھی کچھ ہے۔"

"آؤ.........." سردار تیمور نے رائفل سیدھی کی اور وہ محتاط قدموں سے غار
کے دہانے پر پہنچ گئے۔ پھر سردار تیمور نے آواز لگائی۔

"اگر کوئی اندر ہے تو باہر آجاؤ۔ ہم دوست ہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے
تمہیں۔ باہر دو لاشیں پڑی ہیں جو یقینی طور پر تمہارے ساتھیوں کی ہیں جو کوئی بھی
ہے باہر آجاؤ۔ خبردار کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ رائفلوں سے
بھون دیئے جاؤ گے۔" دو تین بار یہ الفاظ کہنے کے بعد جب کوئی جواب نہیں ملا تو

سردار تیمور نے بدر شاہ کو اشارہ کیا اور دونوں غار میں داخل ہوگئے۔

کشادہ صاف ستھرا پتھر کا مکان جو قدرت کی تخلیق تھا اور انسانوں نے اس سے
فائدہ اٹھایا تھا۔ ایک گوشے میں مٹی کے تیل کا چولہا' برتن' چائے کا سامان' بسکٹوں
کے پیکٹ' ڈبل روٹیاں وغیرہ موجود تھیں۔ قریب ہی ایک دوربین بھی رکھی ہوئی
تھی اور ایک طرف ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا۔ یہ تمام چیزیں سردار تیمور نے غور
سے دیکھیں اور پھر سوٹ کیس کی تلاشی لینے لگا۔ دو دو جوڑے کپڑے ملے تھے ان
کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ وہ ان تمام چیزوں کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے
کہا۔

"تھوڑی سی غلطی ہوگئی ہم سے۔ اگر ان لاشوں کے لباس کی تلاشی لے لیتے
تو شاید کوئی کام کی چیز مل جاتی۔ ان کا کوئی شناختی نشان وغیرہ۔"

"آپ حکم دیجئے بڑے مالک میں وہاں جاکر تلاشی لے لیتا ہوں۔" سردار تیمور
نے تیکھی نگاہوں سے بدر شاہ کو دیکھا اور بولا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو بدر شاہ' پہاڑوں میں رہتے ہو' عمر گزار دی ہے۔ ان
آدم خور جانوروں کے بارے میں نہیں جانتے۔ بابا مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔
گدھوں کے پاس ایسے جانا بہت مشکل کام ہے۔"

"تو پھر کیا کرنا ہے بڑے مالک۔ یہ سامان اپنے ساتھ لے لیں؟"

"اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہماری معلومات میں اضافہ کرے آؤ یہاں
سے چلتے ہیں۔"

"لاشوں کو یہیں پڑا رہنے دیا جائے گا کیا بڑے مالک۔ ان کی تدفین تو ضروری
ہے۔" جواب میں سردار تیمور نے گھور کر بدر شاہ کو دیکھا اور بولا۔

"جب کوئی عقل سے خالی بات کرتا ہے بدر شاہ! تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ یہ

ہمارا کام نہیں ہے۔ پولیس کو اس بارے میں اطلاع دینی پڑے گی' چلو جیپ واپس لے چلو۔"

تھوڑی دیر کے بعد بدر شاہ اور سردار تیمور جہانگیر کے ساتھ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو رہے تھے۔ جہانگیر اس دوران خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ پھر سردار تیمور اندر پہنچا' بدر شاہ کو بھی اس نے ساتھ آنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ بدر شاہ سردار تیمور کے پاس پر خیال انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ سردار تیمور نے کہا۔

"تم ایسا کرو بدر شاہ کہ جیپ لے کر خود مراد گڑھی چلے جاؤ۔ انچارج کو ساری صورت حال بتاؤ اور اگر ہو سکے تو اسے ساتھ لے آؤ۔"

"ٹھیک ہے بڑے مالک۔" بدر شاہ باہر نکلا تو سردار تیمور کی بیوی فوراً ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے غالباً' سردار تیمور کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ کہنے لگی۔

"میں نے جان بوجھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سنی سردار' لیکن قصہ کیا ہے۔ ویسے بھی میں کچھ دنوں سے آپ کو پریشان دیکھ رہی ہوں۔" سردار تیمور نے گہری نگاہوں سے بیوی کو دیکھا پھر بولا۔

"نماز پڑھتی ہو؟"

"پڑھتی ہوں سردار۔" خورشید نے اس انوکھے سوال پر حیرانی سے کہا۔

"دعا مانگو ہم پر کوئی مشکل نہ پڑے' ہماری بیٹی کسی عذاب کا شکار نہ ہو' دعا مانگو ہمیشہ' سمجھیں۔ دعا مانگا کرو۔"

"ہماری بیٹی......... کیا الماس؟" خورشید نے تعجب بھرے انداز میں کہا۔

"نہیں بھئی الماس نہیں۔ میں نایاب کی بات کر رہا ہوں۔" سردار تیمور نے کہا اور بے چینی کے انداز میں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ خورشید پریشان نگاہوں سے سردار تیمور کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

حیدر زمان ایک ذمے دار آفیسر تھا جو محکمہ بھی اس کے سپرد کیا گیا جو ذمے داری بھی اس کے سر لگائی گئی اس نے اس میں مکمل طور سے اپنا فرض ادا کیا۔ فرض سے کوتاہی اس کا مسلک ہی نہیں تھی۔ چنانچہ فاریسٹ آفیسر بننے کے بعد جو ذمے داریاں اس کے شانوں پر رکھی گئیں وہ اس میں اپنا ایک الگ مقام بنانے کا خواہش مند تھا اور ایسے کام اسی وقت ہوتے ہیں جب اپنی ذمے داریاں دوسروں پر نہ چھوڑی جائیں۔ آفس سے اٹھنے کے بعد اس نے دو گن مین ساتھ لئے اور اس کے بعد گشت پر چل پڑا۔ درختوں کے ایسے سلسلے جو دور دراز تھے اور جنگلوں کا یہ سلسلہ خاصی وسعت رکھتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے گشت شروع کر دیا۔ بس ایک خیال تھا اس کے دل میں کہ اگر قیمتی لکڑی کے یہ درخت اس جھنڈ میں نہ ہوتے تو زیادہ محفوظ رہتے۔ اگر کوئی کوشش کرے گا تو اسی سمت سے کرے گا اور اس کا یہ اندازہ بالکل درست نکلا۔ کچھ درخت کاٹے گئے تھے۔ کاٹے گئے درختوں کی تعداد تین تھی اور یہ انتہائی قیمتی لکڑی والے درخت تھے۔ بڑے اطمینان سے انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے کئے گئے تھے اور ان میں سے دو درخت اٹھا لئے گئے تھے جبکہ

تیسرا درخت وہیں موجود تھا۔ دونوں گن مین بھی کٹے ہوئے درخت دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ حیدر زمان نے کسی سے کوئی بات نہیں کی' خاموشی سے ان درختوں کو دیکھتا رہا۔ پھر قرب و جوار کی زمین دیکھی۔ بڑے ٹائروں کے نشانات اسے صاف نظر آگئے تھے۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹا۔ جیپ میں بیٹھا اور جیپ وہاں سے آگے بڑھا دی۔ ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار وہ گھر کی جانب چل پڑا۔ گن مینوں نے اپنے افسر اعلیٰ کی اس کارروائی پر خود کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن حیدر زمان جب گھر واپس پہنچا تو شیری اور نزہت برآمدے میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ گل جمال اس کے پاس موجود تھا۔ جیپ دیکھ کر شیری خوشی سے اچھلتی ہوئی باپ کے پاس آگئی اور حیدر زمان نے فوراً ہی موڈ بدل کر شیری کو گود میں اٹھالیا۔

"کیا ہو رہا ہے بیٹے؟"

"ڈیڈی آپ کو دیر نہیں ہوگئی۔"

"ہاں بیٹے......... ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے انسان کو کبھی اپنی بیٹی کو انتظار کرانا پڑتا ہے۔ ہیلو نزہت؟"

"کہاں چلے گئے تھے۔ آپ۔ آپ کو پتہ ہے کتنی تشویش ہو جاتی ہے اگر آپ کو دیر ہو جاتی ہے تو؟"

"کیوں بھئی......... کیا ہم کوئی ننھے منے بچے ہیں؟"

"جی ہاں ہیں' نئے نئے آئے ہیں' ہم اس علاقے میں اور ابھی یہاں کے حالات سے مکمل واقفیت بھی نہیں ہے۔"

"نہیں نزہت کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ یہ علاقے تو تمہارا آئیڈیل ہیں۔"

"ہاں ہیں تو سہی......... لیکن پھر بھی۔"

"چلو ٹھیک ہے آئندہ اگر کبھی ہمیں تھوڑی بہت دیر ہوا کرے گی تو موبائل پر

آپ کو اطلاع دے دیا کریں گے' سوری۔"

نزہت اور شیری' حیدر کے ساتھ اندر چلی گئیں اور پھر ہنسی خوشی کا آغاز ہوگیا۔ نزہت یہاں آکر بہت خوش تھی اس نے بتایا کہ پاس کی بستی سے کچھ عورتیں آئی تھیں۔ بیچاری دیہاتی عورتیں تھیں۔ یہ باجرے کی روٹیاں' مکھن' گڑ اور ستو وغیرہ لائی ہیں یہی ان کی سوغات ہے۔ حیدر زمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور یہ سوغات آپ کو کسی قیمت پر بازار سے نہیں مل سکتی۔ اصل میں ان سادہ لوح دیہاتیوں میں خلوص کی جو مٹھاس ہوتی ہے وہ تاثیر میں کسی بھی طرح اصلی شہد سے کم نہیں ہوتی۔" حیدر زمان کے اس اشارے پر نزہت خوب ہنسی تھی۔ شیری نے کہا۔

"ڈیڈی آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ درخت میں ہمارے لئے جھولا ڈالیں گے۔"

"اہو سوری بیٹے' لیکن آپ فکر نہ کیجئے بہت جلد یہ انتظام ہو جائے گا۔"

"اس طرح لگ رہا ہے جیسے اس بار آپ شیری کی سالگرہ کی تقریب بھول گئے ہیں' آپ کو پتہ ہے کہ شیری کی سالگرہ میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔"

"جناب یہ خواتین کو بچوں کے سامنے نمبر بنانے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔ یاد ہے شیری کی سالگرہ اور تھوڑا سا انتظار کر لیجئے اس کے جانے کے بعد ہی کہہ لیتیں۔"

"سوری سوری سوری' چلئے ٹھیک ہے۔"

اسی طرح کی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ حیدر زمان باہر کے معاملات کو گھر والوں پر مسلط کرنے کا عادی نہیں تھا' لیکن رات کو جب ساڑھے دس گیارہ بج گئے اور وہ اٹھ کھڑا ہوا تو نزہت نے تعجب سے پوچھا۔

"خیریت؟"

"جانا ہے نزہت ذرا کچھ کام کرنا ہے۔"

"ارے! دن میں تو آپ نے ایسے کسی کام کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"ہاں اصل میں بات تم نے خود ہی کرلی تھی' نئی جگہ ہے اور ہرنئی جگہ حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے تھوڑی سی محنت کرنا ہوتی ہے۔ میں ذرا ایک گشت کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی اگر ضروری ہے تو ٹھیک ہے' لیکن بات کیا ہے؟"

"نہیں نزہت کوئی بات نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو معمول کی کارروائیاں ہیں۔ ذرا تھوڑا سا یہاں کے ماحول کو کنٹرول کرلوں اس کے بعد فرصت۔ پلیز مائنڈ مت کرنا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ ٹھیک ہے۔ کون جارہا ہے آپ کے ساتھ؟"

"صرف گل جمال کو ساتھ لے جارہا ہوں۔ باقی لوگوں کو اس وقت کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"ذرا ہوشیار رہیے۔"

"یہ بات میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جنگل میں درندے نہیں ہیں۔"

"جی وہ تو میں نے خود بھی دیکھ لیا ہے' او کے۔" حیدر زمان نے لباس تبدیل کیا۔ اپنا پستول لوڈ کرکے ساتھ رکھا اور اس کے بعد گل جمال کے کوارٹر پہنچ گیا۔ بس یہ ایک کوشش تھی۔ حالانکہ گل جمال بے حد قابل اعتماد تھا' لیکن پھر بھی حیدر زمان نے اپنا ایک طریقہ کار ہمیشہ ہی رکھا تھا۔ اصول کے مطابق جس شخص کو جس قدر اہمیت دینی ہو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ گل جمال حیدر زمان کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"جی صاحب! حکم۔"

"گل جمال معافی چاہتا ہوں تمہیں نیند سے جگایا' ذرا چلنا ہے اور اپنی اسٹین گن ساتھ لے آؤ۔"

"جی صاحب۔" گل جمال نے جواب دیا۔ ڈرائیونگ حیدر زمان نے ہی سنبھالی تھی۔ حالانکہ گل جمال بھی بہترین ڈرائیور تھا لیکن گل جمال اسٹین گن ساتھ لئے حیدر زمان کی پچھلی سیٹ پر مستعد تھا۔ حیدر زمان نے جیپ کی لائٹیں بجھا رکھی تھیں اور رات کے اندھیرے میں بڑی مشاقی کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا ہوا اسی سمت جارہا تھا جدھر اس نے کٹا ہوا درخت دیکھا تھا۔ یہ صرف اندازہ تھا کہ وہ لوگ رات کی تاریکی میں بقیہ درخت بھی اٹھانے آئیں گے۔ اس کے لئے کونسا وقت استعمال کیا جائے گا اس کا حیدر زمان کو اندازہ نہیں تھا لیکن بس اس نے ایک وقت کا تعین کیا تھا اور جب وہ مطلوبہ جگہ پہنچا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

جہاں درخت کا کٹا ہوا تنا پڑا ہوا تھا وہاں مدھم سی لالٹین کی روشنی موجود تھی اور کچھ تحریک نظر آرہی تھی۔ گل جمال حیران رہ گیا۔

"صاحب ادھر۔"

"ہاں گل جمال ادھر ہی دیکھ رہا ہوں۔ ہم نے نوٹس بورڈ تو لگوا دیئے تھے تاکہ درخت کاٹنے والے کسی بھی حادثے سے دوچار ہو سکتے ہیں۔"

"جی صاحب بالکل۔"

"وہ حادثہ آج ہو جانا چاہیے۔" حیدر زمان نے کہا اور گل جمال نے اسٹین گن سیدھی کرلی۔

"نہیں قتل عام نہیں کرنا ہے' بس ان لوگوں کو پکڑنا ہے' مگر ہوشیاری کے ساتھ' آؤ۔" حیدر زمان نے جیپ کا انجن بند کر دیا۔ پستول لے کر نیچے اترا اور گل

جمال بھی اس کے ساتھ ساتھ پوزیشن لے کر آگے بڑھنے لگا۔ غالباً" وہ لوگ اپنا کام ختم کر چکے تھے اور کچھ صفائی وغیرہ ہو رہی تھی۔ اچانک ہی حیدر زمان دہاڑا۔

"خبردار! کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو۔" اچانک کسی نے لالٹین پر ٹھوکر ماری اور لالٹین اچھل کر دور جاگری۔ اس کے ساتھ ہی بھگدڑ مچ گئی تھی اور بحالت مجبوری حیدر زمان نے بغیر کوئی نشانہ لئے ہوئے پستول کی نال نیچی کر کے فائرنگ شروع کر دی تھی تاکہ اگر کوئی زخمی بھی ہو تو صرف ٹانگوں کی حد تک۔ چند ہی لمحات کے بعد خاموشی طاری ہوگئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہاں موجود لوگ فرار ہوگئے ہوں۔ حیدر زمان اور گل جمال ایک دم وہاں نہیں پہنچے تھے کہ کہیں کوئی خطرناک صورت حال نہ پیش آجائے بلکہ حیدر زمان گل جمال کو اشارہ کر کے واپس پلٹا تھا۔ جیپ میں واپس آکر اس نے جیپ اسٹارٹ کی تھی اور پھر اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں لالٹین سے بہنے والا مٹی کا تیل بدبو پھیلا رہا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ تیل نے شعلہ نہیں پکڑا تھا ورنہ اچھی خاصی آگ لگ جاتی۔ کٹے ہوئے درخت کا بقیہ تنا بھی غائب تھا، اس کا مطلب تھا کہ حیدر زمان کو دیر ہوگئی۔ حیدر زمان نے جیپ کی لائٹیں روشن رہنے دیں اور طاقتور چار جرلے کر نیچے اتر آیا۔ پھر اس نے قرب و جوار کے علاقے کا جائزہ لیا۔ ٹرک کے ٹائروں کے تازہ نشانات موجود تھے، لیکن جو ایک چیز اسے ٹارچ کی روشنی میں نظر آئی اسے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ ایک جگہ خاصا خون پڑا ہوا تھا اور خون کے یہ دھبے آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ تک آگئے تھے جہاں کسی اور گاڑی کے ٹائروں کے نشانات تھے۔ صورت حال کی وضاحت ہوگئی تھی۔ ٹرک پر درخت کے تنے کو لے جایا گیا تھا اور کچھ افراد یہاں کسی کارروائی میں مصروف تھے۔ حیدر زمان کی پستول کی گولی سے زخمی ہو کر وہ کسی جیپ وغیرہ میں بیٹھ کر فرار ہوگئے تھے۔ حیدر زمان تھوڑی دیر تک اطراف کا جائزہ لیتا رہا پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑا اور جیپ اسٹارٹ

کر کے گھر کی جانب چل پڑا۔

گل جمال بالکل خاموش تھا، لیکن حیدر زمان نے خود ہی کہا۔

"گل جمال طریقہ کار ذرا کمزور ہے۔ میں ان لوگوں کو درخت کی ایک شاخ تک کاٹنے کی اجازت نہیں دوں گا، اب مجھے انگلیاں زیادہ ٹیڑھی کرنے پڑیں گی، لیکن تم ایسا کرو کل مراد گڑھی نکل جاؤ اور مراد گڑھی جاکر وہاں کے ایس ایچ او سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔' میرے ساتھ کھانا قبول کرے جو بھی جواب دے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ درختوں کی چوری روکنے کے لئے اب مجھے تھوڑا سا پولیس سے بھی کام لینا پڑے گا۔"

"جی صاحب۔" گل جمال نے جواب دیا۔

ایڈیٹر حمید اللہ صاحب بھی مزے کے آدمی تھے' ایک روایتی قسم کے ایڈیٹر بھولی بھٹکی باتیں کرنے والے۔ عشرت کو ان کی شخصیت بہت پسند تھی۔ اخبار کی ملازمت اپنی جگہ لیکن ایڈیٹر صاحب کی ڈانٹیں ان کا انداز' ان کی معذرت' یہ باتیں اپنی جگہ انتہائی دلچسپ ہوتی تھیں اور عشرت صحافی کی حیثیت سے اس اخبار میں کام کر کے بہت خوش تھی۔ آج بھی حمید اللہ صاحب ہی نے اسے بلایا تھا۔

"بھئی وہ شام کو کوریج' وہ کرکٹ بورڈ کی طرف سے ایک میٹنگ۔ بھئی تمہارے علم میں ہیں نا ساری باتیں۔"

"جی......... آپ نے مجھے نوٹ کرا دیا تھا' لیکن ابھی ساڑھے چار بجنے میں خاصا وقت ہے۔ مجھے ساڑھے چار بجے وہاں پہنچنا ہے۔"

"ہاں وہ شام کو' ارے بھئی شام تو ہے نا۔"

"سر وہی تو عرض کر رہی تھی میں آپ سے۔ آپ نے لنچ پر بھی مجھ سے اس بارے میں کہا تھا اور صبح جب میں آفس آئی تھی جب بھی۔"

"تو کوئی برائی ہے اس میں' یاد دہانی کرا دی ایک تو۔" حمید اللہ صاحب جھلا کر

بولے۔

"تھینک یو سر' تھینک یو ویری مچ۔ آپ اطمینان رکھئے میں وقت پر پہنچ جاؤں گی۔"

"اس وقت اس فائیو اسٹار' ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے عشرت' حمید اللہ صاحب کے بارے میں سوچ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ پھر اس کی ٹیکسی فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ فائیو اسٹار ہوٹل کے جس پورشن میں کرکٹ بورڈ کے سلسلے میں ایک اعلیٰ شخص کی سربراہی میں میٹنگ ہونے والی تھی۔ وہاں پہنچ کر عشرت نے سیکورٹی گارڈز کو اپنا کارڈ دکھایا اور گارڈ نے اس کی رہنمائی کر دی۔ پروگرام شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ مہمان ہال میں پہنچ گئے تھے۔ کچھ افراد لابی میں موجود تھے۔ اس بڑی شخصیت کے آنے کا انتظار تھا' کئی اور اخبار کے فوٹو گرافر وہاں موجود تھے۔ عشرت نے اپنے ایک شناسا فوٹو گرافر کو تاکا اور اس کے پاس پہنچ گئی۔

"ہیلو جواد۔"

"ہیلو جرنلسٹ' کہو کیا حال ہے تمہارا؟"

"حال بالکل ٹھیک ہے۔ وہ جواد کافی دن سے ہم نے الفا میں کھانا نہیں کھایا۔ حالانکہ تمہاری دعوت مجھ پر ڈیو ہے۔" جواد ہنس پڑا پھر بولا۔

"آج کی تصویریں چاہئیں۔ یہی بات ہے نا۔"

"بھئی یہ کوئی کہنے کی بات ہے' میرا تمہارا تو پرانا معاہدہ ہے۔ اصل میں لڑکی ذات ہونے کی وجہ سے کیمرہ گلے میں لٹکائے پھرنا ذرا مجھے اچھا نہیں لگتا' لیکن کیا فرق پڑتا ہے جب جواد جیسا اچھا دوست ہو۔"

"اور الفا جیسا بہترین ریسٹورنٹ ہو۔ ویسے کم از کم تم اوروں سے مختلف ہو

عشرت؟"

"واقعی.......... کیوں؟"

"جو وعدہ کرتی ہو اسے پورا کر دیتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ مجھے بھی اپنی ڈیوٹی یاد رہتی ہے یعنی تمہیں تصویریں پہنچانا۔ اب ظاہر ہے الفا جیسا ریسٹورنٹ اور وہاں کا کھانا۔"

"ہاں ہاں بالکل بالکل۔" عشرت نے ایک طائرانہ نگاہ پوری لابی پر ڈالی اور لابی کے مشرقی گوشے میں اس نے جو شکل دیکھی' اسے دیکھ کر اچانک ہی اس کے چہرے پر شدید حیرت نمودار ہو گئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا اور ہر بار جب ادھر دیکھا تو اس کے ذہن نے ایک ہی جواب دیا۔ 'سو فیصد فیروز' سو فیصد فیروز' لیکن یہ لباس' یہ شخصیت' فیروز تو ایک پیٹرول پمپ پر سروس بوائے کے طور پر ملازمت کرتا تھا اور یہ شخص ایک شاندار سوٹ میں ملبوس ہوٹل کی اس لابی میں کھڑا سگریٹ پی رہا ہے جبکہ فیروز کبھی سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے۔ ہمشکل ہوتے ہیں لیکن ایسے ہمشکل۔ فیروز کو اس نے عالم تصور میں اس صورت میں دیکھا تھا۔ وہ فیروز کو چاہتی تھی اس سے محبت کرتی تھی۔ اس کے اپنے معاملات تھے۔ ایک ماں کے علاوہ اس کا دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ ماں نے نجانے کتنے جتن کر کے باپ کی موت کے بعد اسے اس کی خواہش کے مطابق تعلیم دلائی تھی اور اس کے نتیجے میں آنکھوں کا نذرانہ دے ڈالا تھا۔ سلائیاں کرتے کرتے زندگی گزار دی تھی اس نے۔ اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ جرنلزم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عشرت نے اس اخبار میں ملازمت حاصل کی تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ماں کی آنکھوں کا علاج تھا اور اس کے لئے اس نے باقی معمولات ترک کر ڈالے تھے۔ حالانکہ اچھے کپڑے پہننے کی شائق تھی' لیکن کم سے کم خرچ کرتی تھی تاکہ تھوڑی

رقم جمع کرنے کے بعد ماں کی آنکھوں کے آپریشن کا بندوبست کر لے۔ زندگی میں اگر کوئی عیاشی کی تھی تو صرف فیروز سے محبت کی عیاشی۔ کچھ ایسی بھائی تھی فیروز کی شخصیت اسے کہ وہ دنیا بھول گئی تھی۔ ایک دن آؤٹ ڈور نکلی تھی۔ حمید اللہ صاحب کے ساتھ ان کی کار میں تھی کہ راستے میں کار خراب ہو گئی۔ بڑی مشکل سے اسے پیٹرول پمپ تک لایا گیا' وہاں اس سروس بوائے سے ملاقات ہوئی جس کی نیلی آنکھیں عشرت کے وجود میں اتر گئیں' اور اس کے بعد بہت سی بار وہ پیٹرول پمپ گئی۔ وہاں فیروز سے ملاقات کی اور فیروز بھی اس کی جانب راغب ہو گیا۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو جب فیروز کو تنخواہ ملتی تھی' وہ عشرت کو کسی اچھے ہوٹل میں اپنے ساتھ کھانا کھلانے لے جاتا تھا' خود عشرت نے اسے بہت سے تحائف دیئے تھے۔ اسے فیروز سے شکایت تھی کہ اس نے اپنی زندگی کو اچھا بنانے کے لئے تعلیم وغیرہ کیوں نہیں حاصل کی تو فیروز ہنس کر کہتا تھا۔

"ارے بابا یتیم خانے میں پرورش پائی' ماں نہ باپ کوئی تھا ہی نہیں اپن کا دنیا میں۔ پھر تعلیم وغیرہ کدھر سے حاصل کرتا۔ ابھی تم تھوڑا تعلیم دے دو تو بات بن جائے۔" لیکن عشرت جانتی تھی کہ یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے البتہ دل میں اس نے سوچا تھا کہ اگر زندگی نے کبھی ساتھ دیا۔ وقت اور حالات نے موقع دیا تو فیروز کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی کوشش کرے گی۔ بہرحال دونوں کے درمیان گہرے روابط تھے' لیکن فیروز کو اس روپ میں دیکھنے کا اس نے صرف خوابوں میں ہی تصور کیا تھا۔ وہ دور سے اسے دیکھتی رہی فیروز ویسے ہی سرخ و سفید اور حسین نوجوان تھا لیکن اس وقت وہ اس شاندار سوٹ اور اس انداز میں اس قدر پروقار نظر آ رہا تھا کہ عشرت اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پھر کچھ لمحات کے بعد وہ چونکی اور تیزی سے آگے بڑھ کر فیروز کے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو سر۔" اس نے کہا اور فیروز نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس کے دیکھنے کے انداز میں ذرا مختلف کیفیت تھی، کچھ دیر رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"ہیلو مس، فرمائیے کیا بات ہے؟"

"کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں۔" فیروز نے بڑے پختہ لہجے میں کہا۔

"اچھے لگ رہے ہیں لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آپ صحافی ہیں۔" فیروز نے سوال کیا اور پہلی بار عشرت کو احساس ہوا کہ آواز اور لہجہ کچھ بدلا بدلا سا ہے۔ عشرت ایک دم سنبھل گئی۔

"اور یہ سوال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ آپ مجھے نہ پہچاننے کی بات کریں گے۔"

"چہرے کے نقوش بتاتے ہیں کہ اچھی اور ستھری طبیعت کی مالک ہیں آپ، اس کے بعد یہی سوچا جاسکتا ہے کہ کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے، کیا آپ مجھ سے کسی خاص شخصیت کے حوالے سے مل رہی ہیں، یعنی ایسی شخصیت جو آپ کی شناسا ہو۔"

عشرت سے کوئی جواب نہ بن پڑا اس شخص کے لہجے میں بڑا ٹھہراؤ تھا اور دیکھنے کے انداز میں وہ کیفیت نہیں تھی جو فیروز کی آنکھوں میں ہوا کرتی تھی۔ عشرت تھوڑی سی بوکھلائی تو تھی لیکن اتنی مماثلت اتنی انوکھی مماثلت ناقابل یقین تھی۔ اب اس نے کسی قدر گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "معاف کیجئے گا آپ کا نام فیروز ہے نا۔"

"پہلی بار تو یہ کہ اگر میرا نام فیروز ہے تو آپ کو معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر نہیں ہے تب بھی معافی مانگنے کا تو کوئی جواز نہیں پیدا ہوتا۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ........"

"خاتون! پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہیں، یہ تعارف حاصل کرنے کا فلمی انداز پ جیسی شخصیت پر زیب نہیں دیتا۔ میرا نام کچھ بھی ہے آپ کو بتانا کچھ ضروری ں محسوس ہوتا اور نہ ہی میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے تعارف ضروری ہے۔ اگر ری طور پر مجھ سے کوئی کام ہے تو انسانیت کے حوالے سے میں آپ کے کام آسکتا ں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"نہیں بہت شکریہ۔" عشرت نے کہا اور کھوئے کھوئے انداز میں وہاں سے گے بڑھ گئی۔

لیکن ناقابل یقین مماثلت تھی۔ بالکل ویسا ہی چہرہ، ویسے ہی نقوش، فیروز سے پچھوں گی کہ کیا اس نے کبھی اپنے کسی ہمشکل کو دیکھا ہے۔ سب کچھ وہی ہے۔ وگرام میں شرکت کرنے والی بڑی شخصیت ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اسی کا انتظار ا لیکن کئی بار عشرت کی نگاہیں اس شخص کی تلاش میں اٹھ گئی تھیں۔ وہ لابی کے تلف گوشوں میں نظر آیا تھا۔ اس بار بھی وہ ایک مصنوعی درخت کی آڑ میں کھڑا وبائل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ عشرت برق رفتاری سے آگے بڑھی اور ایک سٹینڈنگ وال کا سہارا لیتی ہوئی اس درخت کی آڑ میں پہنچ گئی۔ وہ سننا چاہتی تھی کہ یروز کا ہم شکل کس سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"جی سر! ابھی تک مہمان خصوصی نہیں پہنچے ہیں، نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ماحول بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایک بے وقوف صحافی لڑکی بہت دیر سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے اور اس وقت بھی وہ اسٹینڈنگ وال کے پیچھے مجھے آپ سے باتیں کرتے ہوئے سن رہی ہے اس لئے فون بند کر رہا ہوں پلیز۔"

عشرت کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ عشرت سمجھ رہی تھی۔ چنانچہ جھینپتے ہوئے انداز میں وہ وہاں سے ہٹ گئی لیکن اس کا ذہن ہوا میں اڑ رہا تھا۔ یہ شخص' یہ شخص فیروز سے اس قدر مماثل کیوں ہے۔ وہ وہاں سے ہٹ آئی اور اندر ہال میں چلی گئی۔ جہاں مہمان' مہمان خصوصی کا انتظار کرتے ہوئے بور ہو رہے تھے۔ آپس میں چہ میگوئیاں بھی کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا۔

"یہ تو اظہار ہے ان لوگوں کی اصل شخصیت کا جو کسی اور کے وقت کو وقت ہی نہیں سمجھتے۔ اب بتایئے پروگرام اب خاتمے کے قریب ہونا چاہیے تھا' لیکن ابھی شروع بھی نہیں ہوا۔" دوسرے نے کچھ اور کہا تیسرے نے کچھ اور۔" مگر عشرت کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اچانک ہی اسے یاد آیا کہ فیروز کے بالائی ہونٹ پر ایک تل بھی تو ہے' گہرا سیاہ تل' اگر یہ تل اس شخص کے ہونٹ پر بھی ہے تو پھر یہ فیروز کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ دیکھوں تو سہی حضرت کتنے پانی میں ہیں اور یہ سارا قصہ کیا ہے۔ وہ تیزی سے باہر نکلی اور اس شخص کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگی لیکن اب وہ ہال میں موجود نہیں تھا۔ عشرت نے چاروں طرف اسے دیکھا اور پھر ہال کی لابی سے باہر نکل آئی۔ اس نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں لیکن اب اس شخص کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ عشرت نے ایک گہری سانس لی اور پھر واپس لابی کی طرف چل پڑی۔ خواہ مخواہ اپنے آپ پر دیوانگی طاری کرلی ہے۔ بے وقوفی بالکل بے وقوفی' اس نے ذہن کو جھٹکا اور ایک بار پھر ہال کی جانب چل پڑی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں سلطان اپنے طور ایک سخت مزاج اور جنونی فطرت کا مالک تھا وہیں اس کی بہن زیبی بھی اسی مزاج کی شخصیت تھی اور اپنے طور پر اتنی ہی سخت دل' بھائی سے ایک ہی فرمائش کی تھی اس نے کہ ہمیشہ اس کا محافظ رہے۔ ایسا کوئی عمل نہ کرے جس سے اس کی اپنی اور زیبی کی شخصیت داغدار ہو جائے۔ اس نے کہا تھا کہ ساری زندگی دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کی قربت اور محبت میں گزار دیں گے۔ چاہے زندگی کتنے ہی غموں سے آشنا کیوں نہ رہے۔ اپنے مزاج میں تبدیلی نہیں پیدا ہونے دیں گے' خود کو ایک ٹھوس مزاج کا انسان کہہ کر اپنے آپ پر فخر کریں گے' لیکن سلطان اپنے حالات سے گھبرا گیا تھا۔ جس طرح پولیس ان کے گھر میں داخل ہوئی تھی اور جیسے پڑوس میں بے عزتی ہوئی تھی جس طرح زیبی کو آنکھیں جھکانی پڑی تھیں' اس نے اس کے دل میں جنون کا سمندر موجزن کر دیا تھا اور اب وہ اپنے آپ کو تنہا سمجھتی تھی۔ بھائی کے لئے محبت کے سارے جذبات ایک صندوق میں بند کر کے دل کے ایک گوشے میں چھپا لئے تھے اور ان کی طرف سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔ بڑا غصہ تھا اسے سلطان پر۔ جیل چلا گیا ایک

جوان بہن کو دنیا میں چھوڑ کر۔ اگر حالات اور حوادث ایک بے سہارا لڑکی سے اس کی شخصیت چھین لیں تو کیا زندگی کا ہر لمحہ موت جیسا نہیں ہوگا اور اس نے تو اس زندگی کو ہی خدا حافظ کہہ دیا تھا' لیکن زندگی نے اسے خدا حافظ نہیں کہا تھا اور اس کا تعاقب کیا تھا۔ نتیجے میں وہ اس وقت شاہ رخ کے گھر میں تھی۔ اپنے آپ کو گونگی کہہ کر اس نے اپنی ذات پر بہت سے پردے گرا لئے تھے۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دینا چاہتی تھی وہ تو یہ محسوس کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک دروازہ بند کرتا ہے تو سو دروازے کھول دیتا ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ وہ سب سے بڑا محافظ ہے اور انسان جب اس کی طلب کرتا ہے تو وہ انسان کو مایوس نہیں کرتا۔ وہ اپنے بندوں کو انعامات بھی دیتا ہے اور انسپکٹر شاہ رخ اور اس کی والدہ اس کے لئے انعام ہی تھیں۔ ایک ایسی نیک دل اور نیک صورت خاتون جن کا کوئی جواب ممکن نہ تھا۔ نام تھا فرزانہ بیگم' محبتوں کا سمندر تھا ان کے وجود میں۔ گونگی زیبی کو اپنے ساتھ رکھ کر انہوں نے یوں لگتا تھا جیسے اپنی زندگی کا حاصل پالیا ہو۔ زیبی نے خود تو انہیں اپنا نام بتایا نہیں تھا' لیکن انہوں نے خود ہی کہا تھا۔

"کاش مجھے تمہارا اصل نام معلوم ہوتا' میں نے کبھی کسی دور میں سوچا تھا کہ اگر میں بیٹی کی ماں بنی تو بیٹی کا نام صنوبر رکھوں گی۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے طویل عرصے کے بعد قدرت نے مجھے اس کا موقع فراہم کیا ہے' اگر تم میری بیٹی ہوتیں تو میں تمہیں صنوبر ہی کہتی اور تم میری بیٹی ہو تو میں تمہیں صنوبر ہی کہوں گی۔ بولو یہ نام تمہیں پسند ہے۔" اور زیبی نے مسکرا کر زور زور سے گردن ہاں میں ہلائی تھی اور یہ اظہار کیا تھا کہ اسے یہ نام پسند ہے۔ چنانچہ اب اسے صنوبر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ مقامی حالات سے وہ مکمل طور پر واقفیت رکھتی تھی۔ یہ دو ماں بیٹے ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی تھے۔ شاہ رخ پولیس میں ملازمت کرتا تھا اور انسپکٹر کے عہدے پر فائز

تھا۔ خوش مزاج اور ہنس مکھ۔ ماں کی امیدوں کا مرکز' مزاج کا بہت اچھا۔ ایک فرض شناس افسر جو مستقل اس خوف کا شکار رہتا تھا کہ اگر صنوبر کا کوئی عزیز و اقارب اٹھ کھڑا ہوا تو اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن فرزانہ بیگم کی خوشیوں کو دیکھتے ہوئے اور صنوبر کے یہاں رہنے پر آمادگی کا اظہار کرنے پر اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ پھر اس کا تبادلہ ہوگیا تھا' جس عمارت میں انہیں رہائش ملی تھی وہ بھی بے حد خوبصورت تھی۔ پولیس اسٹیشن کے بالکل عقب میں اس حسین عمارت میں جو بے شک پہاڑی علاقے مراد گڑھی میں تھی۔ آنے کے بعد زندگی بڑی دلچسپ محسوس ہوتی تھی۔ اوپر کی منزل سے عقب میں بکھرے ہوئے پہاڑی مناظر' آسمان سے اترتی ہوئی دھند۔ شرمایا لجایا ہوا سورج' تاریکیوں میں سے جھانکتا ہوا چاند۔ یہ تمام مناظر اس قدر دلکش تھے کہ زیبی جسے اب صنوبر کہنا زیادہ مناسب ہے' ان مناظر میں کھو کر زندگی کی رنگینیوں سے آشنا ہوئی تھی۔ ورنہ ایک چھوٹے سے غربت زدہ محلے میں زندگی گزار کر اس نے صرف اپنے اور لوگوں کے دکھ دیکھے تھے۔ یہ ماحول دکھ سے پاک تھا اور وہ فرزانہ بیگم کی خدمت کر کے اس گھر کی خدمت کر کے جہاں دو ملازم اور بھی تھے ایک عورت اور ایک مرد' بڑی خوشی محسوس کرتی تھی۔ ادھر شاہ رخ بھی ماں کے مطمئن ہونے سے خود بھی مطمئن ہوگیا تھا۔ اسے بھی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ پراسرار لڑکی جس کا ماضی اس کی قوت گویائی کے ساتھ گم ہوگیا ہے۔ باقی کچھ بھی ہے لیکن اس کی ماں کے لئے بہت بڑا سہارا بن گئی ہے۔ اس نے بے شمار قانونی نکات تلاش کئے تھے کہ اگر کہیں سے اس لڑکی کے جائز وارث آجائیں تو اسے کسی مشکل کا شکار نہ ہوسکے اور اس کے لئے اس نے ایک باقاعدہ تحریر لکھ کر صنوبر سے اس کا انگوٹھا لگوایا تھا۔ اس تحریر میں یہی درج تھا کہ وہ خودکشی کرنے جا رہی تھی کہ شاہ رخ نے اسے بچایا اور وہ اس شرط پر زندہ رہنے پر آمادہ ہوئی کہ

شاہ رخ اسے اپنی والدہ کے زیر سایہ پناہ دے گا۔

بہرحال شاہ رخ بھی مطمئن تھا اور یہاں اس تھانے میں آنے کے بعد تو وہ بہت ہی خوش تھا اور زندگی کو بڑی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ تھانے کا عملہ بھی برا نہیں تھا' ایسے مخصوص کردار جو بہت دلچسپ تھے' وہ ان کے ساتھ اچھا وقت گزار رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا سب انسپکٹر حیات خان سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک جیپ تھانے کے احاطے میں داخل ہوئی اور شاہ رخ نے برابر والی کھڑکی سے اسے دیکھا۔ جیپ سے اترنے والا ایک پہاڑی آدمی تھا جو بہت اچھی صحت لیکن معمولی لباس میں ملبوس تھا۔ باہر کھڑے ہوئے سپاہی سے اجازت لے کر وہ اندر آیا اور اس نے شاہ رخ کو سلام کیا۔

"آؤ......... بیٹھو۔" شاہ رخ پروقار لہجے میں بولا۔

"شکریہ صاحب۔ میں نور خیل سے آیا ہوں' نور خیل کے سردار تیمور کا شاید نام آپ نے سنا ہو۔ سردار تیمور اس علاقے کے سب سے بڑے سردار ہیں' وہ اپنے علاقے میں گشت پر تھے میں ان کے ساتھ تھا صاحب اور ہم لوگ گشت کر رہے تھے کہ ہم نے ایک علاقے میں گدھوں کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ سردار تیمور وہاں پہنچے تو ہمیں وہاں دو لاشیں نظر آئیں ہم نہیں جانتے کہ وہ کون لوگ ہیں اور کیسے مر گئے' لیکن بہرحال سردار تیمور نے مجھے فوراً یہاں بھیجا۔ مردہ خور گدھ ان لاشوں کو نوچ چکے ہوں گے صاحب۔ ابھی یہ بات ہمیں نہیں معلوم کہ اب وہ ہمیں کس شکل میں نظر آئیں گی لیکن سردار تیمور جو ریٹائرڈ فوجی بھی ہیں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"لاشیں اب بھی وہیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"جی صاب۔"

"انہیں چھیڑا تو نہیں گیا۔"

"نہیں صاب۔ ہم نے نہیں چھیڑا' لیکن مردہ خور گدھ انہیں مسلسل چھیڑ رہے ہیں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"بدر شاہ ہے میرا نام صاب۔"

"بدر شاہ تھوڑا سا انتظار کرلو ہمیں وہاں تک لے جاسکتے ہو۔"

"جی صاب اسی لئے ادھر آیا ہوں۔" بدر شاہ نے جواب دیا۔

اپنے اے ایس آئی سے اس نے سردار تیمور کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "جی سر' سردار صاحب بہت اچھے انسان ہوں۔ ریٹائرڈ فوجی ہیں بہت اچھی حیثیت کے مالک ہیں' پر سکون ہیں اور اس کے پاس بھی ان کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے انتظام کرو......... اور سنو چھ مسلح سپاہی ساتھ لے لینا تمہیں بھی میرے ساتھ ہی چلنا ہے۔"

شاہ رخ نے برق رفتاری سے تیاریاں کیں اور اس کے بعد پولیس کی جیپ بدر شاہ کی جیپ کا تعاقب کرنے لگی اور اس کی رہنمائی میں نور خیل کی جانب سفر شروع ہوگیا۔

سلطان کے ہوش و حواس گم ہوگئے تھے۔ بہت غور کرکے اس نے اس زندگی میں قدم رکھا تھا۔ بوکھلا گیا تھا۔ جھنجلا گیا تھا جتنے لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک ہی بات معلوم ہوئی تھی۔ کوئی کتنے سال سے ملازمت کی تلاش میں تھا' کوئی کتنے سال سے' کسی کے گھر فاقہ کشی سے موتیں ہوئی تھیں تو کسی کے گھر بیماری سے۔ کسی نے خودکشی کی تھی تو کوئی موت کو زندگی سے زیادہ بہتر سمجھ رہا تھا اور ان تمام باتوں نے سلطان سے اس کے حواس چھین لئے تھے۔ بہن ہمیشہ ایک ہی بات کہتی تھی کہ بھائی برائی کے راستوں پر آگے بڑھ جانا بہت آسان کام ہے' لیکن تمہیں آگے بڑھنا نہیں ہے۔ روکنا ہے اپنے آپ کو۔ سلطان ہر قیمت پر اس کی بات ماننا چاہتا تھا لیکن کب تک ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے اور انتہا ہوگئی تھی۔ وہ خودکشی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہن کی ساری ذمے داریاں اس نے اپنے شانوں پر سنبھالی ہوئی تھیں اور ماں سے وعدہ کیا تھا اس نے کہ بہن کو اس کا گھر دے گا بھائی کا وہ فرض پورا کرے گا' جو مشرق کی روایت ہے اور جس سے مشرق کی شان برقرار رہتی ہے۔ مگر وقت کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ تب اس نے سوچا کہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے

مقصد کو حاصل کرے۔ شرافت کی چادر میں لپٹے ہوئے جتنے افراد اسے نظر آئے تھے۔ ان سب کے چہرے آنسوؤں میں بھیگے ہوئے تھے۔ دو ہی باتیں ہیں یا تو وہ بھی رونے والوں میں شامل ہو جائے یا پھر اقدار کا غلاف اتار کر پھینک دے۔ وہ شخص جو اسے تین بار مل چکا تھا اور ایک دوست کی معرفت ملا تھا' اب بھی اس کے لئے اپنے دروازے کھولے ہوئے بیٹھا تھا۔ وہ ایک ٹرانسپورٹر تھا' بظاہر کیچوا نظر آنے والا لیکن درحقیقت کالے رنگ کا زہریلا سانپ' نثار تھا اس کا نام۔ لین دین کا کھرا' کافی دن پہلے ملاقات ہوئی تھی لیکن سلطان نے اس کی بات تسلیم نہیں کی تھی۔ آخر کار سلطان اس تک پہنچ گیا اور اس کے اور نثار کے درمیان روابط قائم ہوگئے۔ کئی کام کئے اس نے نثار کے لئے' معاوضہ بھی ملا اور بہتر معاوضہ ملا۔ پھر نثار نے اس کی اعلیٰ کارکردگی کے تحت اسے مشورہ دیا کہ اب وہ یہ چھوٹے کام نہ کرے۔ وہ جس قدر ذہین پھرتیلا اور اعلیٰ کارکردگی کا مالک ہے تو اسے چاہیے کہ اب وہ باہر کی دنیا میں نکلے اور مال باہر لے جائے۔ مقامی طور پر جو کام سلطان کرتا تھا اس کا اسے دس فیصد معاوضہ ملتا تھا لیکن باہر جانے کا معاوضہ اسے پچاس فیصد آفر کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ہر طرح کے تحفظ کی ضمانت' لیکن سلطان نے نثار سے منع کر دیا تھا۔ بہن کی وجہ سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ نثار اسے مسلسل مجبور کرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بار سخت لہجہ بھی اختیار کیا اور کہا کہ اصولی طور پر سلطان اب اس آرگنائزیشن سے وابستہ ہے اور اسے آرگنائزیشن کے تمام مفادات کا خیال کرنا چاہیے۔ ایسے اداروں میں اپنی پسند سے کام نہیں ہوتا تو سلطان نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر اسے اس کام سے نکالا جاتا ہے تو اسے اعتراض نہیں ہے۔ نثار نے گھور کر اسے دیکھا اور کہا۔

"آرگنائزیشن میں شامل ہونے کے بعد انسان اپنی مرضی سے باہر نہیں جاتا

تمہیں تمام باتوں سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔"

"ہاں مگر یہ نہیں کہا گیا تھا کہ مجھے ملک سے باہر بھیجا جائے گا اور میں اپنی مرضی کے خلاف مجبور کیا جاؤں گا۔"

"سلطان! ضد کے نتائج اچھے نہیں ہوتے اس بات پر غور کر لینا۔" بعد میں نثار نے اپنے رویے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں پیدا کی تھی اور کام جاری رہا تھا اور اس کے بعد یہ حادثہ پیش آگیا تھا لیکن سلطان نے جیل نہیں دیکھی تھی۔ جیل دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے تھے۔ بھانت بھانت کے جانور یہاں موجود تھے' ایسے جیسے زندگی کا کوئی اہم مشن سر انجام دے رہے ہوں۔ سلطان ہوش و حواس سے بیگانہ خوفناک سوچوں کا شکار' خاص طور سے زیبی کے مسئلے میں وہ انتہائی دہشت زدہ تھا۔ بہرحال جو ہو چکا تھا اس کی واپسی سلطان کے اپنے بس میں نہیں تھی۔ دل سینے میں پھڑپھڑاتا تھا۔ یہ آرزو ہوتی تھی کہ کسی بھی طرح زیبی کا حال معلوم ہو جائے' باقی تو اور جو کچھ ہو وہ اپنی جگہ ہے لیکن زیبی کا کچھ پتہ چل جائے تو کم از کم دل کو سکون ہو۔ ہفتہ پندرہ دن' مہینہ' دو مہینے' تیسرا مہینہ' بہن سے مستقل رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور آنکھوں تک نہ پہنچ پانے والے آنسو دل کے اندر خشک ہو گئے تھے۔ کیا ہوا ہوگا زیبی کا پتہ نہیں کیا ہوا ہوگا۔ رفتہ رفتہ وہ ان معاملات سے بیگانہ ہوتا چلا گیا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہوگا۔ اب اگر زندگی نے کبھی موقع دیا اور تقدیر نے' تو ممکن ہے بہن کی صورت دیکھنے کو مل جائے۔ ابھی تو کوئی ایسی بات نہیں ہے بہت سے لوگوں سے اس کی شناسائی ہو گئی تھی لیکن اس دن اسے جو شخص ملا وہ سلطان کے لئے ذرا انوکھی چیز تھا۔

"شاید لوگوں نے تمہیں میرے بارے میں بتایا ہو۔ میں مجرموں کے بارے میں پیشگوئی کرتا ہوں۔ کبھی کبھی ان کے لئے دعا بھی کر دیا کرتا ہوں۔ ٹنڈا بابا کہتے

ں یہاں کے لوگ مجھے۔ کیا تم مجھے جانتے ہو۔"

سلطان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"دعا کا وقت ہے' اپنے لئے کوئی دعا کرانا چاہتے ہو تو کرا لو۔"

"میرا مذاق اڑانے آئے ہو۔" سلطان نے کہا اور وہ واپس چلا گیا لیکن سلطان ے ایک شناسا نے کہا۔

"بہت کم لوگوں سے رابطے رکھتا ہے وہ' تم سے کیا کہہ رہا تھا۔"

"عجیب فضول آدمی ہے' پتہ نہیں کیا کیا فضول بکواس کر رہا تھا۔ اپنے آپ کو زم کی دنیا کا نجومی کہتا ہے۔ کیا یہاں بھی نجومی ہوتے ہیں؟؟"

"ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے' لیکن وہ ضرور نجومی ہے۔ تم نے غلطی کی۔"

"میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے جانے دو۔ میں کوئی اور مذاق برداشت نہیں ر سکتا۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ ٹنڈا بابا اسے کئی بار نظر آیا لیکن سلطان نے ں پر توجہ نہیں دی یہاں تک کہ ایک دن اسے رہائی کی خبر سنائی گئی اور جب وہ اپنا باں لے کر جیل کی چار دیواری سے باہر نکلا تو اس کے دل میں جذبات کا طوفان وجزن تھا۔ زیبی' اس کی ہر بات' اس کا پیار۔ اس کی ناراضگی۔ آہ کاش وہ مجھے عاف کر دے۔ ٹھیک ہے چھوٹی ہے تو کیا ہوا' قدموں میں سر رکھ دوں گا۔ اس سے کہوں گا انسان ہوں' غلطی ہو گئی۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے' میرا اس دنیا میں' س ایک بار معاف کر دے ایک بار۔ ان تمام آرزوؤں کو لئے ہوئے وہ اپنے محلے کی گلی میں داخل ہو گیا۔

دل پر شرمندگی کا شدید احساس مسلط تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گلی کے در و

دیوار بھی اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں۔ ہر اینٹ کا ہر پتھر کا ایک اپنا ہوتا ہے۔ ہر چیز کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے احساس ہی تو محبت کا نام ہے چاہے وہ گلی کے درودیوار ہوں' دروازوں پر لٹکتے ہوئے ٹاٹ کے پردے یا کوئی اور چیز۔ کچھ بھی ہو' بات وہی ہوتی ہے کہ احساس کیا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے نگاہیں بچاتا ہوا' اپنے گھر کے دروازے پر جا رہا تھا' دروازے پر ایک اجنبی تالا پڑا ہوا تھا۔ یہ تالا اس کا اپنا نہیں تھا۔ گھر کی ایک ایک چیز سے اسے شناسائی تھی۔ تالے کو دیکھ کر دل دھک سے ہوگیا۔ پتہ نہیں کیا قصہ ہے۔ دروازے پر کھڑا ہوا اس تالے کو ٹٹول رہا تھا کہ عظیم چاچا برابر کے گھر سے نکلے۔ اسے دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ ایک لمحے تک سوچتے رہے کہ اس کے پاس آئیں یا نہ آئیں' لیکن پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔ وہ شرمندہ شرمندہ' خاموش خاموش سا کھڑا ہوا تھا۔ عظیم چاچا اسے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ زیبی کہاں چلی گئی؟" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عظیم چاچا کو دیکھا اور اس کے منہ سے سرسراہٹ سی نکلی۔ "چلی گئی۔"

"کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ اب وہ یہاں نہیں رہتی؟"

سلطان کے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا ہوگئی۔ تڑپ گیا۔ بے چین ہوگیا' آنکھوں میں جنون ابھر آیا۔ چاچا کے ایک قدم قریب ہو کر بولا۔

"یہاں نہیں رہتی' کہاں رہتی ہے وہ۔ عظیم چاچا وہ کہاں رہتی ہے۔"

"آہ اس کا مطلب ہے کہ اس نے تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا۔"

"بتا دیجئے مجھے عظیم چاچا بتا دیجئے میری بہن کہاں گئی؟"

"جذباتی ہونے کی کوشش مت کرو۔ دل تو میرا بھی نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنے گھر کے دروازے سے اندر لے جاؤں۔ پوری عمر اسی محلے میں گزری ہے' بڑے

غریب لوگ رہتے ہیں یہاں۔ ہر ایک زندگی کے مسائل میں مبتلا ہے۔ دکھ بیماری' شادی بیاہ' دنیا کی ہر مشکل موجود ہے یہاں' لیکن خدا کی قسم میری عمر میں پولیس کبھی ہماری گلی میں نہیں آئی۔ زیبی کی غیرت مندی میں تو خیر کسی کو کوئی شبہ ہی نہیں ہے اس گھر میں کیسے رہ سکتی تھی جس میں پولیس کودتی پھری ہو۔ اسی رات چلی گئی وہ یہاں سے' کسی کو کچھ بتا کر نہیں گئی۔ گھر میں ہر چیز جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ کافی دن تک تو پتہ ہی نہیں چل سکا۔ ایک دن کتا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ میں نے ہی اسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ شبہ ہوا کہ زیبی تو ایسی نہیں ہے' دو تین محلے والوں کو اندر لے جا کر دیکھا۔ گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ ہر چیز پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ بس مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ یہ تالا میں نے گھر میں لگایا تھا' آؤ اندر چلو میں تمہیں چابی دے دوں۔"

لیکن عظیم چاچا کے وہ الفاظ سلطان کے ذہن میں آگ کی لکیر بن چکے تھے۔ جن میں انہوں نے کہا تھا کہ دل تو نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنے دروازے سے اندر آنے کی دعوت دوں۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "چابی۔"

عظیم چاچا نے اسے دیکھا۔ پھر خاموشی سے اپنے گھر کے دروازے کی جانب واپس مڑ گئے۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد وہ چابی لے کر واپس آئے اور چابی سلطان کے ہاتھ پر رکھ دی۔ سلطان نے تالا کھولا اور اسے چابی سمیت عظیم چاچا کے حوالے کرتا ہوا بولا۔ "شکریہ عظیم چاچا۔" اور اس کے بعد اس نے اندر داخل ہو کر فوراً دروازہ اندر سے بند کیا۔ گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مدھم ہوا جس چیز کو بھی چھو کر نکلتی اس سے سسکی کی آواز ابھرتی۔ درودیوار رو رہے تھے۔ صحن گندہ پڑا ہوا تھا۔ ہوا نے باہر سے مٹی لا کر جمع کر دی تھی۔ ہر چیز پر گرد تہہ' دالان کے تخت پر چادر بچھی ہوئی لیکن ہوا سے سمٹی ہوئی۔ اس کی سلوٹوں میں گرد کی تہیں جمی ہوئی۔ اندر

کا دروازہ بھی کھلا ہوا‘ باورچی خانے کے برتن بکھرے ہوئے‘ ہر چیز اپنی جگہ ماتم کناں تھی۔ زیبی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ کمرے میں داخل ہوا۔ الماریاں کھول کر دیکھیں۔ زیبی نے بدن کے لباس کے علاوہ اور کچھ نہیں لیا تھا وہ الماریاں بھی بند نہیں کی تھیں اس نے جن میں سے پولیس نے ہیروئن پاؤڈر برآمد کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں کیا تھا زیبی نے۔ خاموشی سے نکل گئی تھی یہاں سے۔ جانتا تھا کہ بہن بھی اسی کی مانند جنونی ہے۔ منع کیا تھا اس نے واقعی منع کیا تھا اور اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ فیصلے اتنی آسانی سے نہیں ہونے چاہئیں۔ برے راستوں کی جانب جب قدم بڑھ جاتے ہیں تو فیصلے کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہت مشکل ہو جاتا ہے اور غلط فیصلوں کے نتیجے میں بدترین نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”زیبی! غلطی ہوگئی ہے‘ معاف کردے مجھے‘ مل جا‘ زیبی مجھے مل جا۔ میں بھی مجبور تھا بہت کوشش کی تھی میں نے کہ زندگی برے راستوں کی طرف نہ جانے پائے‘ لیکن کیا کرتا کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔ زیبی بالکل مجبور ہوگیا تھا میں۔ میری بہن دیکھ کر کوشش کروں گا کہ اب تجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ گناہ کیا تھا سزا پالی۔ ان راستوں پر دوبارہ قدم نہیں بڑھاؤں گا۔ دیکھ زیبی! بہت سی باتیں دل میں ہیں۔ تجھ سے کہنا چاہتا ہوں‘ بتانا چاہتا ہوں‘ تجھے اپنے احساسات کے بارے میں۔ مل جا مجھے‘ دیکھ کہاں ہے تو بتادے۔“

پھر تین دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ اس خیال کے تحت کہ ممکن ہے زیبی اس کی آمد کی منتظر ہو۔ ممکن ہے اسے پتہ چل جائے کہ وہ واپس آگیا ہے۔ سزا دے رہی ہو وہ اسے......... اور جب اس کے دل میں بھائی کی محبت جاگے‘ غبار نکل جائے اس کے دل کا تو وہ واپس آجائے۔ کسی سے کہہ رکھا ہو اس نے کہ جب

بھی سلطان واپس آئے اسے پتہ چل جانا چاہیے۔ بہت ہی عاجزی اور انکساری سے پڑوس کے لوگوں سے معلومات حاصل کیں۔ شروع سے برا نہیں تھا۔ اب بھی لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ سب نے دکھ کا اظہار کیا‘ لیکن وہ یہ جاننے میں ناکام رہا کہ زیبی کہاں جاسکتی ہے۔ پھر اس کے بعد نجانے کتنے دن اور کتنی راتیں زیبی کی تلاش میں گزر گئیں۔ وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوتا‘ خالی گھر میں جی نہ لگتا۔ ماں کی قبر پر جا پہنچا۔ قبرستان میں داخل ہوتے ہوئے اس کے وجود پر کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ماں کی تیز نگاہیں اسے گھور رہی ہوں۔ ناراضگی ہو ان آنکھوں میں۔ کہہ رہی ہوں کہ بس وعدے ایسے ہی پورے کئے جاتے ہیں۔ کہاں ہے زیبی‘ تیرا فرض تھا‘ ایسے فرض نبھایا جاتا ہے‘ قبر سے لپٹا اور بلک بلک کر رو پڑا۔

”پتہ نہیں میرا قصور ہے یا نہیں۔ مجھے معاف کردو‘ دیکھو مجھے معاف کردو۔ میرا قصور نہیں ہے۔ دنیا کا قصور ہے۔ وقت کا قصور ہے۔ وقت نے مجھے آگے جانے کا راستہ نہیں دیا۔ کیا کرتا میں‘ معاف کردو اماں مجھے معاف کردو۔“ آنسو شاید عجیب و غریب صفت رکھتے ہیں‘ کم از کم دل ہلکا کر دیتے ہیں۔ قبرستان سے واپس لوٹا تو طبیعت پر تھوڑی سی بے سکونی کم ہوگئی تھی۔ بھوک لگ رہی تھی۔ سوچا تھا کسی ہوٹل میں کھانا کھائے۔ ہوٹل کی جانب جا ہی رہا تھا کہ ایک شناسا شکل نظر آئی۔ جیل میں ملاقات ہوئی تھی اور اس نے اپنا نام ٹنڈا بابا بتایا تھا۔ اس نے بھی اسے دیکھ لیا۔ مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

”کہو شریف آدمی‘ کیسا وقت گزر رہا ہے؟“

”پتہ نہیں۔ آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے۔“ سلطان نے اسے پیشکش کی اور ٹنڈا بابا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے کہا پھر ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "اگر کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتاؤ' دیکھو! جوان آدمی ہو تمہارے اندر جو صلاحیتیں مجھے نظر آرہی ہیں وہ چیخ چیخ کر یہ اعلان کر رہی ہیں کہ وقت تمہارا غلام ہو گا۔ دنیا سے اپنا حق چھیننا جانتے ہو۔ دور ایسے ہی لوگوں کا ہے' مجھ سے بات کرو۔ ان کامیاب لوگوں کے بارے میں جن کی تصویروں سے اخبارات بھرے ہوتے ہیں۔ جو بڑے لوگ ہیں بڑی بڑی حیثیتوں کے مالک۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو تو میں تمہیں اس کے ماضی میں لے چلوں۔ تمہاری ہی طرح اس کی ابتداء ہوئی ہے اور میری جیسی سوچوں سے وہ اس منزل تک پہنچتا ہے۔" سلطان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' سرد لہجے میں بولا۔ "تو بتاؤ کیا کروں؟" جواب میں ٹنڈا بابا نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسے دیا اور بولا۔

"آج رات ٹھیک گیارہ بجے اس پتے پر پہنچ جاؤ' ابھی اس کارڈ کو جیب میں رکھ لو۔ پتہ بھی نہ دیکھو' کھانا کھاؤ۔"

کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ٹنڈا بابا نے جیب سے بل کی رقم نکالی اور اس کے ساتھ ہی نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"ضرورت ہوگی رکھ لو۔"

"نہیں ضرورت نہیں ہے۔" سلطان نے گڈی واپس اس کی طرف بڑھا دی۔

"گڈ......... جو لوگ ہلکی چیز دیکھ کر نہیں پھسلتے ان کے گرد بھاری چیزوں کا انبار لگا ہوتا ہے۔ گیارہ بجے خیال رکھنا' چلو اٹھو چلتے ہیں۔" سلطان گردن ہلا کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ بہن کی تلاش میں مایوسی وقت کی بے التفاتی نے ایک بار پھر اس کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔

بظاہر حیدر زمان کے اندر کوئی ہیجان نظر نہیں آتا تھا' لیکن نزہت اس کی مزاج آشنا تھی۔ لمحوں کا ساتھ نہیں صدیوں کا ساتھ تھا۔ انسان اگر کسی کی قربت میں خلوص دل سے اپنے آپ کو شامل کر دے تو لمحے بھی صدیوں کا تجربہ دیتے ہیں' کیونکہ بات مزاج آشنائی کی ہوتی ہے اور نزہت حیدر زمان کی داہنی آنکھ کے اوپر اس لکیر کو کسی کتاب کی طرح پڑھ لیتی تھی' جو کسی تردد کی بنیاد پر پیدا ہو جاتی تھی اور یہ لکیر کچھ دنوں سے حیدر زمان کی پیشانی کی زینت بنی ہوئی تھی۔ لمبے اونچے درخت پر خوبصورت جھولا پڑا ہوا تھا اور شیری اس جھولے پر جھول رہی تھی۔ ایک ملازم اسے جھلا رہا تھا اور شیری اس سے باتیں بنا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد نزہت اپنی جگہ سے اٹھی۔ اندر گئی حیدر زمان کو پتہ بھی نہ چلا۔ وہ چائے اور اس کے ساتھ

گرم پکوڑے لے کر آئی تو پکوڑوں کی خوشبو نے حیدر زمان کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ بولا۔ "ارے کمال ہے' یہ چلہ کشی آپ نے کب کی؟"

"چلہ کشی؟"

"ظاہر ہے جب تک موکل قبضے میں نہ ہو ایسے کام اتنی برق رفتاری سے تو نہیں ہوتے۔"

"جناب اڑنے کی کوشش نہ کیجئے۔ وعدہ کیا تھا آپ نے کہ کسی بھی راز کو راز نہیں رکھیں گے۔ وعدہ شکنی کر رہے ہیں' چلئے پکوڑے کھائیے۔"

"قسم کھاتا ہوں۔ مجھے نہیں پتہ چلا کہ تم کب اندر گئیں اور کب یہ کارنامہ سرانجام دے کر آگئیں۔" حیدر زمان نے پکوڑا اٹھا کر دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "اور یہ وعدہ شکنی کی کیا تاریخ ہے؟"

"کہا تھا نا آپ نے کہ کوئی بات کبھی نہیں چھپائیں گے لیکن کچھ ایسا محسوس ہوا ہے مجھے کہ پچھلے چند روز سے آپ بے کل ہیں' حالانکہ یہ ماحول' یہ زندگی تو ہمارے لئے آئیڈیل ہے۔"

"اصل میں نزہت میری دلی خواہش ہے کہ اپنی ملازمت کی تاریخ میں ایک ریکارڈ قائم کروں۔ ابھی تو خیر وقت ہی کتنا گزرا ہے لیکن خدا کے فضل و کرم سے میرے حکام بڑا اعتماد کرنے لگے ہیں۔ مجھ پر اور میرے فائل میں یہ تحریر درج ہے کہ اس شخص کو جو ذمے داری دی جاتی ہے' یہ اسے جان کی بازی لگا کر پوری کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا فائل بہت موٹا ہو جائے اور اس میں جگہ جگہ ایسی تحریریں نظر آئیں تاکہ جب میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوں تو میرے اعزاز میں ایک تقریب کی جائے۔ کیا کیا خواہشیں ہوتی ہیں انسان کے دل میں۔"

"کہانی بہت طویل ہو گئی ہے' اصل مسئلہ اس میں چھپ گیا ہے۔" نزہت شرارت سے بولی۔ حیدر زمان نے دوسرا پکوڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لیجئے منہ کھولئے۔"

"جناب یہ منہ پکوڑوں سے بند نہیں کیا جاسکتا' اب پوچھ ہی لیا ہے میں نے تو میری لاج رکھ لیجئے۔"

"نہیں نزہت چھپانے والی کوئی بات نہیں ہے' بالکل آفیشل معاملات ہیں' جنگل کی ذمے داری میرے سپرد کی گئی ہے۔ اس جنگل میں بے شمار درخت اتنے قیمتی ہیں کہ ان کی قیمت بہت اونچی چلی جاتی ہے اور قیمت ہو یا نہ ہو جب میری ذمے داری یہ ہے کہ میں ان درختوں کی حفاظت کروں تو ذمے داری تو پوری ہونی چاہیے نا۔ پہاڑی علاقوں میں کچھ سرکش لوگ ایسے ہیں جو درخت کاٹ کر لے جاتے ہیں۔ میں نے انہیں وارننگ تو دی تھی لیکن سلسلہ جاری رہا۔ پچھلی رات کوئی میرے ریوالور کی گولی سے زخمی ہوگیا ہے۔ پتہ نہیں چل سکا کون لوگ ہیں وہ؟ یوں سمجھ لو ایک طرح سے ایک محاذ کھل گیا ہے اور مجھے اس محاذ پر کام کرنا ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے' اب تو بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔" نزہت کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے' پھر وہ بولی۔

"نئی جگہ ہے' پہلے ہم ذرا قدم جما لیتے' اس کے بعد قرب وجوار کے ماحول سے واقف ہو کر اگر آپ سخت اقدامات کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔"

"ہاں لیکن اس دوران میری موجودگی میں بھی اگر درخت کٹتے رہے تو مجھے بتاؤ ایک فاریسٹ آفیسر کی یہاں کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ ویسے میں نے گل جمال کو بھیجا ہے وہ.........." ابھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں گل جمال کی جیپ داخل ہوئی اور حیدر زمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس کی عمر بڑی ہے' یہ بھی اللہ کا کام ہے جس کو جتنی عمر چاہے دے دے۔" گل جمال نے جیپ روکی اور اس کے پاس آگیا شیری بدستور جھولا جھول رہی تھی۔

"ہاں گل جمال کیا ہوا؟"

"صاحب جی' مراد گڑھی سے آرہا ہوں تھانہ انچارج صاحب تفتیش کے لئے گئے ہوئے ہیں' میرے پہنچنے سے کوئی دو تین منٹ پہلے نکلے تھے۔ پتہ چلا نور خیل گئے ہیں اور واپسی میں دس بارہ گھنٹے لگ جائیں گے۔ کوئی تعین نہیں ہے وقت کا۔ کسی تفتیش پر گئے ہوئے ہیں' اتنی دیر میں نے رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ رپورٹ لکھوا دی ہے اور بتا دیا ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے' یہ بھی لکھوا دیا کہ آپ انچارج صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ بس یہ کرکے واپس آگیا ہوں۔" حیدر زمان نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"ٹھیک ہے' اس سے زیادہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اب یوں کرو گل جمال کہ گشت بڑھا دو۔ میں اعلیٰ حکام کو کچھ گھوڑوں کے لئے لکھتا ہوں۔ کم از کم چار گھوڑے درکار ہوں گے ہمیں' جو دن اور رات کی ڈیوٹی پر گشت کیا کریں گے۔ ویسے گشت کرنے والوں کو یہ بتا دینا کہ بحالت مجبوری اگر کسی کو زخمی کرنا پڑے تو بات صرف پیروں کی حد تک رہے۔ اگر کوئی صحیح سلامت ہاتھ آسکے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ درختوں کے چوروں کا پتہ چل جائے کہ وہ کون ہیں۔ بعد میں پھر ان سے اعلیٰ پیمانے پر نمٹا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی۔" گل جمال نے جواب دیا۔

شاہ رخ قدرتی مناظر کا رسیا تھا۔ ویسے بھی وہ مراد گڑھی آکر بہت خوش تھا۔ اس پر فضا پہاڑی ماحول میں آکر ماں کی صحت بھی آناً فاناً بہت اچھی ہوگئی تھی۔ ورنہ شہری زندگی میں وہ عام طور سے بیمار ہی رہتی تھی۔ اس تندرستی کی دوسری وجہ صنوبر تھی جس نے ماں کو ایسے سنبھالا تھا کہ شاہ رخ شرمندہ ہوگیا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ صنوبر کو اس احسان کا کیا صلہ دے گا۔ بہرحال وہ بہت مطمئن تھا اور اس تعیناتی کو اعلیٰ حکام کی نگاہ میں بہت تسلی بخش بنانا چاہتا تھا تاکہ یہاں اس کے پاؤں جم جائیں اور ماں کی صحت بہتر ہو جائے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ قرب و جوار کے بڑے لوگوں سے رابطہ قائم کیا جائے۔ خاص طور سے علاقائی سرداروں کا تعاون اس کی ملازمت کو اور یہاں تعیناتی کو استحکام بخش سکتا تھا۔ نیز یہ کہ کم از کم ان علاقوں میں جرائم پر قابو پاکر حکام کو اپنی اہمیت کا صحیح احساس دلایا جاسکے۔ بدر شاہ کی جیپ کے تعاقب میں نور خیل کا یہ سفر بڑی دلکشی کا حامل ثابت ہوا۔ طے یہ ہوا تھا کہ پہلے سردار تیمور کے پاس چلا جائے۔ وہاں سے انہیں ساتھ لیا جائے اور اس کے بعد ان لاشوں کا جائزہ لیا جائے' چنانچہ اب نور خیل زیادہ فاصلے پر نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ

پہاڑی دیواریں نظر آنے لگی تھیں جن کے درمیان سردار تیمور نے اپنی رہائش گاہ بنائی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس پہاڑی کٹاؤ کے پاس پہنچ گئے جو داخلی دروازے کی حیثیت رکھتا تھا اور شاہ رخ نے دلچسپ نگاہوں سے سردار تیمور کا طرز زندگی دیکھا۔ پہاڑی دیواروں کو ہی گھر کا احاطہ بنالیا گیا تھا اور ایسی ہی ایک دیوار کے سہارے ایک خوبصورت ایک آئیڈیل رہائش گاہ تعمیر کی گئی تھی۔ باہر کے ماحول میں سب کچھ موجود تھا۔ دیہی پہاڑی زندگی کا ایک حسین نمونہ۔ سردار تیمور شاید جیپوں کی آواز سن کر ہی باہر نکلا تھا۔ شاہ رخ نے اس پر رعب شخصیت کے مالک پروقار آدمی کو دیکھا اور اپنی گہری نگاہوں سے جائزہ لے کر یہ اندازہ لگالیا کہ وہ ایک مشفق، پر اخلاق اور شریف آدمی ہے۔ تیمور نے آگے بڑھ کر اس کا پرتپاک استقبال کیا اور ہاتھ وغیرہ ملانے کے بعد بولا۔

"مجھے یقین ہے آفیسر کہ مستقبل تمہارا ہے۔ کچھ لوگ اپنی تحریر پیشانی پر سجائے پھرتے ہیں۔ اس میں ان کی زندگی کے حالات درج ہوتے ہیں۔ میں نہ تو نجومی ہوں، نہ اپنے آپ کو کوئی انسانی کمزوریوں سے الگ شخصیت ظاہر کرنا چاہتا ہوں لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ تم جیسی کشادہ پیشانی والے لوگ حسین مستقبل کے مالک ہوتے ہیں۔ آؤ، اس وقت تم میرے مہمان ہو۔ پہلے میرے ساتھ چائے پیو اس کے بعد اپنی ذمے داریوں کا آغاز کرو۔"

"سردار کا حکم سر آنکھوں پر، بات حکم ماننے کی ہے، ایک اچھے اور مشفق انسان کا حکم، لیکن اگر سرار میرے اعلیٰ مستقبل کی پیشگوئی کرتے ہیں تو پھر پہلے اصولی طور پر مجھے اپنی ڈیوٹی سرانجام دینی چاہیے یعنی ان لاشوں کو دیکھوں جن کی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔ کم از کم اپنے فرض سے گریز نہیں ہوگا۔" سردار تیمور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، گردن ہلائی اور بولا۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک وعدہ کرنا ہوگا تمہیں۔"

"یہ کہ واپس آکر آپ کے ساتھ چائے پیئوں۔ سردار صاحب! اگر کوئی ایسی ے داری فوری نہ ہوئی تو یقیناً" آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا، ورنہ یہ وعدہ کرتا ں کہ ان فرائض کی بجا آوری کے بعد دوبارہ یہاں صرف آپ سے ملاقات کے لئے آؤں گا اور چائے ہی نہیں کھانے کی فرمائش بھی کروں گا آپ سے۔"

سردار تیمور مسکرایا اور پھر ایک منٹ کی اجازت لے کر چلا گیا۔ بہرحال دونوں نے ایک دوسرے پر اچھے تاثرات چھوڑے تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پسند یا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس جیپ اور سردار تیمور کی جیپ اس پہاڑی علاقے ل جانب جارہی تھی۔ جہاں وہ دونوں لاشیں دیکھی گئی تھیں۔ سردار تیمور کی پیشانی لاتعداد شکنیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ درے کے نشانات کے بارے میں انسپکٹر شاہ خ کو بتایا جائے یا نہیں لیکن دل میں ایک چور تھا جسے اس نے اپنے آپ سے بھی ہپا رکھا تھا۔ کسی اور کو تو بتانے کی کیا گنجائش تھی۔ ابھی اس چور کے بارے میں وڑی سی تصدیق ہو جائے اس کے بعد بہت سے فیصلے کرنا ہوں گے۔ چنانچہ اس نے باقی معاملات میں خاموشی ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ طلوبہ جگہ پہنچ گئے۔ سب سے پہلے آواز بدر شاہ کے منہ سے ہی نکلی تھی۔

"پناہ بخدایا۔" اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا تھا۔ سردار تیمور کی آنکھوں میں ی وحشت نظر آنے لگی تھی۔ سردار تیمور کے اشارے پر دونوں جیپیں اس جگہ رک گئیں جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں لیکن وہاں لاشوں کے پنجر کا نام و نشان بھی یں تھا........ اور تو اور اب وہاں گدھ بھی نہیں اڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہائیں جہاں انسانی خون بکھرا ہوا تھا اور جہاں مردہ خور جانوروں نے انسانی جسم کی تڑیاں وغیرہ نکال کر بکھیری ہوئی تھیں۔ اس طرح صاف و شفاف نظر آرہی تھی

جیسے یہاں ان چٹانوں پر کبھی کچھ نہ ہوا ہو۔ انسپکٹر شاہ رخ تعجب بھری نگاہوں سے سردار تیمور اور بدر شاہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ساتھی خاموش تھے۔ سردار تیمور نے کہا۔

"نوجوان انسپکٹر! زیادہ کچھ نہیں کہوں گا' یقین کرو دونوں اجنبی لاشیں اسی جگہ موجود تھیں اور اور.......... اوہو مگر ٹھہرو' یہاں تو انہوں نے اپنی فنکاری کا مظاہرہ کر ڈالا۔ آؤ ذرا اس غار کی طرف چلو۔ وہاں ان کا سامان موجود تھا۔" سردار تیمور تیز قدموں سے ان غاروں کی طرف دوڑا جہاں اس نے وہ سامان دیکھا تھا اور وہاں پہنچ کر بھی اس کے لرزتے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں کیونکہ جن لوگوں نے لاشوں کو اس طرح وہاں سے غائب کر دیا تھا' وہ پھر غاروں میں اپنی موجودگی کا نشان کیا چھوڑتے۔ سردار تیمور نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ شاہ رخ بالکل خاموشی سے سردار تیمور کا تعاقب کر رہا تھا۔ سردار تیمور نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر شاہ رخ کو دیکھا تو شاہ رخ نے کہا۔ "مقامی لوگ تھے؟"

"ہاں' لیکن یقین کرو انسپکٹر یہاں اس جگہ مردہ خور جانور.......... تم کیا سوچ رہے ہوگے میرے بارے میں۔"

"آیئے۔" انسپکٹر شاہ رخ نے کہا اور اس کے بعد ایک بار پھر وہ اسی جگہ آگئے جہاں لاشیں دیکھی گئی تھیں۔ شاہ رخ نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور چٹانوں کے پاس جھک کر اس جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے سردار تیمور کو اشارہ کیا اور تیمور اس کے پاس پہنچ گیا تو شاہ رخ بولا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ مجرم جرم کرتے ہیں لیکن اس جرم کی پردہ کشائی کے لئے قدرت بھی کچھ انتظامات کرتی ہے۔ اس جگہ کو بڑی نفاست سے صاف کرکے پہاڑی مٹی اس پر ڈالی گئی ہے اور یہ تاثر دیا گیا ہے کہ یہاں کچھ نہیں ہوا

بلن پہاڑی پتھروں کے اندر کسی بھی سیال شے کو جذب کرنے کی تھوڑی سی ملاحیت ہوتی ہے۔ وہ لوگ ان نشانات کو نہیں مٹا سکے جو یہاں لاشوں کی موجودگی کا بہ دیتے ہیں۔ آپ دیکھئے سردار۔" سردار تیمور نے جھک کر محدب شیشے سے وہ ثانات دیکھے اور پھر شیشہ انسپکٹر شاہ رخ کو واپس کرتا ہوا بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری لاج رکھ لی اور تمہیں یہ سوچنے کا موقع ہیں دیا' انسپکٹر کہ میں نے تم سے کسی مصلحت کے تحت جھوٹ بولا ہے۔" شاہ رخ لے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"سردار صاحب! یہاں اگر کوئی بھی نشان نہیں ملتا تب بھی آپ کی شخصیت ای نہیں تھی کہ آپ کی بات کو غلط سمجھا جاتا۔"

"شکریہ! آؤ میرے ساتھ' اب تو مجھے تھوڑا سا وقت دو گے۔"

سردار تیمور کی خوبصورت رہائش گاہ کے ایک گوشے میں انسپکٹر شاہ رخ اور نے والے پولیس کے افراد کی بہترین تواضع کی گئی۔ شاہ رخ بہت سے سوالات کرتا تھا' لیکن سردار تیمور نے بڑے محتاط جواب دیئے تھے اور یہی کہا تھا کہ پتہ نہیں ن لوگ تھے۔ وہ انہیں نہیں پہچانتا۔ نہ ہی یہاں اس علاقے میں کبھی اس طرح کی رمیاں دیکھی گئی ہیں۔ پھر اس نے انسپکٹر سے درخواست کی کہ وہ اس واقعے کو لم نہ جائے جس پر انسپکٹر شاہ رخ نے کہا کہ وہ سردار سے مسلسل رابطہ رکھے گا۔ سانے اپنا ٹیلی فون نمبر بھی دیا۔ پھر سردار تیمور نے بہت ہی پر اخلاق انداز میں اسے حافظ کہا تھا اور شاہ رخ پیشانی پر گہری شکنیں لے کر وہاں سے واپس چل پڑا تھا۔

شرجیل نے پجارو حویلی کے سامنے روک دی۔ خوبصورت حویلی کی بہار ہی کچھ اور نظر آ رہی تھی۔ خضر گڑھ کا موسم ویسے بھی حسین رہا کرتا تھا لیکن کبھی کبھ تو موسم قیامت ڈھا دیتا تھا اور شاید موسم کی پکار ہی نادر شاہ کو خضر گڑھ لے آ تھی۔ پہلی ملاقات شاعر سے ہی ہوئی تھی۔ وہ بڑے پرتپاک انداز میں آگے بڑھا تھ اور اپنی مخصوص عادت کے تحت بولا تھا۔

"ضروری تو نہیں کہہ دیں لبوں سے داستاں اپنی
زباں ایک اور بھی ہوتی ہے اظہار تمنا کی"

"نادر شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ "اس حویلی سے آشنائی کا ذریعہ یا ان لوگوں سے شناسائی کا پہلا نشان تم تھے شاعر۔ اس لئے تم مجھ کبھی برے نہیں لگتے' یہ بتاؤ جگہ بدلی یا نہیں۔" افضال نے حیران نگاہوں سے نادر شاہ کو دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "جگہ بدلنے سے آپ کی کیا مراد ہے شاہ جی؟"

"تم سے پہلی ملاقات جس جگہ ہوئی تھی' آج بھی وہی جگہ تمہارے لئے مخصوص ہے یا کچھ بہتری ہوئی ہے حالات میں۔" جواب میں افضال کے چہرے پر کچھ

عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"طعنہ دیتے ہو مجھے جینے کا
زندگی میری خطا ہو جیسے"

اسی وقت یاقوت اندرونی دروازے سے باہر نکلی۔ پہلے پجارو کو دیکھا پھر اطراف میں نگاہیں دوڑائیں تو نادر شاہ نظر آیا۔ بے اختیار ہو کر نادر شاہ کی طرف دوڑی۔ نادر شاہ بھی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ قریب پہنچ کر رک گئی' انداز ایسا تھا جیسے اپنے جذبات کو سنبھالا ہو۔ مسکرا کر نادر شاہ کو دیکھتی رہی۔ نادر شاہ بھی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یاقوت نے کہا۔

"آیئے شاہ جی' آپ کو آپ کے گھر میں آنے کی دعوت کیا دوں لیکن فرض ہے کہ کہوں تو سہی۔ آیئے۔" نادر شاہ ہنستا ہوا اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ یاقوت نے کہا۔

"شاہ جی سونے کا پنجرہ خرید کر اپنی پسند کی چڑیا کو اس میں قید کر دینا تو عام سی بات ہے۔ آپ کوئی خاص بات نہیں کریں گے۔" نادر شاہ اس کے ساتھ آگے بڑھا ڈرائنگ روم میں پہنچ کر قیمتی صوفے پر بیٹھا اور بولا۔ "کوئی خاص بات چاہتی ہو۔"

"اتنے عرصے کے بعد خبر لی' ہم تو سوچتے تھے کہ شاہوں کی غلامی میں آئے ہیں۔ شاہانہ ہی سلوک کیا جائے گا ہمارے ساتھ۔"

"کہتی تھیں کہ سونے کا قفس چاہیے' تمہاری خواہش ہی تو پوری کی ہے ہم نے۔ ہم سے ہمیں مانگتیں تو نادر شاہ تمہیں بخش دیتے۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ اطلس و کمخواب میں زندہ رہ سکتی ہوں۔ ہم نے تمہاری زندگی کا بندوبست کر دیا اور کیا چاہتی ہو۔"

"شاہ جی! آپ کو معلوم نہیں ہے' انسان اگر اپنے بس میں ہو تو کتنی خوش

نصیبی کی بات ہوتی ہے' اوروں کے بس میں ہو تو کیا چاہتا ہے کیا مانگتا ہے۔ کبھی کبھی اسے اپنی مانگ اور چاہت پر حیرت ہوتی ہے اور جب وہ اس حیرت کا تجزیہ کرتا ہے شاہ جی تو پتہ چلتا ہے کہ وہ مانگ اور چاہت اس کی نہیں۔"

"دیکھو۔" نادر شاہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اچھا انسان وہ ہوتا ہے جو اگر برا ہے تو برائی پر قائم رہے۔ اچھا ہے تو اپنی اچھائیوں کو کبھی نہ چھوڑے' وقت کے ساتھ بدلنے والے اچھے نہیں ہوتے۔ تم نے سونے کا قفس چاہا ہم نے وہیں سے آغاز کر دیا' اب دوسری خواہش اگر اسی سے متعلق ہے تو بولو کیا چاہتی ہو؟

زمینیں خریدیں تمہارے لئے' باغات لگوا دیں' اس حویلی کی توسیع کر دیں' بارہ دری بنوائیں' ایک آوارہ گرد آیا تھا تمہارے پاس۔ اس کی پذیرائی محبت سے کرتیں تو جواب میں وہ بھی تمہارے لئے محبت کو سینے میں پالتا۔ اگر ایک ترازو ایک میزان مقرر کیا تم نے' اس کی پسندیدگی کا تو اس کی سوچ میں تبدیلی تو ہونی ہی چاہیے تھی' یہ احساس تو اسے ہونا ہی چاہیے تھا کہ بات اس کی اپنی ذات کی نہیں ہے' ان چیزوں کی ہے جو اس کی پسند نے اس سے طلب کی ہے۔"

"شاہ جی دینے پر ہی آئے ہو تو اتنا دے دو کہ جھولی بھر جائے' اور کچھ مانگنے کی حاجت نہ رہے۔"

"کیا چاہتی ہو' بولو' ہم نے تو سوال کیا ہے' کتنی وسعت ہے تمہاری جھولی میں۔"

"ماں دے دو شاہ جی' نام دے دو اپنا' سرپرستی دے دو' اپنی' نکاح کر لو ہم سے' کچھ بدل جائے' عزت دار کہلائیں' اپنی اولادوں کو بتائیں کہ دیکھو کسی نے ہمیں بدل دیا' کسی نے ہمیں کچھ سے کچھ بنا دیا' شاہ جی ہمیں اپنی لونڈی بنا لو' غلام بنا لو ہمیں اپنی۔" نادر شاہ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں کہنے لگا۔

"اس قابل ہو' کیا خود اپنی زبان سے نہیں بتا چکیں کہ تمہاری ماں نے ساری زندگی کسی کی رعایتوں کے ساتھ گزار دی ہے میں وہ نام لینا نہیں چاہتا جو انسان کی ذہن ہو' لیکن کیا ایسا نہیں ہے۔

کچھ غلط تو نہیں کہا ہے میں نے' اس قابل ہو کہ کسی کی آبرو بنو' اپنا تعین خود نہیں کر سکتیں۔ وہ مانگتی ہو جو شریف زادیوں کا مقدر ہوتا ہے وہ مانگتی ہو جو شرافت کے لئے مخصوص ہے۔

بچوں کو میرا نام دو گی۔ اس کے بعد وہ بچے جب تم سے تمہارا ماضی پوچھیں گے تو تم کیا جواب دو گی۔ بتانا چاہو گی۔"

"بے وقوف ہے شاہ جی' بے وقوف ہے' بے وقوفی کی حرکتیں کرتی ہے۔"

عقب سے زمرد جانم کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ اپنی رہائش گاہ سے یہاں پہنچی تھی۔ نادر شاہ نے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جانم ایسا لگتا ہے جیسے تم نے اپنی بیٹی کی تربیت صحیح انداز میں نہیں کی ہے۔ یہ بھٹکتی کیوں ہے۔ اطلس و کمخواب' سونے کا محل مانگنا تو اس کی تربیت ہے' لیکن اس کے بعد یہ عزت کی زندگی بھی مانگتی ہے۔ جانم اسے بتاؤ کہ عزت اتنی آسانی سے نہیں حاصل ہو جاتی۔ اس کے لئے کانٹوں کے بستر پر سونا پڑتا ہے۔

اطلس و کمخواب پر سونے والوں کی عزت اطلس و کمخواب ہی ہوتے ہیں جو گھس جائیں تو ٹاٹ سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں' خانم تمہاری تربیت میں کمی ہے۔"

زمرد جانم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں شاہ جی نادان ہے' آپ سنائیے آپ کیسے ہیں۔ صحت تو اچھی نظر آ رہی ہے' اری بے وقوف شاہ جی آئے ہیں بلکہ پہلی بار آئے ہیں' اپنی بخشی ہوئی اس جاگیر کے اندر' ایسے ذہنوں پر بوجھ ڈالتے ہیں' سچ ہی تو کہتے ہیں'

ہم تو شو کیس میں سجی ہوئی گڑیائیں ہیں۔ شو کیس سے نکالو' کھیلو اور واپس ان کی جگہ رکھ دو' بس اس سے آگے کی بات کیوں کرتی ہے چل اٹھ!

بیٹھئے شاہ جی آپ آرام سے بیٹھئے۔ ابھی بچی ہے نا تجربے کار' آپ اطمینان رکھئے آپ کے دیئے ہوئے تحفوں کا پورا پورا جواب آپ کو دے گی۔ اگر اس کی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو آپ مجھے حکم دیں' میں اسے پورا کردوں گی۔" نادر شاہ پھر مسکرا دیا تھا اس نے کہا۔

"ہاں زمرد جانم! اس سے کہو کہ جو کچھ اس نے مانگا اسے مل گیا اس کے بعد ہر وقت مانگنے کی آرزو نہ کیا کرے ورنہ دینے والے کا ہاتھ رک جائے گا۔"

"جانتی ہوں شاہ جی۔ مگر نا تجربے کاری اسی کو کہتے ہیں اور تجربہ عمر سے ملتا ہے۔ آپ نے اسے نئی زندگی دی ہے تھوڑا سا وقت بھی دیجئے۔ تجربے کار ہو جائے گی تو ایسی باتیں نہیں کرے گی۔

یہ بے وقوف نہیں جانتی کہ ہم جیسی عورتیں رشتوں سے دور ہو جاتی ہیں۔ نہ ہم بیٹی ہوتی ہیں' نہ ماں اور بہن' اسی طرح ہم بیویاں بھی نہیں ہوتیں۔"

"بکواس کرتی ہے یہ......... بالکل بکواس کرتی ہے۔ زمرد جانم بہت چاہا ہے تجھے۔ بہت محبت کی ہے تجھ سے۔ سب کچھ برداشت کرلیا ہے تیرے لئے لیکن........." یہ افضال کی آواز تھی جو پیچھے سے آئی تھی نادر شاہ نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا دیا۔

"یہ تو اچھا خاصا ڈرامہ ہو رہا ہے۔ ایک کے بعد ایک کردار سامنے آرہا ہے تم کیا کہنا چاہتے ہو شاعر.........!" وہ بولا۔

"کچھ لمحے خیرات بھی کر دیئے جاتے ہیں شاہ جی۔ جانم عورت سے عورت نہیں چھین سکتی۔ وہ اپنی زبان بول رہی ہے یا قوت کی نہیں۔ میں آپ کو جانم اور

عورت کا فرق سمجھانا چاہتا ہوں......... اور کچھ لمحوں کی خیرات چاہتا ہوں۔ آپ آیئے میرے ساتھ........."

"تم ہوش میں ہو افضال۔" زمرد جانم خونخوار لہجے میں بولی اور افضال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

کون اچھا ہے اس زمانے میں
کیوں کسی کو برا کہے کوئی

"زمرد جانم کبھی کبھی تو ہمیں بھی غور کرنے دیا کرو کہ ہم انسان ہیں' ویسے تمہاری دعا سے ہوش میں تو ہمیشہ سے ہی رہے ہیں۔ بے ہوشی بس ایک ہی بار طاری ہوئی تھی جس نے زندگی سے سب کچھ چھین لیا' وقت کی بھیک دو گے شاہ جی' بس چند لمحے۔"

"آؤ' میں نے تمہیں ہمیشہ پسند کیا ہے۔" نادر شاہ پر سکون لہجے میں بولا۔ یہ ڈرامہ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ افضال اسے ماں بیٹیوں سے تھوڑے فاصلے پر لے آیا اور بولا۔

"بیٹھنے کے لئے نہ کہوں گا کیونکہ غالب نہیں ہوں' صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ خانم نے جس لڑکی سے عورت کا مقام چھیننے کی کوشش کی وہ بھی عورت ہے' مکمل عورت۔ اگر نہ ہوتی تو جانم نہ ہوتی جسے صرف ایک گھر درکار ہوتا ہے۔ دولت درکار ہوتی ہے۔ وہ محبت کی چھت کی خواہش مند ہے' میں کبھی یہ نہ کہوں گا شاہ جی کہ اسے اپنا نام بھی دے دو۔ مگر جانم کی باتوں میں نہ آنا۔"

"تم جانتے ہو شاعر' جب میں اس کے پاس آیا تھا تو میں نے اسے پسند کیا تھا' دل کا سودا بھی اس سے کرنا چاہا تھا لیکن اس نے یہ پسند نہ کیا اور دل کے بدلے اطلس و کمخواب' چمکتے ستاروں کا محل مانگا۔ احساس زخمی ہوگیا۔ انا جاگ اٹھی۔

پسند کی یہی قیمت ہوتی ہے تو میں نے وہ قیمت ادا کر دی۔ اب بتاؤ قیمت ادا کرنے کے بعد گھاٹے کا سودا تو نہیں کیا جاسکتا اور پھر شاعر کون ہے وہ، تمہیں پتہ ہے کہ دل مجبور کرتا ہے تو ہر سودا سوچے سمجھے بغیر کرلیا جاتا ہے، دل کے راستے بند کر دیئے جائیں تو سودے سوچ سمجھ کر ہوتے ہیں۔ ایک ایسے گمنام شخص کی اولاد ہے وہ جسے خود زمرد جانم بھی ظاہر نہیں کر سکتی اور کہتے ہیں کہ ہم میں شامل ہو جاؤ۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے۔ یہی تو دکھ کی بات ہے شاہ جی، کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ اصل تو وہی ہے جو اصل ہوتی ہے۔ میں کہوں تم سے مانتا یا نہ مانتا، وہ میری اولاد ہے، میری بیٹی ہے وہ۔ شاہ جی! میری اولاد ہے وہ۔"

"ضبط غم کی ہو چکی ہے انتہا
خون دل آنکھوں سے اب بہنے بھی دو"

شاعر کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، شاعر نے اسے حیران نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"لیکن وہ تو میرا مطلب ہے زمرد جانم۔"

"شاہ جی......... کوئی انوکھا جذبہ نہیں ہے اس کے سینے میں، اس نے یاقوت کو اس پراسرار شخص کی بیٹی کہہ کر محفوظ کیا ہے، تاکہ اس کی اصل قیمت وصول کر سکے۔ ورنہ اولاد تو وہ میری ہے۔ شاہ جی بس ایک بار بھولتا ہے۔ انسان......... اور زندگی بھر قیمت چکاتا ہے۔ باقی آپ خود سوچ لو۔" نادر شاہ کے چہرے پر تلخی ابھر آئی اس نے کہا۔

"اور تم کون ہو نان بائی، باپ دادا روٹیاں پکاتے زندگی گزار چکے اور تم پہاڑوں کی عزت بننا چاہتے ہو، سنو، سودا کیا ہے، ادائیگی کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر لکیر سے ادھر ادھر قدم بڑھائے تو ایک قدم بھی چلنے کے قابل نہ رہو گی،

سمجھاتے رہنا اسے۔

طبیعت پر تکدر پیدا کر دیا ہے رک نہ سکوں گا۔ پھر آؤں گا۔" نادر شاہ نے پلٹ کر یہ بھی نہ دیکھا تھا کہ دونوں ماں بیٹیاں کیسی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہیں۔ بچارو میں آ کر بیٹھا تھا اور شرجیل سے کہا تھا۔ "چلو۔"

عشرت مضمحل تھی۔ عجیب و غریب احساسات کا شکار۔ نجانے کیوں اس کا دل یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ فیروز نہیں تھا۔ حالانکہ اپنے آپ کو احمق کہنے کو دل چاہتا تھا۔ فیروز اگر اسی حیثیت کا مالک ہوتا تو ایک پیٹرول پمپ پر سروس بوائے کی حیثیت سے کیوں کام کرتا۔ کیسا کیسا دل کٹتا تھا عشرت کا۔ اگر کسی دفتر میں کلرک ہی ہوتا، اس پیٹرول پمپ پر کلرک کی حیثیت سے ہی کام کرتا تو تردد کی کوئی بات نہیں تھی۔ عشرت کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی لیتی اور اب بھی اس کے دل میں یہی خیال تھا، دنیا سے ایسے رابطے ہی نہیں ہیں کہ کوئی اس پر نکتہ چینی کر سکے، یہ کہہ سکے کہ عشرت نے زندگی کا کونسا رخ اپنایا ہے، ایک غیر تعلیم یافتہ نوجوان سے بھلا زندگی کے اتنے گہرے رشتے قائم کئے جا سکتے ہیں، وہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی، لیکن بس آرزوؤں کی گھٹن کبھی کبھی انسان کو نڈھال کر دیتی ہے۔ فیروز کے ایک ہم شکل کو اتنے خوبصورت انداز میں دیکھ کر اس کے دل میں یہ خواب جاگے تھے کہ کاش فیروز کا اصل بھی وہی ہوتا۔ کیا شاندار شخصیت لگ رہی تھی، عمدہ سوٹ میں ملبوس، اور پھر جو گفتگو اس نے کی تھی اس میں عشرت کی توہین کا عنصر تھا۔ خیر ایک ایسے شخص سے بھلا واسطہ ہی کیا جو فیروز نہ ہو۔ بس فیروز کا ہم شکل ہی ہو،

لیکن پھر بھی ایک اداسی اس کے دل میں جاگ رہی تھی۔ منگل کو فیروز کی چھٹی ہوتی تھی۔ پیٹرول پمپ اتنے فاصلے پر تھا کہ وہ ٹیکسی وغیرہ سے بھی وہاں نہیں جا سکتی تھی۔ بہت لمبا فاصلہ تھا، منگل کے دن فیروز ان کے گھر آتا تھا۔ ماں کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا۔ اپنی دلچسپ باتوں سے ماں کو خوش کرتا تھا۔ کھانا وغیرہ کھاتا تھا۔ رات تک رہتا تھا اور اس کے بعد چلا جاتا تھا، ماں بہت ہی نیک فطرت تھی۔ ایک بار عشرت نے ان سے کہا تھا۔

"امی...... آپ نے کبھی مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں نہیں پوچھا۔" تو ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور اس نے کہا تھا۔

"عشرت! جس خاندان سے میرا تعلق ہے اس میں بڑی پردہ داری تھی۔ روایتیں تھیں۔ کچھ انداز تھے، وقت نے جب یہ سب کچھ چھین لیا اور مجھے تم پر انحصار کرنا پڑا تو میں نے اپنے بہت سے اختیارات خود ختم کر لئے، ہاں دعائیں ضرور کیں، تم پر اعتماد ہے۔ اللہ سے تمہارے لئے پناہ مانگی اور یہی کہا کہ میری بیٹی معصوم ہے اسے دنیا کے برے ارادوں سے بچائے رکھنا۔ یقین ہے اپنے معبود پر کہ میری یہ دعا ضرور پوری کرے گا۔" چنانچہ ماں کے اور اس کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم تھا اور جب اس نے فیروز کا تعارف ماں سے کرایا تھا تو ماں نے بڑے پیار سے فیروز کو خوش آمدید کہا تھا۔ انتظار کر رہی تھی وہ بڑی بے چینی سے فیروز کا اور منگل کی صبح معمول کے مطابق فیروز پہنچ گیا۔ نجانے کیوں عشرت کے دل میں ایک شکایت تھی۔ ایک غصہ تھا جس کے بارے میں فیروز نے تعجب سے پوچھا۔

"ارے بابا کیا ہو گیا، معدے میں کچھ خراب ہو گئی ہے کیا۔ یہ بو تھی کیوں سوجی ہوئی ہے؟"

"فضول باتیں مت کرو کیسے ہو؟"

"کمال ہے' کمال ہے' یہ کسی کا استقبال کرنے کا انداز ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں کبھی تو دھوکہ کھاؤ گے۔ اس وقت وہ جواب دوں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

"دیکھو بابا۔ تم پڑھی لکھی ہو' ہم جاہل ہیں' ہم وہ نہیں سوچ سکتے جو تم اخبار والے سوچ لیتے ہو' پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ جاہل آدمی سے ہلکی زبان میں بات کیا کرو' ابھی ہوا کیا ہے تمہیں یہ بتاؤ' اپن کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔" عشرت کو اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ اس سے غلطی ہو رہی ہے' کوئی بھی تو ثبوت نہیں ہے جس کے تحت یہ کہا جاسکے کہ سیکیورٹی کے لئے آنے والا فیروز کا ہم شکل آفیسر ہی تھا۔ بلاوجہ اس معصوم سے ذہن والے نوجوان کے ذہن کو خراب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی اپنا موڈ بدل لیا اور بولی۔

"اب آؤ' امی کو تشویش ہو رہی ہوگی کہ ابھی تک اندر کیوں نہیں پہنچے۔"

"سمجھ گئی ہوں گی اماں' سمجھ گئی ہوں گی کہ تم نے راستے میں پکڑ لیا ہے اور لڑ رہی ہو۔ بابا کیا کہیں چلو ٹھیک ہے۔" فیروز آگے بڑھ گیا اور عشرت عقب سے اسے عجیب سے نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ کیا واقعی دونوں اس قدر ہم شکل ہیں' مگر وہ سیکیورٹی آفیسر۔ دیکھ لوں گی دوست تمہیں۔ میں بھی کرائم رپورٹر ہوں' فیصلہ کریں گے ہم دونوں کہ کون زیادہ ذہنی قوتیں رکھتا ہے۔ عشرت نے سوچا اور فیروز کے پیچھے پیچھے ماں کے کمرے کی جانب چل پڑی۔ خود کو سمجھایا تھا لیکن لوگ کہتے ہیں دل بے ایمان ہوتا ہے اور کبھی کبھی انسان بڑی انوکھی نفسیاتی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت فیصلہ نہیں کرپا رہی تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ایک آرزو تھی کہ کاش یہ سچ ہو۔ وہ فیروز کا دوسرا روپ ہی ہو۔ کاش۔ اس نے عقب سے آگے چلتے ہوئے فیروز پر نظر ڈالی۔ ہو بہو وہی......... بالکل اس جیسا۔ چال بھی وہی تھی۔ کاش۔ ما

سی طرح اس کی ایک تصویر حاصل کرلیتی۔ بعد میں دونوں کا تجزیہ کرتی۔

اچانک اس نے اس دن کی تقریب کے بارے میں سوچا۔ اس دن کئی پریس فوٹوگرافر بھی کام کر رہے تھے۔ دھڑا دھڑ تصویریں بنا رہے تھے۔ ممکن ہے کہیں بھولے بھٹکے اس کی کوئی تصویر بھی بن گئی ہو۔ ویری گڈ' کوئی نہ کوئی تصویر ضرور مل جائے گی۔

ماں نے معمول کے مطابق فیروز کی پذیرائی کی۔ فیروز نے اپنے لائے ہوئے تحفے ماں کو دیئے۔ شروع شروع میں ماں نے فیروز کے کچھ لانے پر سخت اعتراض کیا تھا' مگر فیروز نے کچھ ایسے جذباتی جملے کہے تھے کہ اس کے بعد ماں کو دوبارہ اعتراض کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ فیروز کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ چنانچہ عشرت کچن میں چلی گئی لیکن کئی بار اس نے مشکوک نظروں سے فیروز کو دیکھا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد فیروز نے کہا۔ "اخبار کے دفتر جانا ہے یا آؤٹ ڈور........."

"کہیں نہیں۔"

"چھٹی ہے؟"

"نہیں۔"

"کوئی بات ضرور ہے۔ تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں۔"

"اب کیا بولوں؟"

"کیوں......... پوچھ نہیں سکتے کہ موڈ کیوں ٹھیک نہیں ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اب کس کی ہمت ہے کہ یہ پوچھے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ اس دن میں بے وقوف بن گئی تھی۔"

"کس دن کی بات کر رہی ہو؟" فیروز نے پوچھا اور وہ ہنسنے لگی' پھر بولی۔

"سنو........ ہم صحافی لوگ اس بات کی تنخواہ وصول کرتے ہیں' بال کی کھال اتارنا ایک محاورہ ہے لیکن فیروز صاحب کسی دن بال کی کھال میں ہی آپ کو دکھاؤں گی۔"

"آج اپن چلتے ہیں۔ حالات کچھ بہتر نہیں نظر آتے۔" فیروز گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا اور عشرت خاموش ہوگئی۔ اپنے ہر جملے کا تاثر اس نے فیروز کے چہرے پر تلاش کیا تھا لیکن ہر نگاہ اس کے خیال کو غلط ثابت کر رہی تھی۔ وہ فیروز کا ہم شکل ضرور تھا۔ فیروز نہیں تھا۔ فیروز کے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک خود کو بہلاتی رہی۔ بے شک ایک بار بھی اس کا اظہار نہیں ہوا کہ فیروز اس کے کسی اشارے والی بات پر چونکا ہو لیکن وہ سیکیورٹی کا کوئی افسر تھا اور یہ لوگ اتنے کچے تو نہیں ہوتے۔ کاش........ کاش اس نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔

اس کے بعد سوچنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خالی گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ اس کی طرف رخ کرتے ہوئے بھی دل پر وحشت سوار ہوتی تھی۔ بہرحال ٹنڈا بابا نے اسے جو کارڈ دیا تھا اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ موجودہ پتے پر ضرورت کے مطابق پہنچے گا اور پھر جرم کی دنیا میں بھرپور انداز میں داخل ہو کر اپنا ایک مقام بنائے گا اور زیبی کو تلاش کرے گا۔ زیبی نے جو جذباتی قدم اٹھایا ہے وہ بہر طور بہتر نہیں تھا وہ دنیا کو نہیں جانتی' اپنے آپ کو دنیا کا شناسا سمجھتی ہے' زندگی کھو دی اگر تو نے زیبی' تو سمجھ لینا ایسی اذیت دوں گا تجھے کہ تیری روح بھی بے سکون رہے گی۔ میں بھی تو مجبور تھا۔ اپنے جنون کا خیال رکھا تو نے میری مجبوریوں کے بارے میں نہیں سوچا تو نے۔

رات کے گیارہ بجے موجودہ پتے پر پہنچ گیا۔ ایک فلیٹ تھا اسے نجانے کس سے ملاقات کرنا تھی۔ اس فلیٹ کو تلاش کرنا مشکل نہیں ثابت ہوا۔ پتہ نہیں یہ ٹنڈا بابا کیا چیز ہے' نوٹوں کی جو گڈی اسے دے رہا تھا اس کی مالیت کا بخوبی اندازہ تھا بہرحال اگر کوئی بہتر صورت حال سمجھ میں آتی ہے تو دیکھ لیا جائے گا اور فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے کئی بار بیل بجائی لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تو

اس نے دروازے پر تھوڑا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا اندر روشنی تھی' دو قدم آگے بڑھ کر اس نے کہا۔

"یہاں کوئی ہے۔ اگر کوئی ہے تو مجھ سے ملاقات کرے' میرا نام سلطان ہے۔"

دو تین قدم اور آگے بڑھا تو فلیٹ کے کمروں کے سامنے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے برآمدے میں ایک شخص زمین پر لیٹا ہوا نظر آیا تجسس نے سر ابھارا۔ چند قدم آگے بڑھا تو ایک دم سے بدن پر جھرجھری سی طاری ہوگئی۔ زمین پر پڑا ہوا جوان آدمی قتل ہو چکا تھا۔ سینے کے پاس سے ابلنے والا خون زمین پر بہہ رہا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ چہرہ بے نور اور بے جان تھا۔ سلطان شدت حیرت سے اس پر جھکا اور اس وقت اچانک ہی دوڑتے ہوئے بھاری بوٹوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بہت سے قدم دوڑتے ہوئے اسی فلیٹ کے دروازے پر پہنچے اور سلطان دہشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک پولیس آفیسر چار جوانوں کے ساتھ اندر آ چکا تھا۔ اس نے پستول سلطان کی طرف تانتے ہوئے کہا۔

"خبردار......... خبردار اپنی جگہ سے جنبش کی تو........."

سلطان دہشت زدہ رہ گیا تھا۔ اس کی قوت گویائی کچھ لمحوں کے لئے ختم ہوگئی تھی۔ پولیس آفیسر نے اس پر پستول تانا ہوا تھا' قریب ہی لاش پڑی ہوئی تھی اور اس وقت اس کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ پولیس آفیسر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور سلطان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ اس وقت تک ذہن بالکل ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس کی جیبوں کی تلاشی لے کر ہر چیز قبضے میں لے لی گئی۔ پولیس آفیسر نے چاروں طرف دیکھا اور اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

"یہاں ٹیلی فون نہیں ہے' گاڑی میں جا کر موبائل سے فون کرنا ہوگا۔ ایک بندہ ادھر رکو اور اسے لے کر گاڑی میں چلو۔"

پولیس آفیسر خود بھی تین افراد کے ساتھ نیچے تک آیا تھا اور اس کے بعد اس نے موبائل پر اسٹاف کو ہدایت کی تھی اور پتہ بتایا تھا کہ وہ یہاں پہنچ جائیں۔ تھوڑی دیر تک سلطان کو اسی جیپ میں بیٹھے رہنا پڑا۔ پھر جیپ اسے لے کر چل پڑی اور وہ لاک اپ کر دیا گیا۔ لاک اپ میں اس کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہاں آنے

کے بعد اسے پھر ہوش آیا اور جب ہوش آیا تو اس نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی بھی پرسان حال نہیں تھا۔ ٹنڈا بابا نے یہی پتہ بتایا تھا اور اس پتے پر وہ لاش ملی اور وہ پھنس گیا۔ کیا اسے پھنسانے والا ٹنڈا بابا ہے۔ دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ دل کا سارا غبار آنکھوں کے راستے باہر نکال دے لیکن دل نے کہا اس وقت دنیا مخالف ہے۔ ہوائیں غلط سمت چل رہی ہیں۔ بدن کی آگ آنکھوں سے نکل گئی تو ایک ٹھنڈے بدن کے سوا کچھ نہیں رہ جائے گا' اور یہ سردی کچھ نہیں دے گی۔ حوصلے ختم ہو جائیں گے۔ زیبی نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ وہ بے قصور ہے' خدا کرے وہ زندہ ہو۔ زندہ ہوگی تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ ملے گی کہیں نہ کہیں ملے گی' اور اگر وہ زندہ نہ ہوئی تو پھر خود بھی زندگی کو خدا حافظ کہہ دے گا لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ زیبی اس کی اصلاح کا انتظار کر رہی ہو اور وہ زندگی سے دور ہو جائے تو پہلے بھی نہیں جانتی تھی میری بہن کہ دنیا میرے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے۔ اب بھی نہیں جانتی' اگر اس دنیا کو معاف کر دیا تو میرے اور تیرے لئے قبر کی گہرائیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ اس سے جنگ کرنا ہوگی مجھے۔ مجبوری ہے زیبی میری مجبوری سمجھ میں آجائے تو مجھے معاف کر دینا۔

پھر اس کی آنکھیں آگ بن گئیں' ان میں آنسوؤں کی نمی ختم ہوگئی اور ان میں شعلوں نے بسیرا کر لیا۔ انسپکٹر نے اس سے صورت حال کے بارے میں پوچھا تو وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

"کچھ عرصے پہلے کی بات ہے جناب' کہ مجھے ڈرگس فروشی کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ ڈرگس میرے گھر سے برآمد ہوئیں' لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آئیں؟ صاف ظاہر ہے کہ کسی نے مجھے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنے دشمنوں کو نہیں جانتا تھا اور اب بھی نہیں جانتا لیکن مجھے گرفتار کر کے سزا دے دی

گئی۔ میرے گھر میں میری بہن بھی رہتی تھی اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس دوران جب میں جیل میں تھا میری بہن پر کیا گزری۔ کس طرح اس نے میری غیر موجودگی میں وقت کاٹا' جناب عالی! میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہوں۔ میں نے زندگی میں ہمیشہ اچھائیوں کے راستے اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کے حصول میں ناکام رہا میری بہن نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے زندگی میں کبھی کوئی جرم کیا تو میں اس کی شکل بھی نہ دیکھ سکوں گا۔ میں نے جرم بھی نہیں کیا جناب عالی! لیکن میری بہن مجھ سے بچھڑ گئی۔ میں اسے تلاش کرنے کی کوششوں میں ناکام ہوا ہوں ابھی تک۔ جناب عالی وقت اور حالات نے مجھے اس قدر دلبرداشتہ کر دیا ہے کہ میں زندگی گزارنے کے قابل بھی نہیں رہا ہوں۔ بحالت مجبوری میں نے اس فلیٹ میں داخل ہو کر چوری کرنے کی کوشش کی لیکن ابھی میں اندر پہنچا ہی تھا کہ آپ لوگ پہنچ گئے۔ میں نے وہ لاش دیکھی اور حیرانی سے اس کے پاس بیٹھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کیا صورت حال ہے۔ جناب عالی یہ ہے صورت حال' اور اب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ چونکہ پڑھا لکھا آدمی ہوں اس لئے یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ بس ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں' آپ پولیس آفیسر ہیں' ظاہر ہے آپ وہ کریں گے جو آپ کو کرنا ہے۔ زندگی میں اگر کبھی کسی کی بات سنی ہو تو دوسری بار میری ایک درخواست بھی سن لیں۔ جناب عالی مقتول کون ہے کیا ہے؟ میں کچھ نہیں جانتا؟ زندگی میں کبھی اسے ہلاک کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ تھوڑی سی محنت کر لیں ایک انسان کی زندگی بچانے کے لئے۔ بس اتنا معلوم کر لیں کہ اس کا اصل قاتل کون ہے۔ اگر کوئی نہ ملے تو پھر پھانسی کا پھندا میری گردن میں ضرور ڈال دیجئے گا۔ بس یہ ایک درخواست ہے آپ سے۔ دل چاہے تو اسے قبول کر لیں۔" انسپکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' لیکن تین دن تک

اس نے کوئی دوسری کارروائی بھی نہیں کی تھی اور سلطان خاموشی سے لاک اپ میں تھا۔

پھر چوتھے دن صبح کوئی ساڑھے دس بجے دو سنتریوں نے لاک اپ کا دروازہ کھولا اور سلطان کو لے کر انسپکٹر کے پاس گئے' انسپکٹر نے کہا۔

"تمہاری ضمانت ہوگئی ہے۔ باہر جاؤ' نیلے رنگ کی ایک ویگن جس پر ایک ڈیری فارم کا مونوگرام بنا ہوا ہے کھڑی ہوئی ہے۔ پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ جاؤ۔ بس خبردار اس کے علاوہ اور کچھ نہ کرنا۔"

اس نے حیرانی سے یہ الفاظ سنے' لیکن انسپکٹر سے کوئی سوال کرنے کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔ باہر نکلا۔ ویگن میں بیٹھ گیا۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے؟ تجسس اس قدر شدید تھا کہ دماغ پھٹا جارہا تھا۔ ویگن اس کے بیٹھتے ہی اسٹارٹ ہوکر چل پڑی اور اس کا دروازہ خودبخود بند ہوگیا' یقینی طور پر یہ دروازہ آٹومیٹک تھا۔

ویگن میں ذرہ برابر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس سے باہر دیکھا جاسکے' لیکن گھٹن بھی نہیں تھی۔ پھر اس کے بعد وہ جس عمارت میں رکی' وہ نامعلوم قسم کی عمارت تھی دو آدمی آئے انہوں نے سلطان کی آنکھوں پر پٹی باندھی۔ سلطان اس وقت ایک بالکل بے جان مورتی کی مانند تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس کے نتائج دیکھنا چاہتا تھا' پٹی باندھ کر وہ لوگ اسے اندر عمارت میں لے گئے اور پھر جب اس کی پٹی کھلی تو وہ فلمی کہانیوں جیسے ایک ماحول میں تھا۔ بڑا سا ہال جس کا ایک حصہ روشن تھا دوسرا تاریک حصے میں ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا اس کا رخ دوسری جانب تھا۔ بس اس کا ایک مدھم سا ہیولا نظر آتا تھا۔ چنانچہ سلطان اس ماحول سے تھوڑا سا متاثر ہوگیا۔ تبھی اس شخص کی آواز ابھری۔

"میرے ساتھی مجھے بگ باس کہتے ہیں جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے اس کا م شاہد رانا تھا۔ شاہد رانا بھی ہمارے ہی قبیلے کا آدمی تھا میں نہیں جانتا کہ اس سے ہارا کیا جھگڑا تھا لیکن بہرحال تم نے اسے قتل کردیا' اپنے کسی آدمی کے قتل کی سزا ارے لئے موت سے کم نہیں ہوتی یعنی اصولی طور پر تمہیں موت کی سزا ملنی اہیے لیکن کسی کا کہنا ہے کہ تم کام کے آدمی ہو' وہ شخص غور کرلو کون ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اس کا نام بھی بتا سکتا ہوں' اسے ٹنڈا بابا کہا جاتا ہے۔ ٹنڈا بابا نے ہاری سفارش کی ہے اور کہا ہے کہ تمہیں مقتول شاہد رانا کی جگہ دی جاسکتی ہے۔ س طرح شاہد رانا کی کسر تم پوری کرسکتے ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے تمہارے۔ وں سمجھ لو کہ تمہیں شاہد رانا کے نام پر زندگی دی جارہی ہے۔ میرے ہاتھ اتنے سیع ہیں کہ میں تمہاری ضمانت کراکے تمہیں لاک اپ سے نکال لایا۔ ورنہ پہلی ات تو یہ کہ قتل کے کیس میں ضمانت نہیں ہوتی اور وہ بھی چالان پیش کئے بغیر' لیکن ات صرف اتنی ہی نہیں ہے تم یہ سمجھ لو کہ میں اپنے تعلقات کی بنیاد پر تمہارا چالان بھی نہیں پیش ہونے دوں گا۔ دیکھو دوست' زندگی بہت قیمتی چیز ہوتی ہے۔ ایک بار ملتی ہے اور بس اس کے بعد کہانی ختم۔ تم جس عمر کے نوجوان ہو اس میں اتنی جلدی کہانی ختم نہیں ہونی چاہیے' باقی سب کچھ تم پر منحصر ہے۔"

"مگر باس میں نے شاہد رانا کو قتل نہیں کیا تھا۔"

"بھول جاؤ شاہد رانا کو' بھول جاؤ ساری باتیں۔ تم نے مجھے باس کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اگر بگ باس کہہ کر مخاطب کرو گے تو میں سمجھوں گا کہ تمہیں ہمارے گروہ کے ساتھ کام کرنا منظور ہے' کیا کہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے بگ باس۔" سلطان نے جواب دیا۔

شیری کی سالگرہ تھی' حیدر زمان نے فاریسٹ آفس میں کام کرنے والے کچھ افراد کو یہاں مدعو کیا تھا۔ جنگل کا ماحول' ساری آرائش جنگل کی چیزوں ہی سے کی گئی تھی۔ سادہ لوح ملازموں نے اپنے طور پر خوشیاں منانے کی کوشش کی تھی اور عمارت کے باہر درختوں کے پتوں سے دروازے بنائے تھے' یہ ساری چیزیں بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔ شہر کی بات کچھ اور تھی۔ حیدر زمان کے بہت سے دوست اپنی فیملی کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کیا کرتے تھے' لیکن ظاہر ہے یہاں انہیں مدعو کرنا ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت یہی لوگ اس تقریب کے شرکاء تھے۔ نزہت نے ہمیشہ کی مانند بہترین کیک تیار کیا تھا اور باہر ہی یہ کیک سجا دیا گیا تھا۔ تھوڑی سی ذہنی اداسی حیدر زمان اور نزہت کو بھی تھی' لیکن بہرحال وہ اپنی بیٹی کی تقریب کو خوبصورت بنانے میں مصروف تھے۔ ملازم خوب ہلہ گلہ کر رہے تھے کہ اچانک ہی شیری نے کہا "ماما......... میں ابھی آئی۔"

"کہاں بیٹے' سالگرہ کا وقت قریب آ رہا ہے' آپ کو کیک کاٹنا ہے۔"

"بس ماما یہ گئی اور وہ آئی۔" شیری دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی تو حیدر زمان نے

ی سے پوچھا۔ "کیا ہوا بھئی اسے کیا یاد آ گیا؟"

"پتہ نہیں۔" نزہت نے خود حیرانی سے کہا۔ سب لوگ بڑے دروازے کی ف دیکھنے لگے جس سے شیری اندر گئی تھی۔ پھر جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ پیتل کا ایک لوٹا تھا' جسے دیکھ کر حیدر زمان نے قہقہہ لگایا تھا لیکن نزہت اداس ئی تھی۔ حیدر زمان بولا۔

"کمال ہے' بچوں کی یاداشت بھی کیا چیز ہوتی ہے' ارے تم کیوں اداس ئیں۔"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔" نزہت بولی' اتنی دیر میں شیری قریب آ گئی' ر زمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہیں وہ پولیس کا بندر یاد آ گیا نا۔"

"انکل شارو کے بارے میں ایسی بات نہیں کہیں ڈیڈی۔ آپ کو یاد ہے انکل رو نے کہا تھا کہ وہ لوٹے والے جن ہیں' اور ایک لوٹے میں رہتے ہیں۔ اگر کبھی یں بلانا ہو تو اس لوٹے کو گھسا جائے۔ وہ آ جائیں گے۔ پپا! میں لوٹے کو گھسنے ہی ہوں۔ آپ دیکھ لیجئے انکل شارو آ جائیں گے۔"

"نہیں بیٹے۔ انکل شارو انسان ہیں جن نہیں ہیں۔"

"آپ دیکھ لیجئے میں لوٹا گھسنے جا رہی ہوں۔" حیدر زمان نے بیوی کی طرف کھا تو نزہت پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اچھا نہیں ہو گا ویسے۔ آپ یہاں آنے سے پہلے اسے کہیں نہ کہیں تلاش کے یہاں آنے کی اطلاع دے دیتے تو آج کے دن وہ یہیں ہوتا۔ کبھی مس نہیں ے اس نے شیری کی سالگرہ۔"

"بس جس طرح یہ تبادلہ ہوا ہے اور جس طرح ہم یہاں پہنچے ہیں تمہیں اس علم ہے نزہت لیکن بہرحال اسے اطلاع تو دینی پڑے گی۔ ذرا سی صورت حال

میرے قابو میں آجائے تو میں خود شہر کا چکر لگا کر کچھ لوگوں کو اپنی اس تعیناتی کے بارے میں تفصیلات بتاؤں گا۔ بہت سے کام ہیں مجھے۔"

"اسی وقت شیری کی آواز سنائی دی' وہ آنکھیں بند کرکے لوٹے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "جو لن بو......... تو لن بو......... آجا تو........." اس نے تین بار آنکھیں بند کرکے یہ الفاظ کہے اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ تبھی بڑے دروازے سے پولیس کی جیپ نظر آئی' جو دروازے کے عین سامنے رکی تھی اور شیری خوشی سے چیخی۔

"انکل شارو آگئے۔ لوٹے والا جن آگیا' لوٹے والا جن آگیا۔"

جیپ سے اتر کر آنے والا انسپکٹر شاہ رخ ہی تھا۔ اس کے ساتھ دو ایس آئی تھے۔ پیچھے کچھ کانسٹیبل' لیکن شیری کی آواز سن کر انسپکٹر کے بھی بدن کو جیسے جھٹکا ہو۔ وہ اپنی جگہ ٹھٹھک گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیری کو دیکھنے لگا۔ شیری دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف دوڑی تو شاہ رخ میں بھی جیسے زندگی دوڑ گئی۔ اس سب کچھ بھول کر ہاتھ پھیلا کر لپکا اور اس نے آگے بڑھ کر شیری کو گود میں اٹھایا اور سینے میں بھینچ لیا۔ ادھر نزہت اور حیدر زمان کا چہرہ بھی تصویر حیرت بنا ہوا تھا' بھلا کون یقین کرنے والی بات تھی کہاں شاہ رخ' کہاں یہ جنگل اور کہاں اس کی موجودگی۔ کچھ لمحات اسی طرح گزر گئے تو حیدر زمان نے نزہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم ہم نے تو آج تک اس لوٹے پر غور ہی نہیں کیا' اور نہ ہی شاہ رخ کے بارے میں یہ سوچا کہ وہ کوئی لوٹے کا جن ہوگا۔" شاہ رخ صورت حال سمجھا یا نہ سمجھا ہو' لیکن مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس نے اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا۔ یہاں جس مقصد کے لئے آیا تھا وہ پس پشت رہ گیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو نئی صورت حال کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ فارسٹ آفیسر کی طرف سے ایک

شکایت رجسٹر ہوئی تھی مراد گڑھی کے تھانے میں اور سردار تیمور کے معاملے سے تھوڑی سی فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اس شکایت کو سننے کے لئے فاریسٹ آفیسر کے بنگلے پر آیا تھا' لیکن یہاں حیدر زمان نزہت اور شیری کو دیکھا تھا وہ بھی اس طرح کہ شیری کی سالگرہ ہو رہی تھی بہت پرانی دوستی تھی حیدر زمان سے اس کی۔ ایک طرح سے اسکول کی زندگی سے ہی وہ حیدر زمان کا ساتھی تھا۔ ایک بڑی دلچسپ بات تھی' وہ یہ کہ حیدر زمان اسکول کی ایک کلاس میں کئی سال فیل ہوا تھا اور اس طرح وہ اپنی تعلیمی عمر میں چار سال پیچھے رہ گیا تھا اور پھر وہ شاہ رخ کے ساتھ اس کی کلاس میں شروع ہوا تھا۔ شاہ رخ سے اتنی اچھی دوستی تھی اس کی کہ شاہ رخ نے ایک دن افسردگی سے کہا کہ وہ تو معمول کے مطابق اپنی کلاس میں فیل ہو جائے گا اور شاہ رخ آگے کی کلاس میں چلا جائے گا۔ اس طرح ان دونوں کا ساتھ چھوٹ جائے گا تو حیدر زمان نے بڑے اطمینان سے وہ کلاس پاس کرلی تھی اور اس کے بعد ہائی اسکول' پھر کالج آخر میں یونیورسٹی۔ پھر اس کے بعد دونوں کے راستے بدل گئے تھے۔ حیدر زمان دوسرے شعبے میں چلا گیا تھا اور شاہ رخ پولیس ٹریننگ پر۔ ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حیدر زمان کی شادی ہوگئی۔ شاہ رخ اس شادی میں پورا پورا شریک رہا تھا۔ پھر شیری کی پیدائش ہوئی اور اب شیری بڑی ہوگئی تھی لیکن شاہ رخ کا اصول کبھی نہیں ٹوٹا تھا' شیری کی سالگرہ پر وہ لازمی طور پر کہیں بھی ہوتا سالگرہ میں شریک ہو جاتا تھا۔ پچھلے ہی برس کی بات تھی کہ شاہ رخ کی پوسٹنگ کہیں اور ہوگئی تھی اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ حیدر زمان کا بھی سلسلہ کچھ بدل رہا ہے۔ شیری نے کہا تھا کہ انکل شاہ رو آپ اگر کبھی میری سالگرہ میں نہ آئے تو اچھا نہیں ہوگا۔ شاہ رخ کی طبیعت میں شرارت تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اس کا جواب وہ کل دے گا' اور دوسرے دن وہ یہ لوٹا لے کر آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ لوٹے والا

جن ہے۔ اگر شیری محبت سے اسے بلائے گی اور سچے دل سے اسے یاد کرے گی تو وہ لازمی طور پر اس کے پاس پہنچ جائے گا' اور اس کے لئے اس نے کچھ بے تکے الفاظ شیری کو بتائے تھے جو کسی اور کے ذہن میں رہے ہوں یا نہ رہے ہوں لیکن شیری نے جس طرح انہیں یاد کیا تھا وہ ایک معصوم محبت کی اعلیٰ ترین مثال تھی اور شاہ رخ یہاں پہنچ گیا تھا' حیدر زمان وغیرہ حیران رہ گئے تھے' شاہ رخ شیری کو لئے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے گردن خم کرکے کہا۔

"لوٹے والا جن حاضر ہے جہاں پناہ' فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"اوئے تو مجھے بے وقوف نہ بنایا کر لوٹے دے پتر۔" حیدر زمان خوشی سے دیوانہ ہوکر شاہ رخ سے لپٹ گیا۔ سالگرہ کا لطف دوبالا ہوگیا شاہ رخ نے اپنی ساری جیبیں خالی کرکے شیری کے سامنے ڈال دیں اور بولا۔ "اب اگر چاہو تو پولیس کا کوٹ بھی اتار لو شیری' اس جنگل میں ہم درخت تو تمہیں تحفے میں نہیں دے سکتے چنانچہ تحفے کی قیمت حاضر ہے۔"

"ارے......... ارے شاہ رُخ بھائی' اتنے سارے روپے نہ دیں اسے کیا کرے گی۔" نزہت نے کہا۔

"ہمیشہ منع کیا ہے آپ دونوں کو' ٹھیک ہے بھائی آپ دونوں اس کے والدین ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ چچا بھتیجی کے رشتے کو رشتہ ہی نہ سمجھیں۔"

"بڑے چالاک ہیں آپ شاہ رخ بھائی' ضرورت کے تحت رشتے بدلتے رہتے ہیں' کبھی ماموں بن جاتے ہیں کبھی چچا۔ آپ کی چالاکی کو اچھی طرح سمجھتی ہوں میں۔"

"ارے بھائی نا ماموں بن کر کچھ ملتا ہے ہمیں نہ چچا بن کر' اب دیکھئے اطلاع تک نہیں ملی۔ وہ تو بچی اگر لوٹے کا سہارا نہ لیتی تو ہم اپنے وعدے کی تکمیل کیسے کر

ہے تھے جو ہم نے شیری سے کیا تھا۔"

بہر حال شاہ رخ جس طرح بھی یہاں پہنچا تھا' ابھی حیدر زمان کو اس بارے میں ہ معلوم نہیں تھا' لیکن شاہ رخ کے پہنچ جانے سے جو دلچسپی پیدا ہوئی تھی وہ اپنی ل آپ تھی۔ نزہت نے جلدی جلدی اور تیاریاں کیں' حالانکہ شاہ رخ کو واپس ہنا تھا' لیکن اب بھلا اس بات کا کیا سوال تھا کہ یہاں سے جلدی نکلا جائے' شاہ رخ ے حیدر زمان سے کہا۔ "بات اصل میں یہ ہے کہ مراد گڑھی پولیس اسٹیشن میں ل ہوگیا ہوں۔ میرا مطلب ہے یہاں میری تعیناتی کی گئی ہے اور صرف چند روز ے میں نے چارج سنبھالا ہے۔" نزہت خوشی سے اچھل پڑی۔

"تو کیا آپ مراد گڑھی میں منتقل ہوگئے ہیں۔ اس کے بارے میں تو حیدر ن بتاتے ہیں کہ وہ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔"

"ہاں بھابھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ لوگ بھی یہاں آگئے۔ اصل میں ر تمہارا ایک آدمی میرے پاس پہنچا تھا۔ میرا مطلب ہے مراد گڑھی پولیس یشن اور اس نے تھوڑی سی تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ فاریسٹ آفیسر مجھ ے ملنا چاہتے ہیں۔ ذرا سی مصروفیت تھی اس وقت ایک ضروری کام سے نکل گیا تھا' رصت ملتے ہی تمہاری طرف چلا آیا' مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ جناب فاریسٹ آفیسر احب حیدر زمان ہیں۔"

"خدا کی پناہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کو میری بہتری مقصود ہے' کہ تم یہاں ہنات ہو۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بات تو تم جانتے ہو شاہ رخ کہ مجھے ومت نے جہاں بھی تعینات کیا' میں نے وہاں دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض /انجام دیئے' جو ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی میں نے بھی اس سے گریز نہیں کیا اور نہ ا اس میں مداخلت پسند کی۔ یہاں کچھ غیر قانونی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ میں نے

اس سلسلے میں سختی کی ہے اور تین چار دن قبل ایک رات یہاں اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ میں نے گولیاں چلائیں اور کوئی زخمی ہوگیا لیکن زخمی کا پتہ نہیں چل سکا۔ فاریسٹ آفیسر کو جتنے اختیارات حاصل ہیں میں ان سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا‘ لیکن یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس جنگل میں ایک بھی درخت کاٹا جائے اور قیمتی درختوں کو اس طرح لوٹا جائے۔ میں اس سلسلے میں پولیس کی مدد چاہتا ہوں۔ شاہ رخ نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر بولا۔“

”یہ پتہ چل سکا کہ درخت کاٹنے والے کون ہیں؟“

”نہیں۔“

”ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کیا پولیس کی نفری چاہتے ہو۔“

”ابھی نہیں۔ میں نے خود انتظام کیا ہے اور کچھ گھوڑے منگوائے ہیں تاکہ جنگل کے اندرونی حصے میں تیز رفتار گشت کیا جائے اور مجرموں پر نگاہ رکھی جائے۔ پولیس سے بس میں یہ تعاون چاہتا تھا کہ اگر کبھی میرے ہاتھوں کوئی زخمی ہو جائے یا کوئی ہلاک ہو جائے تو خیال رکھا جائے‘ یا اگر کبھی مجھے کوئی مشکل پیش آئے۔“

”فکر ہی مت کرو‘ اس کے علاوہ بھی بے شک میرے پاس نفری زیادہ نہیں ہے‘ لیکن تم چاہو تو میں گشت کراتا رہوں؟“

”یہ پولیس کی ڈیوٹی نہیں ہے۔ قانون میں بھی جانتا ہوں‘ تم اگر ایسا کرو گے تو یہ صرف ایک ذاتی کاوش ہوگی‘ بس اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر کبھی مجھے تمہاری ضرورت پیش آئے تو فوراً میری مدد کرو۔“

”یہ تو کوئی کہنے کی بات ہی نہیں ہے‘ اچھا بھئی بس محترمہ بھابھی جان اجازت ملے گی۔“

”امی کا کیا حال ہے خیریت سے تو ہیں نا؟“

”ہاں۔“

”تو پھر ہم کب ملیں گے ان سے؟“

”بھابھی آپ جیسا حکم دیں میں خود آکر لے جاؤں۔“

”نہیں بھئی اب آپ اتنے سعادت مند بننے کی کوشش نہ کریں۔ امی سے ملاقات کے لئے ہم خود پہنچیں گے۔“

”میں ابھی امی کو یہ خوشخبری نہیں سناؤں گا‘ ورنہ میرا ناک میں دم کر دیں گی‘ ویسے بھی ذرا بیمار رہتی ہیں‘ اچھا اجازت۔“

بڑا دلچسپ اور خوشگوار وقت گزرا تھا شاہ رخ ان سے اجازت لے کر چل پڑا۔ نزہت شیری اور حیدر زمان محبت بھری نگاہوں سے اسے جاتے دیکھ رہے تھے‘ حیدر زمان نے کہا۔

”یہ تو میری خوش بختی ہے کہ اب میں ان علاقوں میں تنہا نہیں ہوں۔“

”اس کے باوجود دیکھو یہ پہاڑی علاقے ہیں‘ یہاں کے رسم و رواج مختلف ہیں۔ جو کچھ بھی کرو تھوڑا سا محتاط رہ کر کرو۔ دشمنیاں مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔“

”آؤ۔“ حیدر زمان نے مسکراتے ہوئے بیوی کا ہاتھ پکڑا اور واپس اندرونی حصے کی جانب چل پڑا۔

بستی بابا شیر علی کا نادر شاہ ایک قاتل کی حیثیت سے جیل پہنچا تھا سزا کاٹی تھی اور باہر نکلا تھا۔ ماضی میں اس نے بستی شیر علی میں کیا کیا تھا۔ یہ کہانی اب تو پولیس کے ریکارڈ میں بھی دیمک زدہ ہو گئی ہو گی۔ چنانچہ نادر شاہ کا ماضی بھی ننھے ننھے کیڑوں کے وجود میں ضم ہو کر مٹی بن گیا تھا۔ اب وہ صرف حال تھا' ہاں اس کے حال میں خود اس کی شخصیت میں ماضی کی کچھ تلخیاں موجود تھیں' جو اس کے اپنے مزاج کی حیثیت سے سامنے آتی رہتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خضر گڑھ میں قیام کے دوران اس نے یاقوت کو دیکھا تھا' اور شاید یاقوت آنکھوں کے راستے دل تک پہنچ گئی تھی' لیکن ایک لفظ انسان کو مار دیتا ہے' اگر شخصیت کچل جائے تو پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ پتہ نہیں نادر شاہ کو زندگی کے کسی دور میں محبت ملی تھی یا نہیں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ عمر نے اسے کسی کی چاہت کا احساس دلایا ہو لیکن وقت اور ماحول نے وہ احساس اس سے چھین لیا ہو۔ پھر اس آرزو کو لے کر اس نے اپنے دل میں یاقوت سے پیار کی کونپل کھلائی ہو اور یاقوت کے ان الفاظ نے اس کونپل کو پیروں تلے مسل دیا ہو شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ بعد میں اسے وقت کی ضرورت کے تحت نایاب

سے شادی کرنا پڑی تھی۔ نایاب اس میں کوئی شک نہیں ایک اچھی لڑکی تھی۔ پہاڑی باپ کی پہاڑی بیٹی اور وہ بھی ایک فوجی' جس نے اسے اپنے طور پر ایک بیٹا بنا کر پالا تھا' لیکن بہرحال نایاب جب شوہر کے گھر پہنچی تھی تو اس نے اپنے باپ کی عزت .... معاشرے میں عورت کے مقام کو بنیادی حیثیت دی تھی۔ بے شک نادر شاہ کی شخصیت ایسی نہیں تھی جس سے کوئی دلی لگاؤ محسوس کیا جائے لیکن نادر شاہ کو آج تک نایاب کی شخصیت میں کوئی جھول نظر نہیں آیا تھا' اور بیوی کی حیثیت سے وہ اسے برا نہیں سمجھتا تھا' مگر یاقوت اب بھی اس کے دل کا ارمان تھی۔ وہ جس طرح کا انسان تھا' اس کے تحت یاقوت اس کے لئے ایک چیلنج بن گئی تھی اور وہ اس چیلنج کو بھولا نہیں تھا۔ بات دل میں یاقوت کے مقام کی تھی' چنانچہ اس نے یاقوت کی خواہش پوری کر دی لیکن اس کے لئے اسے نایاب سے شادی کرنا پڑی تھی اور یاقوت کو وہ بہرحال اب وہ مقام نہیں دے سکتا تھا' جو نایاب کو حاصل تھا بلکہ یاقوت کے مطالبے پر اس کی طبیعت پراگندہ ہو گئی تھی اور اس نے جو کچھ یاقوت اس کے بعد شاعر سے کہہ دیا تھا وہ واقعی اسی بوجھ کا نتیجہ تھا جو اس کے ذہن پر تھا لیکن یہ سب کچھ کہہ کر اسے دلی خوشی ہوئی تھی' اسے یوں لگا تھا جیسے اس وقت جب یاقوت نے اس کی شخصیت کو ٹھکرا کر اس سے ایک طلسمی محل کی فرمائش کی تھی اور اب اس نے یاقوت کو اس کی اصل شکل دکھا دی تھی۔ بہرحال خضر گڑھ سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے ایک مخصوص اڈے پر پہنچا اب اس نے بگ باس کی خواہش کے مطابق کئی اڈے بنائے لئے تھے اور یہاں اس کے آدمی رہا کرتے تھے۔ اڈے پر پہنچ کر اپنے آدمیوں سے قرب وجوار کے حالات پوچھے اور اسے ایک تشویشناک اطلاع ملی جو یہاں پر موجود اس کے ایک ساتھی نے دی تھی۔

"شاہ جی ہمارا ایک آدمی سخت زخمی ہو گیا ہے' اس کے گھٹنے میں گولی لگی ہے

اور گھٹنے کی ہڈی چور چور ہو گئی ہے۔"

"گولی لگی ہے!" نادر شاہ چونک کر بولا۔ شرجیل نے کڑی نگاہوں سے اس شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیسے لگی ہے گولی۔ کس نے ماری ہے؟"

"شاہ جی وہ۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے جی کہ کبھی کبھی ہم لوگ جنگل میں قیمتی درخت کاٹ لیا کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جی جب قیمتی لکڑی کے سوداگر ہم سے بات کرتے ہیں اور ہماری کوئی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہ جی یہ کام ہم برسوں سے کر رہے ہیں آپ کے اس علاقے میں آنے سے بہت پہلے سے۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی بس تھوڑی بہت آمدنی ہو جاتی ہے ہماری' لیکن شاہ جی اس فاریسٹ آفیسر نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے شاہ جی' گشت کرتا رہتا ہے حالانکہ ہم رات میں یہ کام کر رہے تھے' مگر اس نے چھاپہ مار کر ہم پر گولیاں چلائیں' ہمارا آدمی زخمی ہو گیا۔ شاہ جی آپ بتاؤ' ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ تم لوگ اپنے فائدے کے لئے' تھوڑی سی رقم حاصل کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی حرکتیں کر کے میرے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کی طرف کوئی توجہ دے۔ آج تم لوگوں نے یہ حرکت کر کے فاریسٹ آفیسر کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے' تو کل پولیس کو بھی گھیر کر ادھر لے آنا تمہاری تھوڑی سی آمدنی کے لئے میرا کام بند' میں کہتا ہوں کہ میری اجازت کے بغیر آمدنی کے نلئے تم لوگوں نے کام شروع ہی کیوں کیا؟"

"شاہ جی۔ آپ کو تو بتا ہی چکے ہیں کہ بہت عرصے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ قیمتی درخت کاٹ کر شاہ جی اچھا خاصا معاوضہ مل جاتا ہے جسے ہم بونس کے طور پر آپس میں تقسیم کر لیا کرتے ہیں۔"

"تو پھر جاؤ اسی بونس میں سے اپنے آدمی کا علاج کراؤ......... اور سنو قیمتی درخت تمہارے باپ کا اثاثہ نہیں ہیں' ان علاقوں میں اب نہ اس فاریسٹ آفیسر کی چلے گی نہ کسی اور کی۔ تم لوگ میری حیثیت کو ختم کر رہے ہو۔ میری اجازت کے بغیر ایک بھی درخت نہ کاٹا جائے اور قیمتی لکڑے کے سوداگر آئیں تو انہیں مجھ سے ملایا جائے- یہ کاروبار بھی اب میں کروں گا اور دیکھوں گا اس فاریسٹ آفیسر کو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آدمی کا کیا کرنا ہے تمہیں' میں بالکل نہیں جانتا کچھ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتا تم سے۔" نادر شاہ کو سخت غصہ آ گیا تھا۔ شکایت کرنے والا وہاں سے چلا گیا شرجیل بھی پر خیال انداز میں نادر شاہ کی صورت دیکھ رہا تھا' پھر اس نے کہا۔

"بات ٹھیک ہے شاہ جی' واقعی اگر ہم ان لوگوں کو ایسے چھوٹے موٹے کام کرنے کی اجازت دیں گے تو کل یہ کہیں سے اپنا الگ مال بھی منگوا سکتے ہیں......... اور ان سے کوئی بات بعید نہیں ہے' مگر شاہ جی فاریسٹ آفیسر کو ہینڈ کرنا ہو گا۔ کم از کم اسے ان علاقوں میں اتنی مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔"

"دیکھیں گے۔ دیکھیں گے' ابھی کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ مضبوط سمجھ لینا یہ سمجھ لو موت کو دعوت دینا ہوتا ہے گزرنے والا وقت ہماری اصل حیثیت کا فیصلہ کرے گا اور اس وقت فاریسٹ آفیسر کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔" نادر شاہ نے اتنے ہی الفاظ کہے تھے کہ موبائل پر اشارہ موصول ہوا اور نادر شاہ نے موبائل آن کر دیا۔ دوسری طرف سے بگ باس کی آواز سنائی دی تھی۔

"نادر شاہ۔"

"بول رہا ہوں باس' خیریت' بتاؤ کیا بات ہے۔"

"میں تمہاری خیریت کی طرف سے پریشان ہو گیا ہوں' نادر شاہ کیا تمہاری پرواز

بس اتنی ہی تھی؟"

"پرواز؟"

"ہاں۔"

"باس پہلے بھی کہہ چکا ہوں صاف بولنا اور اچھا بولنا مجھے پسند ہے' نہ الجھی ہوئی باتیں کرتا ہوں نہ لگی لپٹی۔ جو کہنا چاہتے ہو براہ کرم صاف صاف کہو۔"

"دیکھو نادر شاہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک اچھی شخصیت کے مالک ہو۔ دلیر بھی ہو اور اپنے طور پر فیصلے بھی کر سکتے ہو پھر سب سے بڑی بات یہ کہ تم نے ان علاقوں میں بہت مختصر وقت میں اپنا اثر قائم کر لیا ہے' لیکن یہ کوئی بات نہیں نادر شاہ' تمہیں پتہ ہے میرے دو آدمی ہلاک ہو گئے انہیں کس نے ہلاک کیا میں نہیں جانتا۔ اتنا جانتا ہوں کہ سردار تیمور نے انہیں نہیں ہلاک کیا۔ پھر وہ کون لوگ ہیں جو ان کی ہلاکت کا باعث بنے' ہمارا ایک قیمتی راستہ بند کر دیا گیا تم نہیں جانتے نادر شاہ اس راستے کے بند ہونے سے آنے والے وقت میں ہمیں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ معمولی بات نہیں ہے بالکل معمولی بات نہیں ہے۔ دور دراز علاقے مخدوش بھی ہیں اور مشکل بھی۔ کیا کاروبار بند کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

"نہیں باس ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے' مجھے بتاؤ۔ کیا ہو گا آنے والے وقت میں کیا ہو گا' کیا تم کوئی بہت اچھا متبادل راستہ تلاش کر چکے ہو۔"

"نہیں۔"

"ارے بھائی تو پھر کرو گے کیا؟"

"باس کوئی تدبیر سوچ رہا ہوں۔ خود تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟"

"مجبوری ہے کیا کیا جائے' جب تم نہیں سوچ پا رہے تو مجھے سوچنا پڑتا ہے اور باقی بات رہی نادر شاہ تمہاری فطرت اور تمہاری شخصیت کی تو شخصیتوں کا احترام اس وقت کیا جاتا ہے' جب انسان اس شخصیت کو مستحکم کر دیتا ہے۔ ابھی تم اس قدر مستحکم نہیں ہوئے ہو' یا تو اپنے طور پر ایسے فیصلے کرو اور ایسے اقدامات کرو جن میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنے آپ کو زیادہ بلندیوں پر تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"باس درے کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور مال کی ترسیل رکی ہوئی ہے۔ ہم بے شک ایک دوسرے راستے سے وہ رکا ہوا مال لے آئے ہیں جو ہمارے لئے بہت قیمتی تھا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے آدمیوں کو وہ مال گوداموں تک لانے میں زبردست خطروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ہم کوشش بھی کر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی اور بہترین متبادل راستہ مل جائے لیکن اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ؟"

"ہاں۔ میرے ذہن میں ایک بات ہے۔"

"تو بتاؤ باس۔"

"وہ زمین جو درے سے گزرتی ہے سردار تیمور کی ملکیت ہے اور سردار تیمور کی بیٹی تمہاری ملکیت۔ اپنی ملکیت سے کام لے کر اس زمین کو حاصل کر لو۔ طریقہ کار جو تم مناسب سمجھو اختیار کر لو۔ سردار تیمور کو وہ زمین تمہیں دینی ہی ہو گی پھر ہم اس زمین پر کاشت کریں گے' بہت اعلیٰ درجے کی کاشت بڑی محنت کر کے اسے قابل استعمال بنا لیں گے لیکن ہمارا اصل کام وہی ہو گا جو ہوتا رہا ہے' بس وہ زمین اس انداز میں ہمارے آدمیوں کی تحویل میں آ جائے گی تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔" نادر شاہ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"اور اس کے لئے تم نے اتنا کھردرا لہجہ اور سخت طریقہ کار اختیار کیا ہے باس۔"

"نادر شاہ بہت عزت کرتا ہوں تمہاری لیکن جس وجہ سے کرتا ہوں وہ وجہ اگر کمزور پڑ گئی تو فائدہ ہی کیا۔"

"میں کوشش کروں گا۔" نادر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور دوسری طرف سے موبائل بند ہوگیا۔ نادر شاہ یاقوت ہی کی وجہ سے غصے میں تھا کہ باس نے یہ الفاظ کہہ کر اسے اور برگشتہ کر دیا' پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے شرجیل سے کہا۔

"چلو۔ گھر واپس چلو۔" شرجیل نے گردن خم کی اور نادر شاہ اپنی جیپ میں بیٹھ کر اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا۔

زیبی دھک سے رہ گئی۔ سامنے والی کھڑکی کے شیشوں کے پیچھے سے شاہ رخ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے پردہ برابر کر دیا اور دیوار سے پشت لگا کر کھڑی ہوگئی۔ شاہ رخ کے بارے میں ساری تفصیلات اسے معلوم ہو چکی تھیں۔ پولیس آفیسر ہے' تبادلہ ہو کر مراد گڑھی آیا ہے۔ ذہین شوخ اور شریر ہے۔ ماں کے سوا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ کردار کا مضبوط اور زبان کا سچا ہے۔ ساری باتیں اپنی جگہ' لیکن زیبی کو ہمیشہ ایک خوف رہتا تھا کہیں یہ ٹھکانہ اس سے چھن نہ جائے۔ بہت ہی اچھے لوگ مل گئے تھے خوش بختی سے۔ دل کے ہر گوشے میں بھائی کی یاد موجود تھی لیکن ایک شکایت' ایک غصے کے ساتھ۔ وہ کیوں کیا جو منع کیا گیا تھا۔ ماں باپ کی عزت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ خاندانی وقار کا بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ صرف زندہ رہنے کے لئے اپنی پسند کی زندگی حاصل کرنے کے لئے سارے اقدار بھلائے تو نہیں جاتے۔ ہر تصور توڑا تو نہیں جاتا۔ تصور ہی زندگی سے روشناس کراتا ہے' اور کچھ نہ ہو تو اپنی برتری کا احساس۔ یہ احساس کہ وہ بڑے حالات کے باوجود ملک و قوم کے' سماج کے وفادار ہیں' اپنے مسلک کے امین ہیں۔ یہ ساری باتیں ہی تو زندگی کا ایک

مقصد تعمیر کرتی ہیں۔ سلطان نے اس کی بات کیوں نہ مانی' کیوں کیا اس نے وہ سب کچھ جس نے بہت کچھ چھین لیا۔ پڑوس کے لوگ جو ان کے ماں باپ کے شناسا تھے۔ کس کیفیت پر آگئے' ہمدردی کا اظہار' ایسے انداز میں دیکھنا جو دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہ ساری چیزیں برداشت نہیں ہو سکی تھیں اور صرف ایک ہی راستہ نظر آیا تھا۔ اس سارے ماحول کو ہمیشہ کے لئے ذہن سے نکال دے۔ اس نے تو زندگی کھونے کا فیصلہ کیا تھا' لیکن زندگی دینے والے کا نظریہ کچھ اور تھا' اس نے زندگی دی۔ زندہ رہنے کے لئے ایک جگہ بھی متعین کر دی۔ بہت اچھے دو ماں بیٹیوں کے درمیان پہنچا دیا۔ اس نے تو بہت کچھ دے دیا' پر اس کے حکم کی خلاف ورزی نے زیبی کو بے چین کر دیا تھا اور اب وہ عبادت کر کے اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگتی تھی جو اس نے خودکشی کی کوشش کر کے کیا تھا' زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ اس امانت میں انسان کو خیانت کرنے کا حق نہیں پہنچتا مگر اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہا کہ امانت رکھوانے والے نے اس امانت کی خود حفاظت کی تھی بہرحال زیبی نے یہ بات اپنے دل میں طے کر رکھی تھی کہ اب زندگی میں سلطان سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی' ان لوگوں کو جس دھوکے میں رکھا ہے' اس پر دل کٹتا تھا' لیکن یہی مناسب تھا جو کیا تھا۔ یہاں دنیا سے چھپی پڑی رہے گی' بس زندگی گزر ہی جائے گی۔ ان لوگوں نے اسے صنوبر کا نام دیا تھا' ٹھیک ہے' یہی نام مناسب ہے۔ اسی کے ساتھ زندگی گزر جائے تو مناسب ہے۔ شاہ رخ کی والدہ فرزانہ بیگم محبتوں کا تاج محل تھیں ان کی عظمتوں نے زیبی کو بہت متاثر کیا تھا۔ بیٹی کہا تھا' ماں بن گئی تھیں اور زیبی کو دنیا کی ہر خوشی دے ڈالی تھی۔
زیبی یہاں آکر بہت خوش تھی۔ بس دل میں کبھی کبھی تھوڑے سے احساسات ابھر آتے تھے اور وہ سوچ میں ڈوب جاتی تھی۔ ان لوگوں کو کبھی یہ معلوم ہو گیا کہ وہ

ایک جرائم پیشہ بھائی کی بہن ہے تو ان کا رویہ میرے ساتھ کیا ہو گا۔ پھر میں نے ان سے گونگی بننے کا ڈھونگ بھی رچایا ہے۔ خیر گونگی رہ کر زندگی گزارنا تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ زبان کیسے کیسے نقصانات سے دوچار کرتی ہے۔ محبتیں ختم کر دیتی ہے۔ محبتوں کا احساس مٹا دیتی ہے۔ نفرت اور دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ خاموشی ہزار نعمت ہے اگر ان لوگوں کو پتہ چل بھی گیا تو ضروری نہیں ہے کہ میں اس بات کا اعتراف کرلوں کہ میری زبان کام کرتی ہے۔

انسان قوت گویائی کھو بھی بیٹھتا ہے اور پھر وہ جو اپنی زبان سے اپنے ماضی کا اعتراف بھی نہ کر سکے اس کے لئے تو خاموشی ہی مناسب ہے' لیکن شوخ و شریر شاہ رخ' اس نے پردہ ہٹا کر تھوڑا سا جھانکا تو شاہ رخ کو اس طرح اپنی جانب نگراں پایا۔ آخر وہ کیوں اس طرح اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ کرید نجانے کب تک ذہن پر طاری رہی پھر اس کے بعد وہ باہر نکل آئی تھی۔ گھر میں کام کرنے والی ملازمہ صفائی کر رہی تھی۔ زیبی نے اپنے آپ پر بہت قابو پالیا تھا ورنہ کتنی ہی بار بڑی مشکل سے اپنی کیفیت کو برقرار رکھ سکی تھی.......... زبان تو بے اختیار بولنے پر آمادہ ہو جاتی ہے' ملازمہ کو کام کرتے چھوڑ کر وہ راہداری میں آئی اور پھر ایک دم حیران رہ گئی۔

بڑے گیٹ سے شاہ رخ کی جیپ باہر نکل رہی تھی' جبکہ ابھی لمحے بھر پہلے اس نے شاہ رخ کو اپنے کمرے میں دیکھا تھا۔ اگر شاہ رخ باہر بھی آتا تو اسی راہداری سے گزر کر آتا جس سے گزر کر وہ باہر تک آئی تھی۔ یہ کیا قصہ ہے؟ اس نے دل میں سوچا۔ ایک لمحے کے لئے چکرا گئی تھی لیکن شاہ رخ کو گھر سے باہر جاتے ہوئے بھی دیکھ چکی تھی۔ پھر وہ کمرے میں داخل ہو گئی اور اس نے چاروں طرف دیکھا۔ شاہ رخ کے کمرے کی بے ترتیبی بے مثال ہوتی تھی کئی بار زیبی نے اس کمرے کو درست کیا تھا' حالانکہ فرزانہ بیگم منع کرتی تھیں کہ جو کام ملازماؤں کے کرنے کے

ہوتے ہیں وہ نہ کیا کرے' لیکن وہ اپنا فرض سمجھ کر کر دیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی شاہ رخ کا لباس بے ترتیب پڑا ہوا تھا لیکن حیرانی کی بات وہ تھی جو اس نے محسوس کی تھی اور پھر یہ حیرانی دور ہو گئی۔ غالباً" یہ تصویر تھی' جو بڑی کر کے یہاں کھڑکی کے سامنے لگائی گئی تھی' میرے خدا۔ زیبی نے دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر مارے۔ شیشوں کے پیچھے اس کے کمرے کی کھڑکی نظر آ رہی تھی اور سامنے یہ کھڑکی تھی جس کے دوسری طرف کارنس پر شاہ رخ کی یہ نئی تصویر رکھی تھی جو پہلے یہاں موجود نہیں تھی۔ تو یہ تھا آپ کے دیکھنے کا راز اور یہ تھا آپ کے دیکھنے کا انداز۔' وہ تصویر کے سامنے آ کر بڑبڑائی۔ لیکن اچانک ہی اس کے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ شاہ رخ کی آنکھوں کی شرارت' اس کے ہونٹوں کی مدھم مسکراہٹ' نجانے ذہن کے کونسے پردے سے ٹکرائی تھی کہ اچانک ہی اسے یہ مسکراہٹ بھلی لگنے لگی اور یہ چہرہ۔ زیبی کے ہونٹ خشک ہو گئے' زبان تالو سے جا لگی۔ اس کے ہاتھ سینے پر آ جمے' ایک عجیب سا احساس' دنیا پر اسرار' دلکش اور لذت آمیز۔ کیا یہ محبت ہے' کیا یہ پسندیدگی کا وہ احساس ہے جو آرزوؤں کی سب سے بڑی طلب بن جاتا ہے' اس نے دل میں سوچا۔

اس بار ہیلی کاپٹر کافی نیچے آ گیا تھا اس سے گولیوں کی باڑھ ماری گئی تھی۔ سامنے نظر آنے والی ناگ پھنی کی جھاڑیاں فضا میں اڑ اڑ کر نیچے گرنے لگیں اور فیروز نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ برگد کا گھنا درخت تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھا' لیکن یہاں بھی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس نے بے بسی سے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی برین گن کو دیکھا۔ ساری چیزیں کسی نہ کسی کے سہارے چلتی ہیں۔ برین گن میں کارتوس ختم ہو گئے تھے اس لئے اب وہ ایک ڈنڈے کی مانند رہ گئی تھی اور ڈنڈے سے ہیلی کاپٹر نہیں گرائے جا سکتے تھے جبکہ ہیلی کاپٹروں کی تعداد چار تھی۔ ایک مسلح کمانڈو کو اب گھیر کر گرفتار کر لینا دشمن کے لئے بالکل مشکل نہیں تھا۔ پھر یہیں سے فیروز نے ایک چھاتہ بردار کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا اور آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی۔ گرفتاری کا وقت بالکل نزدیک آ گیا تھا۔ بھلا اب بچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہاں ایک امید ہو گئی تھی۔ نیچے اترنے والا چھاتہ بردار ایک ہی تھا اور کچھ ہی لمحوں کے اندر وہ جھاڑیوں کے عقب میں نیچے اترا فیروز نے پیرا شوٹ سمٹتے ہوئے دیکھا' ماہر چھاتہ بردار نے فوراً" پیرا شوٹ لپیٹ کر اس کا بنڈل بنا دیا تھا

اور اس کے بعد جھاڑیوں ہی میں روپوش رہا تھا۔ غالباً اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس وقت فیروز کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی، جب اچانک ہی عقب سے آواز ابھری۔

"بس .... اپنی ہر کوشش ترک کر کے دونوں ہاتھ بلند کر دو، زندگی کھونے سے زندگی بچانا بہتر ہے، ہم تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ اگر تم نے ذرا بھی غلط حرکت کی تو زندگی نہیں بچا سکو گے۔"

فیروز نے دونوں ہاتھ تو اٹھا دیئے تھے، لیکن یہ آواز، یہ آواز سن کر اس کا دل دھک سے ہو گیا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے، آہ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ آواز تو عشرت کی ہے۔ ایک صحافی لڑکی کا دشمن کی مسلح افواج سے کیا تعلق۔ وہ بے اختیار گھوم گیا اور اس نے پلٹ کر دیکھا۔ نسوانی آواز کو تو وہ پہچان ہی چکا تھا لیکن اب چہرہ بھی دیکھ لیا تھا۔ عشرت کے سوا اور کوئی نہیں تھی، فیروز کے منہ سے آواز تک نہیں نکل سکی۔ عشرت کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا سمجھتے تھے خود کو، اور کیا سمجھتے تھے مجھے؟"

"عشرت تم تم........"

"میرا نام عشرت نہیں میں بلیک کوئین ہوں، بلیک کوئین کوڈ نمبر تھری تھری تھری۔"

"مذاق مت کرو عشرت۔"

"تیسری بار اگر تم نے مجھے عشرت کہہ کر پکارا تو پھر میرے ذاتی انتقام کا شکار ہو جاؤ گے۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو، بہت بڑی شخصیت ہے تمہاری۔"

"یار معاف کر دو، دیکھو میری بات سنو۔"

"شٹ اپ........ اپنی اوقات سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، اپنے

آپ کو میرے حوالے کر دو، رخ تبدیل کرو اور آگے بڑھو۔"

"سنو........ میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں، لیکن رخ تبدیل کر کے آگے بڑھا کر مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کرنا چاہتی ہو۔"

"آگے بڑھو۔" عشرت کی غراہٹ بڑی خوفناک تھی۔ فیروز کو مجبوراً آگے بڑھنا پڑا۔ ہیلی کاپٹر سر کی بلندی پر چکر لگا رہے تھے اور فیروز جانتا تھا کہ بات زمین کی ہی نہیں ہے، آسمان سے بھی گولیوں کی بارش ہو سکتی ہے۔ عشرت کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی قسم کی رعایت نہیں کرے گی۔ بلاشبہ اسے عشرت سے یہ توقع نہیں تھی لیکن حالات ایسے بھی بدل جاتے ہیں۔ بحالت مجبوری وہ آگے بڑھتا رہا، پھر سامنے ایک بڑی سی گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ فوجی گاڑی تھی جو ان کے قریب آکر رک گئی۔ اس سے مسلح فوجی باہر نکل آئے اور انہوں نے فیروز کو گاڑی میں بیٹھنے کی ہدایت کی۔ فیروز آگے بڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ اس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ عشرت کہاں گئی۔

پھر جب گاڑی رکی تو وہ جانی پہچانی جگہ تھی، یعنی عشرت کے گھر کا دروازہ۔ اسے گاڑی سے نیچے اتار کر دروازے سے اندر جانے کے لئے کہا گیا، سامنے ہی عشرت کی امی کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولیں۔

"بیٹے........ آج کیا چھٹی تھی۔ تمہاری آمد آج غیر متوقع ہے۔"

"امی مجھے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔" فیروز نے کہا۔ عقب میں آہٹ سنائی دی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عشرت سادہ سے لباس میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"جناب! ہم صحافی ہیں۔ بال کی کھال نکالنے والے۔ کیا سمجھتے ہیں۔ آپ اپنے

آپ کو۔ اگر آپ کی تمام حقیقت آپ کے سامنے لاکر نہ رکھ دی تو عشرت نام نہیں۔"

اسی وقت غلام علی کی آواز ابھری۔

"صاب اٹھنے کا ٹائم ہوگیا۔ ابھی آپ جاگو گے نہیں۔" اور فیروز نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کا گھر اس کا کمرہ تھا۔ سامنے غلام علی کھڑا تھا۔ فیروز نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف کے ماحول کو دیکھا۔ پھر لاحول پڑھتا ہوا اٹھ گیا۔ کیسا انوکھا خواب تھا۔ اس نے دل میں سوچا لیکن اس خواب کا پس منظر یقینی طور پر سنسنی خیز تھا۔ عشرت کیا اس کا پتہ چلا لے گی۔ اس نے دل میں سوچا اور اٹھ کر غسل خانے کی جانب چل پڑا۔

پانی کی ٹھنڈی دھاروں کے نیچے اسے سکون ملا تھا۔ حالانکہ خواب، خواب ہی ہوتے ہیں اور فیروز مضبوط اعصاب کا مالک ایک تربیت یافتہ کمانڈو، جسے بہت سی آزمائشوں سے گزار کر اس عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ وہ آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی تھا، ہوم سیکریٹ سروس کی ایک انتہائی اہم ایجنسی کا ایک رکن، جس کے سپردِ ہمیشہ مشکل کام کئے جاتے تھے۔ ایک ماضی تھا اس کا، ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے اور اس ماضی میں مختلف کہانیاں ہوتی ہیں، تھوڑی سی ردو بدل کے ساتھ، فیروز کے ماں باپ بچپن میں مرچکے تھے، تایا صاحب ملٹری میں تھے، ایک پروقار شخصیت کے مالک، تین بیٹوں کے باپ۔ بیٹی کوئی نہیں تھی۔ فیروز کے والدین کی موت کے بعد جو ایک حادثے کے تحت ہوئی تھی تایا صاحب نے فیروز کو زبردستی اپنے ساتھ رکھا تھا۔ خود زیادہ تر ڈیوٹی پر رہا کرتے تھے، پھر خوبی تقدیر دیکھئے کہ ریٹائر ہوئے تو پندرہ دن سے زیادہ زندگی نہ ملی۔ اپنی زمینوں پر سیر کر رہے تھے کہ ایک انتہائی زہریلے سانپ نے کاٹ لیا، ہلاک ہوگئے اور پھر جب تایا صاحب سے جدائی ہوئی تو فیروز کو پتہ چلا کہ تینوں تایا زاد بھائی اور تائی اس سے نفرت کرتے ہیں، تایا صاحب کی اس سے محبت

ان میں سے کسی کو گوارا نہیں ہے' فیروز نے بڑے پیار سے ان تینوں سے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ تینوں کی مجھ سے ناراضگی کی وجہ کیا ہے۔ لیکن تایا صاحب نے میرے ساتھ جس محبت کا سلوک کیا ہے' میں اس کے صلے میں ان کی روح کو ذرہ برابر تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ آپ لوگ مجھے اپنے درمیان نہیں چاہتے' میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گا۔ بس اتنا کافی ہے کہ میری تعلیم اور تربیت مکمل ہونے کے لئے مجھے ان چیزوں کا حقدار رہنے دیں جو خصوصاً" میری ملکیت ہیں۔"

"پھر اس نے وہ جگہ چھوڑ دی' ذہن نوجوان تھا۔ چنانچہ اپنے لئے ایک بنگلہ خریدا اور بہت فاصلہ اختیار کرلیا ان لوگوں سے تاکہ نفرت کرنے والوں کی نگاہوں میں نہ آسکے' بھلانے کی کوشش کی ان لوگوں کو اور بھلا دیا۔ تربیت مکمل ہوگئی۔ یہ کام بھی تایا صاحب کی وجہ سے ہوا تھا' ان کے تعلقات کی بنیاد پر فیروز کو یہ مقام ملا تھا۔ اور آخر کار اپنی تمام تربیتیں مکمل کرنے کے بعد وہ ہوم سروس کی سیکورٹی ایجنسی میں' ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اپنی شاندار ذہانت اور اپنی اعلیٰ تربیت سے اس نے اپنے اعلیٰ حکام کی نگاہوں میں ایک مقام حاصل کرلیا۔ خصوصی کاموں کی ذمے داریاں اسے سونپی جانے لگیں۔ مراد گڑھی' جو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جاکر سرحدوں سے مل جاتی تھیں اور دشمن کی سرحدوں پر بھرپور نگرانی کرنے کے لئے ایک طرف جہاں سرحد پر موجود محافظ اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے تو جاسوسی سازشوں پر نگاہ رکھنے کے لئے اور بہت سے افراد کے ساتھ فیروز کی ڈیوٹی بھی لگائی گئی تھی۔ فیروز نے یہ پیٹرول پمپ منتخب کیا تھا جو اس کی رہائش گاہ سے تھوڑے فاصلے پر تھا' لیکن ایک ایسی شاہراہ جہاں سے مختلف پہاڑی آبادیاں کی گزر گاہ تھی اور اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی' چنانچہ فیروز یہاں ایک سروس بوائے کی حیثیت سے نوکری کر رہا تھا۔ لیکن اس کا اصل کام کچھ اور ہی تھا'

ر دہ بڑی خوش اسلوبی سے یہاں کے بارے میں رپورٹیں مہیا کر رہا تھا چونکہ یہ کام ویل ترین تھا' اس لئے فیروز کی مستقل ذمے داریاں یہاں کردی گئی تھیں۔ ہاں اگر پارٹمنٹ کو کبھی کسی خاص مسئلے میں اس کی ضرورت پیش آجاتی تو عارضی طور پر ے دوسری ذمے داریاں بھی سونپ دی جاتی تھیں۔ زندگی کا ایک دور اس انداز ں گزارا اور دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ صحافی لڑکی نے اسے دیکھا اور دل ہار بیٹھی۔ روز سب کچھ تھا لیکن انسان بھی تھا' محبت کبھی کبھی اسی طرح انسانی اعصاب پر اثر راز ہوتی ہے۔ فیروز بھی عشرت سے الگ نہ رہ سکا' لیکن اپنی اصل حیثیت عشرت دبتانا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک عشرت کے اتھ زندگی کی ایسی منازل نہ طے ہو جائیں جب راز ہستی راز نہیں رہتا لیکن ابھی وہ ت نہیں آیا تھا۔ عشرت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پتہ یہ چلا کہ جدوجہد ے بھرپور ایک ذمے دار لڑکی ہے کسی شخصیت کو قائم رہنے دینا اس کے لئے زندگی ے مترادف ہوتا ہے۔ اور فیروز عشرت سے اس کی جدوجہد کی زندگی نہیں چھیننا پاہتا تھا۔ اس جدوجہد کی زندگی میں عشرت اپنی ماں کے لئے ایک بہتر ماحول مہیا کرنا پاہتی تھی۔ فیروز نے اسے اچھی طرح پرکھ لیا تھا۔ ہر طرح سے ایک صاحب کردار ڑکی تھی۔ ایسی کہ جس کی قربت میں رہ کر فخر کیا جاسکے۔ اقدار ہی تو زندگی ہوتے ں اور عشرت نے یہ اقدار اپنائے تھے۔ فیروز اس کی بے پناہ قدر کرتا تھا' لیکن اس ن جو واقعہ پیش آیا تھا وہ بڑا عجیب تھا۔ اور فیروز جانتا تھا کہ عشرت ایک ذہین صحافی ہے' چنانچہ اس وقت سے اس پر ہول سوار تھا۔ دونوں طرف سے مار کھا رہا تھا۔ شرت کو اپنی حقیقت بتا دے تو اپنے حلف سے انحراف ہو جاتا ہے کیونکہ ابھی وہ یک غیر تھی۔ اور اگر نہ بتائے تو عشرت کی برگشتگی کا خطرہ تھا۔ اس کے الفاظ ڑے ہولناک تھے۔ اس نے کہا تھا کہ ہم صحافی لوگ ہیں بال کی کھال نہ اتاریں تو پھر

صحافت نہیں کر سکیں گے۔ اگر عشرت نے اس کی اصلیت کا پتہ لگالیا تو ناراض ہو جائے گی کہ خود اس نے اسے نہیں بتایا' کیا کرنا چاہیے۔ لیکن جب غسل خانے سے باہر قدم رکھا تو فیصلہ یہی کیا تھا کہ عشرت کو منالیا جائے گا' محبتوں کے رشتے سے اسے اس بات کا یقین دلادیا جائے گا کہ حقیقت نہ بتانا بھی کردار کا ایک حصہ تھا۔ یقیناً" وہ سمجھدار لڑکی اس بات کو تسلیم کرلے گی' لیکن حلف سے انحراف ممکن نہیں ہے۔ ملکی معاملات اپنی ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں اور کسی کو بھی ان میں شریک کرکے پہلی بات تو یہ کہ اس کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالی جاسکتی۔ دوسری بات یہ کہ حلف سے غداری نہیں کی جاسکتی' یہ خواب اسی خوف کا آئینہ دار تھا۔ اسے خود اس خواب پر ہنسی آرہی تھی۔ ایک باقاعدہ جنگی میدان اس کی کھوپڑی میں آگھسا تھا۔ بہرحال کمرے میں پہنچا تو غلام علی نے کہا۔

"ناشتہ لگادیا ہے صاب' ابھی آج آپ کو دیر ہوگیا۔"

"ہاں۔ چلو ٹھیک ہے' آج چھٹی کرلیتے ہیں غلام علی۔"

"صاب......... خوشی کا بات ہے' دوپہر کو کیا کھانا پکائے گا۔"

"زندگی میں کبھی دوپہر کو کھانا نہیں کھایا غلام علی' آج کیا کھائیں گے۔ تم اپنے لئے جو دل چاہے پکالینا۔" فیروز نے کہا اور ناشتے پر ڈٹ گیا۔

سلطان اپنے طور پر فیصلہ نہیں کرپار رہا تھا کہ آگے زندگی کس طرح گزاری ائے' ساری دنیا سے مایوس اور بددل ہوگیا تھا۔ اس کا دل صبح سے لے کر رات تک ہی کی تلاش میں گزرتا تھا۔ اس دوران اس نے بہت سے کام کئے تھے۔ جب جیل لیا تھا اور گھر سے دور ہوا تھا اُس وقت سے لے کر اب تک مختلف علاقوں کے انوں سے' ریلوے اسٹیشنوں سے' دریا کے کنارے جو کچھ تھا وہاں سے یہ معلوم رتا پھرا تھا کہ اس تاریخ میں ایسی کوئی لاش تو نہیں ملی' زیبی کی تصویر اس نے اپنی یب میں رکھی ہوئی تھی۔ جہاں بھی موقع دیکھتا' اس تصویر کو سامنے کرکے ایک یوانے کی طرح لوگوں سے زیبی کا پتہ پوچھتا۔ مختلف تھانوں میں' ہسپتالوں کے ریکارڈ ں ایسی کسی لڑکی کے بارے میں معلوم کرتا جس نے زہر کھالیا ہو' اور اس کی لاش اوارث طریقے سے دفن کر دی گئی ہو۔ لیکن ساری کاوشیں بے مقصد ثابت ہو رہی یں۔ دوسری طرف بگ باس نے اسے کئی کام کرے' لیکن یہیں سے تو بات بگڑی ھی۔ بات بگڑنے کے بعد بھلا اس کام سے ہٹنا کیا معنی رکھتا تھا۔ ایک طرح سے اس ر جنون سوار تھا اور اس جنون کے عالم میں جب وہ بگ باس کی طرف سے سونپا ہوا

کوئی کام کرتا تھا تو نہ صرف بگ باس بلکہ اس ادارے کے بڑے بڑے سور ششدرہ جاتے تھے۔ اتنی صفائی اور بے جگری سے وہ یہ کام کرتا تھا کہ بگ باس ک اس کے بارے میں کہنا پڑا۔

"یہ شخص اتنا آگے بڑھ سکتا ہے کہ میں اسے اپنا جانشین بنانے کے بارے میں سوچوں۔ کیا ذہانت اور کیا پھرتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے سینے میں دل کی جگہ پتھر کا ایک ٹکڑا ہے' بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ اسے ایک اور کام سونپنا چاہتا ہوں میں۔ یہ اس کا ایک خاص امتحان ہوگا۔ اگر یہ اس امتحان میں بھی پورا اترا تو کم از کم اسے ایک بڑا عہدہ دیا جائے گا۔ سلطان ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنی آگ میں جل رہا تھا' اور اس کا اہم مشن زیبی کی تلاش تھا۔ وہ بس ایک ہی کام دل سے لگائے ہوئے تھا۔ اس وقت بھی نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ اور جب رات ڈھلنے کو ہوئی تو اس نے اپنے گھر کا رخ کیا' حالانکہ اسے بگ باس کی طرف سے بڑ پیشکشیں کی گئی تھیں۔ کچھ اور ایسی کارروائیاں بھی کی گئی تھیں۔ جن میں صہبا کا نا سرفہرست تھا۔ صہبا اس ادارے کی ایک رکن تھی۔ ایک شوخ شریر اور چہرے سے معصوم نظر آنے والی لڑکی شاید بگ باس ہی کے اشارے پر اس نے سلطان ک تعاقب شروع کیا تھا۔ بگ باس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر سلطان چاہے تو اسے ایک شاندار رہائش گاہ دی جاسکتی ہے۔ لیکن سلطان نے بڑے حلیم لہجے میں کہا تھا۔

"باس! آپ کو بتا چکا ہوں میں کہ میری زندگی کا مقصد اپنے لئے عیش و عشرت حاصل کرنا نہیں تھا' ایک بہن ہے میری' تھی نہیں کہوں گا۔"

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ زندہ ہے' کہاں ہے یہ میں نہیں جانتا۔ میں اپنی ساری خوشیاں' اپنی ساری کاوشیں پہلے بھی اس کے لئے وقف کر چکا تھا اور اب بھی اسی کے لئے ہیں۔ میں اسی پرانے گھر میں رہوں گا تاکہ اگر کبھی زیبی کو اس گھر کے

در و دیوار کی یاد ستائے تو ممکن ہے وہ واپس لوٹ آئے۔" اسی طرح اس نے صہبا سے بھی کہا تھا۔

"دیکھو لڑکی! بہت خوبصورت ہو تم' بہت اچھی لگتی ہو مجھے لیکن ذرا سی میری بات بھی سن لو۔ میری زندگی میں خوشیوں کا گزر نہیں ہے۔ کسی کی طرف ملتفت ہوا جائے تو دوسرے کام چھوڑنے پڑتے ہیں' میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا۔ میری طرف سے بددل مت ہونا' تم اپنے لئے ایک ایسی شخص کا انتخاب کر سکتی ہو جو تمہاری پذیرائی اتنے ہی اعتماد اور تپاک سے کر سکے جس کی تم مستحق ہو' میں وہ نہیں ہوں' میری بات کا برا مت ماننا۔" صہبا اسے دیکھتی رہی گئی تھی۔ حکم بگ باس کا تھا' جس نے کہا تھا کہ سلطان بہت شاندار کارکردگی کا مالک ہے' اس کی کارروائی پر نگاہ رکھی جائے۔ صہبا کو صرف باس کی ہدایت سے دلچسپی تھی لیکن ان الفاظ نے نجانے اس کے دل پر کیا اثر کیا تھا۔ البتہ جس شعبے سے منسلک تھی اس میں ایسے افراد قبول کرنے کا مطلب موت ہوتا ہے اور وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ سلطان اس گلی میں داخل ہوگیا جس میں چند گھر چھوڑ کر اس کا گھر تھا۔ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس کا تالا کھول رہا تھا کہ سامنے والے دروازے سے کچھ عجیب و غریب آوازیں ابھریں اور سلطان کے ہاتھ ٹھٹک گئے۔

"مت مارو ابا.......... تمہیں خدا کا واسطہ.......... مت مارو.......... مجھے.......... ابا مجھے بخار آرہا ہے.......... مت مارو ابا.......... تمہیں خدا کا واسطہ.......... آج مت مارو.......... ناراض ہو تو کل مار لینا.......... ابا.......... نہیں ابا.......... باہر مت نکالو.......... اماں مجھے بچاؤ.........." عجیب و غریب آواز تھی۔ سلطان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ آواز دوبارہ ابھری۔

"چھوڑ دو.......... خدا کا واسطہ چھوڑ دو.......... کل.......... کل میں پھر کر لیے

پکاردوں گی۔ تم دیکھنا ذرا بھی کڑوے نہیں ہوں گے۔ بچی ہے........ معاف کردو........ معاف کردو........"

"معافی کی بچی........ یہ بچی ہے........ بڈھی عورت........ لعنت ہے تم لوگوں پر........ زندگی برباد کرکے رکھ دی ہے میری........"

نجانے کتنی دیر بکنے جھکنے کی آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں اور سلطان وہاں کھڑا سنتا رہا تھا۔ پھر جب یہ آوازیں معدوم ہوگئیں تو وہ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ ذہن بٹ گیا تھا' اداس سوچوں میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تو رحمت علی رہتے تھے۔ رحمت علی تو بہت اچھے انسان تھے۔ آواز بھی رحمت علی کی نہیں تھی۔ کیا کوئی اور اس گھر میں آگیا ہے۔ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا اس بارے میں' آخر میں جوتے اتار کر دور اچھالے تھے اور سمٹے ہوئے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ لیکن دوسری صبح جب وہ گھر سے نکلا تو عظیم چچا کے دروازے پر دستک دی۔ عظیم چچا فوراً ہی باہر نکل آئے تھے' اسے دیکھ کر سنبھل گئے اور بولے۔ "ہاں کہو کیا بات ہے؟"

"عظیم چچا! یہ رحمت علی والے گھر میں کون آگیا ہے۔"

"ارے وہ........ بس میاں رحمت علی تو سرکاری کوارٹر میں منتقل ہوگئے۔ ہم لوگوں کے لئے یہ جنجال چھوڑ گئے۔ ایک صاحب ہیں' رفاقت حسین نام ہے۔ شکل ہی سے لفنگے لگتے ہیں۔ حالانکہ اچھے خاصے عمر رسیدہ ہیں۔ نہ کسی سے ملتے ہیں نہ جلتے ہیں' عورتیں بھی ہیں کچھ گھر میں۔ مار دھاڑ کی آوازیں آتی رہتی ہیں' محلے والے تنگ ہیں' پر ذلیلوں کے منہ کون لگے۔ شکل سے ہی غنڈے نظر آتے ہیں' ایک دوبار پڑوسیوں نے سمجھایا کہ میاں شریفوں کا محلہ ہے۔ شریفوں کی طرح رہو تو نیفہ ٹٹولنے لگتے ہیں جیسے چاقو نکال رہے ہوں یا پھر پستول۔ تم جانتے ہو سلطان کہ

ں محلے میں رہنے والے نجانے کب سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں' امن پسند پنے اپنے کاموں سے کام رکھنے والے۔ پاپ کا گھڑا بھر رہا ہے' آخر کار ایک دن ٹ جائے گا۔ پتہ نہیں گھر میں کتنی عورتیں ہیں' رحمت علی کے بارے میں بھی کچھ ہیں معلوم ہو سکا۔ اب دیکھو کب تک رہتے ہیں یہاں۔" سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گردن ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ واقعی دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی گنجائش کہاں تھی' اپنی ہی آگ کے شعلے سر سے اونچے تھے۔ کسی اور کی آگ میں جھلنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

نوری نے حیرت سے نایاب کی صورت دیکھی۔ نایاب کے حسین رخسار آنسوؤں سے تر تھے' مزار شریف پر اکاد کا افراد ہی تھے' مجاور بھی عورتوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں عورتیں شاندار پجارو پر آئی ہیں' دو گن مین نیچے کھڑے ہوئے ہیں' ایسے عقیدت مندوں سے مجاوروں کو بھی بڑی عقیدت ہوتی ہی۔ شاہ پیر کے مزار پر پہلے بھی نایاب آتی تھی۔ لیکن خوشی خوشی' اس وقت سردار تیمور' نایاب کی والدہ' دونوں بہن بھائی ساتھ ہوا کرتے تھے۔ نوری بھی عام طور سے ساتھ ہی ہوتی تھی اور ہنسی خوشی وہ لوگ یہاں آکر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ منتیں مانتے تھے۔ اور پھر یہاں سے جاتے تھے' لیکن شادی کے بعد آج پہلی بار نایاب یہاں آئی تھی اور نوری نے اسے ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے دیکھا تھا۔ نجانے کیوں نایاب کی یہ کیفیت دیکھ کر نوری کا دل ڈوبنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد نایاب نے خود ہی اوڑھنی کے پلو سے آنکھیں صاف کیں' اور پھر دونوں واپس چل پڑیں۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچیں۔ گن مینوں نے پچھلی سیٹ کے دونوں طرف کے دروازے کھول دیئے۔ نوری ادب و آداب کا خیال

رکھتی تھی۔ مالک بہرحال مالک ہوتا ہے۔ حالانکہ نایاب مختلف مزاج کی مالک تھی۔ لیکن نوری کے ساتھ بچپن کا رشتہ تھا چنانچہ نوری کو ہمیشہ اپنے قریب ہی جگہ دیتی تھی' اس وقت بھی جب نایاب بیٹھ گئی تو نوری بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ گن مین آگے کی سیٹ پر چلے گئے اور ڈرائیور نے پجارو اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ نایاب بدستور اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔ رونے سے نزلہ ہوگیا تھا' بہت دیر تک خاموشی طاری رہی تو نوری کو الجھن ہونے لگی۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"چھوٹی سرکار کیوں رو رہی ہو' میں نے پہلے تو آپ کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا۔" نایاب نے کوئی جواب نہیں دیا تو نوری خود ہی مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں سمجھ گئی' مگر رو رو کر مانگنا تو ضروری نہیں تھا۔ بلکہ آپ کو تو ہنسی خوشی اللہ سے اولاد مانگنی چاہیے تھی۔"

"کیا؟" نایاب چونک پڑی۔

"تو اور کیا۔ ایک ننھی سی جان گھر میں آجائے تو سب ٹھیک ہو جائے اور آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔" نایاب جیسے تڑپ سی اٹھی' جلدی سے بولی۔

"تجھے خدا کا واسطہ نوری........ تجھے خدا کا واسطہ نوری........ تجھے خدا کا واسطہ........ ایسی بددعا نہ دے مجھے۔ ایسی بددعا نہ دے۔"

"بددعا۔" نوری کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں........ تو جانتی ہے مجھ پر کیا گزر رہی ہے' سانپ کی اولاد بھی سانپ ہوتی ہے۔ اگر میرے اولاد ہوگئی تو سمجھ لے کہ میرے پاؤں ہمیشہ کے لئے کٹ جائیں گے۔ ابھی کم از کم تھوڑی سی آزادی تو محسوس کرتی ہوں۔ یہ تو سوچتی ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تقدیر کبھی میری قسمت میں بھی سفیدی لکھ دے۔ یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں' نوری میرا دل یہاں بالکل نہیں لگتا۔ تو دیکھتی ہے وہ کس طرح کے

انسان ہیں۔ تو نے کبھی انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو نے کبھی یہ محسوس کیا ہے کہ ان کے لہجے میں میرے لئے محبت ہے' ایک پتھر کا انسان' ایک پتھرایا ہوا وجود' پتھر کی اولاد بھی پتھر ہوگی' میں پتھروں کو پروان نہیں چڑھا سکوں گی نوری۔ مجھے ایسی بددعا نہ دے۔ تجھے خدا کا واسطہ.........." نوری حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ نایاب نادر شاہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ ویسے نادر شاہ بھی اسی قسم کا آدمی۔ اور پھر نایاب کے بارے میں اچھی طرح نوری جانتی تھی کہ وہ ایک سے ایک خوبصورت چیز حاصل کرنے کی شوقین تھی' نادر شاہ ایک بدشکل آدمی تھا۔ جبکہ نوری بالکل مختلف فطرت اور کیفیت کی مالک تھی۔ ایسے حالات میں بھلا وہ نادر شاہ کو کیا پسند کرتی لیکن سردار تیمور نے کہا تھا کہ بیٹے شریف بیٹیاں جب کسی گھر میں چلی جاتی ہیں تو اس گھر کو جنت سمجھتی ہیں اپنے لئے اور جب تک زندہ رہتی ہیں اسے جنت بنانے میں کوشاں رہتی ہیں۔ شاید نایاب اپنے باپ سے متفق ہوتی بھی تو کم از کم اس جہنم کو جنت نہیں بنا سکتی تھی۔ اور پھر اس وقت کے بعد سے تو نایاب کی کیفیت اور بھی بدل گئی تھی جب اس نے وہ اسلحہ خانہ دیکھا تھا۔ گھر پہنچنے کے بعد نوری نایاب کے سامنے بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔

"تو پھر ایک بات بتائیں چھوٹی سرکار۔"

"ہاں پوچھ۔"

"آپ نے کوئی منت مانی تھی شاہ پیر کے مزار پر؟"

"شاہ پیر کے مزار پر ہم کب سے جا رہے ہیں نوری۔ تجھے یاد ہے نا بچپن سے جا رہے ہیں' بس انہیں سلام کرنے جاتی ہوں۔ جہاں تک مانگنے کا سوال ہے تو دینے والا اللہ ہے۔ اگر اس نے میری قسمت میں یہ تاریکی لکھ دی ہے تو بس ٹھیک ہے' پھر اس تاریکی کے چھٹنے کی دعا کیوں مانگوں؟"

"آپ بہت دکھی ہیں چھوٹی سرکار........." ابھی نوری اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ دروازہ پر نادر شاہ نظر آیا' نوری جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ نادر شاہ کا چہرہ دیکھ کر ہی اسے خوف کا احساس ہوتا تھا۔ نادر شاہ ہمیشہ اسے کڑی نگاہوں سے گھورتا تھا۔

نوری سہمے ہوئے انداز میں دروازے سے باہر نکل گئی تو نادر شاہ نے دروازے اندر سے بند کر لیا۔

"ملازم کبھی کبھی بہت عزیز ہو جاتے ہیں نایاب' لیکن انہیں ہر وقت سر پر مسلط نہیں رہنا چاہیے' ویسے مجھے یقین ہے کہ تم اسے ذاتی باتیں کبھی نہیں بتاتی ہوگی۔"

"جی شاہ جی۔ ذاتی باتیں ملازموں کو کیسے بتائی جا سکتی ہیں۔" نایاب نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"سمجھ داری اسی کو کہتے ہیں۔ یہ ملازم کبھی کبھی جان کا عذاب بن جاتے ہیں' خیر میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس لڑکی نے اگر کوئی گڑبڑ کی تو پستول کی ایک گولی اس کے سینے میں سوراخ کر دے گی' اور یہ کتے کی موت مر جائے گی' اسے ایک بات سمجھا دینا کہ میں کس طرح کا آدمی ہوں۔"

"مگر شاہ جی......... وہ میرے بچپن کی دوست ہے۔ نوکروں کی طرح گھر میں نہیں پلی ہے وہ......... میری محبت میں میرے ساتھ چلی آئی ہے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ اس وقت میں بڑی الجھن کا شکار ہوں' مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے نایاب۔"

"شاہ جی حکم دیجئے۔"

"حکم نہیں۔ ابھی اسے التجا سمجھو۔ شوہر ہوں تمہارا۔ محبت کے نام پر تم سے ایک فرمائش کر رہا ہوں اور نایاب میں فرمائشیں بہت کم کرتا ہوں' اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرلیتا ہوں۔ اگر میں تم سے کوئی درخواست کروں تو تم یہ سمجھ لیناکہ یہ صرف محبت کے رجسٹر میں درج ہوگی' لیکن کرنا ہے تمہیں۔"

"آپ کہئے تو شاہ جی۔ کیا حکم ہے میرے لئے۔"

"ویسے تو بہت دن سے تم باباجان کے پاس نہیں گئی ہو۔ کل باباجان کے پاس چلی جاؤ' ایک چھوٹی سی چیز درکار ہے مجھے' ذرا سا باباجان سے بات کرو۔"

"آپ حکم تو دیجئے۔" نایاب بولی۔

"یہاں درے والی زمین ہے جو باباجان کی ملکیت ہے' چھوٹا سا ٹکڑا ہے کوئی بڑی جگہ نہیں ہے' بنجر اور ویران ہے' وہاں کچھ ہو بھی نہیں رہا ہے' مجھے زمین کا وہ ٹکڑا درکار ہے' باباجان سے کہو کہ درے کے آس پاس کی زمین مجھے یا تمہیں دے دیں۔ وہ ہماری اہم ضرورت ہے۔" نایاب نے سنسنی خیز نگاہوں سے نادر شاہ کو دیکھا اور بولی۔ "لیکن شاہ جی۔

"سنو! میں تم سے یہ بات شروع کرنے سے پہلے کہہ چکا تھا کہ کیوں' لیکن اور نہیں تین لفظ میری زندگی میں سب سے بد ترین الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں' تمہیں معلوم نہیں ہے نایاب کہ لیکن' کیوں اور نہیں کے حوالے سے بستی باباشیر میں میں نے سات افراد کا خون کیا تھا۔ اور ان کے الزام میں' میں نے سزا پائی تھی۔ سمجھ رہی ہونا' یہ راز میں تمہیں امانت کے طور پر سونپ رہا ہوں۔ ایک اچھی بیوی کی حیثیت سے اس امانت کو امانت رکھنا۔ باباجان سے جو کچھ میں نے کہا یہ' یہ تمہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے اور تم جانتی ہو کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"جی شاہ جی۔"

"کل تم چلی جاؤ۔ میں ڈرائیور کو ہدایت کروں گا' آرام سے اگر چاہو تو ایک دو دن وہاں رہو' ایک دو دن سے زیادہ بھی رہ سکتی ہو۔ لیکن واپس آؤ تو زمینوں کے کاغذات اپنے یا میرے نام لے کر آنا۔ مجھے یقین ہے کہ تم باباجان کو اس کے لئے تیار کرلوگی۔ مجھے ذرا ضروری کام ہے چلتا ہوں۔" نادر شاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا' پھر وہ باہر نکل گیا تھا۔

لیکن نایاب پھٹی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک دبا ہوا جوش تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

"باباجان سے وہ زمین میں تمہیں کبھی نہیں لینے دوں گی نادر شاہ۔ باباجان نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ زمین تمہیں کیوں درکار ہے۔"

تھانے کے عقبی حصے میں ایک خوبصورت مکان شاہ رخ کی رہائش گاہ تھی، فرزانہ بیگم اور صنوبر بس یہ دو افراد وہاں موجود تھی۔ ایک آدھ ملازم بھی تھا اور اس کی بیوی بھی، جو اصل عمارت میں نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ان کا کوارٹر کچھ فاصلے پر تھا۔ صنوبر، فرزانہ بیگم کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ اب جس حیثیت کو اس نے اختیار کیا تھا، اسے برقرار رکھنا بھی ضروری تھا۔ اگر اپنے آپ کو پڑھا لکھا ظاہر کرتی تو لکھ کر اپنے حالات بتانے پڑتے، چنانچہ اس نے کبھی اس کا اظہار ہی نہیں کیا تھا اور اب تو سارے معاملات سدھر گئے تھے کیونکہ کسی بھی طرف سے اس کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے شاہ رخ بھی مطمئن ہوگیا تھا، بہرحال زندگی کی گاڑی بڑی خوب صورتی سے چل رہی تھی، وہ ایک لمحہ جب صنوبر نے کھڑکی سے شاہ رخ کو اپنے کمرے میں جھانکتے ہوئے دیکھا اور بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ شاہ رخ نہیں اس کی تصویر ہے اور جب یہ معلوم ہوا تھا تو صنوبر کو ایک شاک سا لگا تھا، اس کے دل میں ایک چر سا جا بیٹھا چنانچہ زندگی میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی، اور جب زندگی مسکراتی ہے تو انسان لباس بھی اچھے پہنتا ہے۔ اس کے

بال بھی سنور جاتے ہیں اور آنکھوں کے گرد نظر آنے والے سیاہ حلقے صاف ہو جاتے ہیں اور یہ چیز فرزانہ بیگم نے محسوس کی تھی خوش ہوئی تھیں اس بات پر کہ صنوبر ان کے ساتھ خوش ہے، اکثر وہ شرارتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ جب یہ جیپ تھانے کی عمارت میں داخل ہوئی تو صنوبر اپنے کمرے میں تھی اس نے اس جیپ کو نہیں دیکھا تھا البتہ گھر میں کام کرنے والی ملازمہ رفیقہ نے مہمانوں کو دیکھا یہ حیدر زمان اس کی بیٹی شیری اور نزہت تھے، جو شاہ رخ کے گھر آئے تھے ملازمہ انہیں نہیں پہچانتی تھی لیکن جب حیدر زمان نے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کے ملاقاتی ہیں تو ملازمہ بڑے ادب و احترام سے انہیں اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ فرزانہ بیگم کا تو اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا تھا بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی تھیں اور دوڑ کر نزہت کی طرف لپکی تھیں۔

"ارے۔ ارے امی اللہ آپ کو سلامت رکھے، میں آرہی ہوں نا آپ کے پاس۔"

"تم لوگ۔ تم لوگ! تم لوگ یہاں کہاں سے آگئے؟؟"

"لیجئے۔ شاہ رخ بھائی نے بتایا نہیں آپ کو ہمارے بارے میں۔"

"وہ کمینہ ایسی کوئی بات بتاتا ہے کسی کو، ارے توبہ کتنا طویل سفر طے کرکے تم لوگ یہاں آئے ہو۔"

"کمال کی بات ہے ویسے وہ واقعی اب بڑا آدمی بنتا جارہا ہے مجھے یہ بات بڑی ناگوار گزری ہے امی کہ اس نے آپ کو میرے بارے میں نہیں بتایا، میں یہیں تھوڑے ہی فاصلے پر ہوں، فارسٹ آفیسر کی حیثیت سے میں نے یہاں چارج سنبھالا ہوا ہے اس سے میری ملاقات بھی ہو چکی ہے بڑا خوش ہوا تھا پہلے تو مجھے دیکھ کر لیکن آپ کو نہیں بتایا۔"

"جوتے سے خبر لوں گی اس کی میں تم اپنا دل میلا مت کرو' آؤ۔ ارے شیری بیٹا اتنی دور کیوں کھڑی ہوئی ہو' دادی اماں سے نہیں ملو گی۔"

"دادی اماں۔" شیری آگے بڑھی اور فرزانہ بیگم سے لپٹ گئی' فرزانہ بیگم بے انتہا خوش ہو گئی تھیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اتنا عرصہ یہاں آئے ہوئے ہو گیا تھا کوئی ملنے جلنے والا ہی نہیں تھا۔ پھر ان لوگوں سے اتنا پیار اتنی دوستی تھی کہ ان کے یہاں آنے کی خوشی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو فرزانہ بیگم نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ شاہ رخ نے تم لوگوں کے بارے میں بتایا کیوں نہیں' لیکن تم جانتی ہو ہر چیز میں سرپرائز دینے کا عادی ہے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اچانک ہی مجھے تم لوگوں کے بارے میں بتائے گا اور حیران کر دے گا۔ اسے پتہ بھی نہیں ہو گا کہ اس طرح تم لوگ یہاں آجاؤ گے۔ رفیقہ......... رفیقہ ذرا معلوم تو کراؤ شاہ رخ کہاں ہے۔"

"نہیں چچی جان رہنے دیجئے اب ہم انہیں سرپرائز دیں گے۔ نزہت نے مسکراتے ہوئے کہا اور فرزانہ بیگم بھی مسکرانے لگیں۔ حیدر زمان بیٹھ گیا تھا۔ اس نے چاروں طرف سے گھر کو دیکھا۔ ادھر شیری بزرگوں کے سے انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے چاروں طرف سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔"

"دادی جان! آپ کے ملازم خاصے اچھے معلوم ہوتے ہیں' گھر بڑا اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے۔"

"اچھا' اچھا دادی جان۔ آپ خود ہماری دادی جان ہیں۔ چلئے آپ کو ہمارے گھر کی ڈیکوریشن پسند آئی۔ آپ کی بڑی مہربانی۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ یہ ساری کارروائی صنوبر کی ہے۔ بس یوں سمجھو کہ اللہ نے لڑکی کے روپ میں ایک فرشتہ دے دیا ہے مجھے۔ پورا گھر سنبھال رکھا ہے صنوبر نے۔" اس سے پہلے کہ نزہت

صنوبر کے بارے میں کچھ پوچھتی' شیری نے ہی کہا۔ "وہ لڑکی ہے؟؟"

"ہاں۔ لڑکی ہے پیاری سی' تمہاری طرح بالکل گڑیا جیسی۔"

"پھر تو دادی جان وہ فرشتی ہوئی۔ فرشتہ کیسے ہو سکتی ہے' ویسے میرے برابر ہے یا چھوٹی ہے۔ اور ہے کہاں وہ نظر نہیں آ رہی۔ مجھے ملایئے تو سہی اس سے۔" شیری بولی۔

"ابھی آئے گی۔ نزہت تم کیسی ہو۔ اور بیٹے تم سناؤ' سب ٹھیک ہے نا۔"

"جی چچی جان بالکل ٹھیک ہے' شاہ رخ بھائی کے بارے میں بھی اچانک ہی معلوم ہوا کہ وہ یہاں مراد گڑھی میں تعینات ہوئے ہیں۔ کسی کام سے ہی ہماری طرف آ نکلے تھے۔ پھر جب انہوں نے بتایا کہ ان کا تبادلہ یہاں ہو گیا ہے تو آپ یقین کریں اتنی خوشی ہوئی ہمیں۔ میں تو حیدر سے کہہ رہی تھی کہ سارے کام چھوڑ کر بس فوراً" چچی جان کے پاس چلیں' لیکن کچھ ذمے داریاں تھیں ان کی' جن کی وجہ سے یہ نہیں آئے۔"

"کیوں نہیں بٹی' اللہ کے فضل سے ہماری محبتیں اس بیج کی مانند ہیں جو بڑھ کر درخت بنتا ہے۔"

"ویسے چچی جان میرے خیال میں تو اب آپ کو شاہ رخ بھائی کی شادی کر دینی چاہیے۔ آپ کی تنہائی دور ہو جائے گی۔ آپ کیوں خاموش بیٹھے ہوئے ہیں حیدر آپ بھی تو کچھ بولیئے۔"

"بولنے والے سے سننے والا زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔"

"ہم ذرا چلتے ہیں اپنی سہیلی صنوبر سے ملنے۔ دیکھیں تو سہی کیسی ہے' ہم سے کتنی چھوٹی ہے' اتنی چھوٹی ہو کر اگر وہ اتنے سلیقے کی ہے تو ہمیں ذرا سا شرمندہ ہونا چاہیے۔" شیری کمرے سے باہر نکل آئی اور یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ صنوبر کو اس

وقت ان مہمانوں کے آنے کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ خاص طور سے شاہ رخ کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اور صفائی کرتے کرتے اس تصویر کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی جس کے بارے میں ایک بار اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ شاہ رخ ہے جو کھڑکی سے اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے بعد سے اس کے ذہن پر شاہ رخ کی تصویر نے ایک خاص اثر کر ڈالا تھا۔ اس وقت بھی وہ تصویر کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے چہرے پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ پیدا ہو گئی وہ تصویر رکھ کر وہاں سے ہٹی اور چند لمحوں کے بعد واپس آ گئی اس کے بعد وہ تصویر کے فریم کے شیشوں پر شاہ رخ کے چہرے پر لپ اسٹک سے مونچھیں اور ڈاڑھی بنانے لگی۔ شاہ رخ کے چہرے کی خوب درگت بن گئی تھی، لیکن تصویر شیشے کے نیچے تھی اس لئے خراب نہیں ہو سکتی تھی۔ زیبی اسے دیکھ کر مسکرائی پھر اس کی جگہ رکھ کر سلوٹ مارا اور تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہ ساری باتیں بھول کر بس شرارت کے موڈ میں آ گئی تھی اور ادھر شیری گھر کے دروازے کھول کھول کر جھانک رہی تھی اور اپنی ہم عمر لڑکی کو تلاش کر رہی تھی۔ دفعتہ" اسے ایک کمرے کے دروازے سے ایک خوبصورت سی بڑی سی لڑکی فوجیوں کی طرح اٹینشن کھڑی نظر آئی۔ تو وہ حیران رہ گئی۔ پھر وہ بے اختیار ہو کی آواز نکال کر اندر گھس گئی۔ اور زیبی بری طرح اچھل پڑی۔ اس نے چونک کر شیری کو دیکھا اور اس کا سر چکرا گیا۔ اجنبی بچی اور پھر عقب میں شاہ رخ کی تصویر جس پر لپ اسٹک سے ڈاڑھی مونچھیں بنی ہوئی تھیں۔ اسی وقت شیری کی آواز سنائی دی۔

"اصولی طور پر محترمہ آپ جو کوئی بھی ہیں، آپ کو مجھے اندر آنے کی دعوت دینی چاہیے۔ لیکن ہوتا ہے، کبھی کبھی ایسے میزبانوں سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے جو مہمانوں کی کوئی عزت نہیں کرتے، ایسی شکل میں بحالت مجبوری مہمانوں کو خود ہی

اندر جانا پڑتا ہے۔ ویسے بائی دی وے، میرا نام شیری ہے، اور شاہ رخ انکل میرے انکل ہیں، آپ کون ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

شیری کی نگاہیں شاید تصویر پر نہیں پڑی تھیں۔ زیبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بچی اتنی پیاری تھی اور اتنی خوبصورت باتیں کر رہی تھی کہ دفعتہ" ہی اس کا دل چاہا کہ بڑھ کر اسے پیار کر لے، اس سے بول پڑے لیکن اس نے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ شیری پھر بولی۔

"اصولی طور پر آپ کو مجھے جواب میں ہیلو کہنا چاہیے لیکن خیر کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ بچی صنوبر کہاں ہے؟" زیبی گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے پیار سے شیری کا ہاتھ پکڑا اور پھر اپنے سینے پر انگلی رکھ کر زور زور سے گردن ہلائی تو شیری نے کہا۔

"فٹ بال سے بڑا سر ہلا رہی ہیں، ایک انچ کی زبان نہیں ہلائی جا رہی، یہ آخر محترمہ صنوبر کہاں ہیں جن کی اس کمرے میں بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔" زیبی نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا، پھر دوبارہ شیری کو اپنی طرف متوجہ کر کے بتانے لگی کہ وہ صنوبر ہے اور ذہین شیری نے فورا" ہی سمجھ بھی لیا۔

"ارے کیا آپ صنوبر ہیں۔ میرے خدا یہ آج کل کے بزرگ بڑے شریر ہو گئے ہیں۔ مجھے بتایا ہی نہیں کہ صنوبر مجھ سے بڑی ہیں۔ تبھی تو میں کہوں کہ اتنی سی بچی نے اتنا اچھا گھر کیسے سجا دیا۔" پھر اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور اب شاہ رخ کی تصویر اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے تصویر کے قریب پہنچ اور اسے بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ کیا.......... یہ انکل شاہ رخ پہلے ایسے تھے؟" اسی وقت زیبی نے تصویر اٹھائی اور دوپٹے سے اس پر لگی ہوئی لپ اسٹک پوری طرح صاف کر دی تو شیری

مسکرا کر بولی۔

"ہوں تو یہ بات ہے' ٹھیک آیئے ذرا ہمارے ساتھ۔ آپ کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ آیئے آیئے........." اور پھر شیری زیبی کی کلائی پکڑے باہر نکل آئی۔

زیبی کے دل میں ایک عجیب سی خوشی پھوٹ رہی تھی۔ یہ بچی تو قیامت ہے' یقینی طور پر مہمان آئی ہے اس سے پہلے کبھی اس بچی کو نہیں دیکھا تھا۔ بہرحال مہمانوں کے آنے سے اسے بھی خوشی ہوئی تھی۔ اور پھر جس نے اپنا نام شیری بتایا تھا بہت ہی خوبصورت باتیں کرتی تھی' اس کی شکل و صورت بھی بے پناہ حسین تھی۔ وہ زیبی کو ساتھ لئے ہوئے ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ اس دوران شاہ رخ بھی آگیا تھا اور ان کے درمیان باتیں ہو رہی تھیں۔ شیری نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"لیجئے خواتین و حضرات! ہم فرشتی پکڑ لائے ہیں۔ مما پیا آپ کی خدمت میں کنجوس مکھی چوس صنوبر۔"

"ارے شیری یہ کیا بدتمیزی ہے؟" نزہت نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں ممی یہ بدتمیزی نہیں مس صنوبر ہیں۔ ہم نے انہیں کنجوس اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے ہمیں ہیلو تک نہیں کہا۔" شیری کے ان الفاظ پر شاہ رخ اور فرزانہ بیگم ایک لمحے کے لئے افسردہ ہوگئے تھے۔ نزہت نے فوراً" ہی کہا۔

"نہیں بھئی یہ تو بہت پیاری ہے' واقعی چچی جان یہی صنوبر ہے' ہم تو انہیں بہت چھوٹا سمجھ رہے تھے آؤ صنوبر' واقعی تم تو بہت ہی پیاری ہو' اور اتنی پیاری لڑکی اگر اتنا پیارا گھر سجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے آؤ نا' پہلے کہاں رہتی تھیں چچی جان مجھے صنوبر کے بارے میں تفصیلات بتایئے نا۔" فرزانہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

"صنوبر بیٹا! مہمانوں کے لئے چائے بناؤ۔" زیبی نے واپسی کے لئے قدم

بڑھائے تو نزہت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بھئی پی لیں گے چائے۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ ذرا صنوبر سے کچھ باتیں تو کر لیں۔"

"ویسے شارو انکل پہلے آپ کی داڑھی اور مونچھیں دونوں تھیں اور وہ بھی سرخ رنگ کی۔"

"کیا مطلب۔ سرخ رنگ کی ڈاڑھی مونچھیں؟" شاہ رخ نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں نجانے کیوں میں نے عالم تصور میں آپ کے چہرے پر اس طرح کی داڑھی مونچھیں دیکھی ہیں۔" شاہ رخ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ادھر زیبی کے ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے تھے۔ پھر نزہت نے کہا۔ "بھئی صنوبر اپنے بارے میں کچھ اور تو بتاؤ تم تو بولتی ہی نہیں۔" مجبوراً" فرزانہ بیگم کو بولنا پڑا۔ انہوں نے کسی قدر مضمحل لہجے میں کہا۔

"نزہت! صنوبر بول نہیں سکتی۔" نزہت اور حیدر زمان سکتے میں رہ گئے تھے۔ نزہت کے ہاتھ سے زیبی کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا۔ زیبی لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئی اور کمرے میں ایک سوگوار سا ماحول طاری ہوگیا۔ پھر نزہت نے افسردگی سے کہا۔

"ہائے کیسی پیاری بچی ہے۔ آپ کے پاس کہاں سے آئی۔ افسوس بول نہیں سکتی وہ۔" شیری بھی ایک دم خاموش ہوگئی تھی۔ بے شک بچی تھی لیکن اب اسے سب کچھ یاد کر کے افسوس ہو رہا تھا۔ شاہ رخ نے مدھم لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں بھابی! بہت ہی پراسرار شخصیت ہے اس کی۔ کسی وقت آپ کو تفصیل سے بتاؤں گ۔" سب کے چہرے افسردگی کا شکار ہوگئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اماں کہ انسان زندگی میں اپنے طور پر کتنے ہی اقدار بنالے لیکن سچ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے عائد کردہ مجبوریاں شخصیت کی بنیاد ہوتی ہیں۔ دو دن کھانا نہ کھاکر میں نے بڑا تجربہ حاصل کیا ہے اماں۔ میں نے سوچا کہ کیا ہے یہ سب کچھ۔ ضرورت ہی تو زندگی کی بنیاد ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا نہ ملے۔ وہ دن کا فاقہ کرلیا جائے تو ساری خواہشیں پس پشت جا پڑتی ہیں انسان کو اپنی اوقات کا لمحوں میں اندازہ ہو جاتا ہے۔ بنیادی ضرورت سب سے پہلی چیز ہے۔ سو اماں یہ تجربہ کرنے کے بعد میں باہر نکل آئی۔ تم ٹھیک کہتی ہو دنیا بھی ٹھیک کہتی ہے۔ بڑے بڑے دانشور بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ بنیاد بنیاد ہوتی ہے۔ طلب کے لئے انسان فاقہ کشی نہیں کر سکتا۔ بے شک لوگ مرجاتے ہیں۔ لیکن ناہوش ہوتے ہیں وہ' ہوشمندی صرف ایک ہی تقاضا کرتی ہے۔ اپنی اوقات کو پہچانو' اپنے اطراف کو دیکھو۔ پھر اپنے بارے میں فیصلہ کرو۔ خود کو سمجھ کر جو بھی فیصلہ کرو گے وہ ٹھیک ہوگا۔ بس اماں تجربہ نہیں ہو تانا۔ میں نے نادر شاہ سے کہا تھا مجھ سے شادی کرلے۔ اماں! نہ وہ خوبصورت ہے' نہ میں جانتی ہوں کہ وہ کون ہے اور نہ ہی اماں میرے دل میں یہ

آرزو تھی کہ وہ مجھ سے شادی کرکے مجھے اور دولت دے۔ بس یہ خیال تھا کہ تھوڑی سی عزت مل جائے اب ہر چیز تو نہیں مل جاتی اماں۔ جو ہے وہی کافی ہے۔ افضال صاحب! آپ مرحوم ہوگئے ہیں' نئی زندگی پائیں۔ مجھے شاعری سکھائیں تاکہ اپنی گفتگو میں خوبصورت موتی جڑ کے میں دنیا کو رجھاسکوں۔ نادر شاہ کو اپنے قدموں میں جھکاؤں' اس نے جو کچھ کہا ہے میرے لئے' اسے وہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ لیکن خیر' مجھے اس سے محبت تو کبھی نہیں تھی۔ اس نے میرے دل میں انتقام کی شمع جلا دی ہے اور اس سے انتقام یہی ہے کہ ساری زندگی اس سے جھوٹ بولا جائے۔ ایسا جھوٹ جو اسے خوش کردے۔ لیکن ان الفاظ میں جو کچھ کہا جائے وہ اس کا مقدر نہ ہو۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک کہتی ہے بیٹی' یہی ہماری اصل ہے' اور اسی اصل میں ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ اصل سے ہٹنے والے زندگی سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اور میں نہیں چاہتی میری بچی کہ تو زندگی سے دور ہو۔"

"چائے لیجئے اماں۔ اور جناب مرحوم آپ بھی۔"

یاقوت کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ شاعر تو اسے گہری نگاہ سے دیکھ رہا تھا' لیکن جانم کی نگاہ میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ یاقوت کے سینے میں پھڑپھڑاتے ہوئی دل کو دیکھ سکے' جو آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ ضمیر کی موت بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اسے قتل کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ اور شاعر جانتا تھا کہ یاقوت اس وقت اسی مشکل سے گزر رہی ہے۔

فیروز نے اپنی قیمتی کار ہوٹل پلازہ کے پارکنگ لاٹ پر روک دی' لڑکی ٹیکسی سے اتر کر اندر جارہی تھی' فیروز اس کے پیچھے چل پڑا۔ کوئی دو گھنٹے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا اور اس سے سوفیصد یقین ہوگیا تھا کہ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے جو شبہ اس لڑکی کے بارے میں ظاہر کیا گیا ہے وہ غلط نہیں' ہے' فیروز کو تعجب ہوا تھا خیر یہ بات تو اس کی تربیت میں شامل تھی کہ چہروں سے کبھی دھوکہ نا کھایا جائے بلکہ اگر چہروں کی بناوٹ انتہائی حد تک معصومیت لئے ہوئے ہو تو اس کی طرف سے زیادہ احتیاط ضروری ہے کیونکہ اسے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اس طرف توجہ نہیں جاتی جب کہ درحقیقت یہی معصومیت کبھی کبھی زہر قاتل ثابت ہوتی ہے' ڈپارٹمنٹ کی طرف سے جب اسے لڑکی کی تصویر موصول ہوئی تھی تو وہ دھک سے رہ گیا تھا اس تصویر کے ساتھ جو تفصیل اسے فراہم ہوئی تھی وہ پہلے ہی اس بات کا یقین دلاتی تھی کہ ڈپارٹمنٹ کا لڑکی پر شبہ غلط نہیں ہے' اس لڑکی کو اس نے بارہا اپنے پیٹرول پمپ پر کام کے دوران دیکھا تھا اور دو تین بار اس کے بارے میں سوچا بھی تھا کہ یہ لڑکی کیا چیز ہے کیونکہ وہ مختلف کاروں میں وہاں سے گزرتی نظر آتی

تھی۔ لڑکی کے چہرے کی معصومیت دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی طور غلط نہیں ہے لیکن بس اسے مختلف لوگوں کے ساتھ دیکھ کر دو تین بار فیروز نے اس کے بارے میں سوچا تھا لیکن کیونکہ ایسے بہت سے واقعات ہو جایا کرتے ہیں اس لئے کوئی خاص تشویش یا دلچسپی بھی اس کے ذہن میں نہیں جاگی تھی' لیکن اب ایک دم اسے سوچنے پر مجبور کر دیا گیا تھا ڈپارٹمنٹ کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکی پہلے بھی کچھ پراسرار سرگرمیوں میں ملوث پائی گئی تھی۔ لیکن بعد مین جب اس کے بارے میں معلومات کی گئی تو کوئی خاص معلومات نہیں حاصل ہو سکی۔ البتہ اب ایک بار پھر ایک بہت بڑے معاملے میں اس کی شخصیت سامنے آئی ہے تو اب اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل معلوم کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے اور چونکہ یہ معاملہ اسی ایجنسی کے سپرد تھا جس سے فیروز کا تعلق تھا اس لئے جب کام کی تقسیم ہوئی تو یہ ذمہ داری اس کے حساب میں آگئی۔ فیروز ذہین تھا اس نے اپنے ڈپارٹمنٹ کو بالکل یہ ظاہر نہیں کیا کہ لڑکی کے بارے میں وہ مشکوک رہ چکا ہے' اس طرح کچھ ذمہ داریاں خود بخود عائد ہو جاتی ہیں' وہ تو اس بات کا قائل تھا کہ اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ اس کے بعد بغلیں بجاؤ۔ بہرحال اس نے لڑکی کو ٹریس کر لیا تھا اور یہ بھی اسی کا کام تھا' جب اسے یہ تصویر حاصل ہوئی تھی تو اس نے بے چینی سے انتظار کیا تھا کہ لڑکی کسی وقت دوبارہ یہاں آئے اور اس کی خوش قسمتی نے اسے یہ موقع فراہم کر دیا تھا اس بار لڑکی سیاہ رنگ کی ایک سوک میں یہاں تک آئی تھی اور فیروز نے اس سوک کا نمبر نوٹ کر لیا تھا' پھر معلومات کرنے سے اسے پتہ چلا کہ سوک کسی فرم کی ملکیت ہے اور فرم کی طرف سے فرم کے افسران کو لانے لے جانے میں استعمال ہوتی ہے' اس جگہ سے فیروز نے لڑکی کو ٹریس کیا تھا اس وقت وہ سوک میں تو نہیں تھی لیکن نکلی اسی فرم کے دفتر سے تھی اور اس کے بعد ٹیکسی لے کر چل

پڑی تھی دو گھنٹے کے لئے ایک ٹیکسی ہائر کرنا مختلف علاقوں میں جانا اور اس کے بعد ہوٹل پلازہ آنا ہی بڑی اہمیت کا حامل تھا ایک عام لڑکی چاہے ورکنگ وومن ہی کیوں نا ہو اتنی جدوجہد کی حامل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اب فیروز تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا پھر اس نے ہوٹل کی لابی میں لڑکی کو ایک میز پر بیٹھے ہوئے دیکھا اس نے اپنے لئے چائے طلب کرلی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر سوئمنگ پول تھا۔ درخت لگے ہوئے تھے۔ ماحول بہت خوبصورت تھا فیروز نے ایک ایسا اینگل سنبھال لیا جہاں سے وہ لڑکی کا جائزہ لے سکے۔ پھر اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا تاثرات جنم لینے لگے چہرے واقعی اصلیت نہیں بتاتے۔ پہلے لوگ سیدھے سچے ہوا کرتے تھے اور اس دور کے بوجھ بجھکڑ کہتے تھے کہ چہرے شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اس دور میں یہ معاملہ بالکل قابل اعتبار نہیں تھا پتہ نہیں لڑکی کن چکروں میں پھنسی ہوئی ہے اور کیوں پھنسی ہوئی ہے۔ نا اس کی عمر ایسی تھی کہ وہ جرم کی دنیا میں آجائے نا اس کی شخصیت لیکن بہرحال کچھ تھا جس کی تصدیق بھی ہوتی جارہی تھی۔ فیروز نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سوچنے لگا کہ اب کہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ لڑکی کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ دیر تک یہاں رکے گی شاید اسے کسی کا انتظار ہے ایسی شکل میں یہاں کھڑے ہو کر زیادہ وقت نہیں گزارا جاسکتا کوئی ایسی جگہ منتخب کرلی جائے جہاں بیٹھ کر اس کی نگرانی میں کوئی دقت نہ ہو' یہ فیصلہ کرکے ابھی اس نے جگہ کی تلاش میں نگاہیں اٹھائیں ہی تھیں کہ اچانک ہی عقب سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"مسٹر فیروز۔" اور اپنا نام سن کر پلٹ کر دیکھنا بالکل فطرت انسانی کے مطابق تھا وہ بے اختیار پلٹا تھا اور پھر ایک لمحے کے اندر یہ سنسنی خیز صورتحال اس کے ذہن میں آگئی تھی اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے' آواز دینے والی عشرت تھی۔

اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید اس وقت سارے راز کھل گئے ہوتے' لیکن کمانڈوز کو ہر طرح کی تربیت دی جاتی ہے اور اس میں اعصابی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اعصاب کو پوری طرح قابو میں رکھ کر کام کرنا ہوتا ہے چنانچہ صرف ایک لمحہ مشکل کا گزارا تھا' لیکن دوسرے لمحے فیروز نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے عشرت کے قرب و جوار میں نگاہیں دوڑائیں اور پھر ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پیدا کرکے بولا۔

"ہیلو جرنلسٹ! ہو سکتا ہے تمہیں میرے اس طرح مخاطب کرنے پر حیرت ہوئی ہو' لیکن میری خوبی ہے کہ ایک بار جسے دیکھ لیتا ہوں بھولتا نہیں۔" عشرت نے شوخ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر بولی۔ "ایک بار۔؟"

"کیا مطلب۔؟"

"نہیں کوئی مطلب نہیں' ویسے آپ کا نام فیروز ہے نا' پورا نام کیا ہے۔ فیروز شاہ تعلق یا تانا شاہ۔" فیروز اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال چکا تھا۔ اس نے کہا۔

"آپ نے شاید فیروز کہہ کر ہی مجھے مخاطب کیا تھا؟"

"ہاں اور آپ مخاطب بھی ہوئے تھے۔"

"کوئی بہت ہی دلچسپ غلط فہمی چل رہی ہے مس۔ چلئے آپ اپنا نام بتا دیجئے مجھے۔"

"آپ میرا نام جانتے ہیں مسٹر فیروز۔"

"ٹھیک میرے لائق کوئی خدمت ہے۔"

"کوئی خدمت نہیں بس میں یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے چھپنے کی کوشش مت کرو۔"

"ارے آپ نے بے تکلفی کی جانب ایک اور قدم نہیں بڑھا دیا۔"

"مجھے کہیں بٹھا کر چائے پلاؤ۔" عشرت نے کہا۔

فیروز اسے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا تھا اس وقت' وہ ڈیوٹی پر تھا اور ویسے بھی عشرت پر وہ اپنی اصل شخصیت کسی طور ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس کی ذمہ داری کا معاملہ تھا پھر اچانک ہی اس نے لڑکی کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ گہرے سرخ رنگ کی ایک کار تھوڑے فاصلے پر آکر رکی تھی اور ایک نوجوان نے لڑکی کو اشارہ کیا تھا چنانچہ لڑکی اٹھنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ فیروز کو خود بھی اس کے پیچھے جانا تھا چنانچہ اس نے فوراً" ہی اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ ابھی اس کے پاس چند لمحات تھے۔ اس نے کہا۔

"تو یہ اتنی سی بات تھی بس۔ محترمہ چائے پلانا ویسے بھی ایک اخلاقی عمل ہے' لیکن نجانے کیوں آپ میرے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہیں آپ سے صرف ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شادی شدہ ہوں اور جس لڑکی سے میں نے شادی کی ہے اس سے محبت بھی کرتا تھا اور کرتا ہوں۔ آپ کے لئے میرے پاس کوئی گنجائش نہیں

ہے۔ ہاں' چائے کا بل میری طرف سے۔" اس نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر عشرت کے سامنے اچھال دیا اور اس کے بعد برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ ایک لمحے کے لئے عشرت کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے اور یہ بھی نہیں دیکھا اس نے کہ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر اس سرخ کار کے پیچھے چلا ہے تو عشرت نے اس کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔

حیدر زمان اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے سلسلے میں کسی قدر پریشان تھا۔ یہ اس کی اپنی فطرت تھی کہ آج تک جو کام بھی اسے سونپا گیا اس نے اعلیٰ حکام کو اس کے لئے ذرا بھی متردد نہ ہونے دیا اور بڑی خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا رہا۔ اس طرح اسے فارسٹ آفیسر کی پوسٹ دی گئی تھی تو وہ یہ چاہتا تھا کہ جنگل کے ان درختوں کو ہر طرح کی تباہی سے پاک کر دے اور اس کے لئے وہ دل و جان سے سرگرداں تھا۔ قیمتی درخت اسے اپنی زندگی کا سرمایہ معلوم ہوتے تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک بھی درخت ضائع کیا جائے۔ یہ اس کی اپنی ذہنی کیفیت تھی لیکن نزہت اور شیری یہاں آکر بہت خوش تھے۔ انہیں جنگل کے اس ماحول میں بہت لطف آرہا تھا لاتعداد دبی ہوئی خواہشیں جاگ اٹھی تھیں۔ اس وقت بھی شیری قالین پر اوندھی لیٹی ہوئی تصویروں والی کتاب دیکھ رہی تھی اور نزہت شوہر کے لباس درست کرکے الماری میں رکھ رہی تھی۔ ایک ملازمہ ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ملازمہ نے استری کیا ہوا لباس لاکر نزہت کو دیا۔

نزہت استری کئے ہوئے کپڑوں کو لے کر الماری کی جانب بڑھی تو نظر کارنر پر

رکھی حیدر زمان کی تصویر پر پڑی۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پوٹریٹ لگا ہوا تھا۔ جس میں ایک دیہاتی عورت کھیتوں پر اپنے شوہر کو کھانا کھلا رہی ہے اور پنکھا جھل رہی ہے۔ نزہت نے اسے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک لمحے کے لئے سوچ کی کئی پرچھائیاں چہرے سے گزر گئیں۔ نگاہیں شیری کی جانب اٹھیں تو اس نے شیری کو پکار لیا۔

"شیری۔"

"جی ماما۔"

"ابو کے پاس چلیں۔؟" نزہت نے سوال کیا تو شیری حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "ابو کے پاس، جنگل میں۔؟"

"ہاں ابھی وقت ہے۔ نوکر سائیکل پر کھانا لے کر جائے گا۔ آج ایسا کرتے ہیں کہ ہم ہی کھانا لے کر ان کے پاس پہنچ جائیں، مزہ آئے گا وہ حیران رہ جائیں گے۔"

شیری خوشی سے کتاب رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ماما! وہ ہم نے فلم میں دیکھا تھا نا ایسے ہی چلیں گے نا ہم۔"

"بالکل ایسے ہی۔" اور اس کے بعد ماں بیٹیاں تیاریاں کرنے لگیں۔

پھر جس وقت وہ گاؤں کی لڑکیوں کی طرح کھانے کے برتن لے کر اس جگہ پہنچیں جہاں جنگل میں درختوں کی جڑوں کی صفائی کرنے والے ایک ملازم نے اشارہ کرکے انہیں بتایا تھا۔ کہ زمان صاحب ادھر ہے تو انہوں نے حیدر زمان کو دیکھا جو درخت کی جڑ کے پاس بیٹھ کر اس کی مٹی دیکھ رہا تھا۔ شیری نے ماں کو اشارہ کیا اور درخت کے عقب میں پہنچ گئیں۔ وہاں سے اس نے حیدر زمان کو آواز دی۔

"پاپا۔" اور حیدر زمان بری طرح چونک پڑا۔ شیری کی آواز کو اس نے بخوبی پہچان لیا تھا۔ حیرانی سے اپنی جگہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا پھر اپنے خیال کو وہم

سمجھ کر دوبارہ درخت کی جانب متوجہ ہوگیا تو اچانک اسے چوڑیوں کی کھنک سنائی دی۔ یوں لگا جیسے کسی نے کلائی پر کلائی مار کر چوڑیاں بجائی ہوں اور اس کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں نزہت کی آواز ابھری۔

"سنئے" حیدر زمان اچھل پڑا اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

"کمال ہے یہ دونوں ماں بیٹیاں آج میرے حواس پر کہاں سے چھاگئیں۔"

"پاپا۔" شیری کی آواز اس کے کانوں میں پھر ابھری۔

"کھانا نہیں کھائیں گے کیا۔؟" یہ آواز نزہت کی تھی اور اب وہم کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

چنانچہ حیدر زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے اپنا رخ تبدیل کیا اور پھر اس کے حلق سے شیر کی سی غراہٹ نکلی بس اتنا کافی تھا۔ دونوں ماں بیٹیاں چیختی ہوئی باہر نکل آئیں اور حیدر زمان نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور شیری کو گود میں اٹھالیا۔

"کیا ہوا بھئی۔ کیا شرارت ہو رہی ہے یہ اور آپ دونوں خواتین کہاں سے نکل آئیں۔"

"پپا شیر آگیا۔" شیری نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مجال ہے شیر کی کہ تمہارے پاپا کے سامنے آئے۔"

"نہیں پاپا میں نے خود اس کی آواز سنی ہے۔"

"شیر۔ شیر کی آواز میں ہی بولتے ہیں کیا سمجھیں۔ سنائیں تمہیں شیر کی آواز۔" حیدر زمان نے ایک بار پھر حلق سے شیر کی آواز نکالی اور اس کے بعد فخریہ انداز میں نزہت کو دیکھنے لگا۔

"کھانا لائی ہوں آپ کے لئے۔" نزہت نے کھانے کے برتن سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ.......... واقعی تم نے تو سچ مچ آج یہ احساس دلا دیا کہ ہم جنگل کے بادشاہ ہیں۔" پھر تینوں ایک درخت کے سائے میں جاکر بیٹھ گئے حیدر زمان بہت زیادہ خوش نظر آرہا تھا۔ نزہت سے باتیں کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یقین کرو نزہت خود میرے ذہن میں ایسا ہی ماحول تھا اور میں نے سوچا تھا کہ جنگل میں آنے کے بعد صرف ایک فارسٹ آفیسر ہی نہیں رہوں گا بلکہ دیہاتی ماحول سے پورا پورا لطف حاصل کریں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی اس میں کچھ وقت لگے گا۔"

"وقت۔" نزہت نے شوہر کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے ماحول میں ابھی تھوڑی سی برائی ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس ماحول کو سنبھالیں ان لوگوں کو راہ راست پر لائیں جو جنگل کے ماحول میں غلاظت پیدا کر رہے ہیں۔"

"ایک بات میں پھر بھی کہوں گی حیدر براہ کرم کسی سے دشمنی لینے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ پہاڑی علاقے ہیں اور یہاں کی دشمنیاں بہت مشہور ہوتی ہیں۔"

"فرض کی ادائیگی میں تھوڑی سی سختی نہ برتی جائے نزہت تو بات بنتی نہیں ہے۔" حیدر زمان نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

نایاب انتظار کرتی رہی۔ نادر شاہ اس دن صبح ہی صبح نکل گیا تھا اور نایاب انتظار ہی کرتی رہ گئی تھی۔ رات بھر اس نے اپنے گھر جانے کے خواب دیکھے تھے۔ ماں باپ کا گھر ایک الگ ہی مقام رکھتا ہے اور وہاں جانے کا تصور بہت دلکش ہوتا ہے۔ نوری سے بھی وہ اس بارے میں باتیں کرتی رہی تھی بابا جان' بہن اور بھائی سب کے تذکرے ہوتے رہے تھے۔ نوری خود بھی بہت خوش تھی۔ اسی گھر میں پلی بڑھی تھی اور اسے بھی اسی طرح گھر سے پیار تھا جس طرح خود نایاب کو۔ جہانگیر اور الماس بھی یاد آتے تھے کافی دن سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن دوسرا دن اسی طرح گزر گیا اور دونوں انتظار کرتی رہیں۔ اس وقت بھی نوری نایاب کے قدموں میں بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ نوری آہستہ آہستہ گنگنانے لگی۔ ایک درد بھرا گیت اس کے ہونٹوں سے پھسل رہا تھا اور نایاب اس کی آواز سن رہی تھی جب نوری خاموش ہوگئی تو نایاب نے کہا۔

"نوری بچپن سے ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تو مجھے اور میں تجھے۔ لیکن کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے صرف تو مجھے جانتی ہے۔ میں

تجھے نہیں جانتی۔"

"کیوں نایاب بی بی۔"

"تیرے دل میں ضرور کوئی درد بسا ہوا ہے۔"

"دل تو ہے ہی درد کی بستی نایاب بی بی۔ سمجھنے والے سمجھدار لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہی کہتی ہے تو' لیکن یہ درد نظر کیوں نہیں آتا نوری' لوگ اسے دیکھ کر کیوں نہیں جان لیتے کہ کون سا دل درد آشنا ہے۔ اس درد کی دوا کیوں نہیں کی جاتی نوری۔" نایاب نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا ہی ہوتا ہے۔ نایاب بی بی بہت سی چیزیں سب کو دکھانے کے لئے نہیں ہوتیں۔"

"بڑی بات کرتی ہے نوری۔ بہت بڑی باتیں کرتی ہے۔"

"بس چھوٹی سرکار! کبھی کبھی بہت بڑی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن زبان سے نہیں نکلتیں۔"

"کوئی بات کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"ہاں آپ سے بھی تو پوچھنا چاہتی ہوں' آپ کے چہرے پر کبھی خوشی ہی نظر نہیں آتی۔ آپ نے ابھی مجھ سے کہا ہے کہ نایاب بی بی میں آپ کو بچپن سے جانتی ہوں۔ تو یہ بات آپ بھی میرے بارے میں جانتی ہیں اور میں بھی آپ کے بارے میں جانتی ہوں کہ نہ آپ نے کسی سے دل لگایا ہے اور نہ میں نے' لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی کی کسی سے شادی ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں اس کے لئے محبت کی کونپل پھوٹ اٹھتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کونپل جوان ہو جاتی ہے۔ مگر آپ اب بھی اداس رہتی ہیں۔ حالانکہ اللہ نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے۔"

"ایک بات کہوں تم سے نوری' مصیبت انسان بناتی ہے اور مال و دولت شیطان' خدا اگر انسان کو سکون دے دیتا تو میرا خیال ہے وہ خدا کی پرستش کبھی نہ کرتا نوری۔"

"اتنی بڑی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں' نایاب بی بی' لیکن آپ جو کچھ کہتی ہو ٹھیک کہتی ہو۔"

ایک بار پھر نادر شاہ دروازے سے اندر داخل ہوا۔ تو نوری جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ نادر شاہ نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"اصولی طور پر ہمیں تم سے معافی مانگنی چاہیے نایاب' کیونکہ آج ہم نے تمہیں بابا جان کے پاس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن کیا بتائیں ہم خود اس طرح مصروف ہوگئے کہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکے۔ بس کیا بتائیں تمہیں نایاب۔ مشکلیں آتی رہتی ہیں۔ دنیا کے کاروبار میں کبھی کبھی تدبیر تقدیر کا بالکل ساتھ نہیں دیتی۔"

"اللہ نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے شاہ جی پھر آپ پریشانیاں کیوں مول لیتے پھرتے ہیں۔" نایاب نے کہا اور نادر شاہ کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی وہ آگے بڑھا اور نایاب کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"پروانہ ایک بار شمع کے پاس آجائے تو کبھی واپس تاریکی میں نہیں جاتا' چیونٹی مٹھائی کے ڈھیر میں مرجاتی ہے مگر اسے چھوڑتی نہیں۔ اسی طرح نایاب میں بھی اپنے پسند کے عمل کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ہر مشکل اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہے اور چاہتا ہوں کہ وہ بن جاؤں جو بننے کی خواہش دل میں لئے اس نگری میں داخل ہوا ہوں۔ نایاب انسان ہمیشہ سہاروں کا متلاشی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے پیروں پہ اس قدر مضبوطی سے اپنے کھڑے ہو جانے کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں اور پتھر کے ستونوں میں کوئی فرق نہ رہے۔ لیکن اس کے لئے بھی اسے کسی ایسے اپنے کا

سہارا درکار ہوتا ہے جسے وہ اس قدر اپنا کہہ سکے جیسے اس کے ہاتھ۔"

"ہاں ایسا ہوتا ہے' لیکن شاہ جی آپ اگر مجھ سے کچھ چاہتے ہیں تو مجھے بتایئے۔"

"ہاں ہم تم سے ہی چاہتے ہیں' دولت کا حصول ہماری خواہش ہے۔ میں چاہتا ہوں نایاب کہ میرے اردگرد دولت کے انبار لگ جائیں۔"

"لگ جائیں گے شاہ جی۔ بزرگ کہتے ہیں کہ اولاد مرد کی تقدیر سے' میں نہیں جانتی کہ آپ کونسی دولت کے خواہش مند ہیں۔"

"ہم بھی اولاد کی بات نہیں کررہے۔ نہ ہماری عمر گئی ہے نہ تمہاری۔ عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن بہرحال میں تم سے جس خواہش کا اظہار کرچکا ہوں اور جس کے لئے میں تمہیں بابا جان کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کام اب ہمارے لئے بہت ضروری ہوگیا ہے۔"

"تو میں نے کب منع کیا تھا شاہ جی! آپ ہی نے میرا پورا دن انتظار میں کٹوا دیا۔"

"اس کے لئے ہم تم سے معذرت چاہتے ہیں۔ اب ایسا کرو۔"

"نہیں شاہ جی میں اس سلسلے میں اور تجویز پیش کروں آپ کو۔" نایاب نے نادر شاہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو۔"

"آپ خود بھی بابا جان کے پاس چلیں۔ ان سے بات کریں میرا خیال ہے آپ کی بات وہ کبھی نہیں ٹالیں گے۔ آپ کے سامنے ہی صحیح بات کا بھی پتہ چل جائے گا۔" نادر شاہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر بولا۔

"سو بار چلیں گے۔ بابا جان کو سلام کرنے جانا ہمارا فرض ہے۔ لیکن نایاب تم

ایک بات جانتی ہو کہ ہم کسی سے کچھ مانگتے نہیں ہیں۔"

"آپ چلیں تو صحیح' بابا جان آپ سے مل کر ہی خوش ہو جائیں گے اور پھر میں آپ کے سامنے ہی ان سے زمین کی بات کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ہم تمہارے ساتھ بے شک چلیں گے' لیکن جب تم ان سے زمین کی بات کرو گی تو ہم وہاں سے ہٹ جائیں گے۔"

"کیوں۔؟"

"اس لئے کہ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو ہم سے برداشت نہیں ہو گا۔ یہ سب تمہیں کرنا ہو گا سمجھیں۔ یہ سب تمہیں کرنا ہو گا۔ خیرو کہاں مر گیا' اندر آ اور یہ نوری کہاں چلی گئی اسے بلاؤ۔ ہم کہیں گئے تھے۔ تمہارے لئے کچھ تحفے لائے ہیں۔"

"میرے لئے اتنی تکلیف نہ کیا کریں شاہ جی' اللہ کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔"

"اللہ کا دیا تو ہی سب کچھ ہے تمہارے پاس۔ اللہ نے ہم پر بھی تو کچھ فرض عائد کیا ہے کہ تمہارے لئے کبھی کچھ لاتے رہا کریں۔" نادر شاہ نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر زور سے ملازم خیرو کو آواز دی۔ جب خیرو اندر آیا تو نادر شاہ نے کہا۔

"ہماری گاڑی میں پیکٹ رکھے ہوئے ہیں۔ سارے پیکٹ اٹھا کر لے آؤ۔"

خیرو گردن ہلا کر باہر نکل گیا تھا۔

شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اتر رہے تھے۔ تاحدِنظر ویران پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ان قدرتی گھاٹیوں اور وادیوں میں انسانی قدم کبھی نہ پہنچے ہوں' لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک گھاٹی کے کٹاؤ سے ایک بڑی لینڈ کروزر نمودار ہوئی اور پتھروں پر اچھلتی کودتی آگے بڑھتی ہوئی آخر کار ایک جگہ رک گئی۔ وہ لوگ جو لینڈ کروزر کے آنے سے پہلے چٹانوں کے پیچھے اپنے آپ کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے۔ اپنی جگہ سے باہر نکل آئے۔ لینڈ کروزر سے چند افراد نیچے اترے تھے اور اس کے بعد ایک خطرناک سی شکل کا آدمی جو لینڈ کروزر سے اترنے والا آخری آدمی تھا دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں دبی ہوئی تھیں۔ جو لوگ پہلے سے گھاٹی میں موجود تھے وہ بھی مسلح تھے اور آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ پھر لینڈ کروزر سے اترنے والے خطرناک شکل کے آدمی نے چھپے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کہیے مسٹر شرجیل آپ کیسے ہیں۔ سب خیریت ہے نا۔"

"تم مجھے پہچانتے ہو۔"

"بگ باس کے آدمیوں میں سے ایک ایک شخص ہمارا شناسا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری ملاقات نہ ہو یا ہو بھی تو اتفاقیہ طور پر' ویسے تم سب لوگ خیریت سے ہو نا۔"

"ہاں' ہم پہاڑوں میں رہنے والے خیریت ہی سے رہتے ہیں۔ پتھروں میں پیدا ہوتے ہیں۔ پتھروں کی طرح مضبوط ہوتے ہیں۔ تم شہری لوگ اپنی سناؤ۔ سرحد پار سب خیریت ہے نا۔"

"ہاں۔ بگ باس کے اشارے پر ہمارے چیف نے کچھ نمونے بھیجے ہیں' لیکن ساتھ ہی ساتھ اس تشویش کا بھی اظہار کیا ہے کہ جو راستے بند کر دیئے گئے ہیں' اگر وہ نہ کھولے گئے تو سارا کام ختم ہو جائے گا۔ جن راستوں سے گزر کر ہم یہاں تک آئے ہیں ان پر قدم قدم پر موت بکھری ہوئی ہے۔ یہ پیغام اگر ہمیں اس طرح نہ پہنچانا ہوتا' یا یہ نمونے ہمیں اس طرح پہنچانا ضروری نہ ہوتے تو شاید ہم اتنا خطرہ مول لے کر ادھر آنا پسند نہ کرتے۔ اپنے باس کو اس بارے میں تفصیل بتا دینا اور یہ بھی ہمارے سربراہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے' اسے اپنے باس تک پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ نمونے کہاں ہیں؟" شرجیل نے پوچھا اور جواب میں اس شخص نے لینڈ کروزر کی طرف اشارہ کیا۔ لینڈ کروزر سے کچھ پیکٹ نکالے گئے اور شرجیل نے یہ پیکٹ اپنے آدمیوں کے حوالے کرتے ہوئے گردن ہلا دی۔ وہ سب ان پیکٹوں کو اپنے کندھے پر رکھ کر وادی کے اس راستے کی جانب چل پڑے جہاں سے وہ اوپر آئے تھے۔ شرجیل نے مزید گفتگو آنے والے مہمانوں سے کی اور اس کے بعد انہیں اطمینان دلایا کہ نئے راستے بہت جلد کھول دیئے جائیں گے۔ یہ وہ ذاتی طور پر کہہ رہا ہے' باقی پیغام خود نادر شاہ ان لوگوں کو دے گا اور اس کے بعد وہ سب لوگ لینڈ کروزر میں بیٹھ کر واپس اسی کٹاؤ میں داخل ہو گئے جو شاید کبھی کسی زلزلے کی بناء پر

پہاڑیوں کے نیچے تک پھٹ جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد لینڈ کروزر اس میں غائب ہو گئی تو شرجیل اپنے دو مسلح ساتھیوں کے ساتھ واپسی کے لئے پلٹا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔ باقی ساتھی بھی لینڈ کروزر سے اتارا ہوا سامان لے کر گھاٹی کی بلندیوں کی جانب چل پڑے تھے اور پھر جب وہ گھاٹی کے اوپری حصے پر پہنچے تو وہاں بھی دو جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ ساتھ لایا ہوا سامان ان جیپوں پر رکھا گیا۔ پھر سب لوگ ان جیپوں میں بیٹھ گئے تھے۔ شرجیل بھی انہی دونوں جیپوں میں سے ایک جیپ میں جا بیٹھا تھا اور پھر ان ناہموار اور پیچیدہ راستوں پر یہ جیپیں انتہائی سست رفتاری سے آگے بڑھ گئیں۔

سردار تیمور نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور پھرتی سے اس پہاڑی ٹیلے سے نیچے اترنے لگا جس کے عقبی حصے میں سیاہ رنگ کا ایک قد آور گھوڑا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی اور اس نے نہایت خاموشی اختیار کی ہوئی تھی' جیسے مالک کی کیفیت کو سمجھتا ہو۔ سردار تیمور گھوڑے کی پشت پر سوار ہوگیا اور پھر اس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے ہی بیٹھے دور جاتی ہوئی جیپوں کا جائزہ لیا اور خاصے فاصلے پر جاتی ہوئی جیپوں کا احتیاط کے ساتھ تعاقب کرنے لگا۔ رات تیزی سے اترتی چلی آرہی تھی۔ سردار تیمور کے شانے سے رائفل لٹکی ہوئی تھی اور اس کا ہوشیار گھوڑا بہت احتیاط سے جیپوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ جنہیں اب تاریکی میں سفر کرتے ہوئے اپنی روشنیاں جلائی پڑی تھیں اور سردار تیمور صرف جیپوں کی عقبی روشنیوں کے سہارے ان کا تعاقب کر رہا تھا' حالانکہ اس کی عمر یہ پر مشقت کام کرنے کی نہیں تھی لیکن دل کی کوئی ایسی لگن تھی کوئی ایسا ذہنی دباؤ تھا اس پر کہ وہ اپنی عمر اپنی اس کیفیت کو بھول کر یہ سفر کرنے پر مجبور تھا پھر جیپیں ایک مخصوص راستے پر پہنچ گئیں۔ اب راستے ہموار تھے اور جیپوں کا یہ سفر مشکل نہیں تھا' ایک جگہ سردار

تیمور نے اپنا گھوڑا روک لیا اور افسردہ نگاہوں سے دور جاتی ہوئی جیپوں کو دیکھ لیا۔ غالباً" یہاں تک آکر وہ جیپوں کی صحیح سمت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا اور جو اندازہ اس نے لگایا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ دل پر جو ایک بوجھ تھا اسے دور کرنے کے لئے اس نے اس پر مشقت کام کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن یہ شبہ رفع ہونے کے بجائے اب اس کے دل پر مزید بوجھ بن گیا تھا۔ دیر تک وہ خاموشی سے کھڑا اس راستے کو دیکھتا رہا جو اسی طرف جاتا تھا۔ جدھر کا اس نے تصور کیا تھا اور پھر جب بہت دیر اسی طرح گزر گئی اور جیپوں کا نام و نشان بھی نہ رہا تو اس نے افسردگی کے عالم میں گھوڑے کا رخ تبدیل کیا اور پھر اس کی پشت پر ہاتھ مار کر اسے آگے چلنے کا اشارہ کر دیا۔

ماحول اتنا پراسرار اور طلسمی تھا۔ اگر ذہنی کیفیت ایسی نہ ہوتی تو یقینی طور پر سلطان اس ماحول سے بہت متاثر ہوتا لیکن اب وہ ساری دنیا کو لاپروائی سے دیکھتا تھا۔ زندگی نجانے کس کے انتظار میں گزر رہی تھی۔ دنیا بری لگنے لگی تھی۔ بس ایک آرزو روشن تھی۔ ورنہ ہر طرف تاریکیوں کا راج تھا۔ نیم تاریک ماحول میں بیٹھے ہوئے شخص نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اور تمہاری اعلیٰ کارکردگی کا اعتراف میں نے پہلے بھی کیا ہے اور اب بھی کر رہا ہوں، میں چاہتا ہوں سلطان کہ تم ہماری اس آرگنائزیشن میں نمایاں حیثیت حاصل کرلو، لیکن یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہ سارے امتحانات پاس کرلو جو ہم نے ایک معیار کے طور پر رکھے ہیں چنانچہ اس وقت تمہیں ایک اہم کام سونپا جارہا ہے۔ جیک تصویر سلطان کو دے دو۔" باس نے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا اور وہ مہذب انداز میں آگے بڑھا اور اس نے ایک تصویر سلطان کے سامنے رکھ دی۔ ایک خوش شکل لڑکی کی تصویر تھی۔ سلطان سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ باس نے کہا۔

"اس کا تعلق ہماری ہی آرگنائزیشن سے ہے۔ لیکن اس نے ان ہدایات کا خیال نہیں رکھا جو اسے دی جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں یہ کچھ ایجنسیوں کی نگاہوں میں مشکوک ہوگئی ہے۔ ایسی کسی لڑکی کو زندہ رکھنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ ذمے داری تمہیں سونپی جارہی ہے سلطان، اس کے بارے میں تمہیں مزید تفصیلات جیک بتا دے گا، لیکن اسے اب اس دنیا میں نہیں رہنا چاہیے۔ کیا سمجھے۔؟" سلطان نے تصویر پر سے نگاہیں ہٹا کر نیم تاریک ماحول میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا اور کہا۔

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں باس کہ میں اسے قتل کردوں۔"

"سادہ اور آسان سی بات ہے۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم میری کارکردگی سے مطمئن ہو تو میری ذمے داریوں میں کسی کا قتل شامل نہ کرو، باقی جو کام بھی تم مجھے دو گے میں انہیں خوش اسلوبی سے سرانجام دوں گا۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ.........."

"ہاں باس پہلی اور آخری خواہش ہے یہ میری کہ کسی کے قتل کی ذمے داری مجھے نہ سونپی جائے، یہ کام میں نہیں کرسکوں گا، تم مجھے چلتی گاڑی سے کودنے کے لئے کہہ دو، زندگی گئی تو جانے دوں گا، قتل کے لئے نہ کہنا میں تمہارے اس حکم کی تعمیل کبھی نہیں کرسکوں گا۔" دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہوگئی پھر باس کی آواز ابھری۔

"حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ میں کسی کو کوئی حکم دوں اور وہ انکار کردے لیکن کیا کروں فطرت میں ایک کمزوری ہے اچھی کارکردگی کے حامل لوگ مجھے بہت پسند ہوتے ہیں، لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا روایتی طور پر صرف تین موقعے دیتا

ہوں' اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو' مجھ سے تین خواہشوں کا اظہار کر دینا اگر اس کی عادت ڈالی تو نقصان کے ذمے دار تم خود ہوگے۔ جیک! سلطان سے تصویر واپس لے لو۔ ٹھیک ہے سلطان جاؤ' یہ کام میں کسی اور کو دے دوں گا' لیکن خیال رکھنا ابھی تمہارے پاس دو گنجائشیں ہیں' انہیں محفوظ رکھنا' خرچ کردو گے تو........"

باس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تصویر جیک کو واپس دے کر سلطان وہاں سے اٹھ گیا اور سست قدموں سے عمارت سے باہر نکل آیا۔

باہر کی دنیا بڑی ویران ویران سی تھی۔ کسی کی زندگی لینے کا تصور بہت ہی بھیانک تھا حالانکہ اب بدن میں جو چنگاریاں دوڑتی رہتی تھیں انہوں نے بہت سے احساسات چھین لئے تھے' ایک طرح کی نفرت پیدا ہوتی جارہی تھی اس کے دل میں لیکن شاید ابھی نفرت اس عروج تک نہیں پہنچی تھی کہ باس کی وہ پیشکش قبول کرلیتا اچھا تھا کہ باس نے بھی تعاون کیا تھا ضد والی بات آجاتی تو شاید کھیل ہی خراب ہو جاتا' لیکن یہ ایک اچھی بات تھی کہ اس کیفیت کا مظاہرہ کیا گیا تھا نجانے کتنا وقت آوارہ گردی میں گزر گیا' ویران گوشے اسے پسند آتے تھے اور پرسکون ویرانوں میں بیٹھ کر خاموشی سے کسی ایک نقطے کو گھورتے رہنا اس کی زندگی کا ایک دلچسپ مشغلہ بن چکا تھا۔ شام کے جھٹپٹے فضا میں اتر آئے اور اس کے بعد رات کی تاریکی۔ تو وہ گھر کی جانب چل پڑا' گلی خالی پڑی تھی لوگ اپنے اپنے گھروں میں جاکر دبک گئے تھے۔ کچھ گھروں میں بالکل سناٹے پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ میں باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کہیں سے مدھم روشنی چھلک رہی تھی تو کہیں مکمل تاریکی تھی۔ اس نے دور سے اپنے گھر کو دیکھا اور اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ وہ گھر بھی تاریک تھا۔ اسے کون روشن کرتا۔ دروازے پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ سامنے والے دروازے پر نظر پڑی۔ ایک ہیولہ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ پشت دروازے کے برابر

والی دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ اور چہرہ سامنے تھا لیکن جیسے ہی وہ اپنے دروازے پر پہنچا اس نے چہرہ دیوار کی جانب کرلیا' لمبے لمبے بال کمر سے نیچے تک جارہے تھے کوئی لڑکی ہی تھی جسے وہ نہیں دیکھ سکا تھا لیکن دروازے پر کھڑے ہونا سمجھ میں نہیں آیا جبکہ دروازہ بھی بند تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے گھر کے دروازے کا تالا کھولنے لگا تو اسے احساس ہوا کہ لڑکی سسکیاں دبانے کی کوشش کر رہی ہے اسے وہ وقت یاد آگیا جب اس سامنے والے گھر میں کوئی کسی کو مار رہا تھا اور کوئی نسوانی آواز منتیں کر رہی تھی ایک لمحے کے لئے ذہن اس طرف راغب ہوا دیکھوں تو سہی کون ہے' کیا قصہ ہے۔ لڑکی کو کہیں گھر سے نکال تو نہیں دیا گیا۔ اپنی جسامت' لمبے لمبے بالوں کی وجہ سے یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ نوجوان لڑکی ہے' جس نے بھی یہ کیا ہے کچھ بہتر تو نہیں کیا۔ عظیم چچا سے تھوڑی سی معلومات بھی حاصل ہوئی تھیں جو سلطان کے لئے قطعی غیر دلچسپ تھیں۔ لیکن اس وقت پھر اس نے اپنے ذہن سے سب کو جھٹک دیا' اپنی آگ ہی اپنے دامن کو خاکستر کر چکی ہے دوسروں کی آگ میں سلگنا بے معنی ہی ہے۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

پولیس کی نگاہیں بڑی عقابی ہوتی ہیں' شاہ رخ نے جیسے ہی گھر کے احاطے میں جیپ روکی سامنے والی کھڑکی پر نظر پڑی' کھڑکی میں ایک لمحے کے لئے صنوبر کا چہرہ نظر آیا تھا جو فوراً ہی گم ہوگیا۔ شاہ رخ نے آج تک اس لڑکی کے بارے میں کسی خاص انداز میں نہیں سوچا تھا۔ بس فرزانہ بیگم اس سے خوش تھیں شاہ رخ بڑا مطمئن تھا۔ خاص طور سے اب جب اسے اس بات کی امید ہوگئی تھی کہ صنوبر لاوارث ہے اور اس کے سلسلے میں کسی پریشانی کا امکان نہیں ہے وہ اور بھی مطمئن ہوگیا تھا کیونکہ انس سے اسے بڑے فائدے تھے۔ صنوبر بھی فرزانہ بیگم کی دیکھ بھال اس طرح کیا کرتی تھی جیسے ان کی سگی بیٹی ہو۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو فرزانہ بیگم نظر آئیں۔ وہیل چیئر پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھیں۔ شاہ رخ نے سلام کیا تو دعائیں دیتی ہوئی بولیں۔

"آؤ......... آج کچھ دیر نہیں ہوگئی۔"

"جی امی......... بس آپ سمجھ لیجئے بہت سی ذمے داریاں سونپ دی گئی ہیں ویسے آپ کو خیریت سے دیکھتا ہوں تو یقین کریں کہ ایک لمحے میں ساری تھکن دور

ہو جاتی ہے۔" اتنی دیر میں صنوبر ٹرالی لئے اندر آگئی جس پر چائے کے برتن لگے ہوئے تھے۔ شاہ رخ نے صنوبر کو دیکھا اور شرارت بھرے لہجے میں بولا۔ "امی......... اس لڑکی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

فرزانہ بیگم نے محبت بھری نگاہوں سے صنوبر کو دیکھا جو خاموشی سے سینٹر ٹیبل پر چائے کے برتن لگا رہی تھی' پھر محبت بھرے لہجے میں بولیں۔ "بیٹیاں اللہ کا انعام ہوتی ہیں' بے شک یہ انعام اللہ نے مجھے میری کوکھ سے تو نہیں دیا لیکن اس نے میری یہ خواہش پوری کر دی۔"

"کمال ہے امی' بیٹی دیتا......... الہ دین کا چراغ تو نہ دیتا۔"

"الہ دین کا چراغ۔"

"تو اور کیا' بس معمولی سا فرق ہے اس لڑکی اور الہ دین کے چراغ کے جن میں' چراغ کے جن کو چراغ گھس کر بلانا پڑتا تھا وہ مرد تھا اور پہلے آکر ہو ہو ہو ہو......... ہاہاہاہا کرتا تھا پھر پوچھتا تھا کہ کیا حکم ہے میرے آقا' اور یہ آپ کا جن ایک خاتون کی شکل میں ہے' مزے کی بات یہ کہ جن آپ کا ہے لیکن میرے سارے کام ہو جاتے ہیں۔ یہ جن دماغ میں بھی گھس جاتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ آج کونسے کپڑے پہننا چاہتا ہوں' بڑا اچھا جن ہے یہ امی۔" شاہ رخ نے صنوبر کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور اس چہرے پر جو پھول کھلے وہ اسے بہت اچھے محسوس ہوئے۔ ماں سے ہی مخاطب ہو کر بولا۔

"سوچتا ہوں امی صنوبر کو کوئی بہت ہی قیمتی تحفہ دوں' کوئی ایسا انعام جو اس کے شایان شان ہو' جس طرح یہ ہمارا خیال رکھتی ہیں اور جس طرح انہوں نے آپ کو سنبھال رکھا ہے بس میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہت ہی اعلیٰ انعام دوں انہیں۔"

"ایسے انعامات قدرت انسان کو دیتی ہے بیٹے' انسان انسان کو نہیں دے سکتا'

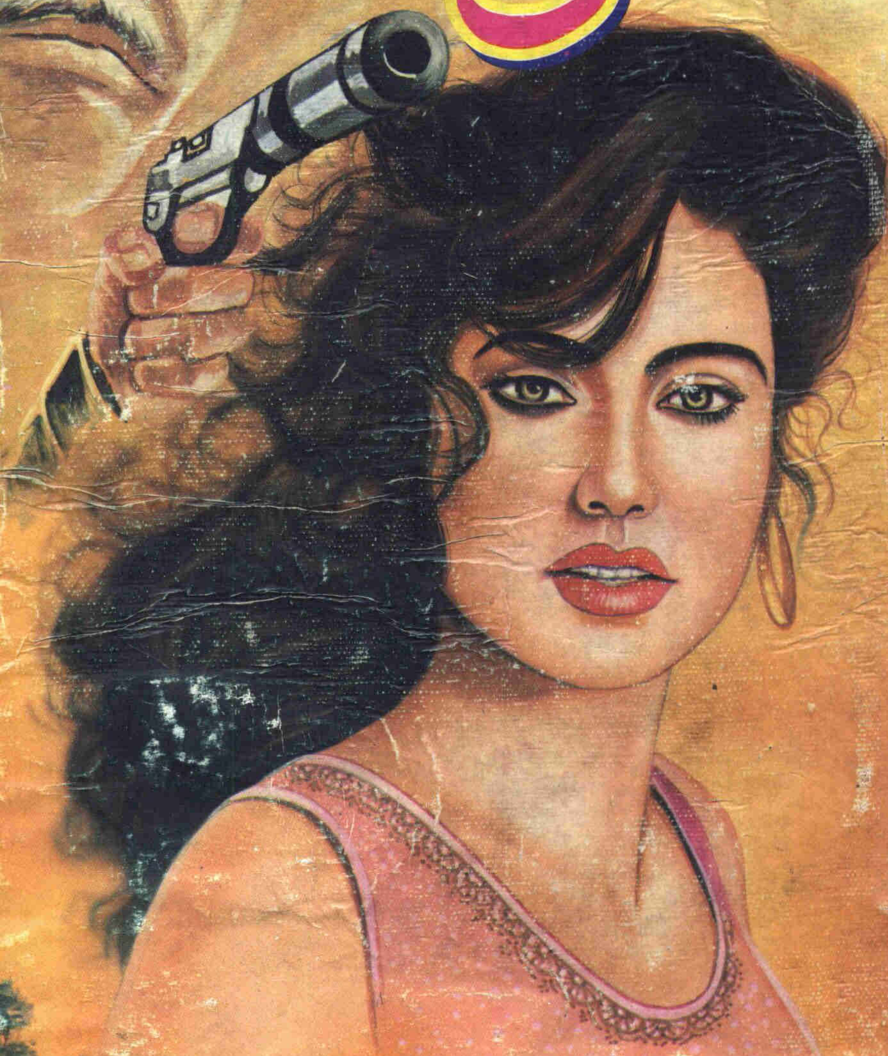
میری دعا ہے کہ انشاء اللہ اسے بھی قدرت ایسے ہی کسی قیمتی انعام سے نوازے۔"
صنوبر خاموشی سے واپسی چلی گئی تھی۔ لیکن اس کے قدموں میں لرزش تھی۔ جیسے سرور کے ایسے جام اسے پلا دیئے گئے ہوں، جنہوں نے اسے نڈھال کر دیا ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی تلخ تھا لیکن حال نجانے کیا کہہ رہا تھا اس سے، محبت کی جو کونپلیں پھوٹی تھیں۔ اس کے دل میں اتنی تیزی سے بڑھتی جارہی تھیں کہ وہ خود ان کی بڑھوار سے پریشان ہوگئی تھی۔

اس کے بعد کے حالات جاننے کے لئے۔

قفس جلد دوم

ملاحظہ کریں۔

قفس



ایم اے راحت

سب سے مشکل تحریر
انتساب ہے..... چنانچہ میری
ہر تحریر کا انتساب میرے
اور جناب مقبول بھائی کے نام
جھگڑا ہی ختم......

ایم اے راحت

7

سردار تیمور جہاں دیدہ انسان تھا لیکن کبھی کبھی بڑے بڑے ذہین لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اپنی نازک پھول جیسی بیٹی نادر شاہ جیسے آدمی کے حوالے کرکے سردار تیمور کو بہت جلد اپنی اس خوفناک غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ نادر شاہ صرف وہ نہیں کر رہا تھا جس کی سردار تیمور توقع رکھتا تھا بلکہ ایسی پراسرار سرگرمیاں ان علاقوں میں شروع ہو گئی تھیں جنہیں خاص طور سے ایک فوجی کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے ثبوت ملتے رہے اور سردار تیمور کا دل گھٹتا رہا' اکثر تنہائیوں میں وہ اپنی اس حماقت کے بارے میں سوچتا رہتا تھا کہ یہ کیا غلطی ہو گئی اس سے۔ اپنے سب سے قریبی دوست یا ملازم جس سے وہ زندگی کا ہر راز کہہ دیتا تھا' بدر شاہ سے بھی وہ اپنی اس حماقت کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا اور اب دل ہی دل میں گھٹ رہا تھا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے سارے ثبوت فراہم ہو گئے تھے درے کا راستہ بلاسٹ کرکے اس نے اسمگلنگ کا ایک در بند کیا تھا لیکن جانتا تھا کہ نادر شاہ دوسرے راستے نکال لے گا' فوج کو اطلاع دیتا تو بتانا پڑتا کہ ان سرگرمیوں کا روح رواں اس کا داماد ہے' ساری عزت خاک میں مل جاتی چنانچہ

ان دنوں اس کے چہرے کی شکنوں میں اضافہ ہوگیا تھا اس وقت بھی اس کا بیٹا جہانگیر اور الماس کھیل رہے تھے ان کے ہاتھوں میں ایئر گنیں تھیں اور وہ نشانہ بازی کر رہے تھے کہ دفعتہً دونوں کی چیخیں ابھریں۔

"باجی آگئی......... باجی آگئی.........!" دور سے انہوں نے اس جیپ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا جس میں نادر شاہ اور نایاب آرہے تھے سردار تیمور اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا بچوں کی آوازیں سن کر اس کے چہرے پر بھی خوشی کے تاثرات پھیل گئے اور اس نے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"باپ کا دل ماں کے دل کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا لیکن ہم جب بھی نایاب کو دل سے یاد کرتے ہیں وہ ضرور آجاتی ہے' آؤ باہر چل کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔"

سردار تیمور بیوی کے ساتھ باہر نکل آیا' نادر شاہ کی شاندار پجارو پہاڑی دیواروں کے درمیان بنے ہوئے اس خوبصورت مکان کے احاطے میں داخل ہو کر ایک جگہ رک گئی بدر شاہ استقبال کے لئے تیار تھا چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا نایاب نیچے اتر آئی دونوں بچے بہن سے لپٹ گئے تھے۔ نایاب نے انہیں پیار کیا پھر آگے بڑھ کر بدر شاہ کے سامنے سر جھکا دیا۔ بدر شاہ کا محبت بھرا ہاتھ اس کے سر پر پہنچ گیا اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا اس دوران سردار تیمور اور اس کی بیوی بھی قریب پہنچ چکے تھے نادر شاہ نے پلٹ کر پجارو سے ایک بہت ہی شاندار رائفل نکال لی۔ نایاب باپ کے قریب پہنچی اور اس نے اپنا سر باپ کے سینے سے ٹکا دیا۔ ایک لمحے کے لئے سردار تیمور کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے' ماں بھی بیٹی سے لپٹ گئی' نادر شاہ مسکراتی نگاہوں سے اس سارے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ سردار تیمور اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"آؤ نادر شاہ مسلح ہوکر آنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی یہ علاقہ ہمارا ہے اور

سب جانتے ہیں کہ تم ہمارے داماد ہو۔" نادر شاہ نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"یہ رائفل تو آپ کے لئے تحفہ لایا ہوں بابا جان' کہئے آپ کی صحت کیسی ہے۔؟" سردار تیمور کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی پھیل گئی اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں' آؤ اندر آؤ ہمارے لئے اب رائفل کا تحفہ لانے کی ضرورت نہیں ہے نادر شاہ' اب تو ہمارے لئے محبت بھری مسکراہٹیں ہی لایا کرو۔ آؤ.........."

اور اس کے بعد سب اس شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے اور محبت بھرے انداز میں ماں باپ نے بیٹی اور داماد کو بیٹھنے کی پیشکش کی تو سردار تیمور نے بیوی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"دل کے یہ ٹکڑے کتنے اجنبی ہو جاتے ہیں' پیدائش کے پہلے دن سے ان کی کہانی شروع ہوتی ہے پھر جب جوانی کا سارا خون ان کی رگوں میں منتقل ہو جاتا ہے تو ان سے فاصلے ہو جاتے ہیں۔"

"یہ تو قانون فطرت ہے' کون اسے بدل سکا ہے سردار۔" خورشید نے غم ناک لہجے میں کہا۔

"ہاں' پیاسی آنکھیں انہیں دیکھ لیتی ہیں تو دل کی تپش کچھ کم ہو جاتی ہے۔" نادر شاہ نے فوراً اس گفتگو میں مداخلت کی اور بولا۔ "آپ کی بیٹی کو آج تک میں نے پھولوں کی طرح رکھا ہے بابا جان' پوچھ لیں ان سے کبھی انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔"

"باپ کا سر جھکا ہوا ہے تمہارے سامنے نادر شاہ زبان سے شکریہ کافی نہیں ہوگا۔"

"میں ذرا باہر دیکھتا ہوں' کافی تبدیلیاں نظر آرہی ہیں آپ کے گھر میں۔" نادر

شاہ نے بات کو بہت زیادہ طول دینے کی کوشش نہ کی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو سردار تیمور نے کہا۔

"تمہارا اپنا گھر ہے جاؤ دیکھو۔" پھر جب نادر شاہ باہر نکل گیا تو سردار تیمور ۔ پر محبت انداز میں بیٹی کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

"نادر شاہ کی فطرت میں خاصی تبدیلیاں نظر آرہی ہیں، طبیعت میں خاصی نر پیدا ہوگئی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے نایاب کی طرف دیکھا تو نایاب کے چہرے پر ا اداسی کا احساس ہوا وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ بات نہیں ہے بابا جان۔" اس کے ان الفاظ پر سردار تیمور چونک پڑا پھ بولا۔

"کیوں کیا بات ہے بیٹی۔؟"

"یہ ساری نرمی مصلحت ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" سردار تیمور نے بیٹی کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے کہا، اور نایاب کا سر جھک گیا اس نے کہا۔

"بابا جان۔ درے والی زمین کا وہ ٹکڑا آپ نادر شاہ کو دیدیں۔ وہ اس کا حصول چاہتا ہے۔" سردار تیمور کے چہرے کی رگیں کھنچ گئیں، اعصاب تن گئے یہ تصدیق کی آخری مہر تھی جس کے لگ جانے کے بعد اس شبے کا کوئی امکان نہ رہا کہ درے اور پہاڑوں کے علاقے میں ہونے والی پراسرار سرگرمیوں کا روح رواں نادر شاہ ہی ہے۔ سردار تیمور کے ذہین میں بہت سے دھماکے ہوئے، اور پھر اس کی آنکھوں میں سختی ابھر آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ اس زمین کا کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ کئی دن سے ضد کر رہے ہیں

اور ہر قیمت پر وہ زمین چاہتے ہیں اس وقت وہ اسی لئے آپ کے پاس آئے ہیں اور ذریعہ مجھے بنانا چاہتے ہیں۔"

"ممکن نہیں ہے۔ ممکن نہیں ہے، تم نہیں جانتیں نایاب زمین کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے، لیکن وہ زمین میں اسے نہیں دے سکتا کسی قیمت پر نہیں دے سکتا......... یہ ممکن نہیں۔ میں تمہارا باپ ہوں نایاب، لیکن اس سے پہلے میں اپنے وطن کا بیٹا ہوں اور بیٹے باپ سے دشمنی نہیں کر سکتے میں کسی طرح اپنی سر زمین مادر وطن سے دشمنی نہیں کر سکتا۔" نایاب نے چونک کر باپ کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "دشمنی.........!"

"ہاں، میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا نایاب، مجھ سے جو دل چاہے مانگ لو، لیکن دوبارہ اس زمین کو مانگنے کے لئے میرے پاس نا آنا اگر باپ کی محبت پر یقین ہے تو اس کی مجبوریوں پر بھی اعتماد کرلو۔"

نایاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے باپ کو دیکھ رہی تھی، مدہم لہجے میں بولی۔ "بابا جان مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ کو اس شخص کی فطرت کا اندازہ نہیں۔ آپ اسے نہیں جانتے بابا جان۔" سردار تیمور کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی اس نے کہا۔

"اور وہ بھی مجھے نہیں جانتا۔ وہ میری کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن شاید اس کے لئے یہ ممکن نہ ہو۔" پھر سردار تیمور نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ "بیٹیوں کا ہاتھ کسی اچھے ہاتھ میں پہنچ جائے تو ماں باپ کو بیٹا مل جاتا ہے ورنہ بیٹی کھو جاتی ہے۔ میں وہ زمین کسی قیمت پر کسی کو نہیں سکتا۔ مشکل ہے۔"

نایاب نے گردن جھکالی تھی ادھر باہر نادر شاہ چہرے پر شیطانی مسکراہٹ

سجائے بدر شاہ کے ساتھ قرب و جوار میں نگاہیں دوڑا رہا تھا پہاڑوں کی چوٹیوں پر سردار تیمور کے گن مین نظر آرہے تھے نادر شاہ نے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "سردار تیمور نے چاروں طرف پہرہ لگا دیا ہے' بابا بدر کس سے ڈرتے ہیں سردار تیمور۔ لیکن بدر شاہ سے ملنے والا جواب نادر شاہ کے لئے غیر متوقع تھا بدر شاہ نے کہا۔

"سردار تیمور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں صاحب اور یہ پہرہ انہوں نے پہاڑ پار کے دشمنوں کے لئے لگایا ہے جو کبھی کبھی مستی میں آکر ادھر کا رخ کرتے ہیں اور بدن سے خون اگلتے سوراخ لے کر یا تو بھاگ جاتے ہیں یا پھر ان کے ساتھی انہیں اٹھا لے جاتے ہیں۔" بدر شاہ کے جواب سے نادر شاہ چونک سا گیا کیونکہ بدر شاہ کے چہرے پر ایک انوکھی سختی تھی' نادر شاہ نے کہا۔

"بہت پرانے ملازم ہو تم سردار تیمور کے۔"

"یہ بات آپ نے اس وقت بھی پوچھی تھی نادر شاہ صاحب جب آپ کندھے پر بوجھ اٹھا کر میرے پاس آئے تھے بہرحال میری ساری زندگی ادھر گزری ہے' نایاب کو کندھے پر بٹھا کر جوان کیا ہے میں نے۔"

"ہاں تم نے یہ بات مجھے پہلے بتائی تھی بدر شاہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں نایاب کی زندگی بہت پیاری ہوگی۔" بدر شاہ کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا' اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم صاحب' اس کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ کی روشنی ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا' اس آنکھ کی روشنی جو نفرت سے اس کی طرف اٹھے گی۔ اس کے دشمن کو قبر حاصل نہیں ہونے دوں گا صاحب۔ میں نے آپ سے قسم کھائی ہے۔"

نادر شاہ نے اسے دیکھا پھر ہنسنے لگا اور وہ اس کے بعد واپسی کے لئے مڑ گیا ڈرائنگ

روم میں داخل ہو کر اس نے اندر کا ماحول دیکھا اور اس کے چہرے پر خشک آثار پھیل گئے' پھر وہ بولا۔ "چلو نایاب۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"اتنی جلدی نادر۔ بہت دن کے بعد آئے ہو تم دونوں' کچھ دن رکو میرے پاس۔" سردار تیمور نے کہا اور نادر شاہ کے چہرے پر طنزیہ تاثرات پھیل گئے وہ بولا۔

"کچھ دن؟ نہیں بابا جان میری زمینیں' میرا علاقہ اب آپ کے علاقہ سے بہت بڑا ہو چکا ہے اور مجھے اس پر کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔"

"پھر بھی بیٹے کھانا وغیرہ کھا کر چلے جانا۔"

"کھانا بھی بہت ہے بابا جان' اپنا شکار خود کرتا ہوں' خود کھاتا ہوں۔" سردار تیمور نے بڑی مشکل سے اپنے تاثرات کو قابو میں کیا تھا' اس نے ایک بار پھر نرم لہجے میں کہا۔

"تو پھر نایاب کو ہی کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دو۔"

"رہنے دیں بابا جان مجھے چھوڑ کر بھول جانے کی عادت ہے' نایاب دوبارہ آجائے گی آپ کے پاس جلد ہی اسے آنا ہوگا لیکن.........!" لیکن کے بعد اس نے ملہ ادھورا چھوڑ دیا اور نایاب کی طرف رخ کر کے بولا۔ "اٹھو۔"

نایاب چادر سمیٹ کر اٹھ گئی۔ سردار تیمور نے اسے سینے سے لگایا ماں نے ں کی پیشانی چومی۔ نایاب نے بہن بھائی کو پیار کیا اور پھر ایک حسرت بھری نگاہ ماں پ پر ڈال کر واپس باہر نکل گئی نادر شاہ اس کے ساتھ ساتھ تھا' اس نے پلٹ کر ں دیکھا تھا۔ نایاب کو گاڑی میں بٹھا کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے بعد رو پہاڑی دیواروں سے باہر نکل گئی۔ ماں باپ کے چہرے پتھرا گئے تھے بیچارو ں سے اوجھل ہو گئی۔ تب بھی سردار تیمور اور بقیہ افراد اسی طرح کھڑے ہے۔ پھر سردار تیمور نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"ماں باپ کی ایک غلطی بچوں کے لئے زندگی بھر کا عذاب بن جاتی ہے۔ کا
ہم اس شخص کے بارے میں پوری تحقیقات کر لیتے۔"

شوہر کے ان الفاظ پر خورشید نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔ "زمین ۔
ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی بات ہے سردار۔ آپ اسے دے کیوں نہیں دیتے۔؟
جواب میں سردار تیمور نے گردن جھٹکی تھی۔

"تم نہیں سمجھوگی تم کیا جانو.......... آؤ.......... آؤ۔"

"اور اس کے بعد سردار تیمور تھکے تھکے قدموں سے واپسی کے لئے اند
گیا۔ باپ کا دل بیٹی کے لئے تڑپ رہا تھا' نجانے اب نایاب پر کون کون سی مصی
کا آغاز ہونے والا ہے وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔"

"خدا کی قسم بعض درختوں کے بیج اپنے ہاتھ سے بوئے جاتے ہیں یہ سو
کہ ان میں خوشنما پھول کھلیں گے لیکن جب ان میں کانٹے اگتے ہیں تو انہیں
میں بونے والے ہاتھ دوبارہ انہیں زمین میں دفن کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔

"کیا کہا آپ نے؟" خورشید نے شوہر کو بڑبڑاتے دیکھ کر پوچھا۔

کچھ نہیں.........." سردار تیمور کی آواز میں چٹانوں کی گڑگڑاہٹ تھی۔

خورشید شوہر کی مزاج آشنا تھی۔ سردار تیمور ایک بہت ہی نارمل انسان تھا۔ جہاں دیدہ' زمانہ شناش' دنیا کو سمجھنے والا' نرم خو' اپنے بچوں کے لئے بہت اچھا باپ' لیکن کبھی اگر غصے میں ہوتا تھا تو نجانے کیوں خورشید کو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بہت ہی بڑا اور سنگین حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ وہ ڈرائنگ روم میں جاکر تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ مجھے بھی تو بتایئے' آخر بات کیا ہے؟" سردار تیمور نے چونک کر بیوی کو دیکھا' دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"پردہ پڑا رہتا ہے تو اچھا ہوتا ہے' میں پردے ہٹانا نہیں چاہتا خورشید' غلطی ہوگئی ہے اعتراف کرتا ہوں' لیکن سوچ رہا ہوں کہ اس غلطی کو کیسے نبھاؤں۔ بیٹی کو سہاگ دیا ہے اس کی پیشانی تاریک کیسے کردوں' مجھے اس کا مستقبل عزیز ہے' لیکن فیصلہ غلط ہوگیا ہے۔"

"دیکھئے کہا یہ جاتا ہے کہ جوڑے آسمان میں بنتے ہیں' ہم تو آسمانوں کی بات کو ہر بات پر ترجیح دیتے ہیں۔ کبھی انحراف نہیں کرتے۔ اگر اللہ کی یہی مرضی تھی تو

اب اس پر گردن جھکا دیجئے یہ اختلاف ختم کر دیجئے۔" سردار تیمور نے بے چین نگاہوں سے بیوی کو دیکھا اور بولا۔

"میرا اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے' بس خورشید ایک عجیب سا احساس ہو ہے' بات اصل میں سمجھ میں نہیں آرہی ہے' کیسے بتاؤں میں تمہیں۔"

"اگر مجھ سے زیادہ آپ کی زندگی میں کوئی اور راز دار ہے تو بے شک مجھے نہ بتایئے۔ ورنہ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ نے کوئی بھی دل کی بات کہہ کر یہ لفظ مجھ سے کہہ دیا کہ خورشید یہ بات میری امانت ہے تمہارے پاس' تو بیوی کی حیثیت سے بھی' اور امانت دار کی حیثیت سے بھی یہ بات کبھی زبان سے نہیں نکالی میں نے۔" سردار تیمور نے بیوی کو دیکھا پھر الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پہلے شک تھا' اب یقین ہوگیا ہے' لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ نادر شاہ سو سمجھے منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا یا پھر پہاڑوں میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد ا نے پاؤں پھیلائے ہیں۔ اصل میں مجھے اس کے ماضی کی تلاش ہے۔ اگر مجھے اس ماضی مل جائے تو میں صحیح فیصلہ کرسکوں گا لیکن اس کے لئے بھی کسی اور کو شریک کرنا پڑے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ نادر شاہ ہی پہاڑوں میں ناجائز کاروبار کر رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ خدا نخواستہ وہ ہمارے دشمن ملک کا ایجنٹ ہو۔ میں نے بہت جلد یہ سو لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے لیکن نادر شاہ کی طرف ذہن بعد میں ہی گیا تھا اور اب زمین کا جو ٹکڑا اس نے طلب کیا ہے' اس کی طلب کے بعد اس بات کی تصدیق ہ رہی ہے۔" خورشید پھٹی پھٹی آنکھوں سے شوہر کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "لیکن اب کیا ہوگا۔ آپ کو زبان بند رکھنی پڑے گی کیونکہ' کیونکہ معاملہ بیٹی کے شوہر کا ہے۔"

"یہی تو دکھ ہے' اگر زبان بند رکھتا ہوں تو وطن سے غداری ہوگی' زبان کھو

ہوں تو بیٹی کا سہاگ کھونا پڑے گا کیا کروں' کیا نہ کروں۔" سردار تیمور گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ پھر سردار تیمور نے کہا۔

"خیر سینکڑوں حل ہیں۔ زمین ہزار بار نایاب کے قدموں میں قربان کی جاسکتی تھی لیکن زمین کا یہ ٹکڑا نادر شاہ جس مقصد کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کسی بھی طور اس کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے' فیصلہ کرلیا ہے میں نے۔" خورشید تو اس قدر غم زدہ ہوگئی تھی کہ اس نے سردار تیمور سے اس کا فیصلہ بھی نہیں پوچھا تھا۔"

عشرت بہرحال کرائم رپورٹر بھی تھی اور ایک ذمے دار صحافی بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے اندر ایک ضدی عورت بھی چھپی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی تھا فیروز کو اس نے پیٹرول پمپ پر ایک سروس بوائے کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ خود اپنی حیثیت بھی بڑی معمولی سی تھی۔ بیمار ماں کے علاج کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر رہی تھی۔ اس کے بعد دو وقت کی روٹی تھی اور تن بھر کپڑا تھا، جس اخبار میں وہ کام کرتی تھی وہ بہت اچھا چلتا تھا۔ اخبار کے مالکان بھی اسے عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ایڈیٹر صاحب بھی اس سے بہت متاثر تھے۔ اس کی رپورٹنگ کو ایک حیثیت دی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں اگر وہ چاہتی تو اپنے اخبار کے مالک سے بہت سے فائدے حاصل کر سکتی تھی، لیکن اس فطرت کی مالک نہیں تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ ایک سروس بوائے کے پسند آجانے کے بعد وہ اس سے بہت متاثر ہوگئی تھی اور اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ زندگی اگر موقع دے گی تو وہ اسے ہی زندگی کا ساتھی بنائے گی۔ یہ بھی ایک ایڈونچر ہوگا چنانچہ ایڈونچر پسند لڑکی رجسٹریشن آفس سے اس کار کے نمبر کے مالک کا پتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور یہ جان کر اسے بہت عجیب سا احساس

ہوا تھا کہ کار کے مالک کا نام فیروز حمید تھا۔ گویا نام کی حد تک اس نے فیروز کو ٹریس کرلیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کار کے مالک کے گھر کا پتہ معلوم کرنا چاہا، لیکن رجسٹریشن آفس میں شاید اس سلسلے میں کچھ پابندی ہوتی ہے۔ یہ پابندی اس نے عزیز کے ذریعے دور کرلی۔ احمد عزیز بھی ایک صحافی تھا۔ بہت ہی نفیس انسان بڑے تعلقات والا، بہت اچھی شخصیت کا مالک۔ عشرت کو وہ بڑی باجی کہتا تھا، حالانکہ عشرت عمر میں اس سے بہت چھوٹی تھی لیکن چونکہ خود بال بچوں والا آدمی تھا اس لئے عزت رکھنا اور عزت کرانا جانتا تھا۔ عزیز کے ذریعے رجسٹریشن آفس سے فیروز حمید کے گھر کے بارے میں بھی معلوم ہوگیا۔ اب اس دور دراز جگہ جاکر فیروز حمید کے بارے میں مزید تفصیلات معلوم کرنی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ منگل کا دن تھا اور صبح ہی صبح فیروز اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ امی نے ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ محبت کا سلوک کیا۔ فیروز آج کچھ زیادہ ہی خوش نظر آرہا تھا، کہنے لگا۔

"آپ کو معلوم ہے میڈم، آج تنخواہ ملی ہے ہمیں۔"

"کہاں سے۔ پیٹرول پمپ سے یا.........."

"یا کی گنجائش نہیں ہے میڈم، غریب آدمی کو اور کہاں سے تنخواہ مل سکتی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر۔"

"بس جب تنخواہ ملتی ہے نا، تو ہم لوگ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

"تو پھر آج طے؟"

"ہاں۔" باقی وقت امی کے ساتھ گزرا تھا۔ شام کو یہ ملاقات طے ہوگئی تھی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر عشرت اس ہوٹل پہنچ گئی جہاں عموماً یہ لوگ بیٹھ کر کھانا کھاتے

تھے۔ عام طور سے عشرت خود ہی یہاں بیٹھنے کا بل ادا کرتی تھی لیکن مہینے کی پہلی تاریخ کو ہمیشہ فیروز ہی شہنشاہ نظر آیا کرتا تھا۔ آج وہ جان بوجھ کر دیر سے پہنچی تھی۔ بس فیروز کو تنگ کرنا مقصود تھا اور وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بھی اسے پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے تو فیروز کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ فیروز نے سرد مہری سے اس کا استقبال کیا تھا۔ عشرت نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"سنایئے فیروز صاحب، کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"کافی دیر ہو گئی ہے آپ کو میڈم۔"

"ہاں کچھ دیر ہو تو گئی ہے۔"

"پر اچھے لوگ کہتے ہیں کہ وقت کی پابندی اچھی چیز ہوتی ہے۔"

"ہاں......... لیکن آج آپ میزبان ہیں، آپ کو یہ برداشت کرنا چاہیے ویسے بھی سنا ہے کہ مرد کی محبت نے تاج محل بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔"

"یہ بھی سنا ہو گا آپ نے کہ عورت نے ہی مرد کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔"

"واہ! کیا برجستگی ہے فیروز صاحب۔ ویسے آپ بتا سکتے ہیں کہ وفا کے پھول کس موسم میں کھلتے ہیں۔" اتنی دیر میں ویٹر نے مینیو لا کر سامنے رکھ دیا تھا تو عشرت نے مینیو فیروز کے سامنے بڑھا دیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ فیروز انگریزی نہیں پڑھ سکتا۔ فیروز نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے، خیر میں اپنی پسند کی چیزیں منگوا لیتی ہوں۔" اس نے ویٹر کو آرڈر نوٹ کرایا پھر فیروز کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی اور بولی۔

"کم از کم پوچھ تو لیجئے کہ دیر کیوں ہو گئی۔"

"مجھے میری اوقات لمحوں میں یاد دلا دی جاتی ہے۔"

"اللہ اللہ اب ایسا بھی کیا فیروز صاحب آپ کے جذبے تو بڑے ہی مضبوط

ہیں۔"

"لیکن آپ کو میرے جذبوں پر ابھی تک یقین نہیں آیا میڈم۔"

"خیر ایسی بات نہیں، سچے جذبے تو جگنوؤں کی طرح آنکھوں میں چمکتے ہیں۔"

"پھر شاید آپ نے میری آنکھوں میں جھانکا نہیں ہے۔"

"ایسی بات بھی نہیں ہے۔"

"تو کیا ان میں سچے جذبوں کی چمک نہیں ہے۔"

"شاید ہو، لیکن مجھے دن کی روشنی سے خوف آتا ہے۔"

"کیوں؟" فیروز نے سوال کیا۔

"سنا ہے سورج کی روشنی جگنو کی چمک چھین لیتی ہے۔"

"یقین کے پیمانے کہاں ملتے ہیں؟" فیروز نے کہا۔

"یقین، اصل میں فیروز، ہم زندگی کے دائرے میں اندھوں کی طرح گھومتے ہیں، اور ایک ہی چیز سے بار بار ٹھوکر کھاتے ہیں، جانتے ہو وہ کیا چیز ہے؟"

"اتنا نہیں جانتا اس دنیا کے بارے میں؟"

"میں بتاتی ہوں یقین اور صرف یقین........." فیروز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر اس نے کہا۔ "نہیں مجھے تم سے اتفاق نہیں ہے۔"

"یہی تو تمہاری خوبی ہے فیروز۔ تم........." عشرت مدھم سے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"تمہارا جو کام ہے نا عشرت، وہ ایسا ہی ہے۔ صحافی لوگوں کے بارے میں سب لوگوں کا یہی کہنا ہے کہ یہ لوگ کھسکے ہوئے ہوتے ہیں، یعنی میرے اختلاف کو تم میری خوبی کہہ رہی ہو۔"

"ہاں تمہاری واقعی یہی خوبی ہے۔" عشرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بابا! اپن چھوٹے دماغ کا آدمی ہے۔ اپن کے اس کدو میں ایسا بات نہیں آتا کیا سمجھیں تم؟" جواب میں عشرت ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ صرف اتفاق کرنے والے منافق ہوتے ہیں اور بات یہ ہے کہ میں پیدائشی صحافی نہیں ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میرے بارے میں' کیا تمہیں اس بات پر یقین نہیں ہے عشرت کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے ایسا ہو' لیکن ابھی ہمارے درمیان یقین کا رشتہ کمزور ہے۔"

"تو پھر ہم کس رشتے سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔"

"آنکھ کے پانی اور دریا کے پانی میں صرف جذبات کا فرق ہوتا ہے۔ نجانے کسی سے ملتے ہوئے ہمارے سینوں میں کون کونسے جذبے ہوتے ہیں' کون جانے ہم کسی سے کتنا سچ بولتے ہیں۔"

"یہ تو میں ہی سمجھتا ہوں کہ میں پوری ایمانداری سے تم سے محبت کرتا ہوں اور میرے سینے میں صرف ایک ہی جذبہ ہے' محبت اور صرف محبت۔" عشرت نے مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"دنیا میں فقط دو شخص ایماندار ہیں' ایک وہ جو مر چکا ہے اور دوسرا جو پیدا نہیں ہوا۔ کیا سمجھے؟" فیروز دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسی وقت ویٹر نے آرڈر سرو کرنا شروع کر دیا۔

عشرت کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی اور فیروز بہت دور کسی نقطے پر نگاہیں جمائے سوچ رہا تھا کہ معاملہ خاصا ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عشرت کے لئے اس کے دل میں بہت گہرا مقام تھا' لیکن اس کی اپنی شخصیت' وہ بھی فیروز کے لئے زندگی ہی کی طرح اہمیت رکھتی تھی۔

زندگی کی بازی لگا دینا اب سلطان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ دنیا سے بیزار تھا وہ۔ نہ کوئی منزل' نہ روشنی نہ روشنی کا سراغ۔ بس ایک محور تھا اور زندگی اس محور پر گھوم رہی تھی۔ ایک آس تھی اس کے دل میں ایک بار زیبی نظر آجائے' نہ ضد کرے گا اس سے' نہ درخواست کرے گا کوئی۔ حقیقتیں ایک بار اور اس کے سامنے لا کر رکھے گا اور اس سے کہے گا کہ اس کی مجبوری کو پہچان لے۔ نہیں پہچانے گی تو کوئی فیصلہ کر لے گا۔ کوئی ایسا فیصلہ جو ہر مشکل کا حل ہو' یہی ہو سکتا تھا اب۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا اس کے پاس۔ چنانچہ بگ باس کی طرف سے جب بھی کوئی ذمے داری اس کے سپرد کی جاتی تھی وہ اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا تھا۔ اسے خوشی تھی اس بات کی کہ بگ باس نے اس کے موقف کو سمجھا تھا' اس نے انکار کر دیا تھا کہ وہ کسی کو قتل نہیں کرے گا' اور بگ باس مان گیا تھا۔ حالانکہ وہ اگر چاہتا تو حکم عدولی کے سلسلے میں اسے نقصان بھی پہنچ سکتا تھا لیکن ایک بار ٹنڈا بابا سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"بات اصل میں یہ ہے ٹنڈا بابا کہ زندگی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اکیلا

آدمی سب کچھ چھن چکا ہے مجھ سے' مار دو گے' احتجاج نہیں کروں گا جیتا رہنے دو گے' اپنے مقصد کے لئے کوشش کرتا رہوں گا۔ جس کے بارے میں نہیں جانتا کہ پورا ہو گا یا نہیں۔" ایسے بے جگر آدمی کو جتنے بھی وحشت ناک کام دے دیئے جائیں کم نہیں ہوتے۔ وہ نہیں مارنا چاہتا تھا اس لڑکی کو' اسے مجبور نہیں کیا گیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں اسے ایک ایسا کام دیا گیا تھا جس میں صرف اور صرف زندگی کی بازی لگائی تھی اور سلطان نے اس کام کی تکمیل کر دی تھی' جب اس نے مال کا بیگ ٹنڈا بابا کے سپرد کیا تو ٹنڈا بابا نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا الگ سے انعام ہے۔ اس کام کے صلے میں تمہیں دیا جا رہا ہے' باقی تمہارے سارے ڈیوز بینک پہنچ جاتے ہیں۔ جب دل چاہے چیک کر لینا۔" سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ گڈی لے کر اس نے جیب میں ٹھونس لی تھی۔ یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ رقم کتنی ہے۔ اس کی اپنی ضرورتیں تو محدود تھیں' چنانچہ وہ خاموشی سے واپس چل پڑا۔ کئی بار اس سے کہا گیا تھا کہ اپنی رہائش گاہ تبدیل کر لے' اس گندی بستی' گندے سے محلے میں اس جیسے آدمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے لئے سلطان کے پاس وہی الفاظ تھے جو اس نے ایک بار پہلے بھی ٹنڈا بابا سے کہے تھے۔

اس وقت بھی جب وہ نیم تاریک گلی میں داخل ہوا تو اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ غربت زدہ علاقے کے مکیں سہمے سمٹے خاموش' اپنی اپنی رہائش گاہوں میں چلے گئے تھے کہ جلدی سو جائیں تاکہ صبح کو جلدی آنکھ کھل سکے اور وہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے اپنی ذمے داریاں مکمل طور پر سنبھال سکیں لیکن معمول کے مطابق جب وہ گھر کا تالا کھول رہا تھا تو عقب سے کچھ دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔ اس

کے بعد زور سے دروازہ کھلا اور اس کے بعد ایک سسکتا ہوا وجود باہر نکل آیا۔

"مت مارو ابا' مت مارو تمہیں خدا کا واسطہ' میرے' میرے چوٹ لگی ہوئی ہے۔ ابا.......... مجھے باہر مت نکالو.......... کوئی دیکھ لے گا ابا.........."

"تمہیں خدا کا واسطہ.......... جوان بچی ہے' گھر کے اندر مار لو کمبخت کو۔ مار کر زندہ دفن کر دو' پر بے عزتی تو نہ کرو' کیا اوقات رہ گئی ہے اس کی۔" سلطان کے ہاتھ تالے پر رک گئے۔ اس نے گردن گھما کر نہیں دیکھا تھا لیکن اسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ جو واقعہ ہو رہا ہے وہ گھر کے دروازے سے باہر نکل آیا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ رات کی تاریکی میں چہرہ کے نقوش تو واضح نہیں تھے لیکن ہیولے متحرک تھے۔ کوئی نوجوان لڑکی تھی' ایک ہٹا کٹا مرد تھا۔ ایک عمر رسیدہ عورت تھی۔ بس یہ تین ہی آوازیں تھیں۔ نجانے کیوں سلطان کے رگ و پے میں چنگاریاں دوڑ گئیں۔ اس نے چابی جیب میں رکھی واپس پلٹا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھنے لگا۔ ہٹا کٹا مرد بار بار لڑکی کی جانب لپک رہا تھا۔ عورت اسے پکڑ رہی تھی۔ وہ اسے بھی دھکے دے دیتا تھا لیکن عورت نے اس طرح اسے پیچھے سے پکڑا ہوا تھا کہ اس کے دھکوں سے گر نہیں رہی تھی۔ لڑکی سہم کر ایک دیوار سے چپک گئی تھی۔ سلطان ایک قدم آگے بڑھا اسی وقت ہٹے کٹے مرد نے عمر رسیدہ عورت سے اپنے آپ کو چھڑا لیا تھا اور لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا' اس نے منہ سے دو تین موٹی موٹی گالیاں نکالیں تو سلطان اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ' ایک منٹ۔" سلطان نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

"تم سامنے سے ہٹو جی۔ کون ہو تم' یہاں کیوں آمرے' اپنے کام سے کام رکھو۔" جواب میں سلطان نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اور اسے روکتے ہوئے کہا۔ "میں کہہ رہا ہوں ایک منٹ۔ ایک منٹ کا مطلب سمجھتے ہو تم۔"

"ابے مطلب ہمیں سمجھا رہا ہے تو' ہٹ جا نہیں تو........"

جواب میں چٹاخ کی ایک ایسی آواز ابھری کہ دیکھنے والوں کو بھی مزاہ آگیا تھا سلطان کا تھپڑ اس شخص کے منہ پر پڑا تھا لیکن اسی وقت عقب سے لڑکی نے سلطان کے شانے پکڑ لئے۔

"نہیں نہیں' آپ کو خدا کا واسطہ........ وہ میرے ابا ہیں........ نشے میں ہیں' انہیں نہ ماریئے۔" سلطان حیران رہ گیا تھا۔ ادھر ہٹا کٹا آدمی سلطان کے تھپڑ سے اس طرح چکرایا تھا کہ باقاعدہ زمین پر گول گول دائرے کی شکل میں گھوم رہا تھا۔ تھپڑ شاید اس کی کنپٹی پر پڑا تھا۔ وہ سر پکڑ کر نیچے بیٹھ گیا تو عمر رسیدہ عورت نے کہا۔

"یہی ہونا تھا' آخر کار یہی ہونا تھا' بیٹا ہاتھ جوڑتی ہوں نشے باز ہے یہ شخص۔ بس تمہاری مہربانی تم اپنے گھر میں جاؤ۔ تم سامنے گھر والے ہونا۔" سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ہولے ہولے رو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ابا ہیں وہ میرے' بس نشے کے عادی ہوگئے ہیں' نشہ ٹوٹتا ہے تو مجھے مارتے ہیں' آپ کو اللہ کا واسطہ........ آپ اپنا دل میلا نہ کریں' خدا کے واسطے ہمیں اس محلے سے نکلوانے کی کوشش نہ کریں بہت سی جگہوں سے نکالے جا چکے ہیں' آپ ہماری مخالفت نہ کریں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

عورت جس طرح بھی بن پڑا تھا مرد کو گھر لے گئی تھی۔ لڑکی نے ایک بار پھر پلٹ کر سلطان کو دیکھا اور ہاتھ جوڑے جوڑے پیچھے پلٹنے لگی۔ اب اس کے چہرے کے نقش بھی ہلکے ہلکے سلطان کی آنکھوں میں آگئے تھے۔ ایک انتہائی دلکش لیکن مظلوم چہرہ' افلاس کا مارا ہوا۔ انہوں نے گھر میں داخل ہوکر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ ایک تھپڑ ہی نے مرد کے ہوش و حواس درست کر دیئے تھے۔ دروازہ بند

ہوگیا تھا' لیکن سلطان دیر تک کھڑا اس دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساس جس میں صرف ہمدردی یا انسانیت کا تصور ہی نہیں تھا بلکہ ایک چہرے کے دلکش نقوش اس کی آنکھوں میں رقصاں تھے۔ بکھرے ہوئے بال' بھیگی ہوئی آنکھیں' کپکپاتے ہوئے ہونٹ' اور ان کے درمیان سے جھانکتے ہوئے سفید دانت' مجسم ہیولا حسین اور دلکش۔ وہ دروازے سے پشت لگائے دیر تک کھڑا تاریک دروازے کو گھورتا رہا۔ اب اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ بہت دیر جب اسی طرح گزر گئی تو اس نے دور دور تک نگاہ دوڑائی۔ مکانوں کی روشنیاں تقریباً بجھ چکی تھیں۔ کسی کو ان واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے دوبارہ جیب سے چابی نکالی اور پھر تالا کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

نادر شاہ نے سارے راستے خاموشی اختیار کئے رکھی تھی لیکن اس کے چہر
کے تاثرات سے پتہ چل رہا تھا کہ سخت غصے میں ہے۔ نایاب نے بھی اس کی خامو
میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے اپنے باپ پر مکمل اعتبار تھا' وہ جا
تھی کہ سردار تیمور اپنے بچوں کے لئے دل میں کیا جذبات رکھتا ہے' درحقیقت
حالت میں وہ زمین معمولی ہی تھی' لیکن سردار تیمور کے ذہن میں یقینی طور پر کو
اہم بات تھی جس کی وجہ سے وہ یہ زمین نادر شاہ کو نہیں دینا چاہتا تھا بلاشبہ اگر نایا
تنہائی میں بھی ماں باپ کے گھر جاتی تو یہ بات کبھی سردار تیمور کو اپنی زبان سے
بتاتی' کہ اس نے حویلی کے تہہ خانے میں کیا دیکھا ہے' بہرحال اتنی بات وہ جانتی تھ
کہ شوہر کے معاملات کو راز رکھنا کتنا ضروری ہے' حالانکہ جو راز وہ چھپانا چاہتی تھ
وہ کسی بھی وقت عذاب جان بن سکتا تھا اور اس سے خود نادر شاہ کو ہی شدید نقصانا
پہنچ سکتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان جب برائی کے راستے پر نکلتا ہے تو اس
ذہن سے برائی کا تصور ہی مٹ جاتا ہے۔ نادر شاہ اگر یہ سوچ لیتا کہ جو کچھ وہ کر
ہے وہ مناسب نہیں ہے اور اس کے نتائج خطرناک نکل سکتے ہیں تو ایسا کوئی عمل کر

نہیں' لیکن بیچاری نایاب یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ معاملہ کتنی دور تک جارہا ہے'
ر کتنا سنگین ہے بہرحال حویلی پہنچنے کے بعد بھی نادر شاہ اسے اتارنے کے بعد کہیں
لا گیا تھا' نوری البتہ ارمانوں میں ڈوبی ہوئی اس کے پاس آگئی تھی اور اس نے بڑی
اہت سے پوچھا تھا۔

"ہائے چھوٹی سرکار سب کیسے ہیں' جہانگیر' الماس اور بڑی مالکن.......... مجھے تو
یں پوچھا ان لوگوں نے؟"

"سب پوچھ رہے تھے نوری' میں نے کہا اب کی بار آؤں گی تو نوری کو ساتھ
لے کر آؤں گی۔"

"قسم کھاتی ہوں میرا تو دل تڑپ رہا تھا' مگر مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"اگر شاہ جی ساتھ نہ جاتے نوری یقیناً میں تجھے اپنے ساتھ لے کر جاتی' چل
وئی بات نہیں پھر سہی۔ اب کے جاؤں گی تو شاہ جی سے کہہ دوں گی کہ نوری کے
اتھ مجھے جانا ہے' اکیلی بالکل نہیں جاؤں گی۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے چھوٹی سرکار۔ کبھی جہانگیر اور الماس کو بھی یہاں
ائیں۔"

نایاب کے ہونٹوں پر ایک غم آلود مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے غم زدہ لہجے
ں کہا۔ "یہ نہ ان کی تقدیر ہے نہ میری۔"

"آپ بہت دکھی ہیں چھوٹی سرکار' میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے آپ آئی
ں' کسی دکھ کی سوچ میں مبتلا ہیں۔"

"ہاں نوری' میرا دکھ یہ ہے کہ میرے ماں باپ دکھی ہیں۔"

"پر ایک بات تو میں بھی کہوں گی چھوٹی سرکار۔ سیانے کہتے ہیں کہ مصیبت کا
قابلہ صبر سے کرو اور دشمن کا مقابلہ عقل سے کرو۔"

"افسوس تو یہی ہے نوری کہ میرا دوست ہی میرا دشمن ہے۔" جب نایاب الفاظ ادا کر رہی تھی عین اسی وقت نادر شاہ اندر داخل ہوا چہرے پر ایک جنون م تھا' نوری جلدی سے کھڑی ہو گئی اور پھر گردن جھکا کر باہر نکل گئی تو نادر شاہ چڑ چڑ لہجے میں بولا۔

"یہ ہر وقت تمہارے کمرے میں کیوں گھسی رہتی ہے آخر؟"

نایاب اس طوفان کی منتظر تھی' اندازہ تو ہو ہی چکا تھا اسے کہ طوفان آنا تاہم بڑے تحمل سے بولی۔ "میرا خیال ہے شاہ جی۔ آپ ہی نے اسے یہ حکم دیا تھا میرے پاس رہا کرے اور مجھے تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا کرے کیونکہ آپ کامو میں مصروف رہتے ہیں۔"

"تو کیا میں ہر وقت تمہارے پاس بیٹھا رہوں' دنیا میں عزت کی زندگی گزار اتنا آسان نہیں ہوتا۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے سخت محنت۔" نایاب کے ہونٹوں ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"اتنی محنت نہ کیا کریں شاہ جی بیمار پڑ جائیں گے۔"

"ہونہہ۔ بیمار پڑ جاؤں گا' یہ عیش و عشرت' یہ شاہانہ زندگی مجھے میرے باپ نے ورثے میں نہیں دی ہے۔ نہ تمہارے باپ نے جہیز میں' اس دولت کو اور اس شان کو حاصل کرنے کے لئے مجھے مسلسل محنت کرنی پڑ رہی ہے تب اس شان اور شوکت کے برقرار رہنے کا امکان پیدا ہوا ہے۔ اگر تم یہ سوچتی ہو کہ یہ سب کچھ تمہارے باپ نے مجھے بخش دیا ہے تو اس خیال کو ذہن سے نکال دو نایاب' جو کچھ انہوں نے مجھے دیا ہے' اس نے بے شک میرے پاؤں اس علاقے میں جما دیئے ہیں' لیکن اپنے پیروں کو مضبوط کرنے کے لئے مجھے شدید محنت کرنا پڑ رہی ہے۔"

"مانتی ہوں شاہ جی' لیکن اب تو بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔ اتنا ہے کہ جیتے

جی ختم نہ ہو' اور دولت کما کر کیا کریں گے' بائیس گز لٹھے کے کفن میں لپٹ کر دو گز زمین میں جانا ہو گا اور شاہ جی کفن میں جیب نہیں ہوتی۔"

"میں زندگی میں صرف زندہ رہنے کی باتیں سوچتا ہوں' اور زندہ رہنے کے لئے ہی ہر عمل کرتا ہوں۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے شاہ جی' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" نایاب نے جلدی سے کہا۔

"لیکن مجھے بابا جان سے یہ امید نہیں تھی' زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کی اہمیت ہی کیا ہے' انہوں نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"آپ ایک بات اپنے ذہن میں رکھئے شاہ جی' بابا جان نے کسی وجہ سے ایسا کیا ہو گا' کچھ پتہ نہیں چلتا وہ کیوں منع کر رہے ہیں۔"

"حالانکہ وہ زمین آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے نایاب۔ خاموشی کو بزدلی سمجھنے الا بے وقوف ہوتا ہے۔ میں بزرگی کے رشتے نبھانا چاہتا ہوں' لیکن سردار تیموران شتوں کو کچے دھاگے کی طرح توڑتا چلا جا رہا ہے۔" نادر شاہ کے انداز تخاطب پر یک لمحے کے لئے نایاب کے چہرے پر ناخوشگواری کی شکن نمودار ہوئی پھر اس نے پاٹ لہجے میں کہا۔

"بابا جان آپ کے بزرگ ہیں' آپ ان کا احترام بھی ختم کرتے جا رہے ہیں اہ جی۔" نادر شاہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے آگے بڑھ کر پھلوں کے برتن سے اقو اٹھا کر اس کی دھار دیکھی اور پھر مکرو لہجے میں بولا۔

"لوہے کے اس ٹکڑے کی آنکھ نہیں ہوتی' اسے نہ پھل کی تمیز ہوتی ہے اور گردن کی۔"

"یہ کہہ کر اس نے چاقو خوفناک انداز میں لہرا کر ایک سیب میں پیوست کر دیا

اور کہنے لگا۔ ”لیکن بہتر ہوتا ہے کہ اس سے صرف پھل کاٹے جائیں۔“ نایاب نے سرد لہجے میں کہا۔ ”جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں ذرا مجھے سمجھا بھی دیں شاہ جی۔“

”نادر شاہ نے وہ سیب اٹھایا جس میں اس نے چاقو پیوست کیا ہوا تھا اور پھر اسے چاقو کے پھل سے نکال کر نایاب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”سیب کھاؤ مجھے تم سے بہت سی امیدیں ہیں۔ تمہیں بابا جان کا فیصلہ بدلنا ہوگا۔“ نایاب کچھ لمحے خاموش رہی پھر اس نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے پیچھے میں نے ان سے بہت کچھ کہا ہے۔“

”بے شک کہا ہوگا‘ لیکن اس بار انداز ذرا بدل دینا مجھے امید ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔“

”انداز بدل دوں! میں سمجھی نہیں۔“ نایاب بولی۔

”سمجھ جاؤ گی‘ جلدی کیا ہے۔ لو سیب کھاؤ بہت میٹھا ہے‘ اور سیب کھاتے ہوئے ایک بار پھر خاص طور سے خیال رکھنا بلکہ اس بات پر سوچنا کہ موت بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے‘ لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔ میری بات پر غور کرنا۔“ یہ کہہ کر نادر شاہ دروازے کی طرف مڑ گیا تو نایاب آہستہ سے بولی۔

”ٹھیک کہتے ہیں شاہ جی‘ زندگی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔“

حیدر زمان دھن کا پکا تھا‘ حالانکہ بیوی اور بچی کے ساتھ اس پہاڑی علاقے میں آیا تھا۔ احتیاط واقعی رکھنا چاہتا تھا لیکن فرض کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ جب جنگل کا محافظ قرار پایا تھا تو اپنے کام ہی کی تکمیل نہ کرپاتا تو اور کیا کرتا۔ بہرحال اسے گھوڑے فراہم کر دیئے گئے تھے اور اس وقت رات کی تاریکی میں وہ دو افراد کے ساتھ خاموشی سے جنگل کے کناروں کی جانب سفر کر رہا تھا۔ بہت سے انتظامات کئے گئے تھے۔ ایسی طاقتور ٹارچیں ان کے پاس تھیں جو دور دور تک کے علاقے کو ضرورت کے وقت منور کر سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ گن مین بھی مسلح تھے اور خود حیدر زمان پوری طرح چوکس تھا۔ درختوں کے درمیان بڑی آہستگی سے سفر کرتے ہوئے وہ دور دور تک کی آہٹوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس وقت حیدر زمان نے اپنے ملازم خاص کی ڈیوٹی الگ سے لگا رکھی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ گل جمال اس کے اعتماد پر پورا اترا تھا۔ بے جگر اور زندگی کی بازی لگا دینے والے۔ گل جمال کو اس نے ہدایت کی تھی کہ وہ چند افراد کے ساتھ خاموشی سے اس کا تعاقب کرے اور اس کے ساتھ موجود لوگوں کو بھی پتہ نہ لگنے دے۔ ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے وہ ایک جگہ رکا اور

اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو خیر ان علاقوں میں اجنبی ہوں، لیکن تم لوگ مجھ سے پہلے فاریسٹ آفیسر کے ساتھ کام کرتے رہے ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ مجھے یہاں کے معاملات کے بارے میں بتاؤ، لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ تم پراسرار خاموشی اختیار کئے رہے ہو، کیا تمہیں یہ بات نہیں معلوم کہ اس علاقے میں وہ لوگ کونسے ہیں جو اس قسم کی مجرمانہ کارروائی کرتے ہیں۔"

"صاحب! آپ یقین کرو۔ درختوں کو کاٹنے کا یہ سلسلہ زیادہ پرانا نہیں ہے بلکہ شاید آپ کو یہ بات معلوم ہو کہ پرانے افسر صاحب انہی درختوں کے سلسلے میں بدلے گئے ہیں، ہم بھی پہلے یہیں موجود تھے، مگر درخت نہیں کاٹے جاتے تھے۔"

"پھر بھی تم نے کوئی اندازہ تو لگایا ہوگا کہ درختوں کو کاٹنے والے کون لوگ ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ان درختوں کی حفاظت کر کے میں صرف اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام نہیں دیتا بلکہ یہ مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہیں۔"

"صاحب میں اگر آپ کو کچھ بتاؤں تو میری ہی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔" حیدر زمان نے اس شخص کو دیکھا پھر بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، اگر تم یہ بات جانتے ہو تو تمہیں مجھ سے چھپانا نہیں چاہیے، دیکھو۔ نوکری کی تنخواہ تو بے شک ملتی ہے لیکن عزت دار لوگ اسے حلال کر کے کھاتے ہیں۔ ہمارا کام ان درختوں کی حفاظت ہی تو ہے۔"

"میں جانتا ہوں صاحب، پر وہ بڑے خطرناک لوگ ہیں۔"

"کون ہیں وہ؟"

"صاحب، وہ نادر شاہ صاحب کے آدمی ہیں۔"

"نادر شاہ، یہ کون ہیں؟"

"نور خیل اور مراد گڑھی کے بیچ میں ایک چھوٹی سی آبادی آتی ہے۔ اس آبادی سے تھوڑے فاصلے پر نادر شاہ صاحب کا کوٹھی ہے۔ بہت بڑی حویلی بنائی ہے انہوں نے، بڑی زمینیں ہیں بلکہ اب یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ نادر شاہ صاحب بہت بڑے علاقے کے مالک ہیں۔"

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو یہ بات؟"

"ایک بات کہیں صاحب جی، ہمیں ہی نہیں سب کو یہ بات معلوم ہے اسے بھی معلوم ہے جو آپ کے ساتھ ہے، لیکن سب کو اپنی زندگی عزیز ہے۔"

"ایک بات بتاؤ صاحب جی، آپ جانتے ہو نادر شاہ کو۔؟"

"میں اسے جانتا ہوں یا نہیں جانتا، لیکن اب وہ مجھے اچھی طرح جان جائے گا اوہو ایک منٹ خاموش۔" اچانک ہی حیدر زمان کے کان کھڑے ہو گئے، دور سے سرسراہٹ کی آوازیں سنائی دے رہی تھی، حیدر زمان کو فوراً ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ کوئی درخت کاٹا جا رہا ہے۔ یہ بڑی کامیابی تھی، اور یہ کامیابی صرف گھوڑوں کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، کیونکہ وہ لوگ گاڑی کے انجن کی آواز سے ہوشیار ہو کر فرار ہو جاتے تھے، حیدر زمان ان آوازوں کو سن کر مورچہ بندی کرنے لگا، اس نے موبائل فون پر گل جمال کو ڈائریکشن دی اور اس کے بعد گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر وہ تینوں انتہائی احتیاط سے پوزیشن لے کر آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا جو اپنے کام میں مصروف تھے۔ گل جمال کو بھی مسلسل رابطے میں رکھا جا رہا تھا اور وہ بھی قریب پہنچ چکا تھا، پھر اچانک ہی ٹارچیں روشن کی گئیں، اور ادھر بھگدڑ مچ گئی۔ حیدر زمان غرائی ہوئی آواز میں بولا۔"

"خبردار اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی چلا دی جائے گی۔" لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ دوڑ پڑے تھے اور کچھ ہوائی فائرنگ سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ حیدر

زمان نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ براہ راست گولی نہ ماری جائے
تین افراد ہاتھ آگئے تھے' چونکہ گل جمال بھی پہنچ گیا اس لئے ان تینوں ک
سے کس لیا گیا' حیدر زمان کی آنکھوں میں شدید نفرت کے آثار تھے۔
ہوئے لہجے میں بولا۔

"لے چلو انہیں' میں دیکھوں گا کہ کتنے لمبے ہاتھ ہیں ان کے۔" گل
اس کے ساتھی تینوں افراد کو گھسیٹتے ہوئے لے کر چل پڑے تھے۔

یاقوت نے جانم کا موقف سمجھ لیا تھا' نادر شاہ اگر اسے ایک قدم بھی سہارا دیتا
اید یاقوت اپنے ماحول سے باغی ہو جاتی' لیکن جانم نے اس سے بڑی کھری
، کی تھیں' نادر شاہ بھی اسے آئینہ دکھایا گیا تھا اور یاقوت نے سمجھ لیا تھا کہ
ھی لائن پر دوڑنے والی گاڑی اگر رخ بدلتی ہے تو پٹری سے اتر جاتی ہے اور اس
بعد تباہی نجانے کس کس کا مقدر بن جاتی ہے' نادر شاہ بہت دن کے بعد نظر آیا
پجارو سے اترا تو یاقوت نے اوپر ہی سے دیکھ لیا' اپنے آپ کو سنوارا' جانم اس
ت موجود نہیں تھی' البتہ افضال موجود تھا اور اس وقت تک بہت سے راز کھل
ہکے تھے' یعنی یاقوت کو بھی یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اصل میں افضال اس کا باپ
ہے' جب سے یہ انکشاف یاقوت پر ہوا تھا کہ افضال اس کا باپ ہے تو اس نے
ضال سے بے پناہ محبت شروع کر دی تھی اور افضال نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ کاش
انکشاف پہلے ہو جاتا۔

یاقوت نے بڑا پرتپاک استقبال کیا تھا نادر شاہ کا' بڑے حسین لباس میں ملبوس
ی' نادر شاہ نے کہا۔

"کیسے یاقوت بیگم! خادم کی ذمے داریاں کیا ہیں؟ کیا اب بھی آپ ہمارے سر

کا تاج بنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں شاہ جی۔"

انا کے زعم میں خود کو بگاڑنے والے
تمام عمر جلے قربتوں کی خواہش میں

"شاہ جی! غلطی تو انسان ہی سے ہوتی ہے' آپ کے خدمت گار ہیں' خ
کریں گے ہمیشہ ہمیشہ۔"

"واہ! اب لگا ہے کہ تم درحقیقت ایک اچھی دوست اور اچھی ساتھ
اشعار بھی سنانے لگی ہو۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ شاعر کہتا ہے تم اس کی اولاد ہو۔ اگر
کی بات زبان تک نہ آئے تو پھر خون ہی کیا۔ کوئی اور شعر سناؤ' اچھا لگتا ہے۔"

"بہار نے میری آنکھوں پہ پھول باندھ دیئے
رہائی پاؤں تو کیسے حصار رنگ میں ہوں

نادر شاہ نے پر مسرت انداز میں کہا۔ "اور اس کے بعد جب ہم آئیں ۔
درحقیقت تمہارے لئے کوئی بے نظیر تحفہ لائیں گے۔"

نادر شاہ گھر کی الجھنوں سے گھبرا کر یہاں آیا تھا' ایک طرف بگ باس کی ڈ
ڈیٹ' اسمگلنگ کیلئے راستہ کھولنے کی خواہش' دوسری طرف سردار تیمور کی مدا
جو بہرحال اب اس دور میں اس کی ذمہ داری نہیں تھی۔ زمین کے اس ٹکڑ
حاصل نہ ہونا' ان تمام الجھنوں نے نادر شاہ کو ذہنی طور پر بہت تھکا دیا تھا' لیکن
یاقوت کی قربت نے اسے خاصا تازہ دم کر دیا تھا۔ شرجیل کے ساتھ آیا تھا۔ شر
کو پیغام دیا۔ "تم جاؤ! حالات کی کڑی نگرانی کرو' ہم کچھ وقت یاقوت کے ساتھ ر
گے' اور ترو تازہ ہو کر واپس آئیں گے' تمہیں موبائل پر کال کریں گے' اور بتا
گے کہ ہماری واپسی کب ہے۔" شرجیل گردن جھکا کر چلا گیا تھا۔

پتہ نہیں تقدیر مہربان تھی یا نامہربان' بس صبح ہی سے ذہن پر خندق سوار ہو گئی تھی' یہ اس کا اپنا ایجاد کردہ لفظ تھا' خندق کا مطلب یہ تھا کہ کوئی بھی بے تکا کام کیا جائے' لیکن شاید اندر کی کیفیات کی بناء پر یہ کام بے تکا نہیں تھا کیونکہ اس کے دل میں فیروز کیلئے محبت تھی اس نے ایک سروس بوائے کو زمانے سے لڑ کر زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کیا تھا' معمولی بات نہیں تھی' ایک ایڈونچر تھا زندگی کا اور وہ مناسب وقت کی منتظر تھی' لیکن اگر فیروز دہری شخصیت کا مالک ہے تو پھر ذرا اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا' ایک ایسا شخص' چاہے وہ کسی بہت بڑی حیثیت کا مالک ہی کیوں نہ ہو' لیکن اگر اس قدر دوغلا ہے تو ایک اچھا ہم سفر کبھی نہیں بن سکتا وہ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس فیصلہ کر لینا چاہتی تھی' اور چونکہ معاملہ دل سے تعلق رکھتا تھا اس لئے بے چینی کا شکار بھی رہتی تھی' اور آج صبح جاگ کر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ فیروز کے بارے میں چھان بین کرے گی' اپنے دفتری فرائض پورے کرنے کیلئے جتنا وقت درکار ہو سکتا تھا' وہ اس نے ذہن میں رکھا' لیکن یہ اتفاق تھا کہ آج کچھ زیادہ ہی مصروفیات نکل آئی تھیں' وہ الجھتی رہی لیکن کام کرتی رہی' کوئی ڈھائی بجے فراغت حاصل ہوئی تھی' چنانچہ وہ پرس اٹھا کر آفس سے باہر نکل آئی' آفس سے

تھوڑے فاصلے پر ایک ٹیکسی اسٹینڈ پر اس کا ایک شناسا ٹیکسی ڈرائیور بھی تھا، جس کا نام رفیق تھا، رفیق سے اس نے کئی بار اپنے کام کے سلسلے میں مدد لی تھی، وہ ایک اچھا اور خوش مزاج نوجوان تھا، اس وقت بھی ٹیکسی اسٹینڈ پر رفیق نظر آگیا تو اس نے اسے اشارہ کیا اور رفیق ٹیکسی اسٹارٹ کرکے اس کے پاس لے آیا۔

"کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے، آج ذرا لمبا کام ہوگیا۔"

"بیٹھئے میم صاحب، کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔" رفیق نے وہ کپڑا جھاڑتے ہوئے کہا جس سے وہ ٹیکسی کا ونڈ اسکرین صاف کر رہا تھا۔ عشرت پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی، تو رفیق نے اسٹیئرنگ سنبھال کر ٹیکسی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"جی کہاں چلو۔"

"گرانڈ روڈ۔" رفیق نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ قرب و جوار کے مناظر ایک بے مقصد عمل رکھتے تھے، وہ خیالی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی، گرانڈ روڈ شہری آبادی سے باہر جانے والی سڑک تھی، جب رفیق آبادی سے باہر نکل آیا تو اس نے پوچھا۔

"سیدھا چلنا ہے میم صاحب۔"

"ہاں رفیق چلتے رہو۔" یہ سفر اس پیٹرول پمپ پر ختم ہوا تھا، جہاں فیروز کام کرتا تھا، عشرت نے رفیق سے کہا۔

"ٹیکسی میں کتنا پیٹرول ہے رفیق۔"

"ہے میم صاحب۔" رفیق بولا۔

"دس لیٹر اور ڈلوالو، ذرا سا کام ہے مجھے اس پیٹرول پمپ پر۔"

"ٹھیک ہے۔" رفیق بولا اور اس نے ٹیکسی پمپ کے پاس کھڑی کر دی۔

عشرت کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں لیکن فیروز اسے نظر نہیں آیا، تو وہ نیچے اتر آئی اور اس نے کیشئر سے پوچھا۔ "یہاں ایک آدمی فیروز کام کرتا ہے، نظر نہیں آرہا۔"

"آج چھٹی پر ہے میم صاحب۔" اس نے عشرت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے پہچانتے ہو۔"

"جانتا ہے میم صاحب، آپ پہلے بھی ادھر آچکا ہے۔ فیروز کا رشتے دار ہے آپ۔"

"ہاں۔ یہ فیروز آخر ہے کس قسم کا آدمی۔؟"

"بادشاہ ہے میم صاحب، بادشاہ۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ادھر کام کرتا ہے عیش کرتا ہے، مست مولا ہے پر آپ اس کے بارے میں ایسے کیوں پوچھتا ہے۔"

"نہیں وہ صرف میرا دوست ہے۔ میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔"

"بہت اچھا آدمی ہے میم صاحب، ایک دم گریٹ۔ عشرت جانتی تھی کہ یہ شخص اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتا، بہرحال وہ واپس ٹیکسی میں جا بیٹھی یہ ایک انکشاف تھا کہ اس وقت فیروز ڈیوٹی پر نہیں ہے، رفیق کو اس جگہ کا پتہ بتایا جو احمد عزیز سے رجسٹریشن آفس سے معلوم ہوا تھا، اور پھر جب ٹیکسی ایک طویل فاصلہ طے کرکے اس آبادی میں داخل ہوئی تو اچانک ہی عشرت چونک پڑی، وہ شاندار اور قیمتی کار اس نے لمحے میں پہچان لی تھی، جو فیروز حمید کی کار تھی، وہ کار آبادی کے آخری سرے سے نکل کر دارالحکومت کی جانب جا رہی تھی، اس گھر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی کیونکہ کار کی سیٹ پر فیروز ایک شاندار سوٹ میں ملبوس موجود تھا، اور خود ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عشرت نے رفیق کو

فوراً" ہی ہوشیار کیا اور رفیق اس کی خواہش پر اس کار کے پیچھے چل پڑا۔ عشرت کے ذہن میں نجانے کیا کیا تصورات آرہے تھے' پیٹرول پمپ پر فیروز کا موجود نہ ہونا' اب اس کے بعد اس جگہ اس کا پایا جانا' عجیب دہری کیفیت کا شکار تھی وہ۔ فیروز کے بارے میں غور کرتی تو اندازہ ہوتا کہ وہ پوری طرح عشرت میں ملوث ہے۔ منگل کے دن اس طرح اس کے گھر پہنچ جاتا تھا' جیسے ہفتے بھر محنت کرنے والا چھٹی کے دن اپنے گھر آجاتا ہو۔ اگر وہ اس شخصیت کا مالک ہے تو عشرت کا سچا خلوص اس کے کام آرہا ہے' کیونکہ اس نے تو ایک بہت ہی عام آدمی کی حیثیت سے فیروز کا انتخاب کیا تھا' لیکن کچھ وسوسے بھی دل میں تھے' ہو سکتا ہے فیروز اس سے فراڈ کر رہا ہو۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا' اگر وہ اپنی شخصیت کا اعتراف نہیں کر رہا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس سے اتنا متاثر نہیں ہے' جتنا ظاہر ہوتا ہے۔ ٹیکسی شہر میں داخل ہوگئی' فیروز کی کار ایک ایسی عمارت کے سامنے جاکر رکی جس میں پرائیویٹ کمپنیوں کے دفاتر تھے' اور یہ عمارت شہر کی دوسری اونچی عمارت تھی' غالباً" اٹھارہ یا انیس منزلوں پر مشتمل۔ فیروز نیچے اترا تو عشرت نے بھی ٹیکسی چھوڑ دی۔ اور اس کے بعد وہ بڑی احتیاط سے فیروز کا تعاقب کرتی ہوئی اندر پہنچی' فیروز لفٹ میں داخل ہو رہا تھا' ایک لمحے کیلئے عشرت گڑ بڑا گئی' اٹھارہ منزلہ عمارت میں فیروز کو تلاش کرنا بڑا مشکل کام تھا' بہرحال وہ دوسری لفٹ کی جانب لپکی عین اسی وقت اسے ایک اور شخصیت نظر آئی' جسے اس نے ایک لمحے میں پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کا تعاقب اس دن فیروز کر رہا تھا اور عشرت نے بخوبی اندازہ لگالیا تھا' کہ ہوٹل کی لابی سے فیروز اسی لڑکی کیلئے اٹھ کر اپنی کار کی طرف گیا ہے یہ لڑکی بھی اسی لفٹ میں داخل ہوگئی' جس میں فیروز داخل ہوا تھا' عشرت نے یہ بھی دیکھا کہ لفٹ میں صرف وہ لڑکی اور فیروز ہیں' نجانے کیوں اسے ایک جلن کا سا احساس ہوا' اس لڑکی سے فیروز کا کیا رابطہ

۔ بہرحال لفٹ اوپر چلی گئی تھی اور کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ دوسری لفٹ بھی اوپر اٹھنے لگی جس میں عشرت داخل ہوئی تھی' لیکن عشرت محسوس کر رہی تھی کہ اس طرح یہ تعاقب بے مقصد ہوگیا ہے' کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دونوں کون سی منزل پر اتریں گے۔ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ لفٹ بلندیوں کا سفر طے کرتی رہی' یہاں تک کہ اٹھارویں منزل پر جارکی' عشرت کو ایک بے بسی کا احساس ہو رہا تھا' بہرحال یہاں وہ لفٹ سے نکلی ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد گردن جھٹک کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی' پھر وہ سیڑھیاں اترنے لگی اور کئی منزلیں نیچے اتر آئی' ایک بے مقصد اور بیکار سا عمل' اب یہی مناسب ہے کہ واپس نیچے جائے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر فیروز کی واپسی کا انتظار کرے' اس سوچ بچار میں پانچ منزل نیچے آگئی تھی۔ اس نے سوچا کہ تیرہویں منزل سے لفٹ میں بیٹھ کر نیچے اتر جائے گی' لیکن اچانک ہی اسے کچھ افراتفری سی محسوس ہوئی' کچھ لوگ دفتروں کے دروازے کھول کھول کر باہر نکل کر نیچے جارہے تھے ان کے انداز میں تجسس سا تھا وہ ایک دوسرے سے گفتگو بھی کر رہے تھے' چنانچہ وہ خود بھی بارہویں منزل کی جانب لپکی بارہویں منزل پر اچھا خاصا جمگھٹا لگا ہوا تھا لوگ لفٹ میں جھانک رہے تھے' اور لفٹ رکی ہوئی تھی ایک رپورٹر ہونے کی حیثیت سے عشرت کے ذہن میں بھی تجسس جاگا اور وہ راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی تب اس نے لفٹ میں خون بکھرا ہوا دیکھا یہ خون اس لڑکی کے جسم سے بہا تھا جو لفٹ میں مڑی تڑی پڑی ہوئی تھی' اور یہ لڑکی وہی تھی جسے عشرت نے فیروز کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سے پہلے فیروز کو اس کا تعاقب کرتے ہوئے' لیکن لفٹ میں' نہ لوگوں کے ہجوم میں اسے فیروز کہیں نظر نہیں آرہا تھا' ایک لمحے کیلئے عشرت کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی' کیا فیروز اس لڑکی کا قاتل ہے۔؟ اس نے دہشت بھرے انداز میں سوچا۔

اس نئی سوچ نے اسے لرزا دیا تھا اور وہ اپنے بدن میں شدید سنسنی محسوس کر رہی تھی' بہت سے ذمے دار افراد لاش کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ لفٹ بند کر دی گئی تھی اور کچھ لوگ عام لوگوں کو یہاں سے منتشر ہونے کے لئے کہہ رہے تھے۔

عشرت بہت دیر تک سناٹے میں کھڑی رہی۔ پھر اسے اپنے پیشہ وارانہ فرائض کا خیال آیا اور اس نے جلدی جلدی لاش کی کئی تصویریں بنا ڈالیں' ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت سے وہ یہ کام کر سکتی تھی۔ لیکن اس کی تجسس بھری نگاہیں فیروز کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔ فیروز کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ عشرت کے بدن میں اینٹھن پیدا ہو گئی تھی۔ یہ تو سارا تاج محل زمین بوس ہوا جارہا ہے' فیروز کے بارے میں پہلے اس نے یہ سوچا تھا کہ ممکن ہے وہ کوئی ایسی شخصیت ہو جو خود کو چھپا رہی ہو۔ اور کسی مناسب موقع پر اس کی حقیقت اس کے سامنے کھول دی جائے اور اسے حیران کر دیا جائے۔ لیکن اب وہ ایک نئے انداز میں سامنے آئی تھی۔ اور عشرت یہ سوچ کر دم بخود رہ گئی تھی کہ کیا واقعی فیروز کوئی بہت ہی پراسرار شخصیت ہے' نجانے کتنی دیر تک وہ یہاں مصروف عمل رہی۔ لیکن اس عمل میں زیادہ تر کوشش فیروز

کی تلاش تھی جو کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ خود اس سلسلے میں بہت زیادہ جدوجہد اور بھاگ دوڑ سے اپنے آپ کو معذور پا رہی تھی۔ طبیعت پر ایک عجیب سی تھکن' عجیب سا بوجھ سوار تھا۔ لیکن مقتولہ کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ پھر اسے کچھ خیال آیا اور اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں' ایک طرف تین ٹیلی فون بوتھ نظر آرہے تھے۔ اس نے جیب سے ٹیلی کارڈ نکالا اور ایک ٹیلی فون بوتھ کی جانب بڑھ گئی۔ احمد عزیز سے رابطہ قائم کرنے میں وقت نہیں پیش آئی تھی۔ اس نے احمد عزیز کو اس جگہ کا پتہ بتایا اور کہا کہ ایک لڑکی قتل کر دی گئی ہے۔ آجاؤ اور اس کی رپورٹنگ کرلو۔ احمد عزیز نے کچھ لمحوں کے اندر وہاں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر جب وہ وہاں پہنچ گیا تو عشرت اسے صورت حال سمجھانے لگی' پولیس بھی آگئی تھی اور لڑکی کی لاش کو تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ اس نے احمد عزیز سے کہا۔

"میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے' تم ذرا اس سلسلے کی کارروائی مکمل کرلو۔ اور سرسرے انداز میں نہیں' اس لڑکی کو اصل میں میں نے پہلے بھی دیکھا ہے۔ ذرا خصوصی طور پر کام کرکے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔" احمد عزیز نے گردن ہلا دی تھی۔

عشرت تھکے تھکے سے انداز میں وہاں سے چل پڑی تھی۔ بہت سی سوچیں دامن گیر تھیں۔ کہیں سب کچھ ایک حماقت ہی نہ ہو۔ فیروز صرف ایک سروس بوائے ہو۔ اور اس کی شکل اتفاقیہ طور پر اس شخص سے ملتی ہو۔ مصیبت تو یہ تھی کہ شکل ہی نہیں نام بھی مل رہے تھے' نجانے کیا قصہ ہے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں سوچا۔

بدر شاہ نے مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ سردار تیمور نے کہا۔

"عزت و احترام کے ساتھ انہیں بٹھاؤ۔" خورشید نے سوالیہ انداز میں سردار تیمور کو دیکھا تھا تو سردار تیمور نے گردن ہلا کر کہا۔

"کچھ سرکاری مہمان ہیں جنہیں میں نے کچھ بات کرنے کے لئے تکلیف دی ہے' آپ ذرا اچھی سی چائے وغیرہ بنوا کر باہر بھجوا دیجئے۔" یہ کہہ کر سردار تیمور ڈرائنگ روم کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا' آنے والے تین افراد تھے۔ جنھوں نے کھڑے ہو کر سردار تیمور کا استقبال کیا تھا۔ سردار تیمور نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھیئے آپ لوگ۔ مجھے آپ کی آمد سے مسرت ہے۔ اور زحمت کے لئے معافی کا طلب گار بھی ہوں۔"

"سردار صاحب۔ آپ شرمندہ نہ کریں۔ آپ بہت باعزت انسان ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے ایک سردار ہونے کے باوجود پیش قیمت فوجی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور آپ کا اپنا ایک مقام ہے اس سلسلے میں۔"

"شکریہ' ظاہر ہے وطن کی مٹی کا قرض ہوتا ہے انسانی زندگی پر۔ ہم تو مقروض لوگ ہیں' دنیا میں آتے ہیں۔ والدین کے احسانات سے ان احسانات کے مقروض ہو جاتے ہیں۔ زمین کی مٹی ہماری تخلیق کرتی ہے تو ہم زمین کے مقروض ہوتے ہیں۔ بہرحال جذباتی باتوں سے گریز کر کے میں آپ لوگوں کے قیمتی وقت کو بچانا چاہتا ہوں۔"

"جی سردار صاحب۔"

"لیکن اتنا بھی نہیں کہ چائے سے پہلے آپ کو اپنی باتوں میں گرفتار کر لوں۔" سردار تیمور مسکرا کر بولا اور وہ تینوں بھی مسکرانے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"نہیں سردار صاحب۔ چائے کے آنے سے پہلے اگر سلسلہ گفتگو جاری رہے تو چائے کے انتظار کے لمحات ختم ہو جائیں گے اور جب چائے پہنچے گی تو گفتگو کو درمیان سے روک دینا کتنا لذیز ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' تو پھر سلسلہ گفتگو جاری ہو جائے' تھوڑے سے اشارے میں نے متعلقہ حکام کو دیئے تھے' زمین کا ایک ٹکڑا ہے جسے ہم درہ وادی کہتے ہیں' درہ وادی کی یہ زمین میری آبائی زمین ہے' اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے وہ بہت محنت طلب جگہ رہی ہے' اسی لئے ہم اسے قابل استعمال نہیں بنا سکے' اور خاص طور سے میں فوجی زندگی سرانجام دینے کے لئے اپنی جگہ پر چلا گیا تھا' کوئی بھائی وغیرہ تھا نہیں میرا بیٹا بھی چھوٹا تھا' اس لئے اس زمین پر محنت نہیں کر سکا' بس آس پاس کی تھوڑی زمین اپنے لئے قابل استعمال بنالی ہے۔

درہ وادی" کا وہ علاقہ ہمیشہ سے مجھے ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے خطرناک محسوس ہوا ہے' اصل میں وہ سرحد کے ایک ایسے علاقے سے جا کر ملتا ہے جو دشمن کے لئے بہت کارآمد ہے۔ یا پھر اسمگلروں کے آنے جانے کے لئے بھی اس جگہ کو

استعمال کیا جاسکتا ہے' میں نے حسب توفیق اس کی نگرانی کی ہے' لیکن اتنے مو
انداز میں نہیں جتنا ہونا چاہیے' کئی بار مجھے اس بات کا شبہ ہوا کہ ادھر سے کچھ غ
محسوس کارروائیاں ہوتی ہیں' چنانچہ بحالت مجبوری میں نے درے کا وہ راستہ جو آ
سے آکر اندر داخل ہو سکتا تھا' ڈائنامائٹ لگا کر تباہ کر دیا' لیکن اس کے باوجود میں غ
مطمئن ہوں۔

میں اگر چاہتا تو آس پاس کے کسی زمیندار یا سردار کو وہ زمین بیچ سکتا تھا' لیکر
بات اس زمین کی قیمت وصول کرنے کی نہیں ہے۔ بات سر زمین وطن کو بر
ارادوں سے پاک رکھنے کی ہے' چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ یہ زمین سرکاری تحویل مر
دے دوں۔ اور فوجی حکام اسے مستحکم طریقے سے اس خیال کے تحت استعمال کریر
کہ یہاں غلط کارروائیاں ہو سکتی ہیں۔ جو آگے چل کر نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی
ہیں' آپ میرا موقف سمجھ رہے ہیں' میں اس زمین کی کوئی قیمت نہیں چاہتا' بس
اسے محفوظ ہاتھوں میں منتقل کر دینا چاہتا ہوں' لیکن اس کے لئے بھی میری ایک شرط
ہے۔

"وہ کیا سردار صاحب۔؟"

"اس زمین کو جس طرح محفوظ کیا جائے اس سلسلے میں میرا مشورہ ہمیشہ لی
جائے گا۔ اگر میں وہاں کی جانے والی کارروائی سے مطمئن ہو گیا تو کوئی مداخلت نہیر
کروں گا' ورنہ دوسری صورت میں میں زمین کی پوزیشن حتمی طور پر اعلیٰ حکام کو
نہیں دوں گا۔

میرا مطلب ہے میں زمین کے اس ٹکڑے کو صرف کسی کے حوالے کر کے
مطمئن نہیں ہونا چاہتا' بلکہ اس بات سے مطمئن ہونا چاہتا ہوں اور خصوصاً ایک فوجی
کی حیثیت سے کہ وہ زمین دشمن یا وطن دشمنوں کے کام نہیں آنی چاہیے۔"

"بہت ہی قابل احترام خیالات ہیں آپ کے' آپ مطمئن رہیں' ہم آپ کا موقف پوری طرح سمجھ چکے ہیں۔ اور اسے اسی انداز میں اعلیٰ حکام تک منتقل کریں گے۔"

"چلئے چائے نے بھی بڑے مناسب وقت کا تعین کیا ہے' لیجئے چائے آگئی۔" سردار تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کوئی مشغلہ ہی نہیں رہ گیا تھا زندگی کا' بہن تھی تو فاقہ مستی کے عالم میں بھ
دونوں کو ہنسنے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ زیبی نے زیادتی کی تھی۔ ذرا سا غور کر لیتی ا
شاید اس حد تک قدم نہ اٹھالیتی' مجبوری تھی۔ بالکل مجبوری تھی' ورنہ وہ خود ای
کب کرنا چاہتا تھا' نہیں زیبی تم نے واقعی زیادتی کی ہے' یہ انتہاء پسندی تھی' سوچنا
چاہیے تھا تمہیں کہ واپس آکر میں تمہیں ہی تلاش کروں گا' ناراض تھیں' تو بات ن
کرتیں مجھ سے' روٹھ جاتیں۔ مجھے یقین تھا کہ جب تم میرا موقف سمجھتیں تو مجھ
ضرور معاف کر دیتیں' دیکھو تو سہی انسان کے لئے جینا کتنا مشکل ہو گیا ہے' کون ہ
جو عزت کی روٹی نہیں کھانا چاہتا۔ لیکن عزت کی روٹی ختم ہو گئی ہے۔

دنیا نے اپنے بدن بے لباس کر دیئے ہیں۔ وہ بس دولت ہی کو حرف آخر سمجھتے ہیں تو دو ہی باتیں ہیں' یا تو ان کے درمیان جینے کے لئے ان جیسا ہو جانا پڑ ہے۔ یا پھر موت اپنائی جاتی ہے اور موت کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں' جسم ک موت' روح کی موت' ضمیر کی موت' مرنا تو پڑتا ہے' میں تو مر گیا تھا زیبی' مگر تمہارے لئے زندہ تھا' نہیں زیبی! برا کیا ہے تم نے' زندہ ہو تو آؤ۔ کسی کھڑکی ب

دروازے سے جھانکو۔ اس طرح کہ میں تمہیں دیکھ لوں۔ سارے کام ختم ہو جائیں گے۔ مجھے بھی تجربہ ہو گیا ہے اس دنیا کا۔

میں اب وہ نہیں کروں گا جس سے تمہیں بے عزتی کا احساس ہو' میں جانتا ہوں زیبی جان چکا ہوں' جان گیا ہوں کہ لوگ کس طرح برائیوں میں ملوث ہو کر بھی باعزت رہتے ہیں' ناتجربے کاری تھی میری بہن کہ پولیس تمہارے دروازے تک پہنچ گئی' ورنہ ایسا کبھی نہ ہوتا' یقین کرو زیبی ایسا کبھی نہ ہوتا۔ جب بھی وہ یہ باتیں سوچتا آنکھوں کی کوریں بھیگ جاتیں اور نجانے کتنی دیر تک وہ اسی کرب کا شکار رہتا۔ گھر کے در و دیوار زیبی کی ایک ایک جنبش سے آراستہ تھے۔

زیبی کے بغیر اس گھر میں ایک پل دل نہیں لگتا تھا۔ لیکن یہاں رکنا مجبوری تھی' کون جانے کب وہ واپسی کا فیصلہ کر لے۔ اور آجائے' اگر ایسا ہوا' آگئی تو کیا ہو گا۔ پریشان ہو جائے گی' جس طرح میں اسے تلاش کر رہا ہوں پھر وہ مجھے تلاش کرے گی۔ یہ سوچیں تو مستقل ہی ہوا کرتی تھیں' آج بھی کہیں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ بس وحشت دل سے گھبرا کر باہر نکل جاتا تھا یا پھر باس کی طرف سے کوئی ذمے داری دی جاتی تو اس کی تکمیل کرنا ہوتی' لیکن آج کوئی کام نہیں تھا اور وہ گھر میں پڑا انہی یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ کیا ہو گا آگے کی زندگی میں' باس کے لئے جو کام کر رہا تھا اس کا معاوضہ اچھا خاصا ملتا تھا' بہت سی رقمیں بینک میں جمع ہو گئی تھی' کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی' خرچہ ہی کیا۔ کہیں بھی گیا' کھا پی لیا۔ کہیں بھی جا بیٹھا' پرانے تمام شناساؤں سے رابطے ختم ہو گئے تھے۔ کچھ کترانے لگے تھے۔ کچھ ایسے تھے جنہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ جیل سے واپس آگیا ہے' اور کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ فائدہ بھی کیا' کسی سے ملاقات کرنے کا' اپنی زندگی ہی بے مقصد اور بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔

دفعتہ" رات یاد آئی' سامنے والا گھر جس میں ایک عجیب ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی تھی' نجانے کیوں وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا' عظیم چچا نے مختصراً ان کے بارے میں بتایا تھا' رات کو اس شخص سے ملاقات بھی ہوئی تھی' کچھ سوچ کر دروازے کی طرف چل پڑا۔ سامنے والے دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر آگے نکل کر دروازے پر دستک دی' کچھ لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا اور سامنے کھڑی ہوئی لڑکی نے اسے دیکھا۔ الجھے الجھے بکھرے بال' آنکھوں میں زمانے بھر کا کرب' چہرے کے نقوش انتہائی دلآویز' لیکن بدحالی کا رونا روتے ہوئے' اس نے شاید سلطان کو پہچان لیا تھا۔ ایک دم سے اس کے چہرے کے انداز میں تبدیلی پیدا ہوئی' خشک ہونٹوں کی لرزش نے کچھ کہنا چاہا' لیکن آواز ساتھ نہیں دے سکی' تبھی عقب سے آواز ابھری۔

"کون ہے سیما۔؟" اور پھر سوال کرنے والا سامنے آگیا۔ عمر رسیدہ عورت تھی۔ وہ بھی شاید سلطان کو پہچانتی تھی۔ ایک دم چہرے کے نقوش بدل گئے۔

"آپ......... آپ جی کوئی کام ہے ہم سے۔؟"

"ہاں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں جو رات کو ہنگامہ آرائی کر رہے تھے۔" سلطان سرد لہجے میں بولا۔

"دیکھیے جی' معاف کر دیجئے بھائی......... وہ بس......... بس معاف کر دیجئے گا۔"

"کیا وہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔؟"

"آپ اندر آجائیے۔ آیئے اندر آجائیے۔" ایسا لگا جیسے عمر رسیدہ عورت نے یہ الفاظ سوچنے سمجھنے کے بعد ادا کئے ہیں۔ بہرحال سلطان اندر داخل ہوگیا تو لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔ پورا گھر مفلوک الحالی کی زندہ تصویر تھا۔ برآمدے میں پڑے ہوئے تخت پر پہنچ کر سلطان پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا تو عورت بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ سامنے والے گھر میں رہتے ہیں۔"

"میرا نام سلطان ہے' آپ لوگ یہاں اس گھر میں کرائے دار آئے ہیں' میں بہت پہلے سے یہاں رہتا تھا۔ کچھ عرصے کے لئے کہیں چلا گیا تھا۔"

"بھائی ہم بڑی پریشانی کا شکار ہیں۔ آپ نے رات کو جذباتی ہو کر جو کچھ کیا اس سے اس شخص کی بے عزتی نہیں ہوئی بلکہ ہم مزید بد نصیبی کے احساس کا شکار ہو گئے۔"

"ماں جی مجھے تھوڑی سی تفصیل بتایئے۔"

"کچھ نہیں۔ بد نصیبی کے مارے ہوئے ہیں ہم لوگ......... وہ میرے شوہر ہیں' سیما کے باپ۔"

"سیما آپ کی بیٹی ہے۔"

"ہاں بس یہی ہے ہماری زندگی کا سرمایہ' لیکن اس سرمائے کا جو کچھ ہو رہا ہے تم دیکھ رہے ہو بیٹے' بیٹے کبھی کبھی انسان یہ نہیں سمجھ پاتا کہ جو امتحان اس سے لیا جارہا ہے وہ کیسے دے۔ اپنی قوتوں کو کم پاتا ہے وہ۔ لیکن کچھ نہیں کر سکتا اور جب کچھ نہیں کر سکتا تو سوچتا ہے کہ کیا جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ ہمارا قصور نہیں تھا بیٹے' ان کا نام فیاض احمد ہے۔ نوکری کرتے تھے ایک پرائیویٹ کمپنی میں۔ مناسب تنخواہ ملتی تھی' گزارہ ہو جاتا تھا' سیما نے انٹر کرلیا تھا کہ اچانک بد نصیبی کے کالے بادل اٹھے۔ فنانس کمپنیوں کا چکر چلا۔ لوگ بے تحاشہ ان کی جانب دوڑ پڑے۔ فیاض نے بھی اپنا سب کچھ بیچ دیا۔ چھوٹا سا مکان تھا' فروخت کر دیا۔ میرے زیورات' بچی کا جہیز' سب کچھ اکٹھا کر کے فنانس کمپنیوں میں جھونک دیا۔ کرائے کا گھر لے لیا ان کا نظریہ تھا کہ پھنسی ہوئی رقم جو گھر میں اور زیورات میں اٹکی ہوئی ہے اگر گردش میں آجائے تو اتنا ملے گا کہ اس رقم سے وہ اتنا ہی دوبارہ بنا

سکتے ہیں۔ اور ملا' لیکن کچھ مہینے اور اس کے بعد جو تھا وہ ختم ہوگیا' فنانس کمپنیاں ڈوب گئیں۔ ہماری ساری رقم ختم ہوگئی اور فیاض دماغی طور پر غیر متوازن ہوگئے' کچھ دن تک قرب و جوار میں ہنگامے کرتے رہے' پھر لوگوں نے دماغی ہسپتال میں پہنچا دیا' اپنے گھر سے کرائے کے گھر میں منتقل ہوگئے تھے جو جمع جتھا تھا' اس سے فیاض کا علاج کرایا گیا۔ لیکن یہ صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا' نجانے کہاں کہاں بیٹھے' نشے کی لت لگالی اور پھر صرف ایک نشے باز ہوکر رہ گئے۔ ہم کرائے کے گھر بدلتے رہے' کہیں کرایہ ادا نہ ہونے کی وجہ سے ذلیل کرکے نکالے گئے۔ کہیں فیاض کے شور شرابے سے شریف زادوں نے نہ رہنے دیا' تھوڑے دن ہوئے اس محلے میں آئے ہیں' یہاں بھی وہی سب کچھ شروع ہو چکا ہے' سنا ہے محلے والے ہماری وجہ سے تنگ آگئے ہیں۔ اور ہمیں نکلوانے کی کوششیں ہو رہی ہیں' بیٹے آہستہ آہستہ ہم بے عزتی کے عادی ہو چکے ہیں۔"

"لیکن وہ اپنی بیٹی کو کیوں مارتے ہیں۔؟" سلطان نے پوچھا۔

"اس کے لئے نوکریاں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ الٹی سیدھی' کہتے ہیں نوکری کرے تاکہ گھر کے اخراجات پورے ہوں' بلکہ گھر کے اخراجات سے زیادہ ان کے نشے کے اخراجات پورے ہوں۔ پیسے مانگتے ہیں ہم سے۔ بیٹے میں محلے کے ایک ایک گھر میں جاکر کپڑے لے کر آتی ہوں سلائی کے لئے' جو کچھ ان سے ملتا ہے اسی سے دال روٹی چلا رہی ہوں۔ گھر کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے۔ اتنے پیسے نہیں ہو پاتے کہ ان کے لئے نشے کا بھی بندوبست کروں' سیما سے وہ بس اس لئے ناراض ہیں کہ اگر سیما ان کی تلاش کی ہوئی ملازمت کرلے تو ان کی حالت بہتر ہو جائے' دنیا جس طرح کی ہے نا بیٹے' میں جانتی ہوں جو لوگ سیما کو ملازمت دینا چاہتے ہیں' ان کی شکلیں بھی دیکھ چکی ہوں میں' ہم لوگوں نے طے کیا ہے کہ حالات جب ہمارے قابو

سے باہر ہو جائیں گے تو خودکشی کرلیں گے' زندگی تو ویسے ہی حرام ہوگئی ہے' موت بھی حرام ہو جائے گی تو ٹھیک ہے۔ ہم سمجھیں گے یہی ہماری تقدیر ہے' وہ سیما کو مارتے ہیں پیٹتے ہیں۔ زخمی کر دیا ہے انہوں نے اسے مار مار کر' سیما بھی یہی کہتی ہے کہ اماں کچھ دن اور جی لیتے ہیں کیا ہرج ہے۔ اس تکلیف کی زندگی جینے میں بھی مزہ آرہا ہے' تکلیف میں جینے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے' یہ بے بسی کی انتہاء ہے بیٹے۔ میں تمہیں متاثر کرنے کے لئے نہیں کہہ رہی یہ بات' اصل میں کوشش میں کرتی ہوں کہ کوئی بات بنے کسی نہ کسی طرح بنے' اور جب تک امید آس رہتی ہے نا انسان کو وہ جینا چاہتا ہے' ہم بھی بیٹے اسی امید آس کے سہارے تھوڑا اور جی رہے ہیں۔ جب واقعی وہ وقت آجائے گا کہ زندگی بالکل ہی اختتام کو پہنچ جائے تو ہم ماں بیٹی خودکشی کرلیں گے' ہم نے اس کا انتظام بھی کرلیا ہے۔"

سلطان دہشت زدہ ہو کر رہ گیا تھا' ایک انوکھا احساس اس کے دل میں ابھرا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے بیٹھی عورت کو دیکھنے لگا۔ سیما چھوٹے سے باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ دیر تک سناٹا چھایا رہا' صرف باورچی خانے میں کچھ سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر چائے کی خوشبو ابھری اور خوبصورت لڑکی نے چائے کی پیالی لاکر سامنے رکھ دی' سلطان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا رات کا احساس اس وقت بھی دل میں جاگ اٹھا تھا۔ اس نے کہا۔

"اس وقت اگر وہ واپس آجائیں تو مجھے یہاں دیکھ کر آپ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

"پتہ نہیں۔" عمر رسیدہ عورت نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ سلطان نے چائے کی پیالی کی طرف دیکھا' پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور بولا۔

"میں آپ لوگوں کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔"

"ارے بیٹھو' چائے پیئو۔"

"نہیں' چائے پینے نہیں آیا' کئی بار وہ دیکھ چکا ہوں جو بہرحال اچھا نہیں تھا' تھوڑے سے پیسے رکھ لیجئے۔ جب بھی آپ کے شوہر پر دیوانگی سوار ہو' ان ضرورت پوری کر دیجئے گا' اس کے بعد اگر وہ سب کچھ دہرایا گیا تو پھر شاید آپ کو مکان بھی خالی کرنا پڑے۔" سلطان یہ کہہ کر وہاں سے واپس پلٹ پڑا' پھر دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد وہ گلی میں نہیں رکا تھا۔ کوئی مصلحت ذہن میں نہیں تھی۔ کوئی ایسا خیال دل میں نہیں تھا جو بڑی رقم وہ ان لوگوں کو دے آیا تھا وہ ان لوگوں کے لئے تو ناقابل یقین ہوگی' لیکن سلطان کے پاس اس رقم کا کوئی مصرف نہیں تھا' بہت کچھ موجود تھا اس کے پاس۔ بس نجانے کیوں اچانک ہی اس پر یہ کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اور وہ خود اس کیفیت کی وجہ تلاش نہیں کر سکا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ شاہ رخ کے دل میں زیبی کے لئے کوئی ایسا جذبہ نہیں پیدا ہو سکا تھا جو اسے راتوں کو اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے۔ زیبی جس طرح اسے ملی تھی وہ بذات خود ایک پراسرار عمل تھا۔ اور آج تک شاہ رخ کو یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ زیبی کون تھی۔ وہ خودکشی کیوں کرنا چاہتی تھی۔ شاہ رخ ایک پولیس افسر ہونے کی حیثیت سے زیبی کو کسی ایسی جگہ پہنچا دینا چاہتا تھا جو اس کے لئے ایک محفوظ جگہ ہو' بعد میں اگر زیبی کے لواحقین یا اس کے ورثاء اسے تلاش کریں تو یہ نہ کہا جاسکے کہ ایک پولیس افسر نے اپنا فرض پورا نہیں کیا اور ایک نوجوان اجنبی لڑکی کو اپنے گھر رکھ لیا' لیکن زیبی نے جس طرح یہاں آنے کے بعد اس کی ماں کو سنبھال لیا تھا اور جس طرح فرزانہ بیگم اس کی وجہ سے ایک صحت مند زندگی کی جانب لوٹی تھیں اس نے شاہ رخ کو بہت سی ذمے داریوں سے آنکھیں چرانے پر مجبور کر دیا تھا' پھر یہ بھی اندازہ لگایا تھا اس نے کہ یہ لڑکی جسے ان لوگوں نے صنوبر کا نام دیا ہے' خود بھی یہاں بہت خوش ہے۔ اس کے اندر کوئی اضطراب نہیں ہے' وہ کہیں جانا نہیں چاہتی' اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کوئی اس کا ہے

ہی نہیں جس کے پاس جانے کی آرزو اس کے دل میں ہو۔ شاہ رخ نے بہرحال خطرہ بھی مول لے لیا تھا' اگر کبھی کچھ ہوا تو دیکھا جائے گا' فی الحال سب ٹھیک ہے وہ خود بھی صنوبر سے اچھا خاصا بے تکلف ہوگیا تھا' لیکن ہر جذبے سے بے نیاز ا بار بھی جب وہ اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے کا ارادہ کر رہا کہ اس نے زیبی کو دیکھا جو بڑے اہتمام سے اس کی وردی استری کر رہی تھی اسٹینڈ پر پتلوں پھیلی ہوئی تھی' اس کا کوٹ اور پولیس کیپ زیبی نے خود پہنی ہو تھی۔ اور چہرے پر بڑی آسودگی کے تاثرات تھے' ایک لمحے تک وہ اسے گھورتا ر پھر اندر داخل ہو کر بولا۔

"میڈم! آپ اسٹیچو ہی بنی رہیں گی' یا میرے کپڑے استری کرکے دیں گی مجھے دیر ہو رہی ہے۔" زیبی اچھل پڑی تھی اس نے پلٹ کر شاہ رخ کو دیکھا اور پھر جلدی سے پتلون پر استری کرنے لگی اسے سر پر پہنی ہوئی کیپ اور کوٹ کا خیال نہیں رہا تھا۔ پتلون کو ہینگر پر ٹانگنے کے بعد اس نے پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ شاید کوٹ تلاش کر رہی تھی۔ جب کوٹ نہ ملا تو اچانک ہی اسے کوٹ کے اپنے بدن پر ہونے کا احساس ہوا اور اس نے گھبرا کر کوٹ کو الٹے سیدھے طریقے سے اتارنے کی کوشش کی' لیکن کوٹ نہ اترا تو بے بسی سے وہ شاہ رخ کو دیکھنے لگی' شاہ رخ ایک قدم آگے بڑھا اور نرم لہجے میں بولا۔

"اگر آپ کوٹ کے بٹن کھول لیں تو یہ یقیناً اتر جائے گا صنوبر صاحبہ۔" زیبی نے جلدی سے بٹن دیکھے' پھر معذرت آمیز انداز میں شاہ رخ پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر جلدی جلدی بٹن کھول کر اتارا' وہ استری کیا ہوا تھا۔ اور ہینگر کی جگہ زیبی نے خود اسے اپنے بدن پر پہن لیا تھا۔ بے شکن کوٹ اس نے شاہ رخ کو دے دیا تو شاہ رخ نے گردن خم کرکے اسے قبول کیا اور بولا۔

"انتہائی شکر گزار ہوں محترمہ ایک تکلیف اور کریں گی۔" زیبی نے سوالیہ نگاہوں سے شاہ رخ کو دیکھا تو وہ بولا۔

"یہ کیپ بھی اگر آپ مجھے دے دیں تو آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔"

زیبی نے گھبرا کر سر پر ہاتھ مارا تو کانوں اور آنکھوں پر پولیس کیپ ڈھک گئی۔ اور زیبی اسے بھی الٹے سیدھے طریقے سے کھینچا تانی کرنے لگی۔ پھر کیپ کو زور سے کھینچتی ہوئی ایک دم سے لڑکھڑا گئی۔ شاہ رخ نے اسے سنبھالا اور خود اس کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ زیبی نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے شاہ رخ کو دیکھا اور شاہ رخ نے گردن خم کرکے ٹھنڈی سانس لی' پھر کیپ لے کر باہر نکل گیا' زیبی دروازے کی طرف دیکھتی رہی' پھر آنکھیں بند کرکے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے۔ اور دروازے کی طرف دیکھتی رہی' شاہ رخ مسکراتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ پھر وہ تھانے میں پہنچ گیا جو بہرحال اس عمارت سے ملحق تھا۔ اس کے ماتحت مستعد تھے' ایڑھیاں بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ابھی شاہ رخ اپنی کرسی پر بیٹھا بھی نہیں تھا کہ باہر ایک جیپ آکر رکی۔ اس سے چند افراد کو اتار کر لایا گیا۔ یہ سب رسیوں سے بندھے ہوئے تھے' لیکن ان کے ساتھ جو شخص نیچے اترا شاہ رخ اسے دیکھ کر سنبھل گیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آفس کے کمرے کے دروازے کے باہر ہی اس نے حیدر زمان کا استقبال کیا تھا جو اپنے ماتحت خاص گل جمال اور فاریسٹ ڈیپارٹمنٹ کے کچھ ذمے دار لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ شاہ رخ نے بندھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھا پھر اپنے ایس آئی سے کہا۔

"ان لوگوں کو برابر والے کمرے میں بٹھاؤ۔ اور ان دوستوں کو بھی احترام سے بٹھاؤ۔ آؤ حیدر زمان میرے ساتھ اندر آجاؤ۔" اپنے کمرے میں پہنچ کر شاہ رخ نے کہا۔

"یقینی طور پر یہ لوگ جنگلات میں کسی ایسی کارروائی میں مصروف ہوں گے جن کی وجہ سے تم نے انہیں گرفتار کیا اور یہاں تک لائے۔"

"ہاں یار، میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا، بات اصل میں یہ ہے شاہ رخ جس طرح تم محکمہ پولیس میں ذمے داری کی یہ کرسی سنبھالنے کے بعد اس اضطراب کا شکار رہتے ہوگے کہ مراد گڑھی میں کوئی جرم نہ ہونے پائے یا اس کے؟ آس پاس برے لوگ اپنی کارروائیاں نہ کرنے پائیں۔ اسی طرح میری ذمے داریاں بھی مجھے دن رات بے چین رکھتی ہیں، جنگل میں قیمتی لکڑیوں کے درخت ہیں۔ جنہیں ماضی میں بڑی بے دردی سے کاٹا جا رہا تھا، ہو سکتا ہے مجھ سے پہلے کا آفیسر ان لوگوں سے تعاون کرتا رہا ہو۔ لیکن میرے دوست میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں، میں نے پہلے ان لوگوں کو وارننگ دی اور اس کے بعد انہیں میں نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔"

"ان کے سربراہ تک نگاہ پہنچی۔"

"ہاں ایک نام سامنے آیا ہے۔"

"گڈ.......... اس کے بارے میں بتاؤ۔" شاہ رخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نادر شاہ۔" حیدر زمان نے کہا اور شاہ رخ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر کے ایک مخصوص حصے میں ایک بڑے سارے ہال میں اعلیٰ پولیس افسران موجود تھے۔ غالباً کوئی اہم میٹنگ منعقد کی گئی تھی۔ انسپکٹر جنرل اور ان سے نیچے کے عہدے کے بہت سے افراد موجود تھے۔ شاہ رخ بھی اس میٹنگ میں خصوصی طور پر شریک ہوا تھا۔ اسے اعلیٰ افسران نے مراد گڑھی کال کر کے طلب کیا تھا، پولیس کے ایک افسر اعلیٰ نے میٹنگ کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"ملک میں بہت سے جرائم ایسے ہو رہے ہیں جن کی نوعیت اب کچھ سنگین سی ہوتی جارہی ہے۔ ہم یہ بات بالکل نہیں کہیں گے کہ دنیا کے تمام ممالک میں جرائم کم ہیں، ہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ باہر کی پولیس کا ریکارڈ ہمارے ہاں سے سو گنا زیادہ اچھا ہے، وہ لوگ خود کو ایک مہذب قوم کہہ کر اپنی حیثیت منوانے کے لئے عمل کرتے ہیں، حالانکہ وہ کس قدر مہذب ہیں اس بارے میں کچھ کہنا ہمارا کام نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے، لیکن سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں کچھ کیوں کہیں، ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے، آپ کہیں بھی ہوں۔ آپ کی تعیناتی کسی بھی جگہ ہو آپ کو قانون کی آبرو کے لئے سرگرم رہنا ہے، اس وقت میں آپ کو چند

ایسے کیسوں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو اہم نوعیت کے ہیں' لیکن جن کے بارے میں کافی وقت گزر جانے کے باوجود کوئی موثر کارروائی نہیں ہوسکی۔ براہ کرم ان سے واقفیت حاصل کیجئے اور اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے اپنا عمل تیز کر دیجئے۔" افسر اعلیٰ کے اشارے پر ایک پروجیکٹر آپریٹر نے پروجیکٹر آن کر دیا۔ اور اس پر مختلف تصویریں دکھائی جانے لگیں' افسر اعلیٰ چھڑی سے ان کے بارے میں بتاتا رہا' اور پھر اس مقتول لڑکی کی تصویر نظر آئی جسے اس عمارت کی لفٹ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ افسر اعلیٰ نے کہا۔

"یہ بالکل تازہ ترین واقعہ ہے' ہم خصوصی طور پر پچھلے کچھ دنوں سے سرحد کے ایک مخصوص علاقے کی طرف سے تشویش کا شکار رہے ہیں۔ ویسے تو خدا کے فضل و کرم سے ہمارے سرحدی محافظ اپنے فرائض پوری محنت کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں اور ہمیں ذرہ برابر ان کی کارکردگی پر تشویش نہیں ہے' لیکن بات وہیں آجاتی ہے۔ دشمن کی فوجی کارروائیوں کو فوجی دیکھتے ہیں' لیکن وہ خفیہ ملک دشمن کارروائیاں جیسے اسمگلنگ' اسلحے کی ترسیل اور اس طرح کے دوسرے معاملات' ظاہر ہے یہ کام باریکیوں سے کئے جاتے ہیں اور ان باریکیوں پر نگاہ رکھنے کے لئے پولیس اور ایجنسیوں کے افراد مصروف عمل رہتے ہیں' مسٹر فیروز حمید آپ براہ کرم اس سلسلے میں جواب دیجئے' یہ لڑکی وہ ہے جس کے بارے میں آپ کو اطلاع دی گئی تھی' کیا آپ اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔"

"میں اس لڑکی کے سلسلے میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کرچکا تھا جناب' لیکن مجھے اس کا زیادہ موقع نہیں مل سکا' اگر تھوڑا سا وقت مل جاتا تو شاید میں اس کے بارے میں کچھ تفصیلات حاصل کرلیتا' اور اب بھی جہاں تک مجھے علم ہوا ہے پولیس اس لڑکی کو شناخت نہیں کر سکی ہے۔"

"شناخت نہیں کر سکی ہے سے آپ کی کیا مراد ہے مسٹر فیروز۔" افسر اعلیٰ نے کہا۔

"اس کے پاس اپنی شناخت کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنی محتاط تھی۔"

"ظاہر ہے وہ ریکیٹ کی رکن تھی۔ بلکہ شاید اسی لئے اسے قتل کر دیا گیا کہ وہ پولیس کی نظروں میں آگئی تھی۔"

"شاید........ فیروز نے آہستہ سے کہا........ آفیسر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا' درحقیقت فیروز اس سلسلے میں بڑا دلبرداشتہ ہوگیا تھا۔ کئی دن سے وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ پیٹرول پمپ پر اپنی ذمے داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ آج کل وہ اس لڑکی کے سلسلے میں بھی بہت مصروف تھا اور لڑکی کی شخصیت کے بارے میں جو تھوڑا بہت اندازہ اس نے لگایا تھا وہ یہ تھا کہ یہ لڑکی فطری طور پر جرائم پیشہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے واقعات فیروز کے علم میں تھے جس میں کچھ معصوم فطرت لوگ خاص طور سے لڑکیاں ایسے جرائم پیشہ افراد کے جال میں پھنس جاتی تھیں جو ان کی معصومیت سے فائدہ اٹھاتے تھے' یا وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتیں تو انہیں اپنے جال میں پھانس لیتے تھے۔ لڑکی کی حرکات و سکنات سے بھی ایسا ہی اندازہ ہوتا تھا اور فیروز نے دو تین بار یہ بات سوچی تھی کہ اگر کبھی موقع مل گیا تو اس لڑکی سے اس کے بارے میں ضرور معلومات حاصل کرے گا اور کوشش کرے گا کہ اسے اس ریکیٹ کے جال سے نکال لے۔ پتہ نہیں بچاری کون ہے اس دن بھی وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس عمارت میں پہنچا تھا۔ اور پھر جب لڑکی لفٹ میں داخل ہوئی تھی تو بادل نخواستہ وہ بھی لفٹ میں داخل ہوگیا تھا لیکن بعد میں اسے احساس ہوا تھا کہ یہ غلطی ہوگئی ہے۔ اسے لڑکی سے اس

قدر قریب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور پھر وہ اس طرح ایک منزل پر اتر گیا۔ جیسے اسے یہیں آنا ہو۔ لڑکی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی جس سے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ لڑکی کو اب اس بات کا شبہ نہیں ہے کہ فیروز اس کے پیچھے ہے۔ پھر فیروز نے بقیہ راستہ ایک دوسرے لفٹ میں بیٹھ کر طے کیا تھا اور اوپری منزل تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے وہ باقاعدہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تھا۔ کچھ عجیب چکر سا گیا تھا وہ۔ لیکن فوراً" ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی ہے۔ وہ دھک سے رہ گیا تھا اور کچھ لمحوں کے لئے اس کا سر چکرا کر رہ گیا تھا۔ یہ کیسے ہوگیا' اور جیسے بھی ہوا ہے لیکن بہت برا ہوا ہے۔ اس کے بعد مزید شامت یہ کہ اس نے عشرت کو وہاں دیکھا تھا اور فوراً" اپنے آپ کو پوشیدہ کرلیا تھا۔ عشرت کے چہرے مہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تک آئی ہے۔ بہرحال اس صحافی لڑکی سے وہ خوفزدہ بھی تھا۔ دل کے ہر گوشے میں وہ موجود تھی' لیکن ابھی اس وقت تک وہ کسی کو اس بارے میں نہیں بتا سکتا تھا جب تک کہ اس سے زندگی کا کوئی گہرا ساتھ نہ ہو جائے اور اس کے لئے اس کے پاس ابھی نہ کوئی گنجائش تھی اور شاید عشرت کے پاس بھی نہیں' چنانچہ یہ کھیل خاموشی ہی سے چل رہا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ اس وقت تک یہ بات منظرعام پر نہ لائے اور جب تک کہ اس سلسلے میں کوئی موثر قدم نہ اٹھالیا جائے۔ مگر عشرت نے اسے بے نقاب کرنے کے لئے قسم کھائی تھی اور یہ چیلنج قبول کرلیا تھا۔ فیروز سوچتا تھا کہ جب تک بات بنی رہے بہتر ہے۔ جب بالکل ہی صورت حال ہاتھ سے نکل گئی تو دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس وقت اس لڑکی کے قتل نے اسے ذہنی طور پر بہت مضمحل کر دیا تھا۔ وہ عشرت سے بھی کوئی فلرٹ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے واپس اوپری منزل کی طرف قدم بڑھا دیئے اور ایک لفٹ میں بیٹھ کر نیچے چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ

اب پولیس آئے گی۔ کارروائی کرے گی' اور جو کارروائی بھی پولیس کرے گی بہرحال اسے اس کے بارے میں معلوم ہو ہی جائے گا۔ پھر وہاں سے اس نے اپنے گھر کا ہی رخ کیا تھا۔ لڑکی کے قتل نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر کیا تھا۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ لڑکی کے بارے میں پولیس کو کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔ یہاں تک کہ افسراعلیٰ نے یہ میٹنگ طلب کرلی اور اسے اس میٹنگ میں شریک ہونا پڑا۔ اس وقت وہ انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ افسراعلیٰ نے بات اور آگے بڑھائی تھی۔ پھر اس کے بعد میٹنگ ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا' ہال سے باہر آکر شاہ رخ نے کہا۔

"مسٹر فیروز حمید! حالانکہ آپ سے براہ راست کوئی ملاقات نہیں ہوئی صرف کچھ حوالے ندیئے گئے ہیں۔ لیکن ہم دونوں کا مقصد ایک ہے' سیکیورٹی والے' میرا مطلب ہے خفیہ ایجنسی کے لوگ عام طور سے اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں لیکن اس وقت ایک ذمے دار شخص نے آپ کو بے نقاب کیا ہے' تاہم اندر جو گفتگو ہوئی ہے اس کے تحت اتفاق سے ہم دونوں کو کسی نہ کسی مرحلے پر ایک ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ساری باتیں اپنی جگہ آپ براہ کرم میرا ایڈریس رکھ لیجئے گا۔ مراد گڑھی میں اگر آپ غیر سرکاری طور پر کبھی آئے تو میں آپ کا استقبال کروں گا۔ علاقہ بہت خوبصورت ہے۔ ایک بار آیئے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔"

"ضرور حاضری دوں گا مسٹر شاہ رخ۔" فیروز نے شاہ رخ کا کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد دونوں رخصت ہوگئے۔ لیکن الگ الگ سوچیں لئے ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان کے ذہن پر سامنے کے گھر میں رہنے والے تھوڑے بہت اثر انداز ہوئے تھے اور وہ ان سے متاثر ہوا تھا' اداس سوچوں میں تھوڑا سا فرق آیا تھا' ایک ہی کردار تھا ذہن میں۔ زیبی اور صرف زیبی۔ اور زیبی کے تصور کے ساتھ غم کا طوفان سینے میں امنڈ آتا تھا' لیکن اب یہ کچھ اور لوگ بھی زندگی میں شامل ہوگئے تھے۔ اور کم از کم سوچنے کے لئے کچھ مل گیا تھا۔ بلکہ اب تو ایک دوبار خواب میں بھی سیما اور اس کے گھر والوں کو دیکھ چکا تھا۔ غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی۔ دروازے پر کھڑی ہوئی سیما رات کو خواب میں آئی تھی۔ لیکن صبح ہو تو دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ نیم خوابی کے عالم میں تھا' اچھل کر بیٹھ گیا۔ دروازہ تو دستک سے محروم تھا' بھلا اس کا دروازہ کون بجائے گا۔ کیا زیبی واپس آ گئی دل میں سوچا اور اسی طرح دوڑتا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ لیکن سامنے سیما کھڑی ہوئی تھی۔ ایک تھالی میں کچھ برتن سجائے۔ سلطان کے چہرے پر ایک خوشگوار تاثر پیدا ہوا۔ درحقیقت اس نے دستک کا رشتہ پیدا کر دیا تھا۔ سیما نے مترنم آواز میں کہا۔

"میں اندر آنا چاہتی ہوں۔" اور وہ چونک پڑا' دوسرے لمحے وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ سیما اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا۔

"دروازہ بند کر دیجئے۔" سلطان نے سادگی سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ سیما بھٹکے بھٹکے قدموں سے آگے بڑھی اور جس کمرے کا دروازہ کھلا دیکھا اسی کمرے میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے چھوٹی سی سینٹر ٹیبل پر ٹرے رکھی اور بولی۔

"آپ سو رہے تھے نا۔؟"

"ہاں میں دیر تک سوتا ہوں۔"

"ناشتہ لائی ہوں آپ کے لئے' منہ ہاتھ دھو لیجئے۔ اماں نے کہا ہے کہ آپ کو اپنے سامنے ناشتہ کرا کر آؤں۔" اس نے حیرت سے سیما کو دیکھا اور پھر نجانے کتنے عرصے کے بعد مسکراہٹ کی ایک مدھم سی لکیر اس کے ہونٹوں پر کھنچ گئی۔ اس نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں۔؟"

"منہ ہاتھ دھو لیجئے' پتہ نہیں آپ کب ناشتہ کرتے ہیں۔"

"اگر آپ کی امی نے یہ کہا ہے تو آپ بیٹھ جائیے' میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ کرسی پر آ بیٹھا اور بولا۔

"سوتے سے جاگا تھا' حواس قائم نہیں تھے اس لئے بہت سی بے عقلی کی باتیں کر گیا ہوں۔ یہ کیا ہے۔؟"

"ناشتہ۔ آپ کے لئے بنایا ہے میں نے۔؟"

"لیکن۔؟"

"نہیں ویسے بھی آپ نے ہماری جانب محبت کے قدم بڑھائے ہیں' جواب دینا تھا' پھر اس محبت کے ساتھ ساتھ آپ نے ہم پر احسان بھی کیا ہے اور احسان بھی

معمولی نہیں۔ معاف کیجئے گا' برا لگے گا آپ کو میری صاف گوئی پر' لیکن شاید آہستہ آپ کو اپنے بارے میں بتا سکوں۔ اماں کی بات کر رہی ہوں' اماں مستقل بات کا انتظار کر رہی تھیں کہ آپ واپس آئیں معذرت کریں اور کہیں کہ اس آپ نشے میں تھے جب اتنی بڑی رقم آپ نے ہمیں دے دی۔ ہم نے احتیاطاً رقم میں سے ابھی تک کچھ خرچ نہیں کیا ہے' لیکن آپ واپس آئے ہی نہیں تو نے اس وقت صرف ٹٹولنے کے لئے بھیجا ہے آپ کو' بڑی تبصرہ آرائیاں کر تھیں وہ' کہہ رہی تھیں کوئی کسی کو اتنی بڑی رقم بلاوجہ نہیں دے دیتا' ہو سکتا آپ اس وقت اپنے حواس میں نہ ہوں۔ یا پھر کوئی جذباتی جنون طاری ہو گیا ہو پر اور بعد میں آپ پچھتا رہے ہوں یا پھر اگر آپ نشے میں ہوں' معاف کیجئے گا اپنی یہ رقم ہمیں دے کر بھول گئے ہوں کہ آپ نے وہ رقم کسے دی ہے۔ اماں کہا ہے کہ میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ کو اس بارے میں یاد دلادوں آپ بتانا کریں گے کہ ان میں سے کونسی بات ہے۔ ذریعہ یہ ناشتہ بنایا ہے' آپ کو م صاف گوئی بہت بری لگ رہی ہوگی' لیکن ہو سکتا ہے اماں کا خیال درست ہو' اب آپ کو یہ پتہ چل گیا ہو کہ آپ کی وہ رقم ہمارے پاس ہے۔"

سلطان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ قہقہے میں بدل گئی' اسے اپنے اس قہقہے خود تعجب ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"مس سیما! ایک طویل عرصے کے بعد آپ نے مجھے ہنسایا ہے اور سنا ہے ہنسی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی' وہ اتنی ہی قیمتی چیز ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں سکتا۔ اچھا خیر مجھے کچھ پراٹھوں کی سی خوشبو محسوس ہو رہی ہے' پراٹھے میری کمزور ہیں' اور نجانے کتنے عرصے سے میں نے پراٹھے نہیں کھائے' کیا آپ میرے سا شریک ہونا پسند کریں گے۔؟"

"آپ یہ بتائیے کہ آپ کے کچن میں چائے بنانے کا سامان موجود ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"اماں کی طرف سے مجھے اجازت ہے کہ میں تھوڑی دیر یہاں گزار سکتی وں۔ چائے بنا کر لے آؤں۔" سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اپنی جگہ سے ٹھی اور باہر نکل گئی۔ سلطان سحر زدہ سا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی تھی۔ یہ کونسی کہانی کا آغاز ہو گیا۔

سیما چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے بڑے پر احترام انداز میں چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا تو وہ بولا۔

"مس سیما بے شک چائے آپ نے بنائی ہے' لیکن گھر تو میرا ہے' کیا آپ ائے نہیں پئیں گی۔"

"دو کپ چائے بنائی تھی میں نے' ایک کپ ابھی کچن میں موجود ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ نے آفر کی تو میں اپنے لئے بھی کپ میں ڈال کر لے آؤں گی ر اگر آپ نے نہ سوچا تو کوئی بات نہیں ہے۔" سیما نے کہا اور سلطان اسے تعجب سے دیکھنے لگا۔ یہ لڑکی کس قدر نفیس طبیعت کی مالک ہے۔ اور اس کے ساتھ جو کچھ رتا تھا وہ۔ بہرحال اس نے کہا۔

"تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم اپنے لئے بھی چائے لے یئے۔" سیما اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد چائے لے کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے ناشتہ شروع نہیں کیا۔؟" وہ بولی اور سلطان نے برتن کھول لئے ر ایک بہترین خوشبو پھیل گئی۔

"آپ۔؟"

"نہیں بس چائے پیتی ہوں۔ ناشتہ نہیں کرتی' کچھ باتیں کروں آپ سے۔؟"

"ہاں ضرور۔"

"آپ نے بتایا نہیں کہ وہ رقم.........."

"میں نشہ نہیں کرتا، کبھی نہیں کیا، وہ چھوٹی سی رقم جو آپ نے ایک بڑا م بنالیا ہے، میں نے اپنا فرض سمجھ کر آپ کو دی ہے۔ مزید دیتا رہوں گا۔ آپ ا اطمینان سے خرچ کیجئے۔ میں نے ہوش حواس کے عالم میں وہ سب کچھ کیا ہے۔"

"شکریہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اماں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ۔ روابطہ بڑھاؤں اور شکر گزاری کے طور پر آپ کو پیشکش کروں کہ کیونکہ آپ گ میں تنہا ہیں۔ اس لئے کھانے وغیرہ کا انتظام ہمارے ذمے کر دیجئے گا۔"

"بے حد شکر گزار ہوں۔ اپنی والدہ سے بھی میرا شکریہ ادا کر دیجئے، صبح نکل جاتا ہوں واپسی کا کوئی تعین نہیں ہوتا اس لئے یہ زحمت آپ نہ کریں۔ و بھی مناسب نہیں ہوگا۔"

"غیر مناسب تو خیر کوئی بات نہیں ہے۔ لوگ ہمیں کونسا اچھی نگاہوں ۔ دیکھتے ہیں۔ کچھ اور برا سمجھ لیں گے۔ لیکن خیر صبح کا ناشتہ ہی سہی۔ یہ تو آپ ہمار ذمے داری پر چھوڑ دیجئے۔"

"اس سلسلے میں میں آپ کی والدہ سے ہی بات کرلوں گا۔" سلطان نے کہا او سیما خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ سلطان نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور ناش میں مصروف ہوگیا۔ لیکن ایک عجیب سی کپکپاہٹ، ایک عجیب سا احساس اس ک رگ و پے میں گردش کر رہا تھا۔

ویسے بھی یاقوت کی شخصیت نادر شاہ کی نگاہوں میں مشکوک ہی تھی۔ اور اب تو صورتحال بھی کھل چکی تھی، کچھ بھی تھا، پٹھان زادہ تھا اور ایک پہاڑی بستی میں پیدا ہوا تھا۔ ساری برائیاں اپنے جگہ لیکن اپنی حرم کے سلسلے میں جو غیرت پہاڑوں کی تخلیق ہوتی ہے، وہ موجود تھی اور اس سے گریز نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ جب یاقوت نے نادر شاہ سے اس کی آبرو بننے کی خواہش کا اظہار کیا تھا تو نادر شاہ کو یہ بات اپنی غیرت پر ضرب محسوس ہوئی تھی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اب یاقوت نے خود کو سنبھال لیا تھا اور یہ تھوڑا سا وقت تو بڑا ہی خوشگوار گزار تھا اور نادر شاہ کو یاقوت کے ساتھ یہ لمحات گزارنے میں بہت لطف آیا تھا، اسے نایاب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بس بیوی تھی اس کی، اور بیوی بھی جن حالات میں بنی تھی وہ نادر شاہ کے لئے انتہائی ضروری تھے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی اسے پہاڑوں میں قدم جمانے کے لئے جگہ ملی تھی۔ اور یہ جگہ حاصل کرنے کے لئے اسے شدید محنت کرنا پڑتی تھی۔ بہرحال یاقوت کے ساتھ خاصا وقت گزارنے کے بعد اس نے شرجیل کو طلب کرلیا اور پھر شرجیل کے ساتھ واپس چل پڑا۔

خضر گڑھ اور مراد گڑھی کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک بار پھر اس نے وہی جگہ دیکھی اور اسے بہت کچھ یاد آگیا۔ اس نے کہا۔

"شرجیل۔ اسی فاریسٹ آفیسر سے کوئی ملاقات تو نہیں ہوئی۔؟"

"میں آپ کو اس بارے میں بتانا چاہتا تھا شاہ جی۔ لیکن آپ کے خوشگوار مو کو دیکھ کر ہمت نہیں پڑی' میں آپ سے خوشیاں نہیں چھیننا چاہتا۔" نادر شاہ ۔ چونک کر شرجیل کو دیکھا پھر بولا۔

"گاڑی روکو' کیا بات ہے۔؟"

"شاہ جی! ہمارے آدمی پکڑ کر لے گیا ہے وہ' وہ لوگ درخت کاٹ رہے تھے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے اس نے انہیں' اور رات کو گھوڑوں پر بیٹھ کر حملہ کیا ہے ان پر' شاہ جی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اگر وہ لوگ مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے تو فاریسٹ آفیسر انہیں چھوڑتا نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ آدمی بہت زیادہ آگے بڑھ رہا ہے۔"

"بالکل شاہ جی۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں ہمارا استحکام بے حد ضروری ہے' اگر ہم کسی جگہ کمزور پڑ گئے تو پھر اپنا کام اتنی خوبی سے نہیں ادا کر سکیں گے' شاہ جی ایسے لوگوں کو شروع میں ہی سنبھال لینا ضروری ہوتا ہے۔"

"وہ تین آدمی کون ہیں۔ جنہیں اس نے پکڑا ہے۔؟" نادر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اور شرجیل نے ان کے نام بتا دیئے۔

"ان گدھوں سے کہا ہے کہ ایسے چھوٹے چھوٹے کام کرکے ہماری عزت داغدار مت کیا کرو آخر درختوں سے کتنی آمدنی ہو جاتی ہے انہیں' ہم کسی کو منہ نہیں لگانا چاہتے کیونکہ ان دنوں ویسے بھی خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' لیکن بہرحال اس سے بات کرو۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں چلو ابھی چلتے ہیں اس کے پاس۔"

"آپ کا جو حکم شاہ جی' لیکن ذرا ڈیرے چل کر کچھ اور لوگوں کو ساتھ لیں تاکہ اثر بھی پڑے۔" نادر شاہ نے شرجیل کی صورت دیکھی' بہرحال ایک اچھا مشیر

تھا۔ اور عام حالات میں مناسب مشورے ہی دیا کرتا تھا' چنانچہ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر گھر واپس نہیں جانا ڈیرے چلتے ہیں۔" نادر شاہ نے یہ کہہ کر شرجیل کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور شرجیل نے گاڑی دوبارہ آگے بڑھا دی۔ پہاڑوں کے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں ایسے کئی ڈیرے بنا رکھے تھے نادر شاہ نے جہاں اس کے آدمی ان پوائنٹس کی نگرانی کیا کرتے تھے جہاں سے اسمگلنگ ہوتی تھی۔ ان لوگوں نے چھوٹی چھوٹی آبادیاں بنا رکھی تھیں۔ چار پانچ گھرانے پہاڑوں کے گرد آباد کر لئے جاتے' بھیڑیں پال لیتے تھے۔ چھوٹی موٹی کاشت کر لیا کرتے تھے۔ اور بظاہر یہ ظاہر کرتے تھے کہ معصوم پہاڑی باشندے ہیں لیکن درحقیقت غاروں میں اسلحہ ہوتا تھا اور خرید و فروخت بھی کی جاتی تھی۔ ضرورت مند چوری چھپے یہاں پہنچ جاتے تھے اور یہ سارا کاروبار نادر شاہ ہی نے مختصر عرصے میں پھیلا دیا تھا۔ ڈیرے پر پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

"چار گن مین تیار ہو جاؤ اور جیپ لے کر ہمارے ساتھ ساتھ چل پڑو۔" یہ کہہ کر وہ ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اور کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا' پھر جب چار خطرناک صورت افراد تیار ہو کر پہنچ گئے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے شرجیل کو اشارہ کیا اور پھر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے واپسی کے راستے پر چل پڑیں۔ ان کا رخ فاریسٹ آفیسر کی رہائش گاہ کی طرف تھا لیکن راستے میں کچھ سوچ کر نادر شاہ نے کہا۔

"شرجیل! ہمیں خضر نُرہ ہوتے ہوئے چلنا ہے' فاصلہ تو کافی ہو جائے گا۔ لیکن فاریسٹ آفیسر کے لئے کچھ تحفے خریدنے ضروری ہیں۔"

"جو حکم شاہ جی۔" شرجیل نے جواب دیا۔

شرجیل فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ خضر گڑھ سے کونسے تحفے خریدنے ہیں۔ اصلی پاس موجود ہے اور نادر شاہ کے اچانک ہی بپھر جانے سے اس بات کا خطر پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں نادر شاہ کا فاریسٹ آفیسر سے تصادم نہ ہو جائے' اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بگ باس نے شرجیل کو نادر شاہ کے ماتحت کی حیثیت سے ہی بھیجا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی بگ باس نے اسے ہدایات بھی کی تھیں کہ نادر شاہ بہرحال ایک پہاڑی باشندہ ہے' سخت مزاج' تند خو اور پر جوش' ویسے تو وہ ایک چالاک اور ذہین آدمی ہے کیونکہ اس نے سردار تیمور جیسے آدمی کو اپنے ٹرانس میں لے کر اس کی بیٹی سے شادی کرلی اور وہ مراعات حاصل کرلیں۔ جنہوں نے اس کی حیثیت ہی بدل دی' لیکن چونکہ بگ باس کے مفادات کے لئے بھی کام کرنا ہے' چنانچہ اس کی کوئی لغزش برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اور شرجیل ایسے معاملات سے بگ باس کو باخبر رکھے' کیونکہ بہرحال پہاڑوں میں بگ باس اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہاں کسی سے کوئی تصادم نہ ہونے پائے' یہ بھی ایک سچائی تھی کہ نادر شاہ نے شرجیل کو اتنی مراعات بخشی تھیں کہ شرجیل دو حصوں میں تقسیم ہوگیا

تھا' ایک طرف وہ ذاتی طور پر نادر شاہ کا حامی بھی تھا لیکن دوسری طرف وہ یہ بات جانتا تھا کہ بہرحال بگ باس کی طاقت نادر شاہ سے کہیں زیادہ ہے اور اگر بگ باس کی مرضی کے خلاف کوئی عمل ہوا.......... تو اس کا ردعمل خطرناک ہو سکتا ہے اور آخرکار نادر شاہ کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ بگ باس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے مہروں کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا اب اگر نادر شاہ نے فوری طور پر فاریسٹ آفیسر سے کوئی تصادم مول لیا تو غلط ہو جائے گا کیونکہ اس سلسلے میں بگ باس کی ہدایت نہیں ہوگی اور ایسی شکل میں وہ بگ باس کو اس بارے میں اطلاع بھی نہیں دے سکتا تھا۔ تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد اس نے نادر شاہ سے سوال کر ہی ڈالا۔

''شاہ جی! کیا فاریسٹ آفیسر کے لئے موت کا تحفہ لے کر جارہے ہیں آپ۔؟''

جواب میں نادر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے کہا۔

''موت کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں شرجیل' انسان موت خریدتا بھی ہے اور موت کو ٹال بھی دیتا ہے' ابھی فاریسٹ آفیسر کو وارننگ دینا کافی ہوگا' ہاں اگر اس نے ہم سے تصادم کی غلطی کی تو دیکھا جائے گا' فی الحال تو ہمیں کچھ اور ہی کام ہے۔''

شرجیل نے اطمینان کی گہری سانس لی تھی۔

آسمان پر بادل گھر آئیں تو موسم کا رنگ ہی نرالا ہو جاتا ہے۔ اور پھر جنگل کے ماحول میں تو اس موسم کا صحیح لطف لیا جاسکتا ہے۔ حیدر زمان شیری کے ساتھ اپنی رہائش گاہ کے لان پر ٹینس کھیل رہا تھا۔ اور نزہت مسکراتی نگاہوں سے باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ شیری بار بار حیدر زمان پر بے ایمانی کا الزام لگا رہی تھی۔ اور حیدر زمان نزہت کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ سامنے والے گیٹ پر ایک قیمتی پجارو آکر رکی۔ غالباً" پجارو کا ڈرائیور گیٹ کھولنے کے لئے کہہ رہا تھا تاکہ پجارو کو اندر لے جایا جائے لیکن دروازے پر موجود گارڈ ایک اجنبی گاڑی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ حیدر زمان کی نگاہیں ادھر کا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر اس نے پجارو میں سے کچھ افراد کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ آگے ایک شاندار جسامت کا پہاڑی جوان گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے کئی اور افراد جو گنیں سنبھالے ہوئے تھے۔ گل جمال کو ایسے موقعوں پر کچھ سمجھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہ دور ہی سے کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا' لیکن اس نے فوراً" ہی اپنی اسٹین گن اٹھائی اور ایک اور اسٹین گن بردار کو اشارہ کرکے تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ ادھر حیدر زمان

نے نزہت اور شیری کو وہاں سے ہٹ جانے کے لئے کہا تھا۔ آنے والا نادر شاہ تھا جو بڑے پروقار انداز میں چلتا ہوا حیدر زمان کے قریب پہنچ گیا' حیدر زمان کے ہاتھوں میں اب بھی ریکٹ دبا ہوا تھا اور وہ اسے گھماتے ہوئے آنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ تب نادر شاہ اس کے قریب پہنچا اور اس نے کہا۔

"ہیلو فاریسٹ آفیسر' میرا نام نادر شاہ ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ میں اس علاقے میں ایک ذمے دار اور مہذب آدمی ہوں' تمہارا پڑوسی بھی ہوں' تم نے تو آج تک مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی' میں نے سوچا کہ پڑوسیوں کے درمیان اتنے فاصلے نہیں رہنے چاہئیں۔"

"بہت خوب' چار مسلح افراد کے ساتھ تعارف حاصل کرنے کا یہی طریقہ واقعی اس بات کا اظہار کرتا ہے نادر شاہ صاحب کہ آپ ایک بہت اچھے پڑوسی ہیں۔"

"یہ میری اپنی حیثیت کا اظہار ہے آفیسر' بہرحال آپ کے لئے تو میں پھولوں کا تحفہ لایا ہوں۔ اور آپ کو پتہ ہے پھول دوستی کی علامت ہوتے ہیں' ویسے آفیسر۔ مگر ایک منٹ۔" نادر شاہ نے پلٹ کر اپنے آدمیوں سے کہا اور شرجیل جو پھول اٹھائے ہوئے تھا۔ نادر شاہ کے اشارے پر آگے بڑھا اور نادر شاہ نے ان پھولوں میں سے سرخ پھولوں کا ایک گلدستہ ہاتھ میں اٹھایا بولا۔

"پھولوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے آفیسر' یہ سرخ گلاب ہیں' جو محبت اور دوستی کا پیغام دیتے ہیں' لیکن اگر یہ سرخ گلاب قبول نہ کئے جائیں تو دیکھئے یہ سفید پھول کتنے حسین لگ رہے ہیں۔ اور سفید رنگ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ امن کی علامت ہے' اچھے پڑوسی ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ امن سے رہتے ہیں۔ البتہ یہ پیلے پھول۔" نادر شاہ نے سفید پھول بھی واپس کرکے پیلے پھول اٹھائے اور بولا۔

"ہاں یہ رنگ نفرت' خوف اور دہشت کا رنگ ہے اور ان سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے' ویسے یہ تینوں رنگ آپ کے سامنے ہیں۔" نادر شاہ نے ایک بار پھر باقی گلدستے ہاتھ میں لے لئے اور آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

"اور اب یہ آپ پر منحصر ہے آفیسر کہ آپ ان میں سے کونسا رنگ پسند کرتے ہیں۔" حیدر زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"آپ جو کوئی بھی ہیں نادر شاہ صاحب کہانیاں اچھی سنا لیتے ہیں۔"

"نہیں آفیسر! ابھی تو کسی کہانی کا آغاز نہیں ہوا۔ ویسے آپ نے ہمارے آدمیوں کو محض غلط فہمی کی بناء پر پکڑ لیا ہے۔ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں' میں انہی تینوں آدمیوں کا تذکرہ کر رہا ہوں' آفیسر یہ دوستی کے خلاف بات ہے۔"

"میں نے انہیں کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں پکڑا اگر آپ کو ان کی گرفتاری کی وجہ معلوم ہے تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اب وہ میرے پاس ہیں۔ انہیں چھوڑنا میرے بس میں نہیں ہے۔"

"شیر بننے کی کوشش کر رہے ہو آفیسر' لیکن یہ بات جانتے ہو کہ جنگل میں صرف ایک شیر ہوتا ہے' ویسے اگر ہم دونوں کو تسلیم کر لیں تو بہت بہتر ہوگا دونوں کے لئے۔" حیدر زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"جنگل میں صرف ایک شیر نہیں ہوتا اور ویسے بھی ایک ہو یا دو۔ انسان بڑی آسانی سے ان شیروں کو باندھ کر سرکس میں سدھا لیتا ہے۔"

"میں جنگل کے شیر کی بات کر رہا ہوں آفیسر' سرکس کے شیر کی نہیں۔"

"میں بھی تمہاری ہی بات کر رہا ہوں نادر شاہ اگر تم اپنے آپ کو شیر سمجھتے ہو۔" حیدر زمان کا لہجہ بدل گیا اور نادر شاہ کے ساتھیوں نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں۔ لیکن دوسری طرف گل جمال اور اس کے ساتھی نے بھی گنیں سیدھی کر لی

تھیں۔ اسی وقت نادر شاہ نے ہاتھ اٹھایا۔

"نہیں پھولوں کی زبان میں بات کرنے آئے تھے' آفیسر نے کانٹے چبھو دیئے ہیں' ٹھیک ہے آفیسر' پھول پھینک دیتے ہیں' اب تمہارے لئے کانٹوں کا گلدستہ بنانے کی کوشش کریں گے آؤ.........." نادر شاہ نے اپنے آدمیوں سے کہا اور واپس گیٹ کی جانب مڑ گیا۔ حیدر زمان حقارت آمیز نگاہوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

دونوں اکثر اسی ہوٹل میں آیا کرتے تھے' ایک مخصوص کیبن بھی بنا رکھا تھا انہوں نے اپنے لئے' یہاں کے کچھ ویٹر انہیں پہچانتے تھے' اس وقت بھی عشرت کیبن میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ فیروز کیبن کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا' عشرت کے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے ہاتھوں میں قینچی بنانے کے بعد داہنے ہاتھ سے بایاں اور بائیں ہاتھ سے داہنا کان پکڑ لیا اور کرسی پر بیٹھ گیا' لیکن عشرت کے ہونٹوں پر نہ تو مسکراہٹ پھیلی نہ ہی اس نے اس سے کوئی اور گفتگو کی' تو فیروز نے جلدی سے دونوں کان چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اصولی طور پر مجھے پورے ساتھ منٹ تک کان پکڑے رہنے چاہئیں' میں نے یہی فیصلہ کیا تھا' لیکن ویٹر نے اگر دیکھ لیا تو میرے مستقبل پر افسوس کرتا ہوا جائے گا۔"

"تم بہت اچھے انسان ہو فیروز' حقیقتاً" بہت ہی اچھے انسان ہو اور تم یقین کرو' بلکہ میرے خلوص پر ایک نگاہ ڈالو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے تمہیں صرف ایک اچھے انسان کی حیثیت سے پسند کیا ہے اور پسند کرتی ہوں' لیکن ایک بات سنو فیروز کسی کو اگر یہ احساس ہو کہ جس بہت اچھے انسان کو وہ اپنی تمام سچائیوں کے ساتھ چاہتا ہے اور وہ شخص اس سے کسی نہ کسی شکل میں گریز کر

ہے۔ یا وہ اعتماد نہیں کرتا اس پر جو اسے کرنا چاہیے تو تمہارے خیال میں اس شخص کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔"

"افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں' جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا' ویسے بات بہت اچھی لگ رہی ہے کیونکہ اس میں چاہت وغیرہ کا ذکر ہے۔"

"گڈ.......... ٹھیک.......... میں سمجھی تم میری جذباتی باتوں کو کوئی اہمیت دو گے۔"

"سو فیصدی دے رہا ہوں کتنی خوبصورت باتیں ساری کی ساری میرے مطلب کی' یعنی یہ کہ تم مجھے چاہتی ہو اور وہ سارے خلوص کے ساتھ میرا مطلب.........."

"گڈ گڈ.......... ویری گڈ.......... ویری گڈ' چلو کیا کھلا رہی ہو یہ بتاؤ۔" عشرت کا موڈ کچھ عجیب سا ہو رہا تھا' فیروز نے فوراً کہا۔

"وہ جو اس دن تم نے جھینگر منگائے تھے وہ بہت اچھے تھے' آج میں نے سوچا تھا کہ جھینگر کھاؤں گا۔"

"تم جانتے ہو وہ جھینگر نہیں جھینگے ہوتے ہیں۔"

"چلو بہت معمولی سا فرق ہے' تو ایسا کرتے ہیں.........." فیروز خاموش ہو گیا کیونکہ ویٹر اندر آ گیا تھا' اس نے ادب سے ان کا آرڈر پوچھا اور تو فیروز نے عشرت کی جانب اشارہ کر دیا اور عشرت نے ویٹر کو آرڈر نوٹ کرا دیا' پھر بولی۔

"جھینگے اور کافی' بڑا اچھا انتخاب ہے تمہارا فیروز' ہاں تو میں بات کر رہی تھی.........."

"امی کی.......... کیسی ہیں' مجھے تو یقینی طور پر یاد کیا جاتا ہو گا۔"

"نہیں میں امی کی بات نہیں کر رہی تھی۔ اعتماد اور خلوص کی بات کر رہی تھی۔ چلو چھوڑو، تم اگر اس موضوع پر سنجیدہ نہیں ہو سکتے تو یہ دیکھو میں تمہیں ایک چیز دکھاتی ہوں۔" عشرت نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکال لی، یہ تصویر لفٹ میں پڑی ہوئی لاش کی تصویر تھی۔ خاص طور سے تصویر کے کلوز اپ بنائے گئے تھے۔ عشرت نے وہ تصویر فیروز کے سامنے رکھ دی اور درحقیقت فیروز کو اپنے اعصاب پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ لیکن بہرحال تربیت یافتہ تھا، تصویر کو دیکھ کر اس نے اپنے چہرے پر افسوس کے تاثرات پیدا کر لئے پھر بولا۔

"مم......... مر چکی ہے۔؟"

"ہاں......... بڑی عجیب بات ہے فیروز، میں بھی اتفاق سے اس وقت ایک ایسے شخص کا تعاقب کر رہی تھی جو تمہارا ہمشکل تھا، بالکل تمہارا ہمشکل......... لڑکی اور وہ لفٹ میں داخل ہوئے اور مجھے اوپر جانے کے لئے لفٹ نہ مل سکی، پھر جب میں ایک منزل پر پہنچی تو وہاں لوگ اس لفٹ کے پاس جمع تھے جس میں تمہارے ہمشکل اور لڑکی نے اوپر کا راستہ طے کیا تھا۔ لفٹ میں لاش پڑی ہوئی تھی اور تمہارا ہمشکل غائب تھا، فیروز کتنی پریشان ہوں میں تمہیں بتا نہیں سکتی ہو سکتا ہے یہ پریشانی میرے دماغ کو متاثر کر دے، خیر بات کچھ بھی نہیں ہے، میں پریس رپورٹر ہوں، صحافی ہوں اور ساتھ ساتھ انسان بھی ہوں، دیکھو ذرا اس لڑکی کے چہرے کے نقش دیکھو۔ بڑی مظلومیت ہے اس کے چہرے پر۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک شگفتہ پھول کو مشکلات میں مبتلا کر دیا گیا ہو۔ فیروز تم شیریں کو جانتے ہو۔"

"شش......... شربت کو کہتے ہیں۔"

"نہیں......... شیریں......... شریں......... شیریں۔"

"عبدالغفار نے بھی اپنی بہن کا نام یہی بتایا تھا۔"

"گڈ......... ایک لاش کی تصویر دیکھ کر تم کتنا خوبصورت مذاق کر لیتے ہو۔"

"ارے بابا تو پھر کونسا شیریں۔؟"

"وہ جس کے لئے فرہاد نے میٹھے پانی کی نہر کھودی تھی۔"

"میٹھے پانی کی نہیں دودھ کی نہر۔"

"بکواس........."

"ارے بابا! جوئے شیر کیا چیز تھی جوئے کے معنی نہر اور شیر کے معنی دودھ۔"

"یہ جاہل لوگوں کا خیال ہے تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔"

"اللہ خوش رکھے۔" فیروز نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"میٹھے پانی کی نہر کو جوئے شیر کہا گیا تھا، میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ فرہاد نے پہاڑوں کا سینہ چیر کر اپنی محبوب کے لئے میٹھے پانی کی نہر نکال دی تھی، تم میرے لئے ایک چھوٹا سا کام نہیں کر سکتے۔"

"ہمارے ہاں کا نہری نظام تمہیں پتہ ہے۔" فیروز فکر مندی سے بولا۔

"یہ تصویر اپنے پاس رکھو۔ مجھے اس لڑکی کے بارے میں معلومات درکار ہے، یہ تمہاری ذمہ داری ہے، سو فیصدی تمہاری اور اس موضوع پر دوسری بات مت کرنا، مجھے اس لڑکی کے بارے میں تفصیلات چاہئیں۔ کون ہے یہ، کس نے اسے قتل کیا۔ یہ تم کیسے کرو گے، یہ میں نہیں جانتی۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ اب ہماری ملاقات اس وقت ہو جب تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔" فیروز حیران نگاہوں سے عشرت کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے ذہن میں سناٹے ابھر رہے تھے، عشرت کی آنکھوں کا جنون بتاتا تھا کہ وہ فیروز کے بارے میں یقین کر چکی ہے کہ وہ صرف ایک سروس بوائے نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے، یہ ذمے داری اسی خیال سے اس نے اس پر لگائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ ویٹر ان کا آرڈر کیا ہوا سامان لے آیا تھا۔

شاہ رخ کو سب سے بڑی آسانی یہی تھی کہ تھانے کی عمارت سے ملحق اس کی اپنی رہائش گاہ تھی اور چند قدم چل کر وہ اپنی رہائش گاہ پہنچ سکتا تھا۔ فرزانہ بیگم بھی اس بات سے بہت خوش تھیں' بہرحال یہاں اچھی زندگی گزر رہی تھی اور کوئی پریشانی نہیں تھیں' ویسے اپنی ذمے داریاں پوری کرنا تو سب سے بڑا فرض ہوتا ہے اور خاص طور سے محکمہ پولیس میں رہ کر یہ ذمے داریاں ایک بڑا مقام رکھتی ہیں' کیونکہ امن و امان کا مسئلہ لوگوں کو مشکلات سے نکالنے والا کام دوسرے کاموں سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ شاہ رخ اس وقت اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر اندرونی کمرے میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ آدھے کھلے دروازے سے صنوبر نظر آئی جو چیزوں کی صفائی کر رہی تھی اور اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں مڑے ہوئے تھے۔ شاہ رخ حیران رہ گیا۔ پھر وہ دبے پاؤں آگے بڑھا اور ایک کان پر ہاتھ رکھ کر سیٹی کی آواز سننے لگا' لیکن صنوبر کے ہونٹ بے شک سکڑے ہوئے تھے۔ سیٹی کی آواز نہیں ابھر رہی تھی۔ دوسرے سرے پر فرزانہ بیگم آرام کرسی پر دراز ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھیں' نجانے کیوں شاہ رخ کو ایک عجیب سا احساس ہوا' اسے یوں لگا

جیسے صنوبر کے سکڑے ہوئے ہونٹ سیٹی بجانا چاہتے ہوں' لیکن مصلحتاً آواز نہ ابھرنے دے رہی ہو' بہرحال وہ کچھ دیر تک صنوبر کو اسی طرح دیکھتا رہا اور پھر اندر داخل ہو گیا' اندر جا کر اس نے ماں کو سلام کیا تو فرزانہ بیگم چونک پڑیں۔

"وعلیکم السلام! ناوقت کیسے آ گئے۔؟"

"بس امی وقت یا ناوقت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اتنے قریب رہ کر آپ کیا کر رہی ہیں۔؟"

"میں۔" فرزانہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ بس تھکے تھکے دن گزار رہی ہوں بلکہ یہ کہو کہ زندگی کو پڑھ رہی ہوں۔" شاہ رخ کی شوخ نگاہیں صنوبر کی طرف اٹھ گئیں' صنوبر معصومیت سے منہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ رخ سے نگاہیں ملیں تو اس نے رخ تبدیل کر لیا۔

"ایک بڑی سنسنی خیز خبر لے کر آیا ہوں امی۔"

"اللہ خیر کرے کیا۔؟"

"میرے محکمے نے ایک اطلاع دی ہے' ان کا کہنا ہے کہ ایک جاسوس میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور یہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

"یہاں تک سے کیا مراد ہے۔؟"

"ہمارے گھر تک۔"

"ایں۔" فرزانہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ پھر وہ بولیں۔ "لیکن کیوں۔ لیکن کیوں۔ تمہارے پیچھے جاسوس کیوں لگا ہوا ہے۔؟

"اصل میں ان علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے امی میں ان کا سراغ لگا رہا ہوں نا' مجرموں نے اپنا جاسوس ہمارے گھر میں داخل کر دیا ہے۔ تاکہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں انہیں پتہ چلتا رہے۔"

"یعنی وہ ہمارے گھر تک پہنچ گیا ہے۔"

"ہاں۔ اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک لڑکی ہے' ایک نوجوان لڑکی۔" شاہ رخ ۔ شرارت سے کہا اور اچانک ہی ایک چھناکے کی آواز کے ساتھ صنوبر یا زیبی کے ہا میں تھما ہوا ڈیکوریشن پیس نیچے گرا پڑا۔ دونوں کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں' صنو کے بدن میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ رخ بدلے ہوئے چینی کے ٹکڑے اٹھا رہی تھی۔ پھ اس نے ٹکڑے اٹھائے اور خاموشی سے باہر نکل گئی' لیکن فرزانہ بیگم کی آوا ابھری۔

"یہاں ہمارے گھر میں لڑکی۔؟" شاہ رخ نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا تھا۔

"کمال ہے امی جان' آپ بھی بس بہت ہی سیدھی ہیں' میں تو صنوبر کو چھیڑر تھا' مگر بڑی ہی بیوقوف لڑکی ہے' میری بات کو سچ سمجھ بیٹھی۔ اور نقصان بھی کر دیا۔"

"نہیں شاہ رخ اس کے ساتھ یہ زیادتی مت کیا کرو۔ پتہ نہیں کون بیچاری تقدیر کی ماری ہے۔"

"ارے چھوڑیئے امی' اپنے گھر میں بھی اس نے ایسے عیش نہ کئے ہوں گے۔ ویسے آپ یقین کریں اسے دیکھ کر میں کبھی کبھی خود بھی پریشان ہو جاتا ہوں۔ غالباً یہ میرا پیشہ ہی ایسا ہے۔"

"کیا ایسا احساس ہوتا ہے۔؟"

"امی مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کے اندر کچھ ہو' مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ بول سکتی ہو' لیکن اس نے جان بوجھ کر اپنی زبان بند کرلی ہے۔"

"بولنا ایک قدرتی عمل ہے اور انسان اگر قوت گویائی رکھتا ہے تو وہ اتنی دیر تک خاموشی نہیں اختیار کر سکتا۔ اور کچھ نہیں تو تنہائی میں اپنے آپ سے باتیں کرتا

ہے' گنگناتا ہے' مگر تمہیں یہ شبہ کیوں ہے۔"

"بس کبھی کبھی لگتا ہے اور اس کی ایک تاویل یہ ہے کہ گونگا شخص بہرا بھی ہوتا ہے' مگر وہ سب کچھ سن لیتی ہے۔"

"میں نے پہلے بھی تم سے یہ بات کہی تھی شاہ رخ کہ کسی حادثے نے اس کی قوت گویائی چھین لی ہے اور اگر کوئی حادثتاً گونگا ہو جائے تو وہ بہرہ نہیں ہو سکتا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور شاہ رخ نے آگے بڑھ کر فون اٹھالیا۔ پھر وہ ریسیور میں کسی سے بات کرنے لگا۔

"بٹھاؤ کون ہے' آتا ہوں آتا ہوں۔ یہ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ تھانے کا گھر سے قریب ہونا بہت اچھی بات ہے' لیکن ہر بات کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی بات چھپی ہوتی ہے۔ کوئی آیا ہے ان لوگوں نے مجھے بلالیا۔ اوکے جاتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد آؤں گا۔" شاہ رخ نے کہا اور باہر نکل گیا' تھانے میں داخل ہوا تو اس نے ایک بڑی قیمتی پجارو کھڑی ہوئی دیکھی' اس کا مطلب ہے کہ کوئی بڑا آدمی آیا ہے۔ جس شخص سے وہ اپنے آفس میں ملا وہ چہرے ہی سے مکار اور شاطر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور بولا۔

"انچارج صاحب! میرا نام شرجیل ہے۔"

"بیٹھیئے۔" شاہ رخ نے کہا اور اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ پھر بولا۔

"جی فرمایئے۔"

"وہ انچارج صاحب! آپ نے نادر شاہ صاحب کا نام تو سنا ہی ہوگا۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ کل ہی میرے سپاہی نے مجھے نادر شاہ صاحب کے بارے میں تفصیلات بتائیں' اس علاقے کے سردار ہیں اور سنا ہے بڑے رعب والے آدمی ہیں۔"

"بڑے دوست نواز بھی ہیں انچارج صاحب اور بہت اونچی پہنچ رکھتے ہیں۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔ ویسے آپ کا آنا بہت اچھا ہوا۔"

"آپ خوش قسمت ہیں انچارج صاحب کہ نادر شاہ صاحب کو آپ سے کوئی کام پڑ گیا' ویسے اگر کوئی نادر شاہ صاحب کا کام کر دیتا ہے۔ تو بڑی عزت پاتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں.........."

"میرا مطلب کچھ اور نہیں ہے۔ وہ اصل میں انچارج صاحب یہاں ایک نئے فاریسٹ آفیسر آئے ہیں' شاید اپنے نمبر بڑھانا چاہتے ہیں یا ترقی کا کوئی معاملہ ہے' الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں چاروں طرف' ہمارے تین آدمی پکڑے ہیں انہوں نے اور آپ تک پہنچایا ہے۔ نادر شاہ صاحب نے حکم دیا ہے' میرا مطلب ہے کہ درخواست کی ہے کہ ان بے گناہوں کی چھوڑ دیں' کچھ درختوں کی کٹائی وغیرہ کا مسئلہ ہے' یہ بات اتنی بڑی نہیں ہے' اس سے پہلے بھی فاریسٹ آفیسر صاحب نے ہمارے ایک آدمی پر گولی چلائی تھی اور وہ زخمی ہو گیا تھا' دیکھیں صاحب یہ سیدھے سادے معصوم پہاڑی ہیں' کبھی کبھی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایسا کوئی چھوٹا موٹا عمل کر لیتے ہیں اب اتنی سختی تو نہیں ہونی چاہیے ان پر.......... خیر نادر شاہ صاحب خود انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر دیں گے۔ انہوں نے درخواست کی ہے آپ سے کہ ہمارے آدمیوں کو چھوڑ دیں۔" شاہ رخ کی آنکھیں اس شخص پر جمی ہوئی تھیں' اور ذہن بہت دور تک سوچ رہا تھا اس نے کہا۔

"شاہ جی کو میرا سلام کرنا' اور کہنا بھلا میں ان کا حکم ٹال سکتا ہوں' اپنے آدمیوں کو لے جائیں آپ اپنے ساتھ۔" شاہ رخ نے اپنے ایس آئی کو حکم دیا کہ ان تینوں آدمیں کو نکال لائے' جنہیں حیدر زمان لے کر آئے تھے۔ اور پھر شرجیل انتہائی شکریہ ادا کر کے ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ جنہیں حیدر زمان

نے شاہ رخ کے حوالے کیا تھا۔ شاہ رخ کے ہونٹوں پر ایک پرخیال مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ایس آئی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"لیکن صاب جی۔"

"ہم نے ان کی ایف آئی آر تو نہیں لکھی تھی نا۔ ؟"

"نہیں۔ البتہ انہیں آزاد کر دینا۔ جبکہ.........."

"نہیں نہیں' ٹھیک ہے سب ٹھیک ہے۔" شاہ رخ نے جواب دیا' اور پھر اپنے سامنے رکھا ہوا ایک فائل اٹھالیا۔

تاحد نگاہ پھیلے ہوئے پہاڑوں کے درمیان یہ عمارت بہت عجیب محسوس ہوئی تھی۔ جیسے زمانہ قدیم کے جادوگر ویرانوں میں اپنا جادوائی عمل بنالیتے ہیں۔ لیکن یہ تصور صرف شہری زندگی.......... گزارنے والوں کے لئے ہے۔ دیہی زندگی اس سے مختلف ہوتی ہے اور پہاڑی زندگی اس سے بھی زیادہ مختلف.......... پہاڑوں میں رہنے والے جیالے بے خوفی سے' ہر جگہ رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔

اور پہاڑوں کا "برا آدمی" اس وقت اپنی اس رہائش گاہ کے گودام میں کرسی پر بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو بڑے بڑے کارٹن باہر سے اندر لا رہے تھے۔ اس کا نائب شرجیل اس کی نگرانی کر رہا تھا کہ اس کے پاس موجود موبائل کی بیل ہوئی اور اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ پھر ایکدم مستعد ہوگیا..........!

"یس باس۔" اس نے پر ادب لہجے میں کہا۔

"نادر شاہ کہاں ہے۔؟" باس کی آواز بھی کچھ ناخوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔

"موجود ہیں باس۔" شرجیل نے جواب دیا۔

"بات کراؤ۔" باس کی آواز سنائی دی اور شرجیل موبائل لئے ہوئے نادر شاہ کے قریب پہنچ گیا جو خود بھی موبائل کی بیل سن کر شرجیل کی جانب متوجہ ہوگیا تھا۔ اس نے موبائل نادر شاہ کی طرف بڑھایا تو نادر شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ شرجیل نے کہا۔

"بگ باس۔" نادر شاہ نے موبائل کان کے قریب کرلیا اور بولا۔

"نادر شاہ بول رہا ہے۔"

"مال پہنچ گیا نادر شاہ۔؟"

"ہاں لیکن اسے گودام میں لانا پڑا ہے۔" نادر شاہ کے جواب پر بگ باس نے چند لمحات کے لئے خاموشی اختیار کی' پھر کسی قدر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں۔؟"

"وہ لوگ ڈلیوریاں لینے نہیں آئے باس' ایسی پارٹیاں مجھے پسند نہیں ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت پہاڑوں میں حالات اچھے نہیں ہیں اور کئی مشکلات سامنے آگئی ہیں۔ ایسی پارٹیوں سے ڈیل کرنا ایسے حالات میں مشکل ہوگیا ہے باس۔ مجبورا" مجھے اب مال گودام میں لانا پڑا ہے' گودام میں مال کا پڑے رہنا بھی خطرناک ہے۔ لیبر الگ کرنی پڑتی ہے۔"

"نادر شاہ! ان مشکلات کی وجہ جانتے ہو۔؟"

"کیا وجہ ہو سکتی ہے باس۔؟"

"تمام راستے اس وقت گندے ہوگئے ہیں' اور ایسا صرف تمہاری وجہ سے ہوا' تم نجانے کیوں اس وقت مشکلات میں گھرے ہوئے نظر آرہے ہو' حالانکہ تم ایک بہترین منتظم ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو باس۔؟" نادر شاہ کی آواز خشک ہوگئی۔

"زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا، بہت چھوٹا سا ٹکڑا جو بے مقصد اور بیکار ہے۔ یونان کے سکندر نے آدھی دنیا فتح کرلی تھی محمود غزنوی نے سو راجاؤں سے ہندوستان چھین لیا تھا۔ نادر شاہ درانی نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اور نادر شاہ کا ہم نام ایک چھوٹے سے زمین کے ٹکڑے کے لئے نجانے کب سے کوششیں کر رہا ہے۔ نادر شاہ! بہت بڑا نام ہے تمہارا، لیکن اس نام کو تم خاصا نیچے لے آئے ہو۔" نادر شاہ کے چہرے پر سرخی پھیل گئی تھی اس نے کہا۔

"باس مجھے طنز پسند نہیں ہے، میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر طنز نہ کرنا، اس زمین کے حصول کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ بوڑھا سردار تیمور دراصل ایک فوجی بھی ہے، اور اس نے اپنے اوپر ریٹائر ہونے کے باوجود فرائض کی چادر ڈال لی ہے میں یہ چادر اتارنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کوشش......... کوشش......... کوشش......... بڑا عجیب سا الفاظ ہے، کوشش میں مدافعت پائی جاتی ہے اور ہم مدافعت کو پسند نہیں کرتے۔"

"پھر کیا کہنا چاہتے ہو۔؟" نادر شاہ کی آواز میں غراہٹ پیدا ہوگئی تو باس کا لہجہ بھی ناخوشگوار بن گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"نادر شاہ۔ جیل سے رہا ہونے والا ایک شخص، کسی کی نگاہوں میں آیا۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ نام تو اس کا نادر شاہ ہی تھا۔ لیکن اس وقت اس کی کوئی بادشاہت نہیں تھی۔ اسے اس کی مملکت کے راستے دکھائے گئے۔ اور جن راستوں سے اسے گزارا گیا، ان سے گزرنے کے بعد وہ جس جگہ پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اسے نادر شاہ کی مملکت مل گئی۔ نادر شاہ بن جانا زیادہ آسان کام ہے۔ لوگ مدد بھی کرتے ہیں۔ لیکن نادر شاہ بن کر نادر شاہ بنے رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا سمجھے۔؟"

"دیکھو باس! میں کوشش کر رہا ہوں مجھے کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اور اس

میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں نادر شاہ۔ مال اپنے پاس محفوظ رکھو۔ اسے وہاں سے ہٹانے کے انتظامات ہو جائیں گے۔ پارٹی سے بات کرنا ہوگی۔ اوکے۔" فون بے جان ہوگیا۔ لیکن نادر شاہ کے چہرے کی سرخی بدستور قائم تھی۔ ابھی اس نے فون بند کرکے شرجیل کی طرف ہی دیکھا تھا کہ فون پر پھر بیل ہوئی اور نادر شاہ نے اسے دوبارہ آن کر دیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"شرجیل صاحب۔"

"کیا بات ہے۔؟"

"تیسری پہاڑی پر کوئی بڑی گڑ بڑ ہوگئی ہے، ہمارے آدمی سخت پریشان ہیں۔ ہمیں فوری مدد درکار ہے۔" نادر شاہ اپنی جگہ سے جلدی سے اٹھ گیا، اس نے شرجیل کو اشارہ کیا اور بولا۔

"گاڑی نکالو، آٹھ آدمی ساتھ لے لو۔ ان سب کو مسلح ہونا چاہیے، دیر نہ کرو، میں باہر آرہا ہوں۔" شرجیل دوڑتا ہوا باہر نکل گیا تھا، نادر شاہ ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا، پھر گردن جھٹک کر خود بھی گودام کے دروازے کی جانب چل پڑا۔

گلی میں داخل ہوا تو اندازہ ہوگیا کہ روشنی چلی گئی ہے' سارے گھر تاریک پڑے ہوئے تھے' بہرحال گھر کے راستے ایسے نہیں ہوتے کہ روشنی کا محتاج ہو جائے۔ نپے تلے قدم گھر تک پہنچ گئے۔ تالا کھولا تو گردن خود بخود گھوم گئی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا دروازہ نظر آیا' دروازے کے دوسری طرف سیما تھی' نجانے کیوں اس احساس نے ذہن پر چھائی ہوئی گرد میں تھوڑی سی کمی پیدا کر دی' تنہائی کی گرد کو جو ذہن کو دھندلا دیتی تھی۔ چھٹ سی گئی' اور وہ دروازہ کافی حد تک صاف نظر آنے لگا جو پہلے مدھم تھا۔ اس نے گھوم کر تالا کھولا اور پھر اندر داخل ہوگیا۔ یہاں تو کوئی مشکل تھی ہی نہیں۔ کمرے میں داخل ہوا اور بستر پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ جوتے اتار کر ایک طرف رکھے۔ لباس تبدیل کرنے کا کوئی تصور ذہن میں نہیں ہوتا تھا۔ کھانا باہر سے کھا کر آیا تھا۔ بستر پر لیٹ گیا' کچھ لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ باہر دروازہ بجانے کی آواز سنائی دی۔ چونک کر اٹھ گیا' ایک ہی تصور ذہن میں آیا تھا۔ سیما۔ دروازے کے دوسری طرف ایک مدھم روشنی کانپ رہی تھی۔ موم بتی کی روشنی میں' سیما کی شکل نظر آئی۔

"تم۔"

"ہٹیے تو سہی۔ میرا ہاتھ جل رہا ہے۔" سیما نے کہا جو موم بتی کے شعلے کو ہاتھ سے بچانے کے لئے ہاتھ کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھی۔ وہ سامنے سے ہٹ گیا تو سیما بولی۔

"دروازہ بند کر دیجئے۔" اس نے دروازے کے کواڑ بند کر دیئے' کنڈی نہیں لگائی' سیما راستہ عبور کر کے اس کمرے میں داخل ہوگئی جس کے بارے میں اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہی سلطان کے استعمال کا کمرہ ہے۔ بڑی سی موم بتی کو کسی جگہ رکھنے کے لئے اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ پھر سامنے کارنس کی جانب بڑھ گئی۔ کارنس پر موم بتی کو نصب کر کے اس نے سلطان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کھانا لے آؤں۔"

"نہیں سیما' اتنا تکلف ضروری نہیں ہے' کھانا تو میں باہر کھا لیتا ہوں۔" سیما ایک لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"باہر کے کھانے سے نقصان ہوتا ہے۔ میں بیٹھ جاؤں۔؟"

"اگر بیٹھنا چاہو تو ضرور بیٹھ جاؤ' تمہارے ابو گھر پر نہیں ہیں؟"

"امی سے پوچھ کر آئی ہو۔؟"

"ہاں۔" وہ صاف ستھرے لہجے میں بولی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر اس نے کہا۔

"ہم چور تو نہیں ہیں نا۔؟"

"کیا۔؟" سلطان نے بات بالکل نہ سمجھتے ہوئے کہا اور سیما ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ہم واقعی چور نہیں ہیں۔"

"میری سمجھ میں بات بالکل نہیں آئی۔"

"کیا آپ جاتے ہوئے گھر کی چابی ہمیں نہیں دے سکتے' اگر دروازے کی چابیاں ہیں تو ایک چابی ہمیں دے دیجئے۔"

"چابی۔"

"ہاں اگر کوئی ہرج نہ ہو تو۔ کبھی کبھی آپ کی غیر موجودگی میں بھی ہم اس گھر کا چکر لگالیا کریں گے۔ تلاشی لے لیا کریں گے۔" سیما کے لہجے میں شوخی تھی۔ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی ہے۔ لیکن اس گھر میں اب ایسی کوئی چیز نہیں ۔ سیما جس کے چوری ہو جانے کا خدشہ ہو۔"

"بس تو ٹھیک ہے' اگر باہر کے تالے کی دو چابیاں ہیں تو ایک آپ مجھے دے دیجئے' مگر یہ نہ پوچھئے گا کہ میں کیا کروں گی۔"

"وہ سامنے جو میز پڑی ہے اس کی دراز میں دوسری چابی ہے نکال لو۔ سلطان نے کہا اور سیما فوراً ہی اٹھ گئی۔ چابی اپنے قبضے میں کرنے کے بعد وہ دوبار آکر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"چائے بناؤں۔"

"صرف ایک شکل میں۔ اگر تم بھی پینا چاہو تو۔"

"میں اور امی چائے ہی پی رہے تھے جب آپ کے دروازے پر آہٹیں سنیں۔ آپ کی لاپرواہی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ گھر میں موم بتی نہیں ہوگی۔ چنانچہ امی نے کہا کہ ایک موم بتی جلا کر اندر رکھ آؤ۔ کپڑے وغیرہ بدلنے میں دقت ہوگی۔"

"امی سے میرا شکریہ ادا کرنا سیما۔"

"اس لئے تو میں نے آپ کو یہ سب کچھ نہیں بتایا۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"مگر ہم آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"کیا جاننا چاہتی ہو۔؟"

"جب ہم نے یہ مکان کرائے پر لیا تھا تو آپ یہاں موجود نہیں تھے اور یہ دروازہ بند پڑا رہتا تھا۔"

"ہاں۔"

"کہاں گئے تھے آپ۔؟"

"بس.......... کچھ کام تھے.......... طویل عرصے کے لئے گیا ہوا تھا۔"

"یہاں آپ کے ساتھ گھر میں اور کوئی نہیں رہتا تھا۔ میرا مطلب ہے آپ کے کچھ اور لوگ۔"

"ہاں.......... تنہا تھا.......... نہیں تنہا نہیں تھا' بہن تھی میری' گم ہوگئی۔"

"کیا۔؟"

"کچھ نہیں۔" اچانک ہی سلطان کا لہجہ خشک ہوگیا۔ اور سیما چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر سلطان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اور کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"نن.......... نہیں۔"

"تو براہ کرم جاؤ' جوان لڑکی ہو۔ اس طرح تمہارا میرے پاس بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ جاؤ پلیز جاؤ۔" سلطان کے لہجے میں آخری لمحات میں غراہٹ پیدا ہوگئی' اور سیما جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

اس نے عجیب نگاہوں سے سلطان کو دیکھا اور پھر گردن جھکا کر واپس پلٹ گئی۔ دروازے پر آہٹیں ہوئیں۔ سلطان جھلایا ہوا سا اپنی جگہ سے اٹھا اور جاکر دروازہ بند کر دیا۔ واپس آیا' نجانے کیوں طبیعت میں ایک غصہ سا جنم لے رہا تھا۔ اس نے شمع بھی بجھا دی اور اسی طرح بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ

نکل رہی تھی۔

"میری شمع بجھ چکی ہے۔ میرے گھر میں اب کوئی روشنی نہیں ہے۔ میری شمعیں جلانے کی کوشش نہ کرو' اس میں کسی کو کامیابی نہیں ہوگی۔" اور پھر اس کی بے چینی اور بڑھ گئی' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پورے گھر میں چکراتا رہا' اس کے منہ سے یہی بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں۔

"کہاں سے لاؤں یہ روشنی' زہی یہ تیری زیادتی ہے' زیادتی ہے یقینی طور پر تیری' ٹھیک ہے تیری مرضی' دیکھ مجھے مل جا۔ ورنہ میری موت کا گناہ بھی تیرے سر پر ہی ہوگا۔" پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس بستر پر آبیٹھا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔

یاقوت ٹہلتی ہوئی افضال کے پاس پہنچ گئی۔ افضال معمول کے مطابق گھر کے باہر ہی اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھا۔ زمرد جانم نے بھی اب اپنے پرانے گھر میں رہنا کم کر دیا تھا۔ زیادہ تر بیٹی کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس کا سرپرست بھی برسوں سے اس کی طرف نہیں آیا تھا۔ بینک سے رقم مل جایا کرتی تھی۔ اور اس کے لئے حیرت انگیز طور پر معقول بندوبست کر دیا گیا تھا۔ یا پھر ہو سکتا ہے یہ سب کچھ ایک سسٹم کے تحت ہوتا ہو۔ اور یہ سسٹم جاری ہونے کے بعد ختم کرنے کا تصور کسی کے ذہن میں نہ آیا ہو۔ جانم اس لحاظ سے مطمئن تھی۔ پھر بھی بس اپنے پرانے گھر کو بھی دیکھتی رہتی تھی۔ بیٹی کے علاوہ زندگی میں اور کچھ تھا بھی نہیں۔ اس وقت بھی اپنے کمرے ہی میں تھی' جبکہ یاقوت جسے اب یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اصل میں اس کا باپ شاعر افضال ہے' اور اس بات نے بھی اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر نہیں کیا تھا۔ اب وہ اس منزل سے نکل چکی تھی' جہاں سارے حسابات جذبات کو سونپ دیئے جاتے ہوں' وہ جانتی تھی کہ جذبات بے شک زندگی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنی روح میں زندہ ہو' روح سے باہر کی زندگی ایک مختلف چیز ہوتی ہے۔ بے جان پتھر صرف اس لئے بے جان کہلاتے ہیں کہ ان کے جسم میں روح نہیں ہوتی۔ ورنہ

بقول غالب کے

سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں

یاقوت نے بھی اپنے آپ کو اپنے وجود میں مطمئن کرلیا تھا۔ ایک بد شکل انسان سے اس نے زندگی کا سہارا مانگا تھا' اور اس نے یاقوت کو آئینہ دکھا دیا تھا لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو آئینہ دیکھ کر حقیقتوں سے سمجھوتہ کرلیتے ہیں۔ یاقوت شاید ان میں سے نہیں تھی۔ افضال کے پاس پہنچی تو افضال نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ یاقوت۔ صرف ایک تم ہو جسے دیکھ کر میں کوئی شعر موضوں نہیں کرتا۔"

"کیوں۔؟" یاقوت نے سوال کیا۔

"بس دل نہیں چاہتا۔"

"تمہارے لئے کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جس کا تعلق دل سمجھا جائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" افضال نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پہلا تخلص ہی صحیح تھا' یعنی مرحوم۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ موت کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں' انسان طبی موت نہ مرے ذہنی موت مرجائے تب بھی ہم اسے مردہ ہی کہیں گے۔"

"برا بھلا کہنے آئی ہو۔؟"

"نہیں۔ باپ ہو تم میرے' کبھی اس رشتے کے بارے میں بھی سوچا ہے۔؟"

"تمہارا باپ ہونے سے پہلے میں جانم کا شوہر تھا۔ وقت نے مجھ سے وہ عہدہ چھین لیا تو دوسرے عہدوں سے میں خود ہی سبکدوش ہوگیا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ جانم کا پہلا گھر تھا' میں وہاں بھی اُس کے دروازے پر پڑا رہتا تھا۔ یہاں لائی ہو تو

یہاں بھی دروازے کے باہر ہی میں نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو' اصل میں یہ سزا دیتا ہوں میں اپنے احساس کو۔"

"تم صرف اچھی باتیں کرتے ہو شاعر' مجھے شاعری ہی سکھا دو۔ کم از کم دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔"

"سینے کے اندر موجود دکھوں کے خزانے کو اپنے کسی احساس سے چھیڑ دو' شعر بن جائے گا۔" یاقوت اسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی' پھر اس نے کہا۔

"مجھے بتاؤ' میں تمہارے لئے کیا کروں۔؟"

"تم ایسا کرنا کہ کوئی جگنو' کوئی ستارہ سنبھال رکھنا
میرے اندھیروں کی فکر چھوڑو' بس اپنے گھر کا خیال رکھنا"

افضال نے کہا۔ اسی وقت عقب سے جانم کی آواز سنائی دی۔

"کیا الٹا سیدھا سکھا رہے ہو اسے افضال' انسان بنو اور انسان بناؤ۔ یہ جو احساس کی آگ میں جل رہی ہے' اسے سمجھاؤ کہ زندگی کی حقیقتیں کچھ اور ہوتی ہیں۔ اپنے دل کو کسی کے الفاظ کے غم سے پامال نہ کرو بلکہ ان الفاظ کو نفرت کی تلوار بناؤ اور اس تلوار کو شہد میں ڈبو کر سامنے لاؤ ایسے زخم لگاؤ کہ زخمی کو احساس تک نہ ہو' کوئی تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھ کر تمہارے مقام کا تعین کرتا ہے تو تم بھی اس کے مقام کا تعین اپنے دل میں کرلو' اور اس کے بعد اسے اس کے حساب سے دیکھو' ورنہ تباہ ہو جاؤ گی۔" یاقوت نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ماں کو دیکھا پھر بولی۔

ذرے ذرے کے جگر میں ڈوب کر ابھر اگر
ایک اپنی ہی حقیقت کو نہ سمجھا آدمی

افضال بری طرح اچھل پڑا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتے ہوئے کہا۔

"آہ کس کا شعر ہے۔ کس کا شعر ہے' کیا یہ تیری آواز ہے اگر ایسا ہے تو نے دیکھا جانم آخر میرے خون کی حدت بھی کام آئی۔"

"ہاں تمہارے خون میں بس اتنی ہی حدت ہے کہ شعر بن جائے۔" جانم مسکراتے ہوئے کہا اور بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ شاعر سر دھنتا رہا تھا اور کہتا رہا تھا۔

"ایک اپنی ہی حقیقت کو نہ سمجھا آدمی۔ واہ کیا بات ہے۔" ادھر جانم یاقوت کو سمجھا رہی تھی۔ بتا رہی تھی وہ اسے کہ نفرت کو محبت کا نام کیسے دیا جاتا ہے اور یہ احساس دلایا جاتا ہے اس شخص کو کہ جسے وہ محبت سمجھ رہا ہے وہ نفرت ہے۔

فائرنگ کی آواز بہت دور سے آئی تھی۔ لیکن رات کے سناٹے میں اور جنگل کے کھلے ماحول میں حیدر زمان نے وہ آوازیں سن لیں اور برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا' اور اس کے اٹھنے پر نزہت بھی جاگ گئی تھی' کسی قدر وحشت زدہ ہو کر بولی۔

"کیا بات ہے۔ حیدر کیا بات ہے۔؟"

"ذرا جانا ہوگا نزہت' اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا۔" یہ کہہ کر حیدر زمان تیزی سے دوسرے کمرے میں پہنچا' لباس تبدیل کیا ہولسٹر میں پستول لگائے' موبائل ساتھ لیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ گل جمال اپنے کوارٹر میں موجود تھا' اسے جگایا اور دو گن مین ساتھ لے کر باہر نکل آیا' پھر اس کی جیپ تیزی سے جنگل کے علاقے کی جانب دوڑنے لگی۔ گل جمال نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی تھی۔ کافی دور آنے کے بعد حیدر زمان نے موبائل پر ان گھوڑے سواروں سے رابطہ قائم کیا' جنہیں اس نے رات کی ڈیوٹی سونپی تھی۔ فورا" ہی جواب مل گیا۔

"یہ فائرنگ کی آواز کدھر سے آئی ہے۔؟"

"شمالی پہاڑیوں کی جانب سے جناب، فاصلہ بہت زیادہ ہے، جنگل کے علاوہ محفوظ ہیں ادھر کوئی نہیں ہے۔"

"تم سب ہوشیار ہونا۔؟"

"جی صاحب۔"

"ٹھیک ہے اپنا کام جاری رکھو۔" پھر وہ گل جمال کی جانب متوجہ ہوا اور بولا۔

"کیا خیال ہے گل جمال، مشرقی پہاڑیوں کی طرف چلیں۔"

"سر آپ مالک ہیں۔ لیکن مشرقی پہاڑیوں کا وہ حصہ جہاں سے فائرنگ کی آواز آئی ہے بہت ہی پر خطر ہے۔ اور اس وقت ادھر جانا سخت خطرناک ہوگا، ویسے بھی صاحب جنگل سے باہر کا علاقہ ہے۔" حیدر زمان کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ چلو ہمارے آدمی ہوشیار ہیں، ایک بار پھر میں انہیں ہدایت دیئے دیتا ہوں۔" موبائل پر اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرنے کے بعد حیدر زمان واپس پلٹ پڑا تھا۔

گھر پہنچا تو نزہت وحشت زدہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حیدر زمان نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

"بیوی ہو تو ایسی، بھئی تم پریشان نہ ہوا کرو۔"

"میں واقعی بہت پریشان ہوں حیدر، آخر یہ سب چکر کیا چل رہا ہے۔ کون تھا وہ جس سے دن میں تمہارا جھگڑا ہوا تھا، صورت ہی سے خطرناک نظر آتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چکر چلا ہوا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔؟"

"ہوا میں گزرتے تیر کا نشان باقی نہیں رہتا۔ مگر سانپ اپنے پیچھے لکیر چھوڑ جاتا ہے نزہت، تم بے فکر رہو میں اس لکیر پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"مگر وہ خطرناک آدمی۔" نزہت بولی اور حیدر زمان ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ خطرناک نظر آنے والے لوگ اندر سے بے حد بزدل ہوتے ہیں۔ مجھے ان کا اچھی طرح تجربہ ہے۔ تم بے فکر رہو، میں انہیں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔"

نزہت خاموش ہوگئی تھی۔ لیکن حیدر زمان بہت دیر تک ان ساری باتوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

پھر دوسرے دن اس نے صبح کو تیاریاں کیں، گل جمال کو ساتھ لیا۔ اور آفس جانے کے بجائے مراد گڑھی جانے والے راستے پر چل پڑا، راستے میں اس نے موبائل پر ذمے دار لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور قرب وجوار کے حالات معلوم کئے، سب خیریت تھی۔ جنوبی پہاڑیوں کی طرف اس نے آج بھی رخ نہیں کیا تھا، لیکن وہ شاہ رخ کو اس بارے میں اطلاع دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ شاہ رخ سے اسے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ وہ جو افراد اس نے شاہ رخ کے حوالے کئے تھے، ان سے اس بارے میں کیا معلومات حاصل ہوئیں۔ فاصلے طے ہوتے رہے۔ راستوں پر نگاہ رکھی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ مراد گڑھی پہنچ گیا، اور چند لمحوں کے بعد تھانے کی عمارت میں۔ شاہ رخ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا ہوا موسم کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے حیدر زمان کو دیکھ لیا تھا، اور پھر اس نے اپنے آفس کے دروازے پر حیدر زمان کا استقبال کیا اور بولا۔

"واہ، گن مینوں کے ساتھ آنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت اپنے سرکاری معاملے میں آئے ہو۔ ورنہ میں تم سے سخت ناراض ہو کر یہ سوال کرتا کہ شیری اور بھابی کو کیوں نہیں لے آئے۔"

"اس وقت میں تمہیں کچھ اور بتانا چاہتا ہوں شاہ رخ۔"

"آؤ آؤ اندر آؤ' بیٹھو۔"

"وہ تین افراد کہاں ہیں' جنہیں میں نے تمہارے حوالے کیا تھا۔ کیا ان نے تمہیں کوئی اہم بات بتائی۔" شاہ رخ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور بولا۔

"میں نے انہیں چھوڑ دیا' وہ چلے گئے۔"

"کیا۔؟" حیدر زمان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

کچھ دیر تک تو بات حیدر زمان کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ پھر اس کے رے پر ایک مدہم سی مسکراہٹ آگئی۔

"کیا بے تکا مذاق ہے۔؟"

"نہیں یقین کرو مذاق نہیں کر رہا ہیں' میں نے انہیں چھوڑ دیا' اصل میں تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ.........." شاہ رخ نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ حیدر زمان نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"دیکھو شاہ رخ' بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس وقت یہ سنگین مذاق برداشت نہیں کر پاؤں گا' اصل میں یہاں جو کچھ ہو رہا ہے' ہو کچھ زیادہ سنگین وعیت کا حامل ہے' حالانکہ میں بھی یہ بات جانتا ہوں کہ جنگلات سے الگ ہٹ کر رب و جوار کی ذمے داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سرحدی لاقہ ہے' اور ہم لوگ دشمن سے بہت قریب ہیں' چنانچہ ہماری ذمے داریاں تو ویسے ا بڑھ جاتی ہیں' دوسری بات یہ کہ مجھے چیلنج کیا گیا ہے اور میں نے یہ چیلنج قبول کرلیا ہے۔"

"میرے پیارے بھائی' بلکہ فاریسٹ آفیسر' ہم لوگوں کی ذمے داریاں تقسیم دی گئی ہیں' سرحدوں پر فوج محافظ اور نگراں ہے اس سے تھوڑا سا ہٹ کر پولیس کے فرائض کا آغاز ہوتا ہے۔ بے شک جنگل میں درختوں کو کاٹنا جرم ہے۔ اور نے ایف آئی آر نہیں لکھوائی' ان لوگوں کو اس لئے میرے حوالے کیا کہ میں معلوم کرسکوں کہ وہ کس کی شہہ پر یہ درخت کاٹتے ہیں۔ تو میں نے معلوم کرلیا چونکہ جرم سنگین نوعیت کا نہیں تھا' اس لئے وارننگ دے کر انہیں چھوڑ دیا۔"

"تم سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہو شاہ رخ۔" حیدر زمان کے چہرے سرخی دوڑ گئی۔

"تم جانتے ہو کہ میں بھی ایک ذمے دار آفیسر ہوں' جہاں تک ایف آئی آر لکھوانے کا مسئلہ ہے تو اس کے لئے میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا' اگر تم یہ مناسب سمجھتے تھے کہ ایف آئی آر لکھوانا فوری طور پر ضروری ہے تو میں بخوشی یہ کرلیتا۔ میں نے تو اسے صرف تمہاری ذمے داری پر چھوڑ دیا تھا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے۔؟"

"نہیں ابھی کچھ نہیں' پہلے یہاں مجھے مطمئن کردو.........."

"میرے پیارے بھائی' وہ آدمی یہاں کی ایک بہت بڑی شخصیت نادر شاہ آدمی تھے' نادر شاہ صاحب کے بارے میں مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مقامی سردار ہیں' اور اچھے خاصے صاحب حیثیت ان کے آدمیوں کو ویسے بھی حراست رکھنا خطرناک ہو سکتا تھا' وہ لوگ انہیں چھڑانے کے لئے آئے تھے' میرے پاس انہیں قید میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں ان کے حوالے دیا۔"

"مجھ سے پوچھے بغیر۔؟"

"بھائی تم میرے پاس پورے دن تو نہیں ہوتے' مجھے تو یہ تھانہ چلانا ہے۔ اس علاقے کی پوری ذمہ داری سنبھالنی ہے' اور پھر میں بھی یہاں نیا نیا آیا ہوں' کسی سے جھگڑا تو مول نہیں لے سکتا۔"

"ہوں.......... ویسے شاہ رخ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن بات خود بخود اپنی نوعیت سمجھا رہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ تم اپنا مستقبل بنانے کی فکر میں ہو۔ لیکن اس کے لئے اگر دوسرے راستے اختیار کر لیتے تو زیادہ بہتر تھا۔ دوستی کا خون اتنی آسانی سے بہا دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے' تم نے واقعی دوستی کا خون کر ڈالا ہے۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"اب تم جذباتی باتوں پر اتر آئے' دیکھو فاریسٹ آفیسر' جنگلوں میں جو کچھ کرو گے' میں اس میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اگر تم وہاں انہیں درختوں سے باندھ کر گولی مار دیتے تو ظاہر ہے میں تمہیں نہیں روک سکتا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ اس کی ایف آئی آر میرے پاس نہ آتی۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات' باقی سارے معاملات میں ظاہر ہے' تمہاری مداخلت کسی طور مناسب نہیں ہے کیونکہ اس علاقے کی ذمے داری سنبھالنا میری ڈیوٹی ہے' ویسے ذاتی طور پر میں تمہیں یہ مشورہ دوں وہ علاقے کا ایک بہت بڑا آدمی ہے' اس سے جھگڑا مول نہ لو۔"

"اور تم یہاں تھانے میں بیٹھ کر صرف چوہدری بنے رہو اور اپنے اردگرد خوشامدیوں کا مجمع لگائے رہو اور سمجھ لو کہ تم نے اپنا فرض پورا کرلیا ہے۔"

"برا بھلا کہنے پر اتر آئے۔ مذاق میں کہہ رہے ہو تو میں برا نہیں مانتا' لیکن اگر سنجیدہ ہو تو زیادتی کر رہے ہو' اچھا اب چھوڑو ان باتوں کو' میرا خیال ہے' ایسے حالات میں کوئی ٹھنڈی چیز منگواتا ہوں۔" شاہ رخ نے کہا اور ایس آئی کو آواز دینے والا تھا کہ حیدر زمان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اور اس کے بعد شاید ہم اپنی دوستی قائم نہ رکھ سکیں۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑا تو شاہ رخ بھی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"حیدر......... حیدر میری بات تو سنو......... حیدر زمان......... حیدر۔" لیکن حیدر زمان تیز قدموں سے باہر نکل گیا' اور اس کے بعد اس نے باہر نکل کر اپنی جیپ اسٹارٹ کی اور اسے تیز رفتاری سے ریورس کرتا ہوا تھانے کی عمارت سے باہر لے گیا۔ شاہ رخ عجیب سی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر افسوس کے آثار تھے۔ چند لمحات وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر واپس اپنی کرسی کی جانب بڑھ گیا۔

معمول کے مطابق فیروز منگل کے دن عشرت کے گھر پہنچا تھا۔ عشرت کی والدہ نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ اور عشرت کو موجود نہ پا کر فیروز نے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا خالہ جان عشرت کہاں گئیں۔؟"

"بس صبح ہی صبح تیار ہو کر باہر نکل گئی' کہہ رہی تھی ایک سہیلی کے ہاں کوئی کام ہے' کوئی تقریب ہے' بتا کر بھی نہیں گئی۔ کہ کب واپس آجائے گی' میں نے پوچھا تو کہنے لگی کہ کوشش کرے گی کہ جلدی واپس آجائے۔"

"اوہ ٹھیک۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج میں بھی ذرا آپ سے معذرت کرنے ہی آیا تھا۔"

"کیسی معذرت۔؟"

"بس ذرا کچھ کام مجھے بھی تھے' اور میں یہ کہنے آیا تھا کہ میں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا' آپ خیریت سے ہیں۔؟" عشرت کی والدہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بالکل خیریت سے ہوں لیکن تم لوگ لگتا ہے مجھے بیوقوف بنا رہے ہو'

اسے بھی سہیلی کے ہاں کام نکل آیا اور تمہیں بھی کوئی کام ہے‘ کہیں تم دونوں نے کوئی مشترکہ پروگرام تو نہیں بنا رکھا۔“ فیروز کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ایک بات کا وعدہ ہے آپ سے خالہ جان۔ زندگی میں کبھی ایک لمحہ ایسا نہیں گزاروں گا جو آپ کے اعتماد کو زخمی کر دے۔ اور آپ کی اطلاع کے بغیر کبھی کوئی پروگرام نہیں بنے گا‘ سچائی شرط ہے‘ جب تک ہمارا کوئی جھوٹ آپ کے علم میں نہ آجائے کم از کم آپ مجھے سچا سمجھئے۔“

”ارے ارے میں نے تو بس یونہی کہہ دیا تھا‘ تم دونوں اس قدر اچھے اور قابل اعتماد ہو کہ اگر اپنے طور پر کوئی پروگرام بنا بھی لو گے تو میں یہی سمجھوں گی کہ اس کے بارے میں مجھے نہ بتانا ضروری تھا۔ برا مت ماننا بیٹے میری باتوں کا‘ تم تو بہت بڑا سہارا ہو میرے لئے۔“

”چلئے آج میں آپ کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاتا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد چائے بھی پی کر نہ جانا مجھے اداس کر دے گا۔“

”تو میں بناتی ہوں چائے۔ اب ایسی بات بھی نہیں ہے چلو بیٹھو تم۔“

”چلئے آپ بھی آجائیے میرے ساتھ۔“ پھر فیروز نے عشرت کی والدہ کے ساتھ مل کر چائے بنائی‘ چائے کی اس وقت بالکل حاجت نہیں تھی‘ بس امی کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں کوئی الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ عشرت کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس دن کی کہی ہوئی بات کے بعد وہ اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے‘ چائے وغیرہ پی کر وہ وہاں سے رخصت ہوگیا‘ اس بات سے اسے سخت ذہنی کوفت ہوئی تھی کہ اتنا طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ معمول کے مطابق عشرت کے پاس آیا تھا‘ لیکن عشرت نے ناراضگی کے اظہار کا جو

ذریعہ منتخب کیا تھا وہ بہت سخت تھا‘ ایک ہفتے کا انتظار اور اس کے بعد عشرت کا نہ ملنا اسے سخت ناگوار گزرا تھا۔ بہرحال وہ وہاں سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد گھر ہی کی جانب چل پڑا۔ اس کے لئے اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر حاصل کرلی تھی اور ہوشیار تھا اس بات سے کہ کہیں عشرت نے اور کوئی چال نہ چلی ہو۔ بہرحال ایجنسی کا آدمی تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ بہت دیر تک شہر کی سنسان سڑکوں پر چکراتا رہا‘ جہاں سے یہ اندازہ ہوسکے کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا اور جب اسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تو وہ گھر کی جانب چل پڑا‘ بہت غور کیا تھا اس نے‘ عشرت ہر طرح قابل اعتبار تھی اور وہ جانتا تھا کہ اگر وہ عشرت کو یہ بات بتادے کہ وہ ایجنسی کا آدمی ہے‘ سرکاری افسر‘ اور اس سے یہ کہہ دے کہ عشرت‘ یہ بات منظر عام پر نہیں آنی چاہیے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ عشرت بے ہوشی کے عالم میں بھی یہ الفاظ کسی کے سامنے منہ سے نہیں نکالے گی۔ لیکن اس سے اس کا اپنا ایمان مجروح ہو جائے گا۔ حلف برداری میں جو وعدہ اس نے کیا تھا اس سے انحراف ہو جائے گا‘ چنانچہ کم از کم اس وقت تک جب تک عشرت زندگی کی ساتھی نہیں بن جاتی وہ اپنی زبان سے عشرت کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا‘ اور اس نے آخری فیصلہ کرلیا تھا کہ عشرت اگر ناراض بھی ہو جاتی ہے تو اس کی مرضی ہے‘ کوشش کرے گا کہ من جائے‘ نہ منی تو پھر اللہ مالک ہے‘ فیصلہ کرلے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

بہت دیر تک گھر میں بیٹھا رہا۔ منگل کے دن وہ چھٹی کرتا تھا‘ لیکن آج جب دل نہ لگا تو وہ گھر سے نکل کر بس میں بیٹھا اور پیٹرول پمپ پر اتر گیا۔ پیٹرول پمپ کا مینیجر اسے دیکھ کر خوش ہوگیا تھا۔ اس نے کہا۔

”یہ میں نہیں جانتا فیروز کہ تم اس وقت کیسے آگئے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تمہارا آنا بڑا ہی اچھا ثابت ہوا ہے میرے لئے‘ تم دیکھو تو سہی دو بندے

غائب ہوگئے ہیں، سارا کام جھگڑے میں پڑا ہوا ہے، اب یہ مت کہہ دینا میرے دوست کہ تم کسی کام سے یہاں آئے تھے اور واپس جارہے ہو۔"

"نہیں مینیجر صاحب، آپ بولو نا۔ ہم ڈیوٹی کریں گے۔" فیروز نے کہا اور اپنا کام سرانجام دینے لگا، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے تھوڑے فاصلے سے ایک دلچسپ منظر دیکھا، چند پولیس والے ایک جیپ کو دھکا لگاتے ہوئے پیٹرول پمپ پر آرہے تھے۔ اور دو افراد جیپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور دوسرا اس کے برابر والی سیٹ پر۔ فیروز نے ایک لمحے کے اندر پہچان لیا۔ برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا افسر شاہ رخ تھا۔ جس سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ حالانکہ فیروز کا تعلق ایجنسی سے تھا، اور شاہ رخ کا بھی محکمہ پولیس سے، لیکن بات وہی آجاتی ہے۔ جب ایک بات چھپانے کی ہوتی ہے تو معاملہ چاہے کچھ بھی ہو چھپانا پڑتا ہے۔ فیروز نے اپنے چہرے کے تاثرات بدل دیئے۔ جیپ پمپ پر آکر لگ گئی اور فیروز ہنسنے لگا۔ ہنستے ہوئے اس نے پائپ اٹھایا اور ڈرائیور سے چابی لے کر آگے بڑھ گیا، لیکن جیپ میں بیٹھا ہوا شاہ رخ اسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، پھر وہ نیچے اتر آیا، فیروز نے پیٹرول بھرنا شروع کر دیا۔ شاہ رخ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔"

"مسٹر فیروز۔"

"مہربانی شاب، بہت بڑی مہربانی۔"

"مسٹر فیروز، مجھے نہیں پہچانے۔"

"شاب، آئی ایم سوری، پولیس کو کون نہیں پہچانتا شاب، پر معاف کرنا میرے کو ہنسی یوں نکل گیا کہ کبھی کبھی پولیس بھی دھکا اسٹارٹ ہو جاتا ہے۔" فیروز نے کہا اور ہنس پڑا۔

"مسٹر فیروز، آپ کا نام فیروز ہی ہے نا۔"

"شاب، آپ بہت شریف آدمی ہے، اتنے پیار سے ہم کو پکارتا ہے ورنہ پولیس کا لوگ تو اوئے ادھر آ او لڑکے........ اس کے علاوہ کچھ بولتا ہی نہیں ہے۔"

"کیا یہاں ڈیوٹی لگی ہوئی ہے تمہاری۔؟"

"جی شاب، آج چھٹی پر تھا، لیکن مینیجر شاب بولا ابھی کام کرو تو ادھر کام کرتا ہے۔"

"تم ایجنسی سے تعلق نہیں رکھتے۔؟"

"نہیں شاب، ہم پیٹرول پمپ کا ملازم ہے، ایجنسی کا ملازم اور ہوتا پڑا۔ شاہ رخ اپنا رخسار کھجانے لگا۔ پھر اس کے منہ سے مدہم سی آواز نکلی۔"

"اتنی مشابہت، کمال ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی جیپ پیٹرول لے کر چلی گئی۔ تو فیروز نے گہری سانس لی۔ اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اللہ پاک حفاظت کرنا جو مجبوری ہے، تم بھی جانتے ہو۔" اس کے بعد وہ دوسری گاڑی کی جانب متوجہ ہوگیا تھا، جو پمپ سے آکر لگی تھی۔

شاہ رخ نے وردی تبدیل کی اور تھکے تھکے سے انداز میں ماں کے کمرے میں آکر بیٹھ گیا' فرزانہ بیگم نے مسکراتی نگاہوں سے بیٹے کو دیکھ پھر بولیں۔

"کیابات ہے۔ کچھ تھکے تھکے سے لگ رہے ہو' کہیں باہر گئے تھے۔؟"

"نہیں' کہیں باہر نہیں گیا' چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے' آج ہماری صنوبر بی بی......... لیکن جملہ ادھورارہ گیا' صنوبر چائے کے برتن سنبھالے ہوئے اندر داخل ہوئی اور اس نے بڑے اہتمام سے چائے ماں بیٹے کے سامنے لگا دی۔ شاہ رخ نے بڑے اطمینان سے صنوبر کو دیکھا اور بولا۔"

"صنوبر اتنی اچھی ہو تم کہ بس میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مگر ایک شرط ہے' جس دن تم اپنے منہ سے مجھ سے کوئی تحفہ مانگو گی۔ چاہے وہ دنیا کے آخری گوشے کی کوئی چیز ہو۔ تمہیں لاکر دوں گا میرا وعدہ ہے۔" صنوبر کے چہرے کے رنگ کو شاید کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔ اگر غور کرنے والی آنکھ ہوتی تو اس چہرے پر کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھتی اور جان لیتی کہ ان پھولوں میں کونسے رنگ چھپے ہوئے ہیں' پھر وہ خاموشی سے گردن جھکا کر وہاں سے واپس چلی گئی اور شاہ رخ نے چائے کے

برتن کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ تو فرزانہ بیگم نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں چائے میں بنائے دیتی ہوں۔"

"رہنے دیجئے امی......... کم از کم آپ کو چائے کی ایک پیالی دے کر میں اپنے آپ کو آپ کے خدمت گاروں میں تو سمجھ لوں گا۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹے۔ کونسی کمی چھوڑی ہے تم نے سوائے ایک کمی کے۔"

"اوہو گویا کوئی شکایت ہے آپ کے دل میں۔؟" شاہ رخ نے کہا۔

"شکایت......... ہاں یہ سمجھ لو ابھی تو یہ شکایت ہی ہے۔"

"تو پھر بتا دیجئے نا مجھے کیابات ہے۔؟"

"بس میں چاہتی ہوں کہ گھر میں میری بہو مجھے نظر آئے اور اس کے بعد ننھے ننھے بچے' تم نہیں سمجھتے شاہ رخ' انسان کیا چیز ہوتا ہے' خود بچہ ہوتا ہے' دنیا سے بے خبر' پھر وہ دنیا سے باخبر ہوتا ہے اور باخبر ہونے کے بعد آرزوؤں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے' جوانی اور بچپن کی مانگ الگ ہوتی ہے اور جب بڑھاپا آتا ہے تو مانگ الگ ہو جاتی ہے۔ ننھے ننھے خوبصورت پھول زندگی کو سجاتے ہیں اور یہ آخری لمحات خوبصورتی سے گزر جاتے ہیں' بس یہ ہے انسان کی کہانی' تو میں اپنی عمر کی تیسری منزل میں ہوں اور ظاہر ہے یہ آرزو میرا حق بھی ہے اور فطرت بھی۔"

"ارے واہ' آپ نے تو واقعی ایک پوری داستان سنا دی مجھے' لیکن بہرحال میں نے ہمیشہ آپ کو آپ کی بات کا ایسا جواب دیا ہے جو دلیل رکھتا ہو' تھوڑا سا وقت اور بس تھوڑا سا وقت اور' ذرا کاندھے پر کچھ پھولوں کا اضافہ ہو جانے دیجئے' عہدہ بڑھ جائے تو جہاں رشتہ لے کر جائیں گی وہاں بھی کہہ سکیں گی کہ میرا بیٹا ڈی ایس پی یا ایس پی ہے۔ مزہ نہیں آئے گا آپ کو۔" فرزانہ بیگم نے عجیب سی نگاہوں

سے شاہ رخ کو دیکھا تھا لیکن شاہ رخ نے چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے الگ تھی۔ اور فرزانہ بیگم کے چہرے کے وہ تاثرات محسوس نہیں کر سکا تھا جن میں کہانی در کہانی تھی' فرزانہ بیگم بھی چائے پینے لگیں پھر بولیں۔

"کتنا عرصہ لگے گا تمہارے پھول بڑھنے میں۔"

"بس امی' ہونے والی بات لمحوں میں ہو جاتی ہے' کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دینے کا موقع مل جائے تو آپ سمجھ لیجئے کہ سب کچھ ہو جائے گا' ویسے ایک افسوسناک خبر بھی ہے آپ کے لئے۔"

"کیا۔؟"

"حیدر زمان مجھ سے ناراض ہو گیا ہے' آپ کے پاس تو نہیں آیا تھا وہ۔"

"حیدر........ نہیں کب کی بات کر رہے ہو۔؟"

"آج کی۔"

"کیا مطلب۔ وہ یہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"کب........ کیسے........ بتاتے کیوں نہیں تفصیل کے ساتھ۔"

"تفصیل کچھ نہیں ہے' جذباتی آدمی ہے۔ ہمیشہ کا جذباتی ہے' کچھ افراد کو گرفتار کیا تھا اس نے اور گرفتار کر کے میرے حوالے کیا تھا' یہ لوگ یہاں کے ایک بہت بڑے آدمی کے کارندے تھے۔ اور یہ بات تو آپ جانتی ہیں کہ پہاڑوں میں بسنے والے ان سرداروں کا اپنا ایک الگ مقام ہوتا ہے' جب حکومت ان کے معاملے میں تھوڑی سی چشم پوشی کرتی ہے تو پھر ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ ان لوگوں کو چھڑانے کے لئے اس سردار کا ایک نمائندہ آیا اور ظاہر ہے مین تو حماقت نہیں کر سکتا ابھی' چھوٹی سے بات پر اسے دشمن بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آگے اس کے خلاف کچھ نہ

کیا جا سکے' کوئی بڑی بات ہو تو انسان کسی پر ہاتھ بھی ڈالے۔ اب حیدر زمان کو دیکھیے' جنگلوں کا ٹھیکے دار بنا کر بھیجا گیا ہے یہاں۔ جنگلوں اور درختوں کی حفاظت کرنا بے شک اس کا فرض ہے' لیکن اس فرض کے لئے اپنے بیوی بچوں کی زندگی داؤ پر لگا دینا تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ سمجھ رہا ہے کہ میں نے غلطی کی ہے' حالانکہ ایسی بات نہیں ہے' میں نے وہ اختلاف ختم کرنے کی کوشش کی ہے جو آگے بڑھ کر خطرناک ہو سکتا تھا۔"

"یہاں آیا اور مجھ سے ملے بغیر چلا گیا۔"

"ہاں کچھ زیادہ ہی کھوپڑی خراب ہو گئی ہے۔"

"لیکن خیر تم اس مسئلے کو ہموار کرو۔"

"ابھی نہیں مانے گا' کچھ وقت گزر جانے دیجئے۔ یہ کام میرا جہاں تک خیال ہے خود نزہت بھابی کریں گی۔ جب انہیں اس بات کا علم ہو گا۔"

"تو پھر ایسا کرو کہ میں اور تم وہاں چلتے ہیں نزہت کے پاس۔ اسے کم از کم صورت حال تو بتائی جائے۔"

"ٹھیک ہے چلیں گے' لیکن ابھی نہیں' تھوڑا سا وقت گزر جانے دیجئے' ہو سکتا ہے خود اس کی کھوپڑی میں بات آ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں خود سوچے اور عقل سے کام لے۔"

"ہوں۔" فرزانہ بیگم چائے کا گھونٹ لے کر بولیں اور دونوں سوچ میں گم ہو گئے۔

سلطان ایک شاہراہ سے گزر رہا تھا' ذہن میں بمن کا نقشہ تھا۔ ہمیشہ ہی رہتا تھا' اس کی پیاسی نگاہیں بمن ہی کو تلاش کرتی رہتی تھیں۔ آہ ایک بار کہیں زیبی نظر آجائے' صرف ایک بار' اسے یہ بتائے کہ اس کی مجبوری کیا تھی' اور اس کے بعد اپنی زندگی کو ختم کرلے۔ کوئی دلکشی نہیں ہے اس زندگی میں۔ ماں نے ایک ہی امانت سونپی تھی' لیکن پتہ نہیں غلطی کس کی تھی' اس وقت بھی وہ اسی دھن میں مست چلا جارہا تھا کہ سامنے سے اس نے دو عورتوں کو دیکھا جو ایک کار میں بیٹھ رہی تھیں۔

سلطان کا دل دھک سے ہوگیا۔ ان میں سے ایک کی شباہت زیبی جیسی تھی' دونوں کار میں بیٹھ گئیں۔ اور شاید پہلے سے کار میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی' سلطان دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا' پھر ایک ٹیکسی نظر آئی تو وہ اس کے بالکل سامنے آگیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پورے بریک لگائے تھے' اتفاق سے وہ خالی ہی تھی' سلطان دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور بولا۔

"وہ سرخ کار جو جارہی ہے اس کے پیچھے چلو۔"

"ارے بابا کون ہو تم ابھی تم نے دیکھا نہیں کہ میٹر ڈاؤن ہے' ہم اس وقت کسی پسینجر کو........" جواب میں سلطان نے جیب سے پستول نکال کر ڈرائیور کی گدی پر رکھ دیا اور بولا۔

"ایک لمحے کے اندر اندر اگر تم نے گاڑی آگے نہ بڑھا دی تو گولی تمہاری گردن میں داخل کرکے تمہاری لاش باہر پھینکوں گا اور خود اسٹیئرنگ سنبھال لوں گا' چلو اگر زندگی چاہتے ہو تو۔" سلطان کے لہجے کی غراہٹ نے ڈرائیور کے حواس درست کردیئے' ٹیکسی اسٹارٹ تو پہلے ہی تھی۔ تیزی سے چل پڑی۔

"اگر یہ کار نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو تم کم از کم زندگی کھو بیٹھو گے۔"

ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سرخ رنگ کی کار سے فاصلہ کم ہونے لگا۔ سلطان کی آنکھیں شیشے کی طرح چمک رہی تھیں کیا وہ واقعی زیبی ہے۔ پھر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک مکان کے سامنے رکی اور دونوں خواتین نیچے اتر آئیں' ٹیکسی اس قدر قریب پہنچ گئی کہ سلطان ان دونوں کو دیکھ سکے' اب تکلف کی ضرورت نہیں تھی' جیسے ہی دونوں خواتین نیچے اتریں سلطان ان کے سر پر پہنچ گیا' اور پھر اس نے قریب سے دونوں کو دیکھا دونوں عورتیں وحشت زدہ ہوگئی تھیں۔

قریب پہنچ کر سلطان کو احساس ہوا کہ وہ زیبی نہیں ہے جس پر اسے زیبی کا شبہ ہوا تھا' وہ تو اچھی خاصی عمر کی عورت تھی جس کے چہرے پر اس وقت خوف کے آثار تھے' سلطان کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ واپس پلٹا' ٹیکسی ڈرائیور تماشہ دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ سلطان دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور بولا۔

"کسی ایسی جگہ اتار دو بھائی جہاں سے دوسری ٹیکسی مل جائے' تم بھی سوچ رہے ہوگے کہ کوئی قاتل جنونی یا ڈاکو ہوں میں' مگر کیا کرتا تم نے رویہ ایسا اختیار کیا

تھا جبکہ......... خیر چھوڑو......... اور ہاں یہ ایڈوانس رکھ لو' کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا کوئی صلہ نہیں دوں گا۔" پانچ سو روپے' نوٹ دیکھ کر ڈرائیور نے کہا۔

"صاحب......... ہمارے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔"

"تم سے مانگ کون رہا ہے یار' تمہارے ساتھ جو بدتمیزی کی تھی میں نے' اس کا معاوضہ تو الگ سے ہونا چاہیے۔"

"کوئی بات نہیں سیٹھ' ابھی تم چار بار ایسا بد تمیزی کرو اور اپن کو دو ہزار روپے دے دو' مجال ہے جو اپن برا مان جائے۔" ڈرائیور نے مزاحیہ انداز میں کہا' لیکن سلطان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا' ڈرائیور بولا۔

"ابھی آپ کو جدھر جانا ہے صاحب' میرے کو بتا دو۔ میں آپ کو ادھر پہنچا دوں گا۔" اس مایوسی سے سلطان جس طرح دلبرداشتہ ہوا تھا اس نے سلطان کے دل میں دکھ کی لہر پیدا کر دی تھی۔ بہرحال اس نے ٹیکسی قبرستان کے سامنے رکوائی اور اتر کر ڈرائیور کی طرف دیکھے بغیر قبرستان کی جانب بڑھ گیا۔

جب زندگی کی ڈور ضرورت سے زیادہ الجھ جاتی اور دل غم کا شکار ہو جاتا تو ماں کی قبر پر تھوڑے سے آنسو بہا لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا' ماں کی قبر پر پہنچ کر سلطان رکا اور پھر خاموش نگاہوں سے اس قبر کو دیکھتا رہا' اس کے بعد قبر کے نزدیک بیٹھ گیا' اور اس کی درد بھری آواز ابھری۔

آج پھر دھوکہ کھا گیا تھا ماں' یوں لگا جیسے وہ زیبی ہو' لیکن وہ زیبی نہیں تھی کوئی اور تھا' وہ مجھے سزا دے رہی ہے' کیا میری سزا پوری نہیں ہوگئی ہے ماں' اتنا بڑا مجرم نہیں ہوں میں' مجھے مجرم بنا دیا گیا ہے' زیبی نے مجھے مجرم بنا دیا ہے' میں تو حالات کا مارا ہوا تھا' کون تھا میرا اس کے سوا' بولو ماں اس کے لئے ہی تو سب کچھ کر

رہا تھا میں۔ کیا بھوکا مارتا اسے' کیا بھیک مانگنے کے لئے گھر سے باہر نکال دیتا کیا کرتا......... دیکھ لو اماں! وہ بے انصافی کر رہی ہے میرے ساتھ......... اسے سمجھا لو......... اس سے کہو واپس آجائے......... اسے سمجھالو وہ تمہاری بات ضرور مان لے گی......... اس سے کہو واپس آجائے ماں......... میں بڑا اکیلا ہوں......... بہت اکیلا ہوں ماں......... اس سے کہو کہ سلطان اکیلا ہے......... بتا دو اسے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور اس کے بعد وہ قبر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ فضا میں اڑانے والے پرندے غمزدہ ہو گئے تھے۔

قریب ہی سوکھے درخت پر ایک پرندہ خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹوٹے ہوئے قدموں سے باہر نکل آیا' دور دور تک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا' اس کے بعد گھر کی طرف رخ کرنے کے علاوہ اور کہاں جا سکتا تھا۔

جب گھر کی گلی سے اندر داخل ہوا تو دروازہ کھلا دیکھ کر حیران رہ گیا' اس گھر میں کس کو مصیبت آئی تھی' کیا لے گیا ہوگا وہ اس گھر سے۔ پتہ نہیں کون تھا۔ سلطان اندر داخل ہوگیا' بڑے کمرے سے کچھ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ لیکن گھر کی حالت' فرش دھلا ہوا تھا۔ سامنے لگا ہوا بیسن چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

صابن رکھے ہوئے تھے' تولیہ صاف شفاف پڑا ہوا تھا۔ یہ اس کے گھر کی شکل تو نہیں تھی' وہ اس کمرے کی جانب بڑھ گیا جس سے آوازیں بھر رہی تھیں۔ اور کمرے کا ماحول اس کا منظر بھی بدلا ہوا تھا' تھوڑے فاصلے پر سیما نظر آرہی تھی۔ چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا' بال بکھرے ہوئے' لباس بے ترتیب۔ اسے دیکھ کر ایک دم سہم گئی اور خوف سے بولی۔

"ہائے اللہ' کیا باہر کا دروازہ بند نہیں تھا۔؟" سلطان خاموشی سے اسے دیکھتا

رہا' ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں غصے کی لہرا ابھری' یہ کام تو زیبی کا تھا' جب زیبی اس گھر میں رہتی تھی تو یہ گھر اسی طرح رہتا تھا' سیما کون ہوتی ہے۔ لیکن اچانک ہی اسے سیما کا پسینے سے تر چہرہ۔ بکھرے بال اور تھکا ہوا وجود بہت ہی پیارا لگا۔ اس نے آہستہ کہا۔

"کیوں کرتی ہو تم یہ سب میرے لئے کیوں کرتی ہو۔؟" سیما نے گردن جھکالی تھی۔

زندگی کے شب و روز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ نایاب بہت افسردہ رہتی تھی۔ نوری اگر ساتھ نہ ہوتی تو اس گھر میں زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا' نوری سے دل کی بھڑاس نکال لیتی تھی۔ اس وقت بھی دونوں اس خوبصورت عمارت کے لان پر ٹہل رہی تھیں۔ نوری احتراماً" نایاب سے دو قدم پیچھے چلتی تھی۔ سردار تیمور کے گھر ایسا نہیں ہوتا تھا' یہاں نادر شاہ نے نوری کو ہدایت کی تھی کہ اپنی اوقات پہچانے اور مالکوں کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش نہ کرے' لیکن جب نادر شاہ موجود نہ ہوتا تو نایاب نوری کو سمجھا دیتی۔

"بات اصل میں یہ نہیں ہے نوری کہ میں نادر شاہ کو بات کی نیچے ڈالنا چاہتی ہوں' حقیقت تو یہ ہے کہ میرا دل اس سے نہیں ملتا' اس کی شکل و صورت جیسی بھی ہے' اگر اس کی سیرت اچھی ہوتی تو یقین کر نوری میں اسے خوش رکھتی۔ تو اس کی بات کی فکر نہ کیا کر' بس جس طرح وہ میرے سامنے ہوتا ہے تو میں اپنے آپ سے جھوٹ بولتی ہوں' اسی طرح تو اس وقت میرا ساتھ دے دیا کر۔"

"میں جانتی ہوں۔ لیکن پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہوتی نایاب بی بی۔ مجھے عادت

ڈالنی چاہیے۔"

اور اس وقت اسی عادت کے تحت نوری نایاب سے دو قدم پیچھے چل ر تھی۔ نایاب جھک جھک کر زمین پر گرے ہوئے سوکھے پھولوں کو اٹھا اٹھا کر دیک تھی اور آگے بڑھ جاتی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے اپنے ہاتھوں میں سنبھا ہوئے بہت سے پھول نوری کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لے نوری' یہ پھول کسی ایسی جگہ رکھ دے جہاں یہ کسی کے پیروں کے نہ آئیں۔" نوری نے پھول اس کے ہاتھ سے لے لئے اور مدھم لہجے میں بولی۔

"لیکن۔ نایاب بی بی ایسے تو بہت سے پھول باغ میں بکھرے پڑے ہیں۔"

"ہاں' سارے پھولوں کی ایک ہی کہانی ہوتی ہے' بالکل ایک ہی کہانی۔ کبھی ڈال پر ہنستے ہوں گے۔ جھومتے ہوں گے۔ اپنے جیسے دوسرے پھولوں کے ساتھ ا پھر زہر بھری ہوائیں انہیں توڑ کر زمین پر بکھیر دیتی ہوں گی۔ دیکھ جب ڈال بچھڑنے والے ٹوٹ کر زمین پر بکھرتے ہیں تو کیسے ہو جاتے ہیں' ہاں........ سچ کہ ہیں آپ۔" اسی وقت قریب کے درخت پر ایک کوا آکر بیٹھ گیا اور بولنے لگا تو نور نے کہا۔

"کوئی آنے والا ہے چھوٹی سرکار۔" دیکھو کوا بول رہا ہے۔ نایاب نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"ہمارا کون ہے جو یہاں آئے گا' بابا جان بھی نہیں آتے' اور بھی کوئی نہیں آتا' کتنا دل چاہتا ہے کہ کوئی آئے۔"

"کیا آپ نے انہیں منع کر دیا ہے یا شاہ جی نے۔؟"

"نہیں' کیا منع کرتی میں انہیں' اچھا ہی ہے........ کوئی یہاں نہ آئے ماں باپ کے دل بہت نازک ہوتے ہیں' لیکن چٹانیں جب پگھلتی ہیں تو پانی نہیں بہتا' آگ

بہتی ہے اور اس آگ میں سب کچھ خاک ہو جاتا ہے' میں نہیں چاہتی کہ یہ آتش فشاں میرے گھر میں ابلے۔" نوری کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چھوٹے منہ سے بڑی بات نکالتے ہوئے ڈرتی ہوں چھوٹی سرکار۔ آپ نے مجھے ہمیشہ دوستوں اور محبت کرنے والوں کی طرح رکھا ہے۔ لیکن یہاں بڑے سردار نے دھوکہ کھایا ہے۔"

"ایک بات کہوں نوری' ماں باپ بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں بیٹیوں کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں' میں نے بابا جان کو راتوں کو دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔ کہ اللہ ان کے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرے لیکن بس اللہ کو یہی منظور تھا۔"

"میں تو کہتی ہوں چھوٹی سرکار کہ اللہ آپ کی گود ہی بھر دے' کچھ تو دل لگے گا آپ کا۔"

"دیکھ نوری میں نے تجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے ایسی بددعا نہ دے' میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں تجھ سے کہ سانپ ہی کافی ہے' ایک ہی سانپ کافی ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ سانپوں کا ڈیرہ بن جائے اور مجھے سانپ پالنے پڑیں۔" نوری دیر تک سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کا دل بہت بگڑا ہوا ہے چھوٹی سرکار' کیا ہوگا آپ کا' ہم تو نوکر ہیں جی' یہاں نہیں کہیں اور نوکری کر لیں گے لیکن لیکن۔"

"نہیں یہ خیال دل سے نکال دے نوری' چٹانوں کی بیٹی ہوں' چٹانوں میں پلی بڑھی ہوں۔ بس باپ کی عزت سنبھال رکھی ہے۔ دکھ کا خواب دیکھ رہی ہوں میں' میری لئے صرف ایک دعا کرنا نوری' آنکھ نہ کھل جائے کہیں میری۔ جاگ گئی تو طوفان آجائے گا۔ یہ پہاڑ دھواں دینے لگیں گے۔ اور سب کچھ خاکستر ہو جائے گا' چٹان زادی ہوں چٹانوں میں پلی ہوں' جتنا کمزور سمجھا ہے دنیا نے' اتنی کمزور نہیں

ہوں۔ سن رہی ہے نا تو۔"

نوری نے پہلی بار نایاب کا تپتا ہوا چہرہ دیکھا تھا اور اسے ماضی کی بہت یادیں آ گئی تھیں۔ نایاب بدر شاہ کی شاگرد تھی اور بدر شاہ کے بارے میں یہ کہا جا تھا کہ زندگی میں اس کا نشانہ کبھی خالی نہیں گیا ہے۔ بدر شاہ بے شک سردار تیمور ملازم تھا۔ لیکن سردار تیمور خود اس کے بارے میں کہتا تھا کہ بدر شاہ ایک پوری فو ہے۔ ایک ایک کو سنبھال سکتا ہے اور نایاب نے بدر شاہ کے ہاتھوں تربیت پا تھی۔ وہ بہترین گھوڑے سواری کر لیتی تھی۔ بہترین رائفل چلا لیتی تھی اور کئی با اس نے خطرناک قسم کے درندے بھی شکار کئے تھے۔ واقعی وہ اتنی کمزور تو نہیں ہے۔ اس کا کہنا درست ہی ہے۔ باپ کی عزت سنبھالے ہوئے بیٹھی ہے۔ اور کچھ نہیں ہے ورنہ نادر شاہ شاید ایک خطرناک عورت کی تاب نہ لا سکے' نجانے کتنی دیر تک نوری نایاب کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھتی رہی تھی اور سوچتی رہی تھی کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا' جو اس گھر میں طوفان اٹھے گا' یہ طوفان ان دیواروں کا مقدر ہے۔

حیدر زمان گھر کے معاملات گھر میں ہی رکھتا تھا اور باہر کے معاملات باہر' ویسے بھی باہر کی باتیں آ کر گھر میں کہنے کا مطلب یہ تھا کہ نزہت کو پریشانی ہو' خالص عورت تھی اور ہر طرح کے معاملات میں ملوث نہیں تھی۔ دو تین بار حیدر زمان کو سمجھا چکی تھی کہ اپنے کاموں سے کام رکھے۔ ان پہاڑیوں کی دشمنی مول لینے کی کوشش نہ کرے۔ خاص طور سے اس وقت جب حیدر زمان رات کو اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر گشت کرنے کے لئے نکلتا تھا تو نزہت پریشان ہو جاتی تھی۔ بہرحال حیدر زمان نے شاہ رخ کے بارے میں بھی نزہت کو نہیں بتایا تھا اپنے طور پر وہ کوشش کرتا تھا کہ نزہت ذہنی طور پر بالکل مطمئن رہے اور اسے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو آج بھی۔ وہ جنگل میں کچھ بیمار درختوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ چونک پڑا' اس نے دیکھا کہ نزہت اور شیری چلے آ رہے ہیں' ان کے پیچھے گل جمال ہے' لیکن بہرحال وہ نہیں چاہتا تھا کہ نزہت اس طرح جنگلوں میں نکل آئے۔ وہ کھانا لے کر آئی تھی۔ نزہت کو ذہنی طور پر مطمئن رکھنا بہرحال ضروری تھا' چنانچہ حیدر زمان نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور بولا۔

"کیا تم یقین کرو گی کہ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" نزہت نے شرارت بھری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور بولی۔

"خیر کہنے میں کیا ہرج ہے' لوگ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ خاصی پرانی بات ہے ہماری شناسائی ایک گھرانے سے تھی۔ ہفتوں کیا مہینوں وہ لوگ خبر نہیں لیتے تھے۔ اور جب ہم کبھی پہنچ جاتے تھے تو انہیں یاد بھی نہیں رہتا تھا کہ پچھلی بار وہ کیا کہہ چکے ہیں۔ ایک ہی کہانی سناتے تھے کہ بس کچھ لمحے جارہے تھے کہ ہم تمہارے پاس آنے والے تھے یا تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آج ہی تمہاری بات ہو رہی تھی وغیرہ۔"

"اس گھرانے اور مجھے ایک جیسا سمجھتی ہو۔؟"

"اچھا پھر بتایئے۔ کیسے یقین تھا آپ کو کہ میں اور شیری آرہے ہیں' ہم نے تو اچانک ہی پروگرام بنایا تھا۔"

"کمال کرتی ہو۔ دل کی سرگوشیاں کبھی نہیں سنی تم نے۔"

"اچھا جناب۔ اب یہ کہانی شروع ہوگئی۔؟"

"اسے کہانی سمجھتی ہو۔ دل کی آواز سناؤں تمہیں۔"

"نہیں نہیں بالکل نہیں۔" نزہت دو قدم پیچھے ہٹ کر بولی اور حیدر زمان ہنسنے لگا' پھر اس نے شیری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں شیری' کیا کہا تھا ہم نے آپ سے کل۔؟"

"آپ نے......... آپ نے کہا تھا ابو کہ ہمارے لئے بائیک لائیں گے۔"

"ہوں......... اور کیا کہا تھا۔"

"ہم نے آپ سے کہا تھا ابو کہ آپ ہمارے لئے جنگل کے درختوں میں جھولا ڈالیں۔"

"ہوں یہ بات ہے ذرا ادھر دیکھو۔" حیدر زمان نے کہا اور شیری اور نزہت کی نگاہیں ایک درخت کی جانب اٹھ گئیں۔

درخت میں پھولوں سے لدا ہوا ایک جھولا پڑا تھا۔ شیری نے یہ جھولا دیکھا تو ‌شی سے چیخ پڑی۔ اور جھولے کی طرف چھلانگ لگادی۔ نزہت مسکراتی نگاہوں ے شیری کو دیکھ رہی تھی' پھر اس نے حیدر زمان کو دیکھا۔

"جی......... اب فرمایئے کیا کہتے ہیں آپ۔؟"

"چلیئے مان لیتے ہیں۔" دونوں ہنسنے لگے' اس کے بعد نزہت نے کہا۔

"بھوک لگ رہی ہوگی کھانا کھالیں۔"

"واقعی نزہت' تم نے وہی دیہاتی فلموں والا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ لیکن یہ قت ہے کہ یہ ماحول لگتا دلکش ہے۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے کہ میں اس جنگل اس کے آس پاس کے علاقوں کو بالکل پاک صاف........."

ابھی حیدر زمان کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ ایک فائر سنائی دیا اور اس کے ھ ہی ایک بڑا پرندہ ان کے بالکل سامنے آگرا۔ پرندے کے چیتھڑے اڑ گئے ۔ حیدر زمان اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی تلوخش نظریں چاروں طرف دیکھ رہی ں پھر وہ بھاگ کر قریب کے ایک درخت پر چڑھنے لگا اور تھوڑا سا اوپر جاکر اس ے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اچانک اسے تھوڑے فاصلے پر ایک شخص بندوق ے ہوئے دوڑتا ہوا نظر آیا' وہ مقامی ہی آدمی تھا اور مخالف سمت دوڑ رہا تھا' حیدر ان نے چاروں طرف دیکھا اور اس کے بعد درخت سے نیچے چھلانگ لگادی۔ اس جیپ آفس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اگر اس تک جانے کی کوشش کرتا تو اس ران فائر کرنے والا روپوش ہو سکتا تھا' چنانچہ اس نے برق رفتاری سے اسی سمت ‌ لگادی۔ نزہت اس دوران سہمے ہوئے انداز میں شیری کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس نے شیری کو اتار کر اپنے آپ سے چمٹا لیا تھا۔ حیدر زمان ایک بہترین جسم حت کا مالک تھا۔ اور اس وقت اس پر ایک جنون سا سوار ہوگیا' چنانچہ اس کی

چیتے جیسی چھلانگیں دیکھنے کے قابل تھیں۔ دوڑنے والا شخص اب نگاہوں میں آگیا تھا اور شاید اسے بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ حیدر زمان اس سے قریب قریب تر ہوتا گیا تو اچانک ہی دوڑنے والا رک گیا۔ اور اس نے چیخ کر کہا۔

"ہمارا پیچھا مت کرو صاب' ابھی ہمارا ہاتھ میں بندوق ہے۔" یہ کہہ کر اس نے بندوق سیدھی کی تو حیدر زمان انتہائی چابکدستی سے ایک طرف ہوگیا۔ اس نے تڑپ کر ہولسٹر سے پستول نکالا اور پھر اس کے پستول سے ایک فائر ہوا' اور بندوق اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر دو جاگری۔ اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی تو حیدر زمان نے اس پر دوسرا فائر کیا' گولی تو اس شخص کو نہیں لگی تھی' لیکن وہ گر پڑا دوسرے لمحے حیدر زمان اس کے سر پر پہنچ گیا' اس نے اس شخص کے سر کا نشانہ لیا تو وہ دہشت بھرے انداز میں چیخ اٹھا۔

"نہیں صاب' گولی نہیں مارو ہمیں' ہمیں گولی نہیں مارو۔"

"اور کون کون ہے تمہارے ساتھ۔" حیدر زمان نے پستول کا رخ اس کی جانب کئے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ خطرہ تھا اسے کہ اس کے اور ساتھی بھی موجود نہ ہوں۔ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی نہیں صاب' کوئی نہیں۔"

"جلدی بتاؤ ورنہ۔" حیدر زمان نے ٹرائیگر پر انگلی رکھی تو وہ چیخ پڑا۔

"خدا کا قسم کوئی نہیں ہے۔ صاب کوئی نہیں ہے۔"

"پرندے پر گولی تم نے چلائی تھی۔"

"جی صاحب۔"

"کیوں۔؟"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا صاب' مجھے چھوڑ دو۔ ابھی خیر مناؤ کہ یہ گولی ہم نے

تم پر نہیں چلائی' تمہارا بیوی اور بیٹی پر نہیں چلائی۔"

"ہوں.......... ٹھیک.......... واقعی تم بہت اچھے آدمی ہو۔" وہ ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے پیچھے ہٹا اور اس کے بعد موبائل پر اپنے آدمیوں سے بات کرنے لگا۔ اس نے انہیں ہدایات دیں کہ فوراً اس کے پاس پہنچ جائیں۔ ادھر گل جمال نے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اور شیری اور نزہت کے پاس آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ حیدر زمان اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک کہ اس کے آدمی وہاں نہ پہنچ گئے۔ پھر اس نے اس شخص کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"اسے رسیوں سے کس لو اور فی الحال آفس میں لے جاؤ' بعد میں اسے گھر لے جانا ہے کیونکہ یہ مجھے بہت سی سچی کہانیاں سنائے گا۔"

"دیکھو صاب' اچھا نہیں ہوگا چھوڑ دو مجھے۔" جواب میں حیدر زمان نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا اور اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا تھا۔

"ٹھیک ہے صاب یہ تو آپ کو ایک وارننگ تھا۔ ابھی اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔"

"لے جاؤ اسے۔" حیدر زمان غرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر تیزی سے پلٹ کر نزہت کی طرف چل پڑا۔ نزہت بدستور سہمی ہوئی تھی' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا حیدر۔؟"

"کچھ نہیں نزہت' جنگل کی زندگی میں اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو یہ زندگی بے کیف ہی ہوجائے۔ چلو آؤ کھانا کھاتے ہیں۔"

"اب نہیں پلیز مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے گل جمال کے ساتھ گھر بھجوادو۔"

حیدر زمان نے کچھ سوچا اور پھر گل جمال کو ہدایات دینے لگا۔

نادر شاہ اس وقت اپنے ڈیرے پر بیٹھا ہوا تھا' شرجیل اس کے قریب سے ایک لکڑی کی نوک چھیل رہا تھا' نادر شاہ نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کوئی ایسا عمل ہونا چاہیے کہ بگ باس کی مشکل دور ہو جائے۔ میرا
میں خود نرمی برت رہا ہوں' زیادہ نرمی نقصان دہ ہی ہوتی ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں شاہ جی۔ قصور بگ باس کا بھی نہیں۔
دیکھئے ساری سپلائی رک گئی ہے۔ سردار صاحب کو اتنا سخت نہیں ہونا چاہیے
ترکیب میرے ذہن میں آتی ہے شاہ جی اگر آپ مناسب سمجھو تو۔"

"ہاں ہاں بولو میں خود الجھا ہوا ہوں۔ بگ باس کا پریشان ہونا بھی فطری

"شاہ جی آپ سردار تیمور سے بات کرو اور انہیں اپنے کام میں شریک
سیدھی سیدھی بات کرو ان سے کہ درے کا راستہ حفاظت سے کھلوا دیں
کے آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں' بلکہ مال کے آنے جانے میں
کریں۔ اگر سردار تیمور مدد کریں تو ہم کچھ اور نئے راستے بھی کھول سکتے
بات میں آپ سے کہہ رہا ہوں میں آپ کو نقشے بنا کر دوں گا اور آپ دیکھ

ہمیں کتنے اچھے راستے مل جاتے ہیں۔"

"شرجیل' بیوقوفی کی بات کر رہے ہو۔ ان باتوں کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جانتے ہو سردار تیموُر ایک فوجی ہے۔ اور فوجی بکتے نہیں ہیں' حالانکہ اس کے سامنے ایک بیٹے اور بیٹی کا مستقبل ہے' لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر ایسی کوئی بات اس سے کہی گئی تو ہمارا سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ وہ وطن کے لئے شاید اپنی بیٹی کی قربانی بھی دے دے' اگر ایسا ہوتا تو میں ضرور یہ کر ڈالتا۔"

"تب تو شاہ جی مشکل ہی مشکل ہے۔"

"ادھر یہ فاریسٹ آفیسر' یہ اپنا رنگ الگ دکھا رہا ہے' ذرا معلوم کرو' گلاب خان کا کیا ہوا۔ یہ آخری وارننگ دی ہے میں نے فاریسٹ آفیسر کو۔ میں نہیں چاہتا کہ ان علاقوں میں کوئی گڑبڑ کروں اور انتظامیہ کو ادھر متوجہ کروں۔ لیکن اگر ....

" اسی وقت کچھ لوگ ادھر آتے ہوئے نظر آئے اور شرجیل اور نادر شاہ انہیں دیکھنے لگے' آنے والے نادر شاہ کے پاس پہنچ گئے تھے' انہوں نے کہا۔

"شاہ جی۔ ایک بری خبر ہے۔"

"لعنت ہو تم سب لوگوں پر' ان دنوں ہر طرف سے بری خبریں ہی آ رہی ہیں اور یہ خبریں لانے والے تم ہو۔ کیا ہوا کتو' بھونکو تو سہی۔"

"شاہ جی! گلاب خان نے ایک پرندے پر گولی چلائی اور وارننگ دی' لیکن فاریسٹ آفیسر نے چیتے کی طرح چلانگیں لگا کر گلاب خان کا پیچھا کیا اور اسے پکڑ لیا۔ شاید اس نے گلاب خان کو زخمی بھی کر دیا ہے اور اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"کیا۔؟" نادر شاہ بری طرح اچھل پڑا' اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا پھر اس نے کہا۔

"اگر وہ گلاب خان کو ساتھ لے گیا ہے تو اس سے معلومات بھی حاصل کرے

گا‘ تم لوگ کہاں تھے اس وقت۔“

”شاہ جی‘ آپ کی طرف سے چونکہ اس پر گولیاں چلانے کا حکم نہیں تھا

”حکم کے بچو! گلاب خان کو اس کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہیے تھا او شرجیل......... اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ فاریسٹ آفیسر کی کہانی ختم کر دو

”مار دیں اسے شاہ جی۔“ شرجیل نے پوچھا۔ اور نادر شاہ کسی سوچ میں گیا‘ پھر رفتہ رفتہ اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی‘ اس ۔ خیال کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ موت اگر کسی کو دی جائے تو ایسی موت دی جائے کہ مارنے بھی آئے‘ ایسے نہیں مارنا اسے‘ ایسے بالکل نہیں مارنا۔ تم ایسا کرو شرجیل کہ مگر رکو......... جاگیر اور ریاض اس کے ہاں کام کر رہے ہیں نا۔“

”جی شاہ جی۔“

”ان دونوں کو رات کو بلالو۔ میں رات کو نمبر تین ڈیرے پر ان لوگوں بارے میں پلان دوں گا‘ انہیں بلالو۔“

”جی شاہ جی۔“ شرجیل نے گردن خم کر کے کہا۔ نادر شاہ کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ کوئی بہت ہی سنگین منصوبہ اس کے ذہن میں آرہا تھا۔

پھر اسی رات نادر شاہ نے ان دونوں سے ملاقات کی تھی۔ جنہیں اس نے شرجیل کے ذریعے ہی حیدر زمان کے ہاں ملازم کرایا تھا۔ دونوں غدار نادر شاہ کے سامنے پہنچ کر سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

”کہو۔ تمہیں جو کام دیا گیا ہے‘ اس کے لئے تم کیا کر رہے ہو۔؟“ نادر شاہ نے بھاری آواز میں پوچھا۔

”شاہ جی! جو بھی نئی بات ہوتی ہے‘ ہم فوراً اس کی خبر دیتے ہیں‘ یہی ہماری ڈیوٹی لگائی گئی ہے جی۔“ جاگیر نے ادب سے کہا۔

”ہوں تمہاری ڈیوٹی یہی نہیں تھی۔ بلکہ اصل ڈیوٹی تو اب شروع ہو رہی ہے تمہاری‘ تھوڑی سی پریشانی تو ضرور ہو گئی تمہیں‘ مگر یہ پریشانی اٹھانی ہے‘ اور اس کے بدلے میں تمہیں جو انعام ملے گا‘ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”تابعدار ہیں جی شاہ جی کے‘ انعام تو ملتا رہتا ہے‘ شاہ جی کا بول بالا چاہتے ہیں۔“ جاگیر نے جواب دیا۔

”تو پھر سنو‘ ایک کام کیا جارہا ہے وہاں‘ اور تمہیں اس سلسلے میں ہمارے

آدمیوں کی پوری پوری مدد کرنی ہوگی۔"

"شاہ جی فکر ہی نہ کریں حکم کریں جی۔" دونوں بولے اور نادر ش اپنے منصوبے کی تفصیلات سمجھانے لگا۔ شروع میں تو دونوں کے چہرے پ سے خوف کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن نادر شاہ کے ہاتھوں میں نوٹوں ک دیکھ کر ان کے چہروں کا خوف مٹ گیا۔ جاگیر نے کہا۔

"شاہ جی ہم سمجھتے ہیں' آپ بالکل فکر مت کرو جی' زبان تو زبان ہ آپ سے زبان کی ہے شاہ جی' بھلا اس کا کیا سوال ہے کہ زبان سے پ جائیں۔"

"بس تمہیں یہ اہم کام کرنا ہے۔ جاؤ' میں نہیں چاہتا کہ تمہاری غیر سے وہ چالاک فاریسٹ آفیسر کسی شبہہ کا شکار ہو جائے۔"

"سلام شاہ جی۔" دونوں واپس پلٹ گئے' نادر شاہ کے چہرے پر ای مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے شرجیل سے اس۔

"بات وہی ہو جاتی ہے' کسی کی نرم مزاجی سے غلط نتیجہ اخذ کرلیا جاتا۔ نے اسے محبت کے پھول پیش کئے' امن کے پھول پیش کئے' لیکن ایک بات سے شرجیل' کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ تقدیر ان کا ساتھ دینا چاہتی ہے' ہمیشہ تقدیر پر گھونسہ تانے کھڑے رہتے ہیں' بہرحال کیا کریں' مجبوری تو مجبور ہے' جو ہم نہیں چاہتے تھے وہ کرنا پڑ رہا ہے' چلو واپس چلتے ہیں۔ کام ہوگیا۔ تمہیں پوری محنت اور ذمے داری کے ساتھ یہ کام کرنا ہے شرجیل۔"

"شاہ جی آپ فکر ہی نہ کریں' آپ نے شرجیل کو جو ذمے داری س شرجیل اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹا۔" نادر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ اپ میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔ راستے میں اس نے کہا۔

"شرجیل! وہ ہمارے سرخ نگینے کا کیا حال ہے' اس کی خبر بھی لیتے رہتے ہو کیا تم۔؟"

"یاقوت کی بات کر رہے ہیں شاہ جی۔؟"

"ہاں۔"

"شاہ جی' بالکل ٹھیک ہے' ابھی پرسوں پیسے پہنچا کر آیا ہوں' دونوں ماں بیٹیاں ایک ہی جگہ رہ رہی ہیں۔"

"کونسی جگہ۔؟" اچانک ہی نادر شاہ کا لہجہ بدل گیا اور اس نے گھور کر شرجیل کو دیکھا۔ تو شرجیل جلدی سے بولا۔

"شاہ جی جی حویلی میں' مکمل طور سے شاہ جی کی حویلی میں۔" نادر شاہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

عشرت بے سکون ہوگئی تھی' راتوں کی نیندیں کس طرح حرام ہو جاتی
اس کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ وا
عشق و محبت کے قصے کہانیاں صرف مذاق نہیں ہوتے' کوئی بھی اپنے آپ پر
داستانوں کا تجربہ کر سکتا ہے' دل کسی کی جانب راغب ہو جائے تو پھر اس کی قر
اس کا پیار بھی بنیاد بن جاتا ہے اور اس بنیاد سے دور ہٹنا مشکل ہو جاتا ہے' عشر
نے فیروز پر زبردستی کی ذمے داری عائد کر دی تھی' حالانکہ بہت سے شکوک
شبہات دل میں ابھرتے تھے۔ اپنے تمام تر تجربوں کو نگاہوں میں لاکر وہ فیروز کا تج
کرتی تھی' لیکن یہ تجربے ہی تو اسے پریشان کر رہے تھے۔ ایک صحافی کی حیثیت
دنیا کے بارے میں اتنی معلومات ہوگئی تھی کہ پریشانی اٹھانی پڑتی تھی اور دنیا ب
قریب محسوس ہوتی تھی' لیکن کبھی کبھی یہ تجربہ اس طرح شکست کھاتا تھا ک
اپنے آپ پر ہنسی آنے لگے۔ کیا کروں میں فیروز کا۔ کیا کروں' کیسے پتہ چلے کہ
اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوں' جتنا اس پر غور کرتی ہوں یہ احساس ہوتا
جاتا ہے کہ وہ دوہری شخصیت کا حامل ہے۔ لیکن وہ جو واقعی اسے چاہتا ہے اور ج

پر شبہہ نہیں کیا جا سکتا اس طرح اپنے آپ کو اس سے کیوں چھپائے ہوئے ہے وہ تو خوشیوں کے سمندر میں ڈوب جائے اگر اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ فیروز درحقیقت وہی ہے جو اس نے سمجھا ہے۔ اور اب فیروز سے ملاقات ہوئے کئی دن ہوگئے تھے اور وہ شدید پریشانی کا شکار تھی کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ جو ذمے داری اس نے فیروز پر لگا دی تھی اس کا پورا ہونا بھی تو آسان نہیں تھا۔ بہرحال اس وقت وہ دفتر پہنچی تھی تو ایڈیٹر صاحب نے اسے اپنے کمرے میں بلالیا تھا۔ اخبار کا یہ دفتر بھی اپنی مثال آپ تھا۔ چھوٹا سا عملہ آزادی سے اپنی ملازمت کرتا تھا۔ اور اخبار سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے اپنا اپنا حصہ وصول کرلیا جاتا تھا۔ ایڈیٹر صاحب خود ہی اخبار کے مالک بھی تھے' پرانے صحافی بہت سے اخباروں میں کام کر چکے تھے۔ لیکن چونکہ سچ بولنے والوں میں سے تھے۔ درد مند دل رکھتے تھے اس لئے ترقی نہیں کرپائے تھے۔ اور جب دوسروں کا بوجھ برداشت نہ کرسکے تو اپنا بوجھ اپنے ہی شانوں پر اٹھالیا' کچھ سرپھروں کو جمع کرکے یہ اخبار نکالا تھا جو بہرحال ان سارے سرپھروں کی کفالت کر رہا تھا۔ اور انہی میں عشرت بھی شامل تھی۔ مزے کے آدمی تھے' کنجوس نہیں تھے لیکن کنجوس بننے کی کوشش میں انتہا کر دیا کرتے تھے' اس وقت بھی جب عشرت نے دروازہ بجایا تو ایڈیٹر صاحب کی آواز سنائی دی۔

"آجاؤ' آجاؤ بھئی' دروازہ بجا کر خرچ مت کرو۔" عشرت ان الفاظ پر مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ تو ایڈیٹر صاحب نے کہا۔

"بیٹھو۔" عشرت نے بیٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر دروازہ بجانے سے خرچ ہوتا ہے۔" ایڈیٹر صاحب نے اسے سر اٹھا کر دیکھا' پھر بولے۔

"بالکل خرچ ہوتا ہے' جس جگہ سے تم اسے بجاتے ہو وہاں سے رنگ اکھڑتا

ہے، لکڑی دبتی ہے۔ اور آخر کار وہاں گڑھا پڑ جاتا ہے، میں نے دفتر میں اسی لئے بیل نہیں لگائی کہ بجلی خرچ ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ دروازہ بھی خرچ نہ ہو۔"

عشرت ہنس پڑی پھر بولی۔

"سر یہ تو بہت کنجوسی ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں، مانتا ہوں لیکن کوئی تو کنجوسی کرے، سب خرچ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جسے دیکھو سب خرچ کر رہے ہیں، آپ یہ کب تک خرچ کریں گے، کچھ کنجوسی بھی تو کریں۔ تھوڑی سی کنجوسی ملک و ملت کی تعمیر کے لئے بڑی ضروری ہے، چھوڑو تم مجھے مبلغ نہ بناؤ، سناؤ کوئی نئی خبر سناؤ۔ دنیا اس وقت کیسی جا رہی ہے۔؟"

"سر بہت بری، ہم ابھی تک اکیسویں صدی کو کوئی اچھی خبر نہیں سنا سکے، بالکل نہیں سنا سکے، ہمارے پاس اکیسویں صدی کے لئے کوئی خبر نہیں ہے، اور یہ صدی اپنا آغاز کرنے کے بعد ہمیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔"

"چھوڑو چھوڑو، یہ تو صرف بدلنے والا ایک سال ہے، تبدیل ہونے والے کیلنڈر کا ایک ورق ہے، ہندسے سنتے نہیں ہیں، سناتے ہیں ہماری کہانی ہم سب کی کہانی، کیا سمجھیں، دیکھو ذرا اس بچی کو دیکھو اس کی کہانی۔" ایڈیٹر نے ایک تصویر اٹھا کر عشرت کے سامنے کی تو عشرت چونک پڑی۔ یہ لفٹ میں قتل ہو جانے والی لڑکی کی تصویر تھی۔ حالانکہ ان کے اپنے اخبار میں بھی اس کے بارے میں تفصیل آچکی تھی، لیکن ایڈیٹر صاحب اس وقت نجانے کونسی تفصیل سنانے جا رہے تھے۔ عشرت نے تصویر دیکھی پھر بولی۔

"سر یہ تو چھپ چکی ہے۔"

"نہیں یہ چھپتی رہے گی، اس وقت تک چھپتی رہے گی جب تک اس کی حقیقت سامنے نہ آجائے، ارے واہ کوئی بات ہوئی، انسانی زندگیاں اتنی آسانی سے

جائیں اور یہ تک پتہ نہ چل سکے کہ ہوا کیا تھا اس کا قصور کیا تھا۔ کیا کر سکتی زیادہ سے زیادہ، کتنا نقصان کر سکتی ہے اس دنیا کا، مار دیا کمبختوں نے اسے مار ن کل، کل میں اس کے بارے میں ایک تفصیل چھپوا رہا ہوں۔"

"جی۔" عشرت اچھل پڑی۔

"ہاں، ایک سنسنی خیز سرخی کے ساتھ، اور اخبار کی اشاعت بھی کل کچھ بڑھی گی۔"

"تو سر کیا آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔؟"

"ہاں۔" اچانک ہی ایڈیٹر صاحب کا چہرہ بجھ گیا۔

"سر کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں۔؟"

"بس ماں باپ کی تقدیر بدلنے گھر سے نکلی تھی، گھر کا فرنیچر بدل گیا، مالک مکان رکا ہوا کرایہ ادا ہو گیا اور یہ مر گئی۔ بس اتنا ہی فرض تھا اس کا اس دنیا میں۔"

"مم...... مگر سر کیسے۔؟"

"کچھ نہیں، کسی ریکٹ کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا اسے، ایک پولیس آفیسر بارے میں اطلاع دینا چاہتی تھی، پولیس آفیسر سے اس نے ملاقات کے لیے منتخب کی تھی، لیکن اس تک نہیں پہنچ سکی۔" عشرت عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی رہی، اس کے ذہن میں ایک بار پھر سناٹا ابھر آیا تھا۔ ایڈیٹر کے الفاظ کانوں میں گردش کر رہے تھے۔ ایک پولیس آفیسر سے ملنے کے لئے کہیں گئی ل اس تک نہ پہنچ سکی، پولیس آفیسر، پولیس آفیسر کیا فیروز۔ کچھ لمحے خاموش کے بعد اس نے کہا۔

"سر یہ انکشاف......"

"نہیں بھئی، اصول اصول ہوتا ہے، تم اس بارے میں مت پوچھو۔"

"اتنا تو معلوم کر سکتی ہوں سر کہ کیا آپ کو اس لڑکی کے بارے میں مزید تفصیلات معلوم ہو گئی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں، بالکل معلوم ہو گئی ہیں، لیکن یہ اور کچھ تھوڑی سی تفصیل تمہیں صرف اخبار سے معلوم ہو گی، اور اس میں بھی یہ پتہ نہیں چلے گا تمہیں کہ لڑکی کا قیام کہاں تھا، کہاں رہتی تھی وہ۔ کیا سمجھیں۔" عشرت نے ایک ٹھنڈی سانس لی، وہ جانتی تھی کہ ہر شخص کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں اور کچھ ذمے داریاں بھی ہیں، لیکن بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ عشرت کے دل میں ایک عجیب سی خلش بیدار ہو گئی تھی۔ پہلے ہی فیروز سے نہ ملنے کی وجہ سے طبیعت پر اداسی تھی۔ لیکن ایڈیٹر صاحب نے لڑکی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، اس نے اسے اور زیادہ اداس کر دیا تھا۔

نایاب نے ایک نظر نادر شاہ پر ڈالی اور پھر کھلی کھڑکی کے باہر چاند کو جھانکنے لگی، نادر شاہ بہت دیر سے ایک آرام چیئر پر آنکھیں بند کئے بیٹھا جھول رہا تھا، کرسی کی ہلکی ہلکی آواز کمرے کی خاموش فضا میں ابھر رہی تھی۔ دونوں بہت دیر سے ایک دوسرے کے سامنے تھے، نادر شاہ کی آنکھوں میں گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ جو ہدایات اس نے اپنے آدمیوں کو اور شرجیل کو دی تھیں وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا بہت سے خیالات ذہن میں الجھے ہوئے تھے، آنے والے وقت میں اس کے ذہن میں بہت سے تصورات تھے۔ دفعتہ" اس کی نگاہ کھڑکی کے پاس کھڑی نایاب پر پڑی اور وہ ایک دم رک گیا، خاموشی سے نایاب کو دیکھتا رہا سوچتا رہا، پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا دیکھ رہی ہو نایاب۔؟" نایاب نے چاند کی طرف سے رخ بدلے بغیر کہا۔

"چاند کو دیکھ رہی ہوں شاہ جی۔ اس کائنات میں لاکھوں چیزیں کتنی آزاد ہیں، اب چاند ہی کو دیکھ لو، جسے چاہے اپنی جگہ رکے رکے دیکھ سکتا ہے۔ نہ سفر کی ضرورت۔ نہ کسی سے اجازت کی۔ نادر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"گھر یاد آ رہا ہے۔؟"

"بہت کچھ یاد آرہا ہے لیکن زندگی کی سب سے بڑی فتح خواہشوں پر قابو پانا ہے' اگر خواہشوں نے دل پر فتح پالی تو دل مرجاتا ہے۔"

"مگر میں تمہاری زندگی چاہتا ہوں نایاب' اور تمہارے دل کی زندگی بھی' تمہارے چہرے پر بہت سے پھول کھلا دینا چاہتا ہوں' مگر کیا کروں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ شاہ جی' آپ واقعی میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"نہیں' یہ الفاظ مت کہو' میں تو بہت کچھ چاہتا ہوں تمہارے لئے' لیکن تم نے مجھ سے جو دوریاں اختیار کرلی ہیں وہ میرے لئے ناقابل فہم ہیں' میں تم سے بہت زیادہ قربت چاہتا ہوں نایاب۔"

"میں تو آپ کے قدموں کی خاک ہوں شاہ جی۔"

"یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے' میں نے تمہیں ہمیشہ اپنے دل کی روشنی سمجھا ہے' بات صرف ایک چھوٹی سی سمجھ یانا سمجھی کی ہے' پچھلے کچھ دنوں سے ہماری درمیان ایک عجیب سی رکاوٹ آگئی ہے اور میں کبھی کبھی بہت کمزور ہو جاتا ہوں نایاب۔ اس وقت میں بڑی اداسی کا شکار ہو جاتا ہوں' میرے ہاتھ سہارے تلاش کرتے ہیں' اور میری زندگی میں سب سے ٹھوس' سب سے قابل اعتماد ساتھی تم ہی ہو۔ جس کے سہارے کو میں مضبوطی سے پکڑ سکتا ہوں۔ نایاب میں نے اپنی زندگی میں بہت سے خواب بنے ہیں۔ بہت سے خواب دیکھے ہیں' میں ان خوابوں کی طرف قدم بڑھا رہا ہوں' میں ایک ایک سیڑھی طے کرکے چاند تک پہنچ جانا چاہتا ہوں' میں محسوس کرتا ہوں کہ چاند میری گرفت سے زیادہ دور نہیں ہے' لیکن ان سیڑھیوں پر مجھے تمہارا ہی سہارا درکار ہوتا ہے۔"

"جس بیماری کی وجہ معلوم ہو جائے شاہ جی' اس کی شفاء بھی ہوتی ہے نا۔"

"کیوں مجھ سے بار بار کہلواتی ہو' کیوں پوچھتی ہو بار بار مجھ سے' بہت چھوٹی

سی بات ہے جس کے لئے میرا سینہ دکھا دیا گیا ہے' بابا جان میرے باپ کی جگہ ہیں' بچہ ہوں میں ان کا' ضد کر سکتا ہوں میں ان سے' لیکن انہوں نے کبھی مجھے اپنی آنکھوں میں جگہ نہیں دی' میں نے ان کے چہرے پر کبھی اپنے لئے پیار نہیں پایا۔"

"زمینیں بابا جان کی مجبوری ہوں گی' ورنہ آپ انہیں تھوڑا بہت سمجھ سکے ہیں' وہ انکار نہیں کرتے۔"

"میں جانتا ہوں ان کی مجبوری' ان کی مجبوری صرف ان کی انا ہے' کسی چیز کے لئے انہوں نے ایک بار منع کر دیا' بس اس پر اڑے ہوئے ہیں وہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"نہیں شاہ جی۔ کوئی ایسی بات ضرور ہوگی جسے ہم نہیں سمجھ پا رہے۔ کوئلہ اگر جلتا ہے تو چھونے سے ہاتھ جلا دیتا ہے۔ ٹھنڈا ہوتا ہے تو ہاتھ کالا کر دیتا ہے' اس زمین کا چکر بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"دیکھو۔ تم میری ہر مشکل کا حل ہو نایاب' میری اس مشکل میں میری مدد کرو' ساری زندگی تمہارا احسان مانوں گا۔ سب کچھ دیا ہے میں نے تمہیں بابا جان سے کہو کہ وہ زمین مجھے نہیں تمہیں چاہیے' دیکھو نہ یہ میرا لالچ ہے نہ ہوس' اس زمین کا حصول میری مجبوری ہے تم میری مدد کرو' نایاب ایک بار پھر بابا جان سے بات کرو۔"

"میں جانتی ہوں.......... نایاب نے کہنا چاہا لیکن نادر شاہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔"

"نہیں۔ براہ کرم انکار نہ کرو' مان لو میری بات۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی آپ میری روانگی کا انتظام کر دیں۔"

"یہ ہوئی نا بیویوں والی بات۔" نادر شاہ نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیئے اور نایاب بے بسی سے باہر ہنستے ہوئے چاند کو دیکھنے لگی۔

بیٹی کے دل پر بوجھ ہو اور ماں باپ کو اس کا احساس نہ ہو' کہنے کو تو یہ ایک جذباتی بات لگتی ہے۔ لیکن ایسا ہی ہوتا ہے بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ سردار تیمور کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس تھا' پہلے وہ کھل کر ہنستا تھا کھل کر مسکراتا تھا ہرچند کہ اس کی طبیعت میں سنجیدگی تھی' لیکن جب وہ اپنے بچوں کے ساتھ مل کر بیٹھ جاتا تھا تو فضاؤں میں قہقہے ہی قہقہے گونجتے رہتے تھے' اور خورشید مسکراتی نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھتی رہتی تھی' اس وقت بھی خورشید سردار تیمور کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی' پھر اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"آپ نے تو اپنے دل کو روگ ہی لگالیا ہے سردار صاحب" سردار نے کوئی جواب نہیں دیا' کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد اس نے کہا۔

"ہو جاتا ہے' کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے' حالانکہ نایاب کو گئے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے ہیں' لیکن نجانے کیوں آج دل چاہ رہا ہے کہ وہ آجائے' بڑا دل چاہ رہا ہے اس کے لئے۔" اسی وقت بدر شاہ کی آواز سنائی دی۔

"صاحب نایاب بی بی کا گاڑی آتا ہے۔" خورشید تو دھک سے رہ گئی تھی' سردار تیمور کئی قدم آگے بڑھ گیا تھا۔

"کیا تم نے ٹھیک سے دیکھا ہے۔؟"

"وہ آرہی ہے صاحب' لیجئے اس کا گاڑی اندر داخل ہوگیا۔" نادر شاہ کی جیپ احاطے سے اندر داخل ہوئی تھی' ڈرائیور جیپ چلا رہا تھا۔ دونوں آگے بڑھ گئے' خورشید نے راستہ طے کرتے ہوئے کہا۔

"لیجئے کچھ اور بھی مانگتے آپ تو آپ کو مل جاتا' آگئی آپ کی لاڈلی۔" لیکن سردار تیمور کے چہرے پر خوشی کا تاثر نہیں ابھرا تھا' وہ فکر مندی سے نایاب کا چہرہ دیکھ رہا تھا' نایاب گاڑی سے اتری' اس دوران خورشید اس کے پاس پہنچ چکی تھی' بیٹی ماں کے گلے لگ گئی اور پھر نایاب نے باپ کا چہرہ دیکھا' سلام کیا' اور سردار تیمور نے اسے گلے سے لگالیا۔

"کیسی ہو بیٹی۔؟"

"ٹھیک ہوں بابا جان' ڈرائیور سے کہہ دوں کہ وہ واپس جائے تھوڑا سا رہوں گی آپ کے پاس۔"

"سر آنکھوں پر بیٹے' اس سے کہہ دو کہ ہم خود تمہیں واپس چھوڑ آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے بابا جان۔" نایاب نے سمجھا بجھا کر ڈرائیور کو واپس کر دیا اور ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ اندر آگئی۔ جو بے حد خوش نظر آرہے تھے۔ بس سردار تیمور کے چہرے پر فکر کے آثار تھے۔ نایاب بیٹھ گئی اور سردار تیمور اس سے اس کی خیریت معلوم کرنے لگا۔ وہ گہری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہا تھا اور نجانے کیوں اس کے دل میں ایک ہلکا سا احساس تھا کہ کوئی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے نایاب

اس کے پاس پہنچی ہے۔ بہرحال جب تک وہ بتائے گی نہیں کیسے معلوم ہوسکے گا۔ ادھرادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھرنایاب نے کہا۔

"کپڑے بدل لوں نا۔؟"

"ہاں۔ تمہارے کپڑے تمہاری الماریوں میں موجود ہیں کپڑے تبدیل کرلو۔" ماں نے جواب دیا اور نایاب اندر چلی گئی۔ جب وہ اندر چلی گئی تو خورشید نے اداس لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں یہ ساری رسمیں کیا ہیں۔ ماں باپ کا گھر بھی کیا چیز ہوتی ہے' کتنے اعتماد کے ساتھ وہ ہم سے جدا ہونے کے باوجود وہ اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کرنے گئی ہے' اس یقین کے ساتھ کہ اس گھر میں اس کی جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا۔" سردار تیمور کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا تھا' پھراس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ ضروری فون کرنے ہیں' تم اس سے بات کرو' ویسے ایک بات کہوں تم سے۔ اس کا آنا بے مقصد نہیں ہے اور اس کے چہرے کا کرب بتاتا ہے کہ وہ مشکل میں گرفتار ہوکر آئی ہے۔ خیر اللہ مالک ہے۔" سردار تیمور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نایاب کپڑے تبدیل کرکے اندر آگئی تھی۔ ماں کے سامنے بیٹھ گئی تو ماں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیسی ہو۔؟"

"ٹھیک ہوں ماں۔"

"نہیں ٹھیک نہیں ہو۔ ماں کی ایک نگاہ اولاد کا دکھ جان لیتی ہے نایاب۔" نایاب نے نگاہیں اٹھاکر ماں کو دیکھا جن میں زمانے بھر کا کرب سمٹا ہوا تھا پھروہ آہستہ سے بولی۔

"ماں باپ تو اولاد کے محافظ ہوتے ہیں نا ماں' آپ نے میری حفاظت کیوں

نہیں کی' آپ کی نگاہ نے اس وقت کیوں نہیں دیکھا کہ آپ مجھے ایک وحشی جانور کے حوالے کر رہی ہیں۔ بتایئے میں آپ سے سوال کر رہی ہوں' جواب دیجئے مجھے' بوجھ تھی نا میں آپ پر آپ اس بوجھ کو کسی گہری کھائی میں پھینک دیتیں ماما جان' زہر دے دیتیں مجھے' آپ نے تو مجھے ایک ایسے بھیڑیئے کے حوالے کر دیا جو' جو مجھے دن رات وحشیوں کی طرح بھنبھوڑتا رہتا ہے' آپ نے مجھے بھیڑ کی طرح ایک قصائی کے حوالے کر دیا ماما' ایک بار قتل کر دیتیں مجھے' ایسے مقتل میں کیوں بھیج دیا جہاں میری گردن پر لمحہ لمحہ چھری چلائی جاتی ہے۔" خورشید جس کی گردن خود بخود جھک گئی تھی۔ بے اختیار رو پڑی۔ اور پھراس نے روتے ہوئے کہا۔

"ہم نے ایسا نہیں سوچا تھا نایاب' ہمیں نہیں معلوم تھا' یقین کرو ہمیں نہیں معلوم تھا۔"

"میں نے تو ہمیشہ ایک پاکیزہ زندگی گزاری تھی ماما' میرے کردار پر تو کبھی کوئی نشان نہیں آیا تھا' کونسا بوجھ بنی ہوئی تھی میں آپ پر' مجھے آرام سے میرے گھر رہنے دیتیں۔ کیوں نکال دیا آپ نے مجھے میرے گھر سے' اور پھر نکالا بھی زمین پر نہیں' آپ نے مجھے گہرے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ ماما مجھے بچالو۔ میں جہنم میں جل رہی ہوں ماما۔" یہ کہہ کر نایاب بے اختیار رو پڑی' خورشید نے اسے سینے سے لگالیا تھا' دونوں ماں بیٹیاں دیر تک بلکتی رہیں۔ پھر باہر سے بچوں کی آوازیں سنائی دیں اور ساتھ ہی سردار تیمور کی بھی جو شاید اندر آرہا تھا تو دونوں سنبھل گئیں۔ خورشید نے نایاب کے آنسو پونچھے۔ نایاب نے ماں کو سنبھالا' چند ہی لمحوں کے بعد سردار تیمور بچوں کے ساتھ اندر آگیا۔ پتہ نہیں اسے صورت حال کا اندازہ ہوا تھا یا نہیں' بہرحال وہ آکر بیٹھ گیا' دونوں بچے نایاب سے باتیں کرنے لگے' سردار تیمور نے دونوں ماں بیٹیوں کا چہرہ دیکھا' پھر آہستہ سے بولا۔

"رو رہے تھے تم لوگ۔" نایاب نے فوراً ہی خود کو سنبھالا اور بولی۔

"اتنے دن کے بعد ماں سے ملی تھی بابا جان' آنسو نکل آئے۔" سردار تیمور نے پر خیال انداز میں گردن جھکالی پھر آہستہ سے بولا۔

"ماں باپ اپنے بچوں کی مسکراہٹوں کے لئے جیتے ہیں' لیکن کچھ بدنصیب مجھ جیسے بھی ہوتے ہیں' بس ایک بار دل میں غرور آگیا تھا کسی سے کہا تھا میں نے کہ اپنی بیٹی کے نام پر کسی فقیر کو بادشاہ بنا سکتا ہوں' اتنا دوں گا میں اسے کہ فقیر بھی شاہ بن جائے' بہت بڑے غرور کی بات کی تھی میں نے' کیا میں نے بے شک وہی' کیا تھا وہ' میں نے اسے اتنا دیا' لیکن لیکن........." سردار تیمور کے حلق سے سسکی نکل گئی تو نایاب باپ سے لپٹ گئی۔ ایک بار پھر اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ اور وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔

"نہیں بابا جان' میں نے تو آپ کو ہمیشہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے سنا ہے' میں آپ کی سسکی نہیں سن سکتی۔ میں آپ کی سسکی نہیں سن سکتی بابا جان۔" سردار تیمور کی آواز میں آنسو گندھے ہوئے تھے اس نے کہا۔

"شیر بھی بدنصیب بیٹیوں کے لئے کبھی نہ کبھی تو روتا ہوگا' تو پریشان رہتی ہے نا نایاب' وہ تیرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا نا' میں جانتا ہوں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں میں بیٹی' لیکن ماں کی آبرو بیٹی کے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ سمجھ رہی ہے نا' زمین' زمین ماں ہوتی ہے' اور ہم فوجی اس کی عزت اپنے ماں باپ کی طرح ہی کرتے ہیں' باپ کو ایک دفعہ نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے' وہ نر ہوتا ہے شیر ہوتا ہے' لیکن ماں' جب ماں ہوتی ہے تو بیٹوں کے شانوں پر اس کی تمام تر ذمے داری آجاتی ہے' میں جانتا ہوں بیٹی اور ماں کی آبرو کے لئے میں کبھی اپنے آپ کو پست نہیں کر سکتا' میں جانتا ہوں کہ وہ یہی کہتا ہوگا کہ وہ زمین اسے دیدوں' اسی کے لئے تجھے تنگ

ا ہوگا نا وہ سن میں وہ زمین اسے نہیں دے سکتا' کیونکہ وہ میری ماں ہے اور ماں ے حرمتی میں کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔" نایاب نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاں بابا جان' بہت سختیاں کرتا ہے مجھ پر وہ' کبھی نرم ہوکر خوشامد کرتا ہے ں' اور کبھی........."

"جانتا ہوں میں اسے' جانتا ہوں' مگر کیا کروں نایاب' تیری پیشانی پر بیوگی کا لگانا بھی میرے لئے مشکل ہے' خدا کی قسم وہ سردار تیمور کی ایک للکار پر ڈھیر ہو ے گا' لیکن بیٹیوں کے باپ بیٹیاں دوسروں کے سپرد کرکے بہت بزدل ہو جاتے بہت بزدل ہو جاتے ہیں۔" سردار تیمور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو نایاب ن آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں سے خشک کرلیا۔

"نہیں بابا جان' نہیں روئیے نہیں' مجھے بتائیے' ذرا مجھے بتائیے بابا جان' کیا وہ زمین بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے گالی نہ دے نایاب' اس زمین کی قیمت دولت نہیں ہے' بس یہ سمجھ ے وہ میرے لئے ایک حرمت رکھتی ہے' ماں جیسی حرمت' اور میری بیٹی' بیٹے لاد کے لئے ماں کی حرمت کو داغ نہیں لگا سکتے۔ سمجھ رہی نا تو' ناممکن ہے' وہ جس مقصد کے لئے لینا چاہتا ہے' میں اس مقصد کے لئے اپنی ماں کو اس کے یں کر سکتا۔" رفتہ رفتہ نایاب کے چہرے پر ایک آگ سی ابلنے لگی' اس کی ں کے آنسو خشک ہوگئے۔ اس نے غرور کی نگاہوں سے باپ کو دیکھا' پھر بولی۔

"ٹھیک ہے بابا جان' جب تک ممکن ہوسکا میں اس کی سختیاں برداشت کرتی گی' وہ مجھ پر سختیاں کرتا رہے گا اور یہاں بھیجتا رہے گا مجھے' میں آتی رہوں گی کے پاس' اس لئے کہ آپ نے مجھے دلہن بنا کر ڈولی میں بٹھایا ہے' میں آپ کی طرح اس ڈولی کی حرمت کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کروں گی' آپ بھول

کر بھی یہ نہ سوچیں کہ اب میں آپ سے وہ زمین مانگنے آئی ہوں' آپ کی ز
مجھے زندگی سے زیادہ پیاری ہے بابا جان' اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے' اب م
ہوں کہ وہ زمین آپ میری زندگی کی قیمت پر بھی اسے نہ دیں' لیکن جب تک
مصلحت سے کام لوں گی میں' ہو سکتا ہے وہ اپنا یہ ارادہ ترک کر دے' ہو سک
زمین نہ ملنے کے بعد وہ کوئی اور حل نکال لے' بابا جان! ہو سکتا ہے۔ ایسا ہ
آپ بالکل بے فکر رہیں' اب میں خوشیاں چاہتی ہوں یہاں' میں خوش ہوں
ہنسے میرے ساتھ' بچو آجاؤ' آؤ ہم باہر کھیلیں گے' یہ میرا گھر ہے میرا آنگن
نایاب اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

نجانے کیوں گلی میں داخل ہوتے ہوئے سلطان کو اب اس بے کیفی کا احساس نہیں ہوتا تھا جو پہلے ہوتا تھا' سیدھی سیدھی اس کے ذہن میں سیما آجاتی تھی' اس وقت بھی اپنے گھر کے تالے کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نگاہیں سیما کے گھر کے دروازے کو دیکھ رہی تھیں' دروازہ بند تھا۔ وہ تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا' لیکن اپنے گھر میں قدم رکھنے کے بعد جب اس نے روشنی جلائی تو گھر کا ماحول اسی انداز میں بدلا ہوا نظر آیا' لمحہ لمحہ اس گھر کی شکل بدلتی جا رہی تھی' اور ہر چیز میں سلیقہ اور قرینہ نظر آنے لگا تھا' سیما کا ماضی اگر ایک دکھ بھری داستان نہ ہوتا تو شاید سلطان کے دل میں اس کے لئے وہ مقام نہ بن پاتا' لیکن ایک گھائل نے دوسرے گھائل کو پایا تھا اور خود بخود کہانی تبدیل ہو گئی تھی۔ بس یہ معاملہ تھا۔

ابھی وہ گھر کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ گھر کے دروازے پر دستک ہوئی اور اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گھر کے دروازے کی جانب دیکھا' دروازہ غیر اختیاری طور پر کھلا رہ گیا تھا' کچھ لمحوں کے بعد سیما ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی' اور سلطان کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کھانا کھا لیجئے۔"

"کیوں۔؟" سلطان بولا اور سیما اس کی صورت دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کیوں آپ کھانا نہیں کھاتے کیا۔؟"

"کھاتا تو ہوں لیکن.........."

"امی نے کہا ہے کہ اب آپ کے لئے کھانا میں ہی بناؤں۔"

"ارے نہیں نہیں ایسا نہیں کرنا۔ تم نہیں جانتیں سیما میں تو ہوا کا ایک آوارہ جھونکا ہوں' کون جانے کب کہاں سے گزروں۔ تم میرے لئے کہاں تک تکلیف کرو گی' ویسے اس وقت واقعی تم نے میرے پیٹ کی آواز سن لی ہے' بڑی بھوک لگ رہی تھی۔"

"تو پھر کھانا کھایئے نا۔" سیما نے کہا اور سلطان ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گیا

"تمہارے ابو گھر پر نہیں ہیں شاید۔" سیما نے کوئی جواب نہیں دیا تو سلطان خود ہی بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ تم آرام سے اس وقت یہاں بیٹھی ہو' ویسے امی کو معلوم ہے کہ تم میرے پاس ہو۔؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں نے کہا نا کہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ اب آپ کھانا گھر سے باہر نہیں کھائیں گے' باہر کا کھانا اچھا نہیں ہوتا۔" جواب میں سلطان پھیکے انداز میں مسکرا دیا۔ پھر کچھ لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"اس سے پہلے میرا خیال تمہارے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔؟"

"اس سے پہلے ہم آپ کو جانتے کہاں تھے اور پھر آپ نے بھی تو ہمارے اوپر احسان کئے ہوئے ہیں۔ ایک طرف ابو کو پیسے دے کر ان کا منہ بند کیا جاتا ہے' تو دوسری طرف امی کے لئے دوا بھی آجاتی ہے' ویسے اس دوا سے امی کو بہت فرق

ہے۔" سلطان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا ایک لمحے کے لئے اسے پھندا سا لگا تو سیما جلدی سے اٹھی اور بڑے سلیقے سے دھلے ہوئے گلاس میں پانی لے کر آگئی' اس سے پہلے یہ گلاس اس قدر شفاف نہیں تھا' حالانکہ سلطان کو ماضی کی باتیں یاد آتی تھیں' اس کی کمزوری تھی کہ وہ کبھی اچھی طرح نہ دھلے ہوئے گلاس میں پانی نہیں پیتا تھا' اور زیبی اس کے لئے خصوصی طور پر گلاس صاف کر کے رکھتی تھی۔ جب سیما نے پانی دیا تو وہ ایک لمحے تک گلاس کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے پانی پی لیا۔ سیما نے برتن اٹھائے اور جانے لگی تو سلطان نے کہا۔

"سنو۔"

"سیما کیوں نہیں کہا آپ نے۔؟"

"یہ پیسے رکھ لو سیما۔"

"ارے نہیں' ابھی تھوڑے دن پہلے تو آپ نے اتنے سارے روپے دیئے تھے' وہی رکھے ہوئے ہیں' ہم بڑی احتیاط سے انہیں خرچ کر رہے ہیں' تھوڑے بہت پیسے ابو کو دے دیئے جاتے ہیں اور۔"

"بار بار یہ سب مت بتایا کرو مجھے اور سنو انکار کرنے والے مجھے اچھے نہیں لگتے' میرا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں' تم خاموشی سے یہ پیسے رکھ لو' امی کے لئے دوا باقاعدگی سے آنی چاہیے' اور سنو میرے پاس یہ پیسے کسی کام کے نہیں ہوتے' اس سے پہلے مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' لیکن اب یہ تمہارے لئے کماؤں گا میں' رکھ لو' آئندہ منع مت کرنا۔" سیما کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے' اس نے روپے لئے ٹرے اٹھائی اور لرزتے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ سلطان اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حیدر زمان کمرے میں داخل ہوگیا۔ سامنے ہی گرفتار شدہ آدمی گھٹنو
منہ دیئے بیٹھا تھا۔ حیدر زمان کے قدموں کی آواز سن کر اس نے گردن اٹھا
حیدر زمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ حیدر زمان اس کے قریب
گیا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا.........."

"پوچھنا ضروری ہے.........." وہ بولا.......... اور حیدر زمان کی ٹھوکر اس ک
پر پڑی' وہ کئی فٹ دور جاکر گرا تھا' لیکن وہاں پہنچ کر بھی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا' ا
آنکھوں کی سرکشی کم نہ ہوئی' حیدر زمان نے آہستہ سے کہا۔"

"ہاں پوچھنا تو ضروری ہے۔"

"گالو ہے ہمارا نام صاحب جی' اور کوئی سوال۔"

"پرندہ کیوں مارا تھا۔؟"

"صاحب جی! آپ کو خبردار کیا تھا۔ آپ بیوی بچی والے ہو' بتایا تھا آپ
ہوشیار رہو' گولی کہیں سے بھی آسکتی ہے' آپ کے بھی لگ سکتی ہے۔"

"یہ وارننگ کس کی طرف سے تھی۔؟"

"آپ جانتے ہو صاحب جی' جہاں تک ہمارا اپنا سوال ہے' آپ ہم پر تشدد کرو
تو بیکار ہوگا۔ مار پیٹ لو گے' ہڈیاں توڑ دو گے' ہم سے آپ کو کیا حاصل ہوگا
ں تو بڑے آدمیوں کی ہے۔"

"نام لو' یہ وارننگ دینے کے لئے تم سے کس نے کہا تھا؟"

"نادر شاہ صاحب نے جی۔ نادر شاہ صاحب کے آدمی ہیں۔"

"نادر شاہ بہت چھوٹا آدمی ہے' جنگل کے درخت کاٹ کر انہیں بیچ کر اپنا پیٹ
ا ہے۔"

"نہیں صاحب جی' یہ تو وہ ٹکڑے نوالے ہیں جو شاہ جی دوسروں کے سامنے
ں دیتے ہیں' کہتے ہیں جنگل کسی کے باپ کا نہیں ہے' سرکاری جنگل ہے اور ہم
کار کی رعایا' جنگل پر کسی کو قبضہ نہیں کرنے دیں گے۔"

"تو یہ درخت تم لوگ اپنے طور پر کاٹتے ہو۔؟"

"ہاں صاحب جی' ہمیں ڈر نہیں پڑا ہے آپ کا جو آپ سے جھوٹ بولیں۔ جو
چھ رہے ہیں۔ اب زبان کھل گئی تو سچ سچ بتا ہی دیں گے۔"

"ویری گڈ' کیا کرتا ہے نادر شاہ۔؟"

"جی۔؟"

"اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے۔؟"

"ہم نے کہا نا صاحب یہ تو بڑے آدمیوں کی باتیں ہیں' ہمیں کیا معلوم۔ کوئی
پنے نوکروں کو بتاتا ہے اپنا ذریعہ آمدنی۔"

"چرب زبان بننے کی کوشش مت کرو' میں تمہاری کھال اتار لوں گا۔ حیدر
ہان نے کہا تو جواب میں وہ آدمی ہنس پڑا پھر بولا۔"

"ہمیں تو آپ پکڑ کر لے آئے ہو' کھال بھی اتار لوگے ہماری' پر یہ تو بر نہ ہوئی' اپنے برابر والے کی کھال اتارو تو مردوں والی بات ہے۔ اب آپ کے میں ہیں' اتنے سارے بندے آپ کے ساتھ ہیں' آپ کھال کیا ہماری آنکھیں نکلوا سکتے ہو۔"

"گل جمال' اس سے ایک تحریر لکھواؤ اور اس کا انگوٹھا لگواؤ اور اس پر د بھی کراؤ۔ اس تحریر میں یہ اعتراف کرے گا کہ یہ نادر شاہ کے کہنے سے جنگل آیا تھا اور اس نے مجھ پر گولی چلائی تھی۔"

"نہیں صاحب' اب اگر؟ آپ کھال اتارنا ہی چاہتے ہو تو اتار دو' آپ پر نہیں چلائی تھی ہم نے' اتنا کچا نشانہ بھی نہیں ہے ہمارا' گولی ہم نے پرندے پر تھی' اس بیان پر کبھی دستخط نہیں کریں گے' پڑھے لکھے آدمی ہیں۔" حیدر زمان ا گھورنے لگا پھر بولا۔

"بیٹے' وہ سب کچھ بتاؤ گے تم جو نادر شاہ کرتا ہے' میں دیکھوں گا تم کس چالاک ہو' کس قدر ذہین ہو۔؟"

"صاحب جی آپ ہمیں پولیس کے حوالے کر دو۔"

"پولیس۔" حیدر زمان کی آواز میں غراہٹ پیدا ہوگئی۔ کچھ لمحے وہ وہاں رہا اس نے گل جمال سے کہا۔

"آؤ۔ کل دیکھوں گا میں اسے۔" گل جمال کمرے سے باہر نکل آیا دروازہ سے بند کر دیا گیا۔ تاحد نظر خاموش رات پھیلی ہوئی تھی۔ حیدر زمان نے کہا۔

"سختی سے صورت حال پر نظر رکھو۔ کل اسے دیکھیں گے۔"

"جی صاحب۔" گل جمال نے جواب دیا۔ حیدر زمان اندرونی حصے میں دا آگیا' لباس تبدیل کر کے کھڑکی پر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں نزہت دودھ کا گلا

ے کر کمرے میں داخل ہوگئی اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

"حیدر' بہت پریشان رہنے لگے ہو آج کل۔"

"ارے نہیں کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں ہے۔"

"عام بات تو ہے۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ کسی بھی نئی جگہ اپنے آپ کو منوانے کے لئے سختی بھی رنا پڑتی ہے۔ کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی بدمعاشی قائم رنا چاہتے ہیں' کم از کم میں اسے تسلیم نہیں کروں گا کیونکہ میں شاہ رخ نہیں ں۔"

"شاہ رخ نے فون بھی نہیں کیا۔"

"کس منہ سے فون کرے گا' وہ بکا ہوا آدمی ہے' مستقبل بنا رہا ہے وہ اپنا' ت قانون کی کرتا ہے' وہ قانون مجھ سے زیادہ نہیں جانتا' میں بھی گورنمنٹ کا ملازم ں' وہ ایک چھوٹی سی بستی کی حفاظت کرتا ہے تو میرے شانوں پر ایک پورے جنگل ی حفاظت کا بوجھ ہے' یقین کرو اگر دوستی کا خیال نہ ہوتا تو اپنے محکمے کی وساطت ے اس سے جواب طلبی کرتا' بات اس کی نوکری پر بھی آسکتی تھی۔"

"وہ قصہ کیا ہوگیا تھا۔؟"

"بس' ڈر گیا نادر شاہ سے' اور مجھے بھی ڈرانے لگا اس سے"

"آیئے۔ آرام کیجئے رات بہت ہو چکی ہے۔"

"نہیں تم جاؤ' مجھے سوچنا ہے اس کے بارے میں۔"

"بالکل نہیں' اب آرام کریں' صبح کو غور کریں گے' پلیز لیجئے یہ دودھ لیجئے۔"

حیدر زمان نے بیوی کو دیکھا اور پھر تھوڑا سا غور کرنے لگا' اس کے بعد واپس اپنے بستر پر آکر بیٹھ گیا۔

نادر شاہ اپنی قیمتی گاڑی میں پہاڑوں کے درمیان بھٹک رہا تھا اسے نئے ٹھکانوں کی تلاش تھی' راستے بند پڑے ہوئے تھے' دوسری طرف سے مسلسل تقاضے کئے جارہے تھے کہ راستے کھولو مال بنا پڑا ہے ترسیل میں دقت ہو رہی ہے' ابھی تھوڑی دیر پہلے پجارو کا ایک ٹائر خراب ہوگیا تھا۔ چنانچہ پجارو ایک پہاڑی کے پاس روک دی گئی۔ نادر شاہ نیچے اتر آیا۔ اور قرب و جوار کے مناظر دیکھنے لگا' اس نے ایک پتھر پر پاؤں رکھا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ قریب ہی گارڈ گنیں سنبھالے کھڑے ہوئے تھے' ڈرائیور ٹائر کے پاس بیٹھا ہوا اس کے اسکریو کھول رہا تھا اور شرجیل پاس موجود تھا۔ تو نادر شاہ نے شرجیل کو آواز دی۔ شرجیل نے گردن خم کی اور بولا۔

"شاہ جی۔"

"شرجیل' یہ پہاڑ ہم سے اونچے ہیں کیا۔؟" شرجیل نے ایک نگاہ پہاڑوں پر ڈالی اور کہا۔

"دیکھنے میں تو یہی اونچے لگتے ہیں شاہ جی' لیکن آپ آسانی سے ان کے سروں

پر پاؤں رکھ سکتے ہیں۔" نادر شاہ نے تعریفی نگاہوں سے شرجیل کو دیکھا' اور بولا۔

"بات اچھی کہی ہے تو نے' لیکن یہ تو درمیان کی بات ہے' یہ فیصلہ کرکے بتا کہ ہم دونوں میں سے اونچا کون ہے' میں یا یہ پہاڑ۔؟"

"شاہ جی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی کو نصیحت نہ کرنا کیونکہ بیوقوف اسے سنتا نہیں ہے اور عقل مند کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔" نادر شاہ کی پیشانی شکن آلود ہوگئی اس نے کہا۔

"ہم سمجھے نہیں اس بات کا مطلب کیا ہوا۔؟"

"کیا کہوں شاہ جی' بزرگ کہہ گئے ہیں یہ بات' مطلب بھی بزرگوں کو ہی معلوم ہوگا۔" اسی وقت موبائل پر بیل ہوئی اور نادر شاہ نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"اس باس کو بھی چین نہیں ہے۔ پتہ نہیں ہر وقت ٹیں لگائے رکھتا ہے۔" پھر اس نے موبائل آن کرکے چہرے کے قریب کرلیا۔

"بولو باس' آپ کا خادم بول رہا ہے۔"

"ہمارے خادم اتنے سست رفتار نہیں ہیں نادر شاہ' تم اپنے آپ کو جنگل اور پہاڑوں کا نہیں بلکہ قالین کا شیر ثابت کر رہے ہو۔"

"اس وقت آپ کی جو مرضی آئے کہہ لو باس' میں صرف سننے کے موڈ میں ہوں۔"

"یہ ہم نہیں کہہ رہے نادر شاہ حالات کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے زمینیں حاصل کرلیں۔؟"

"وہ زمینیں میرے لئے ناسور بن گئی ہیں باس' میرا سکون غارت ہوگیا ہے' میں پوری کوشش کررہا ہوں' دیر بے شک لگ رہی ہے باس لیکن آخر کار کام ہو

جائے گا۔"

"جو لوگ قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں' ان کی قسمت بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے۔ ہمت کر کے کھڑے ہونے سے ہی قسمت بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔"

"میری بیوی سردار تیمور کے پاس گئی ہوئی ہے اور اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ.........."

"نہیں نادر شاہ.......... عورت کی زبان اس کی تلوار ہوتی ہے اور وہ اسے کبھی زنگ آلود نہیں ہونے دیتی' تمہاری بیوی تمہیں اپنی زبان سے شکست دے رہی ہے۔"

"شکست۔" نادر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں یقیناً" شکست پر شکست' ورنہ سردار سے وہ زمین لینا اتنا مشکل کام نہیں تھا۔"

"مجھے کچھ اور وقت دو باس' میں کوشش کر رہا ہوں' کام ہو ہی جائے گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن گزرنے والا ہر دن مشکل ہوتا جارہا ہے' تم نہیں سمجھتے' بوڑھا سردار لومڑی سے زیادہ چالاک ہے' وہ صرف محبت کی تلوار سے ہی زخمی ہو سکتا ہے۔ ورنہ بہت سخت جان ثابت ہوگا۔"

"اسے اپنی زندگی پوری کر لینے دو باس' اگر اس کی زندگی زیادہ ہی نقصان دہ ہوگی ہمارے لئے تو پھر دیکھ لیں گے' ویسے بھی آج کل میں کھیتوں کی کٹائی میں مصروف ہوں' فالتو گھاس کٹ جائے تو بہتر ہوتا ہے' ورنہ خواہ مخواہ راستے میں آتی رہتی ہے اور راستہ خراب ہوتا رہتا ہے۔"

"تم جانو! دیکھ لو۔ اور انتظار کئے لیتا ہوں تھوڑا سا۔ لیکن کم از کم تمہارے

علاقے میں میرا کاروبار خراب ہو رہا ہے اور نادر شاہ بہرحال اب اس بات کو تو تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ میری تمہاری دوستی کا ایک بڑا حصہ اس کاروبار کا جاری رہنا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" نادر شاہ نے کہا اور دوسری طرف سے لائن بے جان ہوگئی' نادر شاہ کچھ لمحے موبائل کو گھورتا رہا اور پھر اس نے موبائل آف کر دیا' اسی وقت ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔

"ٹائر بدل گیا ہے شاہ جی' آیئے۔" اور نادر شاہ گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

شاہ رخ تولیہ سے بال رگڑتا ہوا غسل خانے سے باہر نکلا تو سامنے ہی صنوبر نظر آئی۔ شاہ رخ سر رگڑتے رگڑتے رک گیا تھا' ایک لمحے تک وہ صنوبر کو دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ صنوبر عجیب سے انداز میں رک گئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ شاہ رخ سے کیا چاہتی ہے۔ شاہ رخ گاؤن پہنے ہوئے چند قدم آگے بڑھا اور بولا۔

"کچھ وہم پسند لوگ کہتے ہیں کہ صبح ہی صبح جس کی صورت دیکھی جاتی ہے پورا دن اسی حساب سے گزرتا ہے' اور یقین کرو میں نے اس وقت صرف تمہاری صورت دیکھی ہے' چلو آج کے لئے شرط لگاؤ کہ دن کیسا گزرے گا۔؟" صنوبر نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر تولیہ لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شاہ رخ ہنس پڑا پھر بولا۔

"ویسے تم اس گھر کے لئے بہت بڑی ضرورت بنتی جا رہی ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سب تمہارے لئے روتے رہ جائیں۔ ذرا برش اٹھا دو' ڈریسنگ ٹیبل سے۔"

"صنوبر لڑکھڑاتے قدموں سے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی۔ غالباً" شاہ رخ

کے الفاظ اس پر اثر انداز ہوئے تھے۔ بال سنوارنے کے بعد شاہ رخ ناشتے کے کمرے میں آگیا۔ طبیعت پر کہولت سوار تھی۔ ماں نے چہرے پر تھکن کے آثار تلاش کر لئے۔"

"کبھی کبھی چھٹی بھی کر لیا کرو شاہ رخ۔"

"چھٹی ہی چھٹی ہے امی' تھانے کے اور ہماری رہائش گاہ کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے' اگر چاہیں تو اس میں بھی ایک دروازہ نکلوا سکتے ہیں۔ چھٹی دو منٹ میں آفس سے گھر آجائے گی۔" شاہ رخ نے چائے کے برتنوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تھکے تھکے سے لگ رہے ہو۔"

"نہیں اتنا تھکا ہوا نہیں ہوں' پتہ نہیں آج حیدر زمان کیوں یاد آرہا ہے' اسے کیسے سمجھایا جائے امی' ناراض ہوگیا ہے اور سخت ناراض ہوگیا ہے' ورنہ کم از کم آپ سے شکایت کرنے ہی آجاتا۔ میرا خیال ہے ہم اس کے پاس چلیں گے۔"

"ارے دوستوں میں ناراضگی ہی کیا' ویسے اگر تم اسے اعتماد میں لے کر ان آدمیوں کو کسی کے حوالے کرتے تو زیادہ اچھا تھا' چلو سوری کہہ دینا اور اب ذرا خیال رکھنا' جذباتی آدمی ہے۔"

"ایک بات اور بھی ہے امی' تھوڑا سا ان پہاڑی آدمیوں کا مزاج بھی میں سمجھتا ہوں' اپنی ذمے داریاں پوری کرنا میں بھی جانتا ہوں' یہ بات نہیں ہے۔ لیکن مصلحت بھی کوئی چیز ہوتی ہے' پہلے حالات کو' انسانوں کو' ماحول کو سمجھ لیا جائے اور پھر ان پر ہاتھ ڈالا جائے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے' جلدی بازی نقصان دہ ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آج ایسا کرو' دوپہر کے بعد ذرا موسم ٹھنڈا ہو جائے تو ہو کر آتے ہیں' میری بھی طبیعت ٹھیک ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔" شاہ رخ نے ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا لیکن ابھی اُ ابلا ہوا انڈہ ہی اور چائے کے دو تین گھونٹ ہی لئے تھے اس نے کہ سامنے ر ہوئے موبائل پر بیل ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا۔

"ہیلو۔" وہ بولا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو صاب جی' تھانے دار صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"ہاں ہاں میں بول رہا ہوں' تم کون ہو۔؟"

"جلدی آجاؤ صاب جی' آپ کو اللہ کا واسطہ جلدی آجاؤ۔" فاریسٹ آ صاحب کے گھر سے بول رہا ہوں' صاب جی ادھر قیامت آگئی ہے۔ صاب جی آپ اللہ کا واسطہ ...." اور پھر آواز رونے میں تبدیل ہو گئی۔

"ہیلو ہیلو کیا بک رہے ہو' کیا بک رہے ہو' پوری بات بتاؤ۔" لیکن دو طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا' شاہ رخ نے کئی بار ہیلو ہیلو کہا اور پھر بڑبڑا ہوئے لہجے میں بولا۔

"فاریسٹ آفیسر......... قیامت........." اس کے بعد وہ تڑپ کر کرسی کھسکا کھڑا ہو گیا اور فرزانہ بیگم وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

شاہ رخ کی یہ کیفیت کسی معمولی بات پر نہیں ہو سکتی تھی' فرزانہ بیگم جانتی تھیں کہ وہ بے حد طاقتور اعصاب کا مالک ہے' لیکن اس وقت وہ جس طرح ناشتہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اس پر فرزانہ بیگم متوحش ہو گئی تھیں' اور پھر شاہ رخ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ جو پوری طرح ان کی سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔ دوسری طرف شاہ رخ کو بھی ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' فرزانہ بیگم بہرحال ایک کمزور خاتون تھیں' بیمار بھی رہتی تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ حیدر زمان سے محبت بھی کرتی تھیں۔ اس وقت جو الفاظ شاہ رخ کے کانوں میں پڑے تھے وہ حیدر زمان ہی کی جانب اشارہ کرتے تھے۔ نجانے کیوں ایک دوبار شاہ رخ کو اس بات کا احساس بھی ہوا تھا کہ حیدر زمان اپنی سخت فطرت کی بناء پر اس نئی آبادی میں کہیں کوئی نقصان نہ اٹھا بیٹھے۔ اس وقت موبائل پر جس طرح فاریسٹ آفیسر' قیامت اور پولیس افسر سے فوراً" پہنچنے کی استدعا کی گئی تھی اس کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا تھا یا تو وہاں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے' یا پھر یہ بھی ممکن ہے کسی نے شاہ رخ کو بہکانے کی کوشش کی ہو۔ لیکن ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے اپنا فرض فوراً" ہی پورا کرنا

تھا۔ دوسری طرف فرزانہ بیگم کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور بولا۔

"یہ ہوتی ہے امی پولیس کی نوکری' جانا پڑے گا۔ باقی ناشتہ' اگر ناشتے کے وقت میں واپس آگیا تو بعد میں' ورنہ اس ناشتے کو دوپہر کے کھانے میں تبدیل کر دیجئے گا۔"

"لیکن ہوا کیا ہے۔؟" فرزانہ بیگم نے پوچھا۔

"بس۔ ایک شکایت درج کرائی گئی ہے' تفتیش کے لئے فوری جانا ہے۔"

"مگر تم اس طرح اچھل پڑے تھے جیسے کوئی بہت ہی خطرناک خبر سنی ہو۔"

"کسی کے قتل کی خبر خطرناک ہی ہو سکتی ہے امی' پلیز۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے دوسرے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور پھر وردی پہن کر باہر نکل آیا' ذہن شدید الجھن کا شکار تھا اور کوئی موثر فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بہرحال اب جو کچھ بھی ہے اس خبر کو یا اس ٹیلی فون کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور وقت بھی ضائع نہیں کیا جاسکتا' . آفس میں اس نے ایس آئی کو طلب کر کے کہا کہ نفری تیار کرلے فوراً" چلنا ہے۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد اس کی جیپ گولی کی رفتار سے باہر نکلی اور اس نے ڈرائیور کو فاریسٹ آفیسر کے گھر کا پتہ بتادیا۔

سارا دن ہی عجیب تھا' کچھ عجیب سی کیفیات کا حامل' حالانکہ وہ ایک ذمے دار فیسر تھا اور اس سے پہلے کبھی اس پر کھولت نہیں طاری ہوئی تھی۔ وہ بیوی کو کچھ ایا نہیں تھا۔ لیکن بس صبح جاگا تو دل پر گھبراہٹ سی طاری تھی' کافی دیر تک بستر میں روٹیں بدلتا رہا' پھر شیری جاگ گئی تو اس نے دل بہلانے کے لئے شیری کو چیلنج کر یا۔

"کیا خیال ہے شیری باکسنگ ہوگی ہمارے ساتھ۔؟"

"چھوڑیئے ڈیڈی آپ ہار جائیں گے۔ اب آپ دیکھیے نا محمد علی کلے کی بیٹی نے بہت سوں کو ناک آؤٹ کر دیا ہے۔"

"ارے ارے ارے' نزہت بھئی دیکھو ذرا یہ آپ کی صاحبزادی کی معلومات کس قدر وسیع ہوگئی ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ آج کل محمد علی کی بیٹی باکسنگ کے رنگ میں اتری ہوئی ہے۔"

"یہ سب ٹیلیویژن کا کمال ہے اور پھر آپ نے تو خاص طور سے اپنی بیٹی کے لئے ڈش لگوائی ہے' اسپورٹس چینل بڑے شوق سے دیکھتی ہیں یہ خاتون۔"

"ارے واہ۔ مگر بزدل ہیں۔ ہمارا چیلنج قبول نہیں کیا انہوں نے۔"

"نہیں میں تیار ہوں۔" شیری گھونسہ تان کر باپ کے قریب آگئ حیدر زمان نے بستر پر اس کے ساتھ باکسنگ شروع کر دی۔

"ایک گھونسہ' ایک پپی۔ کیا خیال ہے۔ مقابلہ ہو جائے؟"

"ہو جائے۔" شیری اکڑ کر بولی اور حیدر زمان نے ایک گھونسہ شیری چہرے پر آہستہ سے رسید کر دیا۔

"یہ ایک گھونسہ اور ایک پپی۔ چلو......... اے یہ دوسرا گھونسہ اور دو پپی۔"

"بے ایمانی بے ایمانی۔ مما دیکھیے۔ ڈیڈی بے ایمانی کر رہے ہیں۔"

"یہ تیسرا گھونسہ اور یہ پپی۔"

"کیا ہو رہا ہے آج آپ کو وقت دیکھیے' جائیں گے نہیں کیا؟"

"جانا تو تھا' لیکن نجانے کیوں آج طبیعت چاہ نہیں رہی۔ بس دل چاہ سارا دن شیری کے ساتھ باکسنگ کی جائے' بیڈ مینٹن کھیلی جائے' کرکٹ کھیلا ج کیوں شیری۔؟"

"ونڈر فل ڈیڈی' ایسے ڈیڈی اللہ سب کو دے۔"

"اوہ گڈ ویری گڈ۔"

"جناب دفتر کی تیاریاں کیجئے' بری بات چھٹی نہیں کرتے۔" نزہت ہنسی بولی' اسی وقت موبائل پر بیل ہوئی تو نزہت نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا۔

"جی کہیے' جی اچھا ٹھیک ہے۔ بات کیجئے۔" حیدر زمان نے اشارے پوچھا کہ کون ہے تو نزہت نے ٹیلیفون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو کون صاحب......... کیا نام بتایا آپ نے نفیس احمد......... کہاں سے

ہیں......... شہر سے' کہیے کیا کام ہے......... کہاں سے بول رہے ہیں آپ......... میرے دفتر سے' اچھا ٹھیک ہے انتظار کریں میں آرہا ہوں' جی میں آرہا ہوں۔"

شیری کا چہرہ اتر گیا تھا اور نزہت مسکرا رہی تھی۔ حیدر زمان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"چلیے ٹھیک ہے' آپ کی دعا پوری ہو گئی۔"

"مگر کون تھا۔؟"

"پتہ نہیں کوئی صاحب شہر سے آئے ہیں' کوئی سرکاری کام ہی ہو گا۔"

اور پھر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد جب حیدر زمان جیپ میں بیٹھا تو معمول کے مطابق دونوں ماں بیٹی باہر آکر اسے خدا حافظ کہنے لگیں۔ حیدر زمان نے جیپ تھوڑی سی آگے بڑھائی' پھر رک کر نیچے اترا' واپس آکر شیری کو پیار کیا اور اس کے بعد واپس جیپ میں جا بیٹھا' نزہت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کمال ہے آج تو آپ اچھی خاصی اداکاری کر رہے ہیں۔" حیدر زمان نے مسکرا کر جیپ آگے بڑھا دی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ آفس پہنچ گیا' یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے کلرک سے پوچھا۔

"کوئی آیا ہوا ہے' کون صاحب ہیں کہاں ہیں۔؟"

"جی سر یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے تو یہاں سے کسی نے فون کیا تھا۔"

"نہیں سر' یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا' البتہ ایک فون یہاں آیا تھا اور کسی نے پوچھا تھا کہ آپ آگئے یا نہیں' میں نے بتایا کہ آپ ابھی تک نہیں آئے۔"

"پھر۔"

"بس جناب فون بند ہو گیا۔"

"یہ کیا قصہ ہے۔" حیدر زمان نے حیران لہجے میں کہا اور اس کے بعد نجا
کیوں اس کا ذہن الجھے ہوئے انداز میں کس گہری سوچ میں ڈوب گیا' کوئی بات سمجھ
میں نہیں آرہی تھی۔ یہاں تک کہ تجسس اس کے ذہن سے ختم ہوگیا اور وہ ا
کاموں میں مصروف ہوگیا' لیکن دل کی اس گھبراہٹ کو وہ کسی طور اپنے ذہن
دور نہیں کر پا رہا تھا۔ نجانے کیا بات ہے' دوران خون میں کوئی گڑ بڑ ہوگئی ہے۔
پھر' یا پھر......... لیکن اس یا پھر سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

فیروز دھک سے رہ گیا۔ اتفاق سے اخبار سامنے آگیا تھا۔ جہاں لڑکی کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں دھندلاہٹ سی آگئی۔ غالباً یہ تجسس کی وجہ سے ہوا تھا پھر اس نے سرخی پڑھی۔

"نجمہ۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں پر قربان ہوگئی۔"

"تنگدستی فاقہ کشی ماں کی بیماری' اپاہج باپ کی معذوری........." اس سے گھر کی دہلیز چھینی اور اس کے بعد زمانے نے اس سے زندگی چھین لی' نجمہ گھر سے باہر نکلی تو بھیڑیوں کا شکار ہوگئی۔ وہ کونسے عوامل تھے' وہ کون تھے جنھوں نے اس ایک بھرپور گھرانے کے سہارے کو زندگی سے محروم کردیا' اس کا پس منظر کیا تھا' کاش کوئی بتا سکے تاکہ نجمہ جیسی لڑکیاں محفوظ ہو جائیں' پولیس آج تک اس کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگا سکی' لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' کاش ذمے دار اراکین' محکمہ پولیس اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مزید جدوجہد کرے اور ایسے سارے بھیڑیوں کو گرفتار کرکے پابہ زنجیر کردے' نجمہ کی موت کا سراغ لگایا جائے' پتہ چلایا جائے کہ وہ کون تھے جو اس کے قاتل بن گئے۔

فیروز کو چکر آنے لگے۔ یہ اخبار عشرت کا ہی تھا۔ اسٹاف رپورٹر کی رپورٹ تھی، کچھ عجیب سی صورتحال ہوگئی تھی اس دوران، عشرت کھنچی کھنچی سی رہتی تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسے فیروز پر شبہہ ہوگیا تھا، یہ بھی ایک بہت بڑی سچائی تھی کہ فیروز عشرت سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس نے اسے زندگی کی ساتھی چن لیا تھا۔ لیکن بس ایک ایسی ذمے داری تھی جس کے لئے اس نے حلف اٹھایا تھا اگر عشرت سے اس کی شادی ہو جاتی تو بہرحال زندگی کی نصف بہتر کو یہ تو بتانا ہی پڑتا کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے، لیکن اس سے پہلے وہ ایک اجنبی شخصیت تھی اور کسی اجنبی شخصیت کو اپنے بارے میں بتانا اپنے حلف سے غداری تھی۔ لڑکی کے بارے میں بھی عشرت نے ایک ایسی شرط لگا دی تھی، جسے وہ پوری نہیں کر پایا تھا، محکمہ کارروائی کر رہا تھا، پولیس لڑکی کی کھوج میں تھی، لیکن اخبار نے اس لڑکی کی تفصیل لکھ کر یہ ظاہر کیا تھا کہ اس نے لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم کرلیا ہے۔

بہت دیر تک وہ سوچتا رہا، پٹرول پمپ پر کام کر رہا تھا۔ چھٹی کا وقت دور تھا لیکن اپنے رویے سے اسے منیجر صاحب کا مکمل تعاون حاصل تھا، اگر وہ چاہتا تو آسانی سے چھٹی لے کر جاسکتا تھا، اور جب یہ ذہنی بحران حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا تو اس نے منیجر سے اجازت لی۔ ہاتھ پاؤں صاف کرکے لباس تبدیل کیا، سادہ سی جینز اور جرسی پہن کر وہ ایک عام سا نوجوان لگتا تھا۔ بس میں بیٹھ کر ایک مخصوص جگہ پہنچا اور یہاں سے ٹیکسی لے کر اخبار کے دفتر چل پڑا۔ ایک آدھ بار اور بھی یہاں آیا تھا، دفتر کے افراد سے معمولی سی شناسائی تھی۔ عشرت کے حوالے سے ہی یہاں پہنچا تھا۔ ویسے عشرت بہت بولڈ تھی اور اس نے اس کا تعارف چند افراد سے یہ کہہ کر ہی کرایا تھا کہ وہ اس کا کزن ہے، پھر اس کے ساتھ باہر بھی نکل آئی تھی۔ فیروز اس وقت دوہری کیفیت کا شکار تھا، کچھ جلد بازی بھی ہوگئی تھی، ورنہ اپنے محکمے سے یہ معلوم

کرتا کہ اخبار میں چھپی ہوئی خبر کا پس منظر کیا ہے، کیا پولیس کو یا اخبار والوں کو لڑکی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ اسے نجمہ کے نام سے مخاطب کرکے کم از کم اخباری رپورٹر نے یہی بتایا تھا کہ وہ لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہے، تھوڑی دیر کے بعد وہ اخبار کے دفتر میں داخل ہوگیا۔ دور ہی سے اس نے عشرت کی میز خالی دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے ایڈیٹر کے کمرے میں گئی ہو، لیکن میز کے کونے پر اس کا پرس بھی نہیں رکھا ہوا تھا۔ البتہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک عمر رسیدہ شخص نے اسے دیکھ کر شناسائی کے انداز میں گردن ہلائی اور فیروز اس کے پاس پہنچ گیا۔

"سلام علیکم جناب، خیریت سے ہیں آپ۔؟"

"جی جی اللہ کا شکر ہے۔ عشرت سے ملنے آئے تھے آپ، میں آپ کو پہلے بھی عشرت کے پاس دیکھ چکا ہوں۔"

"جی ہاں، کیا موجود نہیں ہیں۔؟"

"آؤٹ ڈور گئی ہوئی ہیں، بیٹھے.......... کچھ چائے ٹھنڈا وغیرہ۔"

"بے حد شکریہ۔ عشرت کی واپسی کے کیا امکانات ہیں۔؟"

"میاں انسان صبح کا بھولا ہے، شام یا دوپہر میں کسی وقت گھر آہی جاتا ہے۔ آجائیں گی، آپ چاہیں تو انتظار کر لیجئے۔"

فیروز نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر وہ ایڈیٹر کے دفتر کی جانب چل پڑا، کسی نے اسے نہیں روکا تھا، ایڈیٹر صاحب کی کیفیت بالکل وہی تھی جو فیروز نے ایک بار لطیفے کے طور پر پڑھی تھی۔ یعنی ایک ایڈیٹر کی قبر پر کتبہ لگا ہوا تھا کہ "آخری کاپی جاچکی ہے۔" جب تک اخبار کی آخری کاپی نہیں چلی جاتی بیچارے ایڈیٹر صاحب جانکنی کی کیفیت میں ہی مبتلا رہتے ہیں سکون آخری کاپی جانے کے بعد ملتا ہے تو اس وقت ایڈیٹر صاحب بھی خبروں کے انبار میں سرجھکائے بیٹھے ہوئے تھے، فیروز نے

قریب پہنچ کر سلام کیا تو کھوئی کھوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ فیروز نے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے جناب آپ کی بے پناہ مصروفیت کا لیکن ایک ضرورت ا کے پاس لے آئی ہے۔"

"ضرورت........ ہاں........ میاں وہ........ اصل میں دیکھو آخری تار ہیں' ہم معذرت میرا مطلب ہے اس وقت کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"جناب........ کچھ تھوڑی بہت۔؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم........ کہاں دیکھا ہے بھئی تمہیں' دیکھا ہوا کہیں۔ وہ تھوڑی بہت کیا........ کتنی۔؟"

"معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب۔ یعنی وہ جو آپ مدد کی بات کر رہے ہیں۔"

"جی........ ایک معمولی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہ آپ۔ مجھے عشرت کے ساتھ دیکھا ہو گا۔"

"ایں........ ہاں وہ رپورٹر' یعنی وہ۔ لاحول ولا قو' یہ دماغ بس کیا کہیں' ذ معاف کرنا بھئی ہم غلط سمجھے۔ آؤ بیٹھو بیٹھو' کیا یعنی معلومات کیا چاہتے ہو۔؟"

"یہ جناب' آج کے اخبار میں ایک انتہائی سنسنی خیز انکشاف کیا ہے آپ۔ اس لڑکی نجمہ کے بارے میں۔" فیروز نے کہا اور ایڈیٹر کا انداز اچانک ہی بدل گ اس کے چہرے پر غم کے نقوش نمایاں دیکھے جاسکتے تھے۔ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بات وہی آجاتی ہے' انسان ہی انسان کے دکھ سے متاثر ہوتا ہے۔ یقیناً" اس لڑکی سے تمہارا بھی کوئی رشتہ نہیں ہو گا' انسانیت کی بنیاد پر ہی تم بھی اس کے بار میں معلومات حاصل کرنے چلے آئے ہو گے' وہ اصل میں ایک ایسے خاندان کی لڑکی

ہے جس کا سرپرست ایک حادثے میں اپنی ٹانگوں سے محروم ہو گیا تھا........ بس بد نصیبی نے اس کا گھر دیکھ لیا' دو چھوٹے بھائی اور دو بہنیں اور ہیں اس کی۔ ماں ہے' سب کے سب ہماری اپنی معاشرتی بدنظمی کا شکار تھے' ایک شخص ان کی کفالت کر رہا تھا' بات وہی آجاتی ہے کہ وسائل بالکل محدود ہیں' افراد کی زیادتی ہے' بہت کم گھروں میں ایسے لوگ ہیں جو ایک سے زیادہ افراد کماتے ہوں اور گھر کے اخراجات چلتے ہوں۔ بس ایک معاشرتی الجھاؤ ہے' باپ کی معذوری سے فاقہ کشی کا آغاز ہوا' بھائی بہن بے آسرا ہو گئے۔ بڑی بہن نے کمر باندھی کہ زندگی تلاش کرے' کوشش کی' تھوڑے سے حالات تو بہتر کر لئے گھر کے' لیکن کسی کی بھینٹ چڑھ گئی' اب یہ تو حکومت کا کام ہے کہ پتہ لگائے کہ اسے قتل کرنے والے کون تھے اور انہوں نے اسے کیوں قتل کیا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے جناب' کیا وجہ ہو سکتی ہے........؟"

"یار کمال کرتے ہو' یہ تک تو پتہ نہیں چل سکا کہ وہ بیچاری کرتی کیا تھی۔ گھر کے حالات کہاں سے بہتر ہوئے' ماں باپ بیچارے بس اتنا بتاتے ہیں کہ نوکری لگ گئی تھی اس کی اور تنخواہ بے حد معقول تھی' اس کے علاوہ کمیشن بھی تھا جس کی وجہ سے خاصی بہتری بہت جلدی پیدا ہو گئی' اب یہ نہیں پتہ کہ بچی کیا کرتی تھی' ماں باپ کو بھی نہیں پتہ تو میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں' لیکن حکومت تو معلوم کر سکتی ہے نا سب کچھ۔"

"جی جی' ویسے محترم آپ کے رپورٹر نے کمال کیا ہے' کونسے رپورٹر ہیں وہ۔ عشرت تو کم از کم نہیں۔" ایڈیٹر نے چونک کر فیروز کو دیکھا اور بولا۔

"دیکھو' پیارے بھائی' یہ اخبار کا دفتر ہے کوئی انکوائری آفس نہیں ہے۔ خدا حافظ' رپورٹر کون ہے' اب اس کے بعد تم پوچھو گے کہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔ تو

جو کام پولیس نے کرنا تھا وہ ہم نے کرلیا ہے' ہم کسی کے جواب دہ نہیں ہیں' او
ہم سے پوچھا گیا تو بھی ہم نہیں بتائیں گے تم سمجھتے ہو کیا سنگین صورتحال ہو
گی۔ اس لڑکی کے اہل خاندان خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔"

"لیکن جناب۔"

"خدا حافظ کہیں تو برا تو نہیں مانو گے۔ مصروف ہیں ہم۔" ایڈیٹر نے کہا
اس کے بعد قلم تلاش کرکے کاغذات پر مصروف ہوگئے۔ فیروز جانتا تھا کہ اب
کے بعد ایڈیٹر صاحب کو کچھ بولنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا' کاش عشرت ہی مل جا
کچھ معلومات حاصل ہو جاتیں' بہرحال وہ مایوسی کے عالم میں واپس مڑا اور اخبار
دفتر سے باہر نکل آیا۔ ایک عجیب سی خلش دل میں تھی' نیچے تک جاتے ہوئے
اس نے سوچا کہ عشرت کو صورتحال بتا دی جائے' لیکن پھر فرض کے ایک احسا
نے روک دیا۔ البتہ بہت سی باتیں اس کے ذہن میں گردش کرنے لگیں' ایڈ
صاحب نے یہ تیر مار تو دیا ہے' لیکن کہیں وہ خطرے میں نہ پڑ جائیں' کوئی ایسا ش
ہے جس نے لفٹ میں نجمہ کو قتل کیا تھا' لیکن اس قتل کی وجوہات بھی ہوں گی' ا
ان وجوہات کو سامنے لانے کا خوف کبھی صورتحال کا اندازہ نہیں ہونے دے گا۔
کرنا چاہیے' عشرت اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے لیکن۔

"ہیلو۔" ایک نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا' نظر اٹھا کر دیکھا تو عشرت
تھی۔ وہ چونک کر رک گیا' پھر جلدی سے بولا۔

"ہیلو عشرت۔"

"یہاں۔؟"

"مصروف ہو۔؟"

"ہمیشہ ہی رہتی ہوں۔"

"کچھ وقت دے سکو گی۔؟"

"زندگی تمہارے نام لکھ دی ہے' کچھ وقت کی کیا بات ہے۔" عشرت اچھے
ں تھی تو وہ بولا۔

"خدا کا شکر ہے۔"

"ویسے تو ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ہر سانس اس کی امانت اور اس
ان ہے' لیکن اس وقت کوئی خاص وجہ۔؟"

"ہاں۔"

"پوچھ سکتی ہوں کیا۔؟"

"تمہارا اچھا موڈ۔"

"خراب کب رہتا ہے۔؟"

"آج کل۔"

"نہیں' وہ ایک خواہش تھی' ایک تصور تھا' ایک شکایت تھی اور ہے۔ لیکن
ا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پچھلے دنوں خاصی کنارہ کش رہی ہو۔ دل کو بہت شدت سے احساس ہوتا رہا
۔"

"دیکھو بات اصل میں یہ ہے' ایک شعر سن لو چلو۔"

"سناؤ۔"

راز ہستی راز ہے' جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس پر تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

فیروز سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کہیں چائے پلاؤ گی۔" جواب میں وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"حالانکہ تم۔ چلو چھوڑو۔ ٹیکسی........." اس نے اشارہ کیا اور ٹیکسی جو ریورس ہو کر واپس مڑ رہی تھی رک گئی۔ ڈرائیور نے گردن نکال کر دیکھا اور بولا۔

"کچھ رہ گیا ہے میم صاب۔؟"

"نہیں......... ہمیں ذرا تھوڑے فاصلے پر چھوڑ دو گے۔"

"آیئے آیئے بیٹھ جایئے۔" ڈرائیور نے کہا اور عشرت اسے اشارہ کر کے ٹیکسی کی جانب بڑھ گئی۔

ٹیکسی نے انہیں ان کی مخصوص نشست گاہ پر چھوڑ دیا' ہوٹل کے ویٹر نے مسکرا کر انہیں گردن خم کرتے ہوئے سلام کیا اور وہ ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ ویٹر کو چائے کا آرڈر دے کر عشرت نے فیروز کو دیکھا اور بولی۔

"دفتر آنے پر حیرت ہوئی' خیریت تو ہے۔؟"

"ہاں......... مجھے اس لڑکی کا نام پتہ چلا گیا ہے جسے اس عمارت کی لفٹ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اخبار میں اس کے بارے میں پڑھا ہے' بس ایڈیٹر صاحب سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرنے کے لئے نکلا تھا' ایڈیٹر صاحب نے انکار کر دیا' تم ہوتیں تو شاید رعایت بھی ہو جاتی۔" عشرت نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"کیوں۔ اس کے گھر کے بارے میں کیوں معلوم کرنا چاہتے تھے۔؟"

"تمہیں بتانے کے لئے' ویسے کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ اس کا گھر کہاں ہے۔؟"

"نہیں۔"

"تم جانتی ہو۔؟"

"ہاں۔"

"تو مجھے کیوں نہیں بتا سکتیں۔؟" فیروز نے سوال کیا اور عشرت پتھرائی ہوئی نگاہوں سے سامنے کی دیوار کو گھورنے لگی۔ پھر بولی

"اس لئے کہ اس کے دو چھوٹے بھائی' دو چھوٹی بہنیں' ماں اور باپ ہیں' اگر اس کا پتہ بھی بتا دیتے ہیں تو اس کے دشمن وہاں پہنچیں گے اور ان لوگوں کو نقصان پہنچا دیں گے۔" فیروز ہنس پڑا پھر بولا۔

"یہ تمہاری سوچ ہے یا ایڈیٹر صاحب کی۔؟"

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔؟"

"کتنی سادہ سی بات ہے' غالباً تم نے اخبار میں اس لڑکی کے بارے میں انکشاف کر کے محکمہ پولیس کو شکست دی ہے' لیکن میرا خیال ہے غلط کیا ہے تم نے' ان لوگوں کو تم نے خطرے میں ڈال دیا ہے جو اس گھر میں رہتے ہیں' تمہارا کیا خیال ہے جن لوگوں نے عشرت کو قتل کیا ہے کیا انہیں اس کا گھر یا اس کے بارے میں معلومات نہیں ہوں گی۔ اب تو وہ یہ سوچیں گے کہ کہیں پولیس اس گھر تک نہ پہنچ جائے تحقیقات کرے اور نتیجے میں ان کے خلاف کچھ ثبوت حاصل ہو جائیں' بولو وہ یہ نہیں سوچیں گے عشرت۔" عشرت کے اندر ایک اضطراب پیدا ہو گیا' وہ کچھ وحشت زدہ نظر آنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

"ارے واقعی' اس انداز میں تو نہیں سوچا تھا نہ میں نے نہ ایڈیٹر صاحب نے۔"

"حالانکہ یہ بڑی سادہ سی بات تھی۔"

"نہیں سادہ سی بات نہیں ہے' یہ تو بڑی گہرائی کی سوچ ہے جو تم سوچ رہے ہو' لیکن لیکن........." ایک بار پھر عشرت کے چہرے پر ایک سنگین تاثر پھیل گیا۔ اور فیروز اسے دیکھنے لگا' عشرت کے جبڑے بھنچ گئے تھے اس نے بھنچی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے۔؟"

"ایڈیٹر صاحب کو فوراً" یہ مشورہ دو کہ لڑکی کے گھر کے بارے میں پولیس کے اعلیٰ افسران کو بتائیں اور ان سے درخواست کریں کہ پولیس ان لوگوں کو اپنی حفاظت میں لے لے' ورنہ ان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"میں ابھی ایسا کرتی ہوں براہ کرم مجھے کچھ لمحوں کی اجازت دو۔" عشرت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ فیروز الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے کاؤنٹر تک جاتے ہوئی دیکھ رہا تھا' اس نے کاؤنٹر مین سے فون وصول لیا' اور پھر کچھ نمبر ڈائل کرکے ریسیور کان سے لگالیا' پھر وہ غالباً ایڈیٹر صاحب سے ہی باتیں کرتی رہی تھی۔ خاصی دیر گفتگو کرنے کے بعد وہ واپس پلٹی اس دوران ویٹر نے ان کے سامنے ان کی آرڈر کی ہوئی چیزیں رکھ دی تھیں۔ عشرت نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایڈیٹر صاحب محکمہ' پولیس کو اطلاع دے چکے ہیں اور انہوں نے یہی درخواست پولیس کے اعلیٰ افسران سے کردی ہے۔ پتہ بھی بتا دیا گیا ہے۔"

"ویری گڈ سکون ہوا' ویسے کیا یہ تفتیش تم نے کی تھی۔؟"

"نہیں' میرے ایک ساتھی رپورٹر نے' ایڈیٹر صاحب معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں' کیا تم یقین کرو گے کہ انہوں نے اس رپورٹر کا نام مجھے بھی نہیں بتایا' نیوز میں بھی تم نے اسٹاف رپورٹر لکھا دیکھا ہوگا۔"

"پھر بھی چند گنے چنے رپورٹر ہیں تمہارے ہاں۔"

"اب تم مجھ سے الجھے الجھے سوالات کئے جارہے ہو' ٹھہرو میں چائے بناتی ہوں۔" عشرت نے جھک کر چائے بنائی' فیروز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"عشرت کچھ زیادہ ہی سنجیدہ نظر آرہی ہو۔"

"ہاں فیروز۔ میں الجھی ہوئی ہوں۔ یقین کرو اتنی الجھی ہوئی ہوں میں کہ بتا

نہیں سکتی' فیروز میں سلجھنا چاہتی ہوں۔"

"کیا بات ہے مجھے بتانا پسند کرو گی۔؟"

"ہاں یہ الجھن تم ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ میں تمہیں جاننا چاہتی ہوں' دیکھو فیروز میری دنیا دو افراد پر مشتمل ہے' میں اور امی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے وقت گزاری کے لئے ملتی ہوں تو ایسا نہیں ہے' فیروز یہ ایک بہت بڑا سچ ہے کہ تم جس حیثیت سے بھی مجھے نظر آئے میں نے تمہیں دل سے پسند کیا' میں نے کبھی کوئی فلمی انداز نہیں اختیار کیا نہ ہی کوئی افسانوی حرکت اختیار کی' بس ایک شخص زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے پسند آیا اور میں نے اسے اپنی دنیا کے تیسرے فرد کی حیثیت دے دی' فیروز ایک لفظ جھوٹ نہیں کہہ رہی میں اس وقت' میں نے تمہیں کبھی الگ نگاہ سے نہیں دیکھا لیکن فیروز میں تمہیں جانتی نہیں ہوں' میں نہیں جانتی ہوں تمہیں' بالکل نہیں جانتی ہوں' تم کون ہو' فیروز بس تمہارے بارے میں پہلے میرے ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا لیکن اب مجھے یوں لگتا ہے کہ تم ایک بند کتاب ہو' تعلیم یافتہ ہو' لیکن ایک پیٹرول پمپ پر معمولی سی نوکری کرتے ہو' تمہارے ظاہری حلئے کو دیکھ کر بھی اب یہ یقین نہیں آتا کہ تم معمولی زندگی گزار رہے ہو' مجھے بتاؤ فیروز میں ایسا کیوں محسوس کرتی ہوں' کیا تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔؟" فیروز نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"بتاؤں گا' لیکن مجھے کچھ وقت چاہیے عشرت۔" عشرت کے چہرے پر ایک گہری سرخی چھا گئی' وہ آہستہ سے بولی۔

"وقت۔"

"ہاں۔ نم یہ سمجھ لو کہ میں ابھی ادھورے راستوں کا مسافر ہوں۔ ابھی منزل کی تلاش میں ہوں میں' ابھی اس منزل تک نہیں پہنچا ہوں۔ منزل پالوں تو تمہیں

بتاؤں۔" فیروز کا لہجہ کچھ عجیب سا ہوگیا۔ عشرت دیر تک پتھرائے ہوئے انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"ساری بری باتیں آج کرلینا چاہتی ہوں ساری بری باتیں' مجھے ایک بات کا جواب دو' تمہیں جس منزل کی تلاش ہے فیروز' اس کے راستے تو صاف ستھرے ہیں نا۔؟" فیروز نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا۔

"میں سمجھا نہیں' کیا کہنا چاہتی ہو۔؟"

"میں نے صحافت میں ایم اے کیا ہے' اور صحافت کا پیشہ اپنایا ہے اور ایک چھوٹے سے اخبار میں کام کرتی ہوں' یہ اخبار بہت معمولی سا ہے اور اس لئے معمولی ہے کہ وہ کوئی پارٹی پیپر نہیں ہے' سچ لکھتا ہے' بے دھڑک لکھتا ہے۔ یقین کرو مجھے بہت سے بڑے اخباروں سے پیشکش ہے' لیکن میں اس اخبار میں کام کرنے پر خوش ہوں کہ وہ سچ لکھتا ہے۔ فیروز ہم نے باون سال کھوئے ہیں' اور اب ہم ترپنویں سال میں چل رہے ہیں' میرے وطن کو اب سچ درکار ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا وطن جھوٹ کی کھوکھلی دیواروں پر ڈول رہا ہے۔ ہمیں سچ کے مضبوط پاؤں چاہئیں' ہمیں تعمیر چاہیے فیروز۔ تخریب نہیں۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں عشرت' لیکن اس وقت بات سمجھ میں نہیں آرہی۔" یوں محسوس ہوا جیسے عشرت نے اس کی بات ہی نہ سنی ہو' وہ بدستور جنونی انداز میں بولی۔

"اور فیروز' ان کے لئے میں ہزار زندگیاں دے سکتی ہوں جو مجھے عزیز ہیں' لیکن جرم......... جرم برداشت نہیں کر سکتی میں......... جرم کا کالا چہرہ اگر میری ماں کا بھی ہو تو مجھے اس سے نفرت ہوگی' صرف نفرت......." فیروز پریشان لہجے میں بولا۔

"دیکھو میم صاب' اپن کی سمجھ میں فلسفہ نہیں آتا ابھی آپ جو بولتا ہے اس و تھوڑا ڈیٹیل میں لاؤ۔" عشرت نے سرخ آنکھوں سے فیروز کو گھورا اور بولی۔

"جب وہ لڑکی لفٹ میں قتل ہوئی تم بھی لفٹ میں موجود تھے فیروز اور جب وہ ٹ میں لاش کی حیثیت سے نمودار ہوئی تو تم لفٹ میں موجود نہیں تھے۔" عشرت کے ان الفاظ پر فیروز سناٹے میں رہ گیا تھا۔

آغاز ہی عجیب ہوگیا تھا' صبح کو طبیعت پر کچھ ایسا تکدر سوار تھا کہ دل آفس آنے کو نہیں چاہ رہا تھا اس کے بعد فون آیا لیکن آفس آکر پتہ چلا کہ کوئی ایسی شخصیت نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے اسے آفس بلایا گیا ہو' طبیعت میں خود بخود ایک الجھن پیدا ہوگئی تھی' تھوڑی دیر تک تو وہ بہت پریشان رہا تھا اور اس کے بعد آخر کار دفتر کے کام میں دل لگ گیا تھا' اور وہ رفتہ رفتہ صبح کی تمام ذہنی کوفت بھول چکا تھا' اس وقت بھی وہ کام میں مصروف تھا کہ ٹیلی فون کی بیل بجی اور اس نے موبائل اٹھا کر کان سے لگالیا۔ سی ایل آئی پر گھر کے موبائل کا نمبر تھا۔

"ہیلو ہاں۔ کون ہے کیا بات ہے۔؟"

"صاب جی میں ریاض بول رہا ہوں۔" گھر کے ملازم کی آواز سنائی دی اور حیدر زمان چونک پڑا کیونکہ ملازم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ رو رہا ہو' حیدر زمان نے کہا۔

"بولو بولو ریاض کیا بات ہے۔؟"

"صاب جی جلدی سے گھر آجاؤ' صاحب جی جلدی سے گھر آجاؤ۔" پھر یوں لگا

جیسے کسی نے ریاض کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا ہو' بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ حیدر زمان ہیلو ہیلو کرتا رہا لیکن اس کے بعد ٹیلی فون بند ہوگیا تھا۔ اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ کیا قصہ ہو سکتا ہے گل جمال کو بھی ساتھ نہیں لایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ پچھلی رات اس نے گل جمال سے کہا تھا کہ اس کی رہائش گاہ کے بیرونی حصے میں جو شہد کا چھتہ لگا ہوا ہے اسے کسی نہ کسی طرح صاف کرادے۔ شیری وغیرہ لان میں کھیلتی ہیں' کہیں مکھیاں ان لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ گل جمال کو وہ اس لئے ساتھ نہیں لایا تھا۔ موبائل بند ہوگیا تھا لیکن اب اس کے اندر بے چینی کی ایک ایسی لہر بیدار ہوگئی تھی جس سے بچنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ اور اس کے بعد برق رفتاری سے باہر بھاگا' دو گن مینوں کو اس نے ساتھ لے لیا تھا۔ حالانکہ ریاض کی آواز اس نے صاف پہچان لی تھی' لیکن جنگل میں اسے جو ماحول ملا تھا وہ اس کے لئے سازگار نہیں تھا' خاص طور سے اس آدمی کو پکڑنے کے بعد حیدر زمان کافی بے چین ہوگیا تھا' اس شخص سے جو معلومات حاصل کی تھی' اس سے بس اتنا ہی اندازہ ہوسکا تھا کہ وہ نادر شاہ کا آدمی تھا۔ اس سے زیادہ اس آدمی نے کوئی اور بات ابھی تک نہیں بتائی تھی۔ لیکن بہرحال حیدر زمان نے بھی اس پر سختیاں نہیں کی تھیں' وہ انتظار کر رہا تھا کہ نادر شاہ دوبارہ اس سے رجوع کرے' اس دن نادر شاہ آیا تھا اور نفرت کے زرد پھول پھینک کر چلا گیا تھا' حیدر زمان نے اس کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا' لیکن بہرحال کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرپایا وہ ابھی تک جو اس کے خیال میں موثر ہوتا۔ صرف ایک فیصلہ کیا تھا اس نے' وہ یہ کہ جنگل کے درختوں کی حفاظت اور ان اطراف میں کسی قسم کے جرائم کو نہ ہونے دینے کی ذمے داری اس پر عائد ہوتی ہے۔ اس آدمی کو اس نے شاہ رخ کے حوالے بھی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ شاہ رخ نے جس غیر ذمے داری کا

ثبوت دیا تھا اس سے حیدر زمان کو سخت چڑ ہوگئی تھی۔ بہر حال اس نے اپنی جیپ سنبھالی اور برق رفتاری سے اپنے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ نجانے کیوں آج اس کا دل ایک عجیب سی گھبراہٹ کا شکار تھا۔ صبح کو بھی طبیعت کچھ عجیب سی تھی اگر وہ فون نہ آجاتا تو شاید وہ آفس بھی نہ آتا دفعتہ" اس کے ذہن میں ایک کلک سی ہوئی۔ اور اس نے دل میں سوچا فون' یہ اجنبی فون کیسا تھا۔ کیا اسے گھر سے بلانے کی کوئی کوشش' اس احساس کے ساتھ جیپ کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ دل کی گھبراہٹ یہ احساس دلا رہی تھی کہ کوئی سنگین واقعہ رونما ہوگیا ہے' اور پھر ملازم ریاض کی آواز۔ درحقیقت یہ فاصلہ طے کرنا مشکل ہوگیا اور پھر جب اس نے دور سے اپنے گھر کے دروازے کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا' قرب وجوار کے کچھ افراد وہاں پہنچ گئے تھے۔ اور کوئی عجیب ہی بات ہوگئی تھی۔

حیدر زمان نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ آخری حد تک بڑھا دیا اور جیپ طوفان رفتار سے اڑتی ہوئی گھر پہنچ گئی۔ حیدر زمان نے جیپ سے چھلانگ لگائی اور چیختا ہوا اندر دوڑا۔

"کیا ہوا' کیا ہوگیا' کیا ہوگیا۔؟" لیکن جو ہوگیا تھا وہ سامنے ہی تھا۔ باہر برآمدے میں گھر کے مختلف کپڑوں سے ڈھکی ہوئی چند لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ سفید کپڑوں پر خون کے دھبے ابھر آئے تھے۔ حیدر زمان نے اس چھوٹی سی لاش کو دیکھا اور اس کا پورا بدن کانپ گیا۔ ایک لمحے تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ ہوا کے ایک جھونکے نے نزہت کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا۔ خون میں بھیگے ہوئے بال' پیشانی میں سوراخ جس سے ابلتا ہوا خون زمین پر جمع ہوگیا تھا' اور پھر وہ چھوٹی سی لاش۔

حیدر زمان نے پاگلوں کی طرح آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا'

شیری تھی' صبح کی شیری' جس نے اس سے باکسنگ کی تھی' نزہت تھوڑے فاصلے پر گل جمال' ایک اور ملازم' یہ چار یا پانچ لاشیں ناقابل یقین تھیں۔ حیدر زمان کی ذہنی قوتیں اس کا ساتھ چھوڑنے لگیں۔ اس نے دیوانوں کی طرح گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کی نگاہ اپنے ان دونوں ملازموں کی جانب اٹھ گئی' جو ریاض وغیرہ تھے' وہ ایک سمت کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ اور افراد بھی جن کی شکلیں نامعلوم تھیں۔ غالباً" آس پاس کی بستی کے لوگ۔ لیکن پھر اس نے ایک طرف شاہ رخ کو بھی دیکھا' شاہ رخ کو دیکھ کر وہ ایک دم ساکت رہ گیا' پولیس کی جیپ اس نے باہر نہیں دیکھی تھی۔ اس نے اپنی جیپ تھوڑی سی ہٹا کر کھڑی کی تھی' شاہ رخ کے چہرے پر ایک سنگین کیفیت طاری تھی' حیدر زمان' شیری کی لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اس کا کپڑا ہٹا کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ گولیوں کے کئی نشان اس کے جسم پر تھے۔ معصوم ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی گڑیا دبی ہوئی تھی۔ نزہت کی لاش بھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بالکل اچانک ہی حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا گیا ہو۔ اور انہیں پہلے سے اس کا اندازہ بالکل نہ ہو۔ حیدر زمان پتھرایا ہوا سا کھڑا رہا' پھر جب وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شاہ رخ اس کے بالکل قریب موجود تھا' حیدر زمان نے سنگین نگاہوں سے اسے دیکھا تو شاہ رخ نے آہستہ سے کہا۔

"یو آر انڈر اریسٹ۔"

"کیا۔؟" حیدر زمان نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"تمہیں اپنی بیوی بیٹی اور اپنے دو ملازموں کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے حیدر زمان۔"

"کیا بکواس کر رہے۔ دوستی ختم کر کے دشمنی کیوں شروع کر دی تم نے۔؟" حیدر زمان کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہ میں نے دوستی ختم کی ہے' نہ دشمنی کا آغاز کیا ہے۔"

"ان دو ملازموں کے بارے میں کیا کہتے ہو' جنہوں نے اپنا بیان پولیس کو دیا ہے' معاف کرنا حیدر زمان مجھے پولیس اسٹیشن فون کرکے یہاں بلایا گیا ہے فون کرنے والا یہ شخص جاگیر تھا' ان دونوں نے بیان دیا ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے تم نے اپنی بیوی' بیٹی اور دو ملازموں کو قتل کیا ہے۔ اور وجہ قتل وہ تیسری لاش ہے جو اس طرف پڑی ہوئی ہے۔"

"وہ.......... وہ بھی.......... شاید میرے ملازم ہی کی لاش ہے۔" حیدر زمان نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ تصدیق تم ہی کر سکتے ہو' ویسے مجھے اس کا نام رفیق شاہ بتایا گیا ہے' اور وہ انہی علاقوں کا رہنے والا ہے۔"

"رفیق شاہ۔" حیدر زمان بدستور وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

"شاہ رخ' کسی نے تمہیں کچھ بھی بتایا ہو' تم اس وقت جو کچھ کر رہے ہو جس طرح میرے ساتھ پیش آرہے ہو کیا یہ مناسب ہے۔" شاہ رخ نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

مسٹر حیدر زمان! آپ کے ان دونوں ملازموں نے عینی گواہوں کی حیثیت سے اپنا نام لکھوایا ہے اور بیان دیا ہے کہ یہ شخص رفیق شاہ جو آپ کی مسز کا آشنا تھا یہاں آتا رہتا تھا اور آپ کی مسز اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی تھیں' یہ بات آپ کے علم میں آچکی تھی۔ کئی بار آپ نے اپنی مسز کو وارننگ دی اس شخص کا پیچھا کیا لیکن یہ خوش قسمتی سے نکل گیا۔ مسٹر حیدر زمان آج آپ نے اسے قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا اور اس کے بعد آپ پر جنون طاری ہوگیا۔ اور آپ نے قتل عام کر ڈالا۔ ریاض اور جاگیر جان بچا کر بھاگ گئے۔ اور آپ قتل کے الزام سے بچ

ے لئے اپنے دفتر کی جانب چل پڑے۔ اور اب اس طرح آپ یہاں آئے ہیں جیسے پ کو کسی بات کا علم ہی نہ ہو۔ اچانک ہی حیدر زمان شاہ رخ پر ٹوٹ پڑا تھا۔

"کمینے۔ ذلیل' دوست ہے تو میرا' تو میرا دوست ہے' میری مرحوم بیوی پر یہ زام لگا رہا ہے تو' جان سے مار دوں گا میں تجھے کیا سمجھتا ہے تو۔" شاہ رخ نے دو رم پیچھے ہٹ کر پستول نکال لیا اور اس کا رخ حیدر زمان کی جانب کرکے بولا۔

"اگر تم نے ایک قدم آگے بڑھایا تو میں تمہیں گولی مار کر ہلاک کردوں گا' رفتار کرلو اسے۔" پولیس کے مسلح سپاہی حیدر زمان پر ٹوٹ پڑے تھے' حیدر زمان ن سے باقاعدہ ہاتھاپائی کر رہا تھا۔ اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کمینے کتے۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا تجھے۔ میری بیوی پر الزام لگاتا ہے۔ ہت.......... شیری.......... نزہت.......... شیری.........." وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا' ولیس والوں نے اسے مضبوطی سے کس دیا تھا' اور پھر ایک پولیس والے نے اس ی پشت پر ایک ڈنڈا رسید کر دیا اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے اور وہ بے وش ہوگیا تھا۔

سلطان کی زندگی میں ایک تھوڑی سی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ وہ بگ باس کے لئے مسلسل کام کر رہا تھا' اور بظاہر یہ عام سے کام تھے لیکن بگ باس کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ شاندار کارکردگی کا مالک ہے' سلطان تو ان کاموں کو انتہائی آسانی سے سرانجام دے لیا کرتا تھا' یہ اس کی بے خوف فطرت کا نتیجہ تھا۔ لیکن بگ باس نے اپنے خاص آدمیوں سے کہا تھا کہ سلطان اس کے لئے ایک انتہائی کارآمد کارکن ہے۔ اگر وہ کسی کو قتل نہیں کرتا تو یہ کام بے شک کسی اور کے سپرد کردیا جائے لیکن اسے کسی قیمت پر نہ کھویا جائے۔ اور اس طرح سلطان بگ باس کے لئے ایک اہم شخصیت کا مالک تھا۔ سلطان کی اپنی زندگی بیزاری اور پریشانی کے عالم میں گزر رہی تھی۔ بہن کی تلاش اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ باقی کوئی خوشی اس کی زندگی میں شامل نہیں تھی۔ لیکن اب ایک عجیب سا تصور اس کے ذہن میں آباد ہوتا جارہا تھا' یہ سیما تھی' بکھرے بال اجڑے حوال والی یہ لڑکی جب سلیقے کے لباس میں آئی تو انتہائی پرکشش نظر آنے لگی۔ سلطان کو خوشی تھی کہ ایک تباہ حال گھرانے کو اس نے تھوڑا سا سکون بخش دیا ہے۔ ایک نوجوان لڑکی کو جو پڑوسیوں کی نگاہوں میں

زیں ہو چکی تھی' ایک بار پھر سے اس کو گھر کی چہار دیواری دے دی تھی' وہ شخص جو اس لڑکی کا باپ اور اس عورت کا شوہر تھا' اپنی حرکتوں میں مبتلا رہتا تھا' اب اسے پیسے مل جاتے تھے' وہ خاموشی سے ایک گھنٹہ گھر میں گزار کر چلا جاتا تھا۔ ادھر سیما اور اس کی والدہ سلطان کی ممنون کرم تھیں' ابھی تک سلطان نے ان پر کوئی احسان نہیں جتایا تھا' بس سیما نے اس کے گھر کی تمام ذمے داریاں سنبھال لی تھیں۔ گھر کو صاف ستھرا کرنا' ہر چیز کو سلیقے سے رکھنا' یہاں سلطان کے کچن میں آکر اس کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرنا' یہ سیما نے اپنا شعار بنالیا تھا اور سلطان کبھی کبھی عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا تھا' اس وقت بھی غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لباس تبدیل کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے' بارہا اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ زندگی کے یہ بدنما لمحات کسی طرح خوشنما بنائے جائیں' زیبی تو داغ دے ہی چکی ہے' لیکن زندگی برقرار ہے اسے کب تک اسی طرح بھنور میں ڈوبنے دیا جائے' کیا کرے کیا نہ کرے' اپنی موجودہ زندگی کے بارے میں اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ بہرطور انہی سوچوں میں گم تھا کہ کچھ آہٹیں سنائی دیں' سیما تو اس طرح آجاتی تھی جیسے یہ اس کا اپنا ہی گھر ہو۔ اس کے علاوہ اور کس کی آہٹ ہو سکتی ہے۔ لیکن چند لمحوں کے بعد سا سے اپنے عقب میں جو آواز سنائی دی' اسے سن کر وہ چونک پڑا' سیما کی والدہ تھیں' وہ جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

"ارے اماں جی آپ۔"

"بیٹھ جاؤ بیٹے' ہم ماں بیٹی نے تو تمہارے گھر پر قبضہ ہی جما رکھا ہے۔ بغیر اطلاع کے چلے آتے ہیں' اس کے لئے تم سے معافی مانگیں یا رہنے دیں۔"

"آیئے بیٹھئے۔ یہ فیصلہ تو آپ کو خود کرنا ہے کہ آپ یہاں آنے کے لئے مجھ سے معافی مانگیں' یا جس طرح یہاں چلی آتی ہیں اس اعتماد کو قائم رکھیں۔ سیما کی

والدہ بیٹھ گئیں اور انہوں نے کہا۔

"نہیں بیٹے' دیکھو دنیا بہت بری جگہ ہے' ہم بھی شاید اس طرح تمہاری طرف متوجہ نہ ہوتے اگر تم ہماری مشکلات میں حصہ نہ بٹا لیتے۔ تم نے ہماری زندگی پر احسان کیا ہے اور تم نے.........."

"ایک منٹ اماں جی۔ زندگی اتنی تلخ اور پریشان گزر رہی ہے کہ اس میں دکھ ہی دکھ ہے' آپ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتیں جن میں دکھ نہ ہو بلکہ خوشی ہو' آپ براہ کرم ایسی باتیں نہ کیا کریں۔"

"ٹھیک ہے معافی چاہتی ہوں' آئندہ خیال رکھوں گی' کہیں جانے کی تیاریاں کر رہے ہو۔"

"کہیں نہیں بس ایسے ہی نکل جاتا ہوں' جو کام کرتا ہوں اس کے لئے دن میں ایک یا دو گھنٹے درکار ہوتے ہیں بس۔ اصل میں اماں جی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجھے میرا مقام نہیں ملا۔ اور میری بہن جو مجھے ایک اچھا انسان دیکھنا چاہتی تھی اس لئے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئی کہ میں نے جرم کے راستے اپنا لئے تھے۔ اسے کھونے کے بعد ماں کی ایک قبر کے سوا میری دنیا میں اور کچھ نہیں رہا ہے۔ مجھے دعا چاہیے ایک ایسی بھرپور دعا جو میری بہن کو واپس لے آئے' مجھے اس کی زندگی کی دعا چاہیے ماں جی' مجھے میرا قرض لوٹا دیجئے اس دعا کی شکل میں۔ ماں جی مجھے اس دعا کی شکل میں میرا قرض لوٹا دیجئے' ایسے خلوص سے دعا کیجئے کہ مجھے میری بہن مل جائے۔" سلطان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور سیما کی والدہ نے بے اختیار ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"بیٹے کاش تمہیں تمہاری نیکیوں کا صلہ مل جائے......... کاش مجھے سرخرو ہونے کا موقع مل جائے' میں دعا کرتی ہوں معبود کریم سے کہ تمہیں تمہاری بہن مل

جائے۔"

"اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس جذباتی ماحول میں گرم گرم چائے الگ ماحول رکھتی ہے۔ دروازے سے سیما کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی چائے کی خوشبو بھی آنے لگی' اس سے پہلے کہ اس کی والدہ کچھ کہتیں' سیما نے کہا۔"

"ہاں ہاں' میں سارے جذباتی الفاظ سن چکی ہوں۔ اور اب مجھ سے یہ بالکل نہ کہا جائے کہ اس جذباتی ماحول کا خیال رکھوں ویسے امی آپ کی دعا میں میں بھی برابر کی شریک ہوں اور اس یقین اور اعتماد کے ساتھ کہ انشاء اللہ یہ دعا پوری ہوگی۔ آمین۔ اب خواتین و حضرات چائے لیں' میں نے بڑی محبت سے بنائی ہے۔ سیما نے تھوڑا سا ماحول کو بدلا تھا۔ ایک غم آلود کیفیت کے باوجود سیما کے اس شوخ انداز پر سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی لکیر کھنچ گئی۔ افسردگی اور غم کا پیکر ظلم و ستم کا شکار سیما اب مسکرانا سیکھ گئی تھی۔ اور سلطان کو اس بات کی خوشی تھی کہ دو معصوم ہونٹوں پر مسکراہٹ سجانے کا سہرا اس کے سر ہے۔"

حالات کا ماتم لا حاصل' حالات تو گم ہو جاتے ہیں
کچھ حال کی اجڑی بستی میں' کچھ ماضی کے ویرانے
میں

یاقوت کی آواز افضال کے کانوں میں اتری اور افضال اچھل کر بیٹھ گیا' اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یاقوت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا شعر ہے۔" یاقوت کے ہونٹوں پر ایک غم آلود مسکراہٹ پھیل گئی' پھر اس نے کہا۔

حسن کا سامان بیچو' لیکن حسن کو بکنے سے بچاؤ
یارو کوئی فرق تو رکھو گھر میں اور دکانوں میں

"خدا کی قسم سر پھوڑ لوں گا میں' سر پھوڑ لوں گا' کس کے اشعار ہیں یہ۔؟"

"کیسی عجیب بات کر رہے ہو شاعر' اپنا خون کسی کی رگوں میں منتقل کرنے کے بعد تلاش کرتے ہو کہ اس کے خون سے کونسی آواز آتی ہے۔ بابا ہونا تم میرے۔ تمہارا ہی خون ان رگوں میں دوڑ رہا ہے تم شاعر ہو' میں شاعر نہ سہی' لیکن شعر

ی تو ہو سکتی ہوں۔ بیٹھو' وہ ناگن کہاں ہے۔؟"

"پتہ نہیں کون کہاں ہے' کون کس کے بارے میں کیا جانتا ہے۔ یہ تو اللہ ہی انے۔"

"بیٹھو کیا ہوا کیا بات ہے۔ کافی غمزدہ نظر آ رہی ہو۔؟"

"بس بابا اپنے بارے میں سوچتی ہوں' کیا ہوا ہے' معصوم کیڑے کی طرح اس ائنات میں وارد ہوئی' پلی بڑھی' جوان ہوئی تو آگہی ملی اور اپنے بارے میں جو جانا وہ ں دنیا کی عام زندگی سے مختلف تھا' بابا کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ میں کسی چھوٹے ے جھونپڑے میں ہاتھ میں جھاڑو لئے اپنے صحن کے آنگن سے سوکھے پتے صاف رتی' تم دونوں میرے سرپرست ہوتے' مٹی کی ہانڈی میں دال پکاتی۔ چولہے میں لی لکڑیاں سلگاتی۔ بابا کیسی حسین زندگی ہوتی ہے ایسی زندگی بسر کرنے والے کی۔ راب میں کمخواب کا کیڑا ہوں بابا کسی کمخواب کے کیڑے سے تو پوچھو وہ بھی یہی کہے ا۔"

"کیا۔؟" افضال نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ تو کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد قوت نے کہا۔

چراغ لے کے ارادہ تھا کہ بخت کو ڈھونڈیں
شب فراق تھی کوئی چراغ ہی نہ ملا

"کلیجہ کھینچ رہی ہے تو میرا' یاقوت تو کلیجہ کھینچ رہی ہے' آج کیا ہو گیا ہے تجھے۔؟"

"بس بابا اپنی قیمت پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اور سچی بات ہے کہ اپنا ول نظر نہیں آ رہا' دل اداس ہے' دیکھو دیکھو ادھر دیکھو بابا۔ وہ سوداگر آ گیا ہے' یکھو کیسے کیسے بدنما لوگوں نے مجھے خرید لیا ہے' کیا قیمت ہے ہماری بھی۔؟" افضال

کی نگاہیں سامنے اٹھ گئیں۔ نادر شاہ کی شاندار پجارو اس طرف آ رہی تھی' یاقوت اداس نگاہوں سے ادھر دیکھتی رہی' پھر اس نے کہا۔

"اور اب میں مسکراؤں گی اور چہرے پر جھوٹ سجا کر اس کے سامنے آؤں گی۔ اچھا بابا تھوڑی دیر کے لئے غم کے اس طوفان کو سمندر میں ڈبو رہی ہوں' ان سے پھر باتیں کروں گی۔" یاقوت آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گئی اور افضال سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی تھی' ایک دور تھا جب اس نے جانم کو چاہا تھا اور جانم کے عشق میں مبتلا ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھا تھا لیکن آج نجانے کیوں بیٹی کی باتوں نے غیرت کی کالی کیچڑ کو کریدا تھا اور اس میں سفیدی سی نظر آ رہی تھی۔

نادر شاہ کی گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ یاقوت کے چہرے پر جھوٹے چراغ روشن تھے' نادر شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا گاڑی سے اتر کر یاقوت کی جانب بڑھا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"یوں لگتا ہے یاقوت جیسے تمہیں ہمارے آنے کی خبر ہو جاتی ہے' یا پھر تم گھر میں اندر رہنے کے بجائے باہر زیادہ رہتی ہو' دونوں میں سے کونسی بات ٹھیک ہے۔؟"

"دونوں میں سے کوئی بات ٹھیک نہیں ہے شاہ جی' اصل میں
رات کی رانی کا آنچل تھام کر چلتی ہوں میں
آج کی شب زندگی مہماں ہوئی خوشبو کے گھر
بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی مہک مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔"

"ارے واہ' یاقوت ہمیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ تم اس طرح ترش کر ایک اتنے قیمتی ہیرے کی شکل اختیار کر جاؤں گی' نام تو تمہارا بالکل ٹھیک رکھا تمہارے والدین نے' یعنی یاقوت' یہ الگ بات تھی کہ سرخ یاقوت تراشا ہوا نہیں

تھا' ویسے ہم تمہیں گنگا جمنی بنانا چاہتے ہیں۔"

"سمجھی نہیں شاہ جی۔"

"سمجھاتے ہیں۔" نادر شاہ نے وہیں کھڑے کھڑے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک انتہائی خوبصورت الماس کا ہار نکال کر یاقوت کی گردن کی جانب بڑھا دیا' یاقوت نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی تھی۔ پھر جب وہ سیدھی ہوئی تو بولی۔

صحن چمن کو اپنی بہاروں پر ناز تھا
وہ آئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

"واہ یاقوت! آنکھوں کے راستے دل میں اترنے کا فن آ گیا ہے تمہیں۔ بڑی اچھی فنکار ہو' چلو ٹھیک ہے' اب ہمیں اندر تو لے چلو اور ہاں' جانم کہاں ہے۔ کبھی کبھی دل تو چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں تلخ الفاظ استعمال کریں' لیکن پھر سوچتے ہیں کہ اس سے ہمارا رشتہ بھی تو ہے۔"

"کیوں نہیں شاہ جی' آیئے۔" یاقوت نے کہا اور نادر شاہ کو لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ خوبصورت ڈرائنگ روم میں نادر شاہ پاؤں پھیلا کر بیٹھا تو یاقوت اس کے قدموں میں جھک گئی۔ اور اس کے جوتوں کے بند کھولنے لگی' نادر شاہ نے ایک دم پاؤں سمیٹ لئے تھے۔

"نہیں یاقوت ایسا نہ کرو' تمہاری یہ منزل نہیں ہے۔"

"شاہ جی' منزل کو سمجھنا بھی تو ایک عذاب ہے' بس دل کی باتیں دل کے اندر ہی رہیں تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

"تمہارے دل میں کوئی گہرائی ہے' اگر ہے تو ہمیں بتاؤ۔؟"

"نہیں شاہ جی' آپ کو دیکھنے کے بعد بس اور کچھ یاد نہیں رہتا"

"چلو ٹھیک ہے' آج تمہارے ساتھ خوب وقت گزاریں گے۔"

"جی شاہ جی سر آنکھوں پر اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔" یاقوت نے کہا اور زبردستی نادر شاہ کے پیروں سے جوتے اتار لئے' باپ سے ـنہ کر اٹھی تھی کہ اب منافقت کا لباس پہن لے گی اور آغاز کر دیا تھا اس نے' نادر ـاہ کو خوشی ہو رہی تھی۔

پھر بہت دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے' جانم اپنے گھر میں تھی' یاقوت نے ـر شاہ کی خاطر مدارت کی اور نادر شاہ بہت دیر تک اس سے دنیا جہان کی باتیں کرتا ـا پھر اس نے کہا۔

"یاقوت اچانک ہی تمہیں اس بات کا علم ہوا ہو گا کہ تم شاعر کی بیٹی ہو اور پھر ـارے خون میں شاعری کی حدت پیدا ہو گئی ہو گی' بڑے خوبصورت اشعار کہہ لیا ـتی ہو' موقع کی مناسبت سے' میں ہوں تو ایک پہاڑی آدمی۔ زندگی میں بہت سے ـے نشیب و فراز آئے ہیں جن کا لطافت سے کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن نجانے کیوں ـہ اشعار میری روح میں داخل ہو جاتے ہیں اور میں انہیں روح کی نگاہ سے دیکھتا ـں اور بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے مجھے ان سے۔"

"شاہ جی کا ذوق نظر ہے' ورنہ یاقوت تو ایک ٹھکرائی ہوئی مخلوق ہے۔" نادر ـنے چونک کر یاقوت کو دیکھا۔ وہ خود بھی تلخ آدمی تھا' مفہوم بھی سمجھ لیا کرتا تھا ـا کر بولا۔

"ٹھکرائی ہوئی مخلوق سے تمہارا کیا مفہوم ہے۔؟"

"نہیں شاہ جی یہ تو آبلے ہیں جو ایک ایک کر کے پھوٹ رہے ہیں۔ آخری ـہ بھی پھوٹ جائے گا۔"

"افسوس کی بات تو یہی ہے یاقوت' بہت اچھے اچھے لوگ اپنی قیمت کا تعین ـں کر پاتے اور راستے سے بھٹک جاتے ہیں' زندگی کی لکیر اگر سیدھی ہو تو بڑی

کارآمد ہوتی ہے۔ بہت سے جھگڑوں سے نجات مل جاتی ہے۔ انسان اپنا تعین کرکے سفر کا آغاز کرکے تو سفر آسان ہوتا ہے' تعین کئے بغیر راستے بھٹکتے ہوئے کبھی کبھی کوئی نجانے کہاں سے کہاں نکل جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنا تعین کرلے' مجھے معاف کرنا یاقوت' تمہارے لہجے میں میں کبھی کبھی غم کی پرچھائیاں پاتا ہوں' لیکن اگر برا نہ مانو تو میں تم سے کہو کہ یہ غم نہیں ہے' ہوس ہے طلب ہے' وہ مقام حاصل کرنا چاہتی ہو جو درحقیقہ تمہارا مقام نہیں ہے' اب تم دیکھو نسلیں ہوتی ہیں' رنگ ہوتے ہیں' فصلیں ہو ہیں' تفریق ہوتی ہے' ہم اپنی ڈگر سے ہٹ کر دوسرے کے شانے پر چڑھنے کوشش کریں تو بالآخر وہ شانہ جھٹک ہی دے گا۔

تم نے جانم کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اور جانم وہ ہے جو اپنے ایک شوہ ملازم کی حیثیت سے رکھتی ہے اور دوسرے کے شانوں پر سر رکھتی ہے' تم اب بات جان چکی ہو کہ تم اس پراسرار شخص کی اولاد نہیں ہو' بلکہ شاعر کی اولاد ہو' کے باوجود اپنی مشکوک شخصیت کو تم ایک اچھا رنگ دینا چاہتی ہو' یہ کیسے ممکن یاقوت۔" یاقوت کے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' اس بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں شاہ جی' بھلا اس میں شک کس کافر کو ہے۔ لیکن جی' بس یہ انسان ہی تو ہے جو پیدائش کے وقت نجانے کیا ہوتا ہے اور اس کے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو اس طرح بھولتا ہے کہ اسے خود یاد نہیں رہتا کہ وہ کیا ہے

"اصل میں سب سے بڑا کام یہی ہے انسان کا یاقوت کہ وہ اپنی اصلیت رکھے۔"

"ہاں شاہ جی' جس نے اپنی اصلیت کو یاد رکھا میں سمجھتی ہوں کہ وہ

ت سی مشکلات سے بچ سکتا ہے' آپ کے لئے کیا تیار کراؤں شاہ جی' کیا پسند کریں گے۔؟"

"کبھی کبھی یاقوت کی پسند بھی ہمارے لئے سب کچھ ہوگی۔"

"میں ابھی آتی ہوں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" نادر شاہ نے کہا اور یاقوت کمرے سے باہر نکل گئی۔ لیکن رے پر دوزخ کی آگ جل رہی تھی' ایسی بری باتیں کی تھیں اس بدشکل انسان نے لہ یاقوت کا سارا وجود خاکستر ہوگیا تھا' بے شک جانم کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی' ان ہوئی تو اسے علم ہوگیا کہ ماں کونسے راستوں پر سفر کرتی ہوئی اس پہاڑی مقام ک پہنچی ہے اور یہ خوبصورت عمارت کس طرح ایک حسین قید خانے کی صورت کھتی ہے۔

ایک ایسا قید خانہ جس میں کوئی پہرے دار نہیں ہے' لیکن اس میں انسان پنے احساس کا قیدی ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اس نے اپنی احساس کی قیدی ماں کو ھا ایک طرح سے جانم بھی بے قصور تھی' دنیا نے اسے جو راستے دیئے وہ انہیں پر لنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ افضال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ جب اسے ہ چلا کہ شاعر اس کا باپ ہے تو اسے کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ البتہ نادر شاہ ے اس نے جس خواہش کا اظہار کیا تھا وہ بالکل سچائی کے ساتھ تھی' اسے جو کچھ کھایا گیا تھا نادر شاہ سے اس نے وہی الفاظ کہے تھے' مخمل کا بکس' کمخواب کی باتیں نم کا سبق تھے اس کے لئے' جانم نے یہی کہا تھا اس سے کہ اس مکار دنیا کے مکار ر حسین گفتگو کے ماہر ہوتے ہیں' باتوں کے جال میں جکڑ گئی تو برباد ہو جائے گی' یہ ں کی رٹائی ہوئی باتیں تھیں' جو یاقوت نے نادر شاہ سے کہی تھیں' لیکن وہ نادر شاہ جی کو لگ گئیں' ویسے بھی یاقوت کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ شخص بہت اچھا انسان

نہیں ہے۔

کینہ پرور اور سخت مزاج' آنکھوں سے یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ سخت دل بھی ہے' ماضی کیا ہے' حال کیا ہے' بھلا اس جیسی چھوٹی عقل کی لڑکیاں کیا معلوم کر سکتی تھیں' لیکن نادر شاہ نے جن الفاظ میں اس کے پندار کی توہین کی تھی۔ اس کی شخصیت کو قتل کر دیا تھا۔ جس طرح اس کے وجود کو مضروب کیا تھا نادر شاہ نے' اس کے دل میں انتقام کا ایک جذبہ بیدار کر دیا تھا اور شاید اب یہی جذبہ باقی تمام جذبوں پر حاوی تھا۔

باورچی خانے میں تمام انتظامات کرنے کے بعد جب وہ واپس ڈرائنگ روم کی جانب پہنچی تو دروازے پر ٹھٹک گئی' اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کون ہو سکتا ہے یا تو افضال کسی کام سے اندر آ گیا یا جانم' اس نے تھوڑا سا جھانک کر اندر دیکھا' نادر شاہ موبائل پر گفتگو کر رہا تھا۔ ماحول خاموش تھا' اور پھر جس جگہ یاقوت کھڑی ہوئی تھی وہاں سے نادر شاہ کا زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا' چنانچہ نادر شاہ ٹیلی فون پر جو گفتگو کر رہا تھا' وہ یاقوت نے بھی سنی' وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں بولو شرجیل کیا بات ہے۔ کیا......... فاریسٹ آفیسر کا کام ہو گیا' ویری گڈ ویری گڈ۔ بیوی اور بچی بھی ماری گئی' اور دو ملازم......... ٹھیک......... اس کا ایک خاص ملازم تھا گل جمال' اسے بھی ختم کر دیا' بہت اچھا کیا' ہاں ہاں ٹھیک ہے' جس نے ہمارے لئے قربانی دی ٹھیک ہے......... بہت خوشی کی خبر سنائی ہے تم نے......... وہ کمینہ فاریسٹ آفیسر ہمارا راستہ روک رہا تھا اور ہمارا راستہ روکنے والے موت کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ ٹھیک ہے نہیں نہیں ہاں ذرا خیال رکھو۔ نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بیوی کے قتل کے الزام میں' ہاں ہاں میرا مطلب ہے بیوی بچی اور ملازموں کے قتل کے الزام میں۔ گرفتار کرنے والا کون ہے۔ اچھا!

ہی پولیس آفیسر۔ وہ تو کام کا بندہ ہے۔ نہیں ابھی نہیں۔ ملیں گے اس سے کسی وقت' ایسا آدمی ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے' اس کی نوکری مستحکم کر دیں گے' اچھا ایک کام کرو شرجیل' میں ادھر یاقوت کے پاس آیا ہوا تھا' لیکن اب جبکہ فاریسٹ آفیسر کا کام کامیابی کے ساتھ ہو گیا ہے تو میں یہاں رکوں گا نہیں۔ کچھ ابھی تو آیا تھا بس پندرہ بیس منٹ ہوئے ہیں۔

نہیں ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں تم ڈیرے پر پہنچو۔ وہاں سے نیا کام کریں گے۔ میں آ رہا ہوں ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر نادر شاہ نے موبائل بند کر دیا' لیکن یاقوت کے پورے وجود میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں' نادر شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی' نادر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیا انتظام کیا ہے ہمارے لئے ہماری یاقوت نے۔"

"بس شاہ جی' جب آپ نے میزبانی کا فرض مجھے سونپ دیا تو اطمینان رکھئے سب کچھ آپ کی پسند کا ہی ہو گا۔"

"ہماری پسند کی تو صرف تم ہو یاقوت۔ لیکن افسوس اس وقت ہم تمہیں وقت نہیں دے سکیں گے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے ایک ساتھی نے موبائل پر ہمیں فون کیا ہے۔ کچھ ایسا کام آ پڑا ہے ہمیں جلدی کا جس کی وجہ سے ہمیں جانا ہو گا۔"

"شاہ جی۔ ظاہر ہے آپ نجانے کس کس کے رکھوالے ہیں۔ دکھ تو بے شک ہو گا لیکن جلدی آیئے۔"

"ہاں بالکل وعدہ کرتے ہیں۔" نادر شاہ نے یاقوت کی ٹھوڑی کو چھوا اور اس کے بعد دروازے سے باہر نکل گیا۔ یاقوت زہریلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی باہر نکل آئی اور دور سے ہی اس نے نادر شاہ کو اپنی پجارو میں بیٹھ کر جاتے

ہوئے دیکھا' جب بچارو نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ آہستہ آہستہ باہر نکل آئی' ایک کونے میں افضال کھڑا ہوا نادر شاہ کو دیکھ رہا تھا' اس کی نظر یاقوت پر پڑی تو وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا یاقوت کے پاس آگیا' اس نے اس سلگتے ہوئے وجود کو دیکھا' چہرہ شعلہ بنا ہوا تھا۔ آہستہ سے بولا۔

"یاقوت........" یاقوت نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"کچھ ناراض ہوکر گیا ہے وہ۔؟"

"نہیں........ بس فون پر کوئی بات ہوئی اور چلا گیا۔"

"یہی تو میں حیران تھا کہ ابھی ابھی تو آیا ہے' اتنی جلدی کیسے چلا گیا۔"

"جی۔" یاقوت نے آہستہ سے کہا۔

"کوئی بات ہے یاقوت۔ کوئی بات ہوئی ہے اس سے۔؟"

"نہیں میں یہ سوچ رہی تھی کہ عورت کے بدن کی قیمت کیا ہوتی ہے اور اس کے پندار کی قیمت کیا ہوتی ہے' تم تجربے کار ہو بابا' بتا سکو گے مجھے کہ بدن زیادہ قیمتی ہوتا ہے یا پندار۔؟" شاعر نے عجیب سی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا اور بولا۔

"پندار کی حقیقت جانتی ہو۔؟"

"شاید میرے جیسی تمام لڑکیاں جانتی ہیں بابا۔"

"کبھی کوئی ایسی عورت جو اپنا بدن فروخت کرتی ہو' پندار کے بارے میں نہیں سوچتی' کم از کم اتنا تو تم جانتی ہو یاقوت کہ عورت کا ایک مقام ہوتا ہے وہ اگر مقام کو اگر پہچان لیتی ہے تو سیتا کہلاتی ہے مریم کہلاتی ہے' اور اگر اس مقام کو بھول جاتی ہے تو سیڑھیوں سے اوپر کوٹھوں کی زینت ہوتی ہے' چند پیسوں کے لئے دوسروں کے سامنے تھرکتی ہے۔ ادائیں فروخت کرتی ہے۔ پندار کی تو کوئی قیمت ہی

نہیں ہوتی' کوئی شخص اتنا بڑا خزانہ نہیں رکھتا کہ پندار کو خرید سکے۔"

"اور وہ جو اپنی زہریلی باتوں سے اسے چکنا چور کرنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کے لئے موت کی سزا تو بڑی معمولی سی سزا ہے انہیں تو تیزاب کے ٹینک میں ڈال کر گلا دینا چاہیئے ان کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر ان پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دینی چاہیئے' ایک ایسی بد ترین سزا جو انہیں یہ احساس دلا سکے کہ انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔"

"بابا میں ایک ایسی سزا ایک ایسے شخص کو دینا چاہتی ہوں۔" یاقوت نے شدت جذبات سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا اور شاعر مسکرا دیا۔

"نادر شاہ کو۔"

"جو بات میں نے تم سے پوچھی ہے' اس کا جواب دو بے شک تم میرے باپ ہو' لیکن باپ کی حیثیت سے تمہارا اپنا کوئی مقام نہیں ہے۔ تم جانم کے ملازم ہو سمجھے' اور میں جانم کی بیٹی' مجھے صرف میری بات کا جواب دو۔" افضال ہنس پڑا اور اس نے کہا۔

"جب تو ایسی زہریلی باتیں کرتی ہے نا تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ کچھ بھی ہے شاید خون کے سرخ اور سفید ذرات اپنا مقام رکھتے ہیں' مجھے کچھ بھی کہہ لے' دکھی ہوئی ہے نا اس وقت' میں تجھے ایک بات بتاؤں وقت کا انتظار کر' وقت ہر چیز کا ہر غم کا مداوا کرتا ہے' اگر اس نے تیری توہین کی ہے تو وقت آنے دے اس توہین کا انتقام لے سکتی ہے تو کیا سمجھی۔؟"

"وہ ایک بد صورت مرد ہے' تم جانتے ہو نا۔؟"

"ہاں۔"

"کرخت' جاہل بد تمیز پہاڑی۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔"

"اور میں کیا ہوں۔؟"

"اگر میں تجھے گلاب کا تازہ کھلا ہوا پھول کہوں تو یہ تیری توہین ہوگی۔ جس طرح ہم اس سزا کا تعین نہیں کر سکتے جو ہم پندار کے قاتل کو دینا چاہتے ہیں اسی طرح میں تیرے حسن کا، تیری شخصیت کا تعین نہیں کر سکتا۔"

"اور اس نے میری توہین کی ہے بابا، اس نے مجھے صرف ایک......... بس اس سے آگے میں کچھ نہ کہوں گی۔" یاقوت خاموش ہوگئی اور شاعر آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

عشرت کی نگاہیں فیروز کا جائزہ لے رہی تھیں، فیروز نے ایک لمحے کے اندر اندر اپنے آپ پر قابو پایا، اور پھر عشرت کا چہرہ دیکھنے لگا، اسے اس سنگین صورتحال کا بخوبی اندازہ تھا، سامنے والی کوئی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ بہت سارے شعبے ایسے ہوتے ہیں، جن کا تعین صحیح انداز میں نہیں کیا جا سکتا۔ صحافت کے شعبے کے لوگ بس کہہ لیا کرتے ہیں کہ صحافی ہے، اخبارات میں کام کرتا ہے، لیکن اس شعبے کی جو گہرائیاں ہوتی ہیں یا جو لوگ اس شعبے میں نام کماتے ہیں، انہیں اس نام کے حصول کے لئے جس قدر محنت اور ذہانت سے کام کرنا ہوتا ہے دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے، عشرت بھی اسی شعبے سے منسلک تھی، فیروز کو خود بھی یہ اندازہ تھا کہ وہ انتہائی ذہین لڑکی ہے، لیکن بہرحال اس کا اپنا شعبہ بھی ایسا ہی تھا۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہوتی کہ وہ عشرت کو اپنے آپ سے روشناس کراتا، فوری طور پر تو یہ کسی طور نہ ممکن تھا نہ مناسب، اشارہ تو اس نے بے شک دے دیا تھا عشرت کو، لیکن عشرت غالباً" چاہتی تھی کہ وہ اپنی حقیقت اسے فوراً" ہی بتا دے۔ یہ چاہت غلط تو نہیں تھی لیکن فیروز اپنے حلف سے مخلص تھا۔ کچھ لمحے وہ عشرت کی صورت دیکھتا رہا پھر اس

نے اپنے چہرے کے تاثرات تبدیل کئے اور بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا عشرت کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے' ہو سکتا ہے تم نے کوئی میرا ہم شکل دیکھا ہو' کہا تو یہی جاتا ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص کے بہت سے ہم شکل ہوتے ہیں۔ میں نے تو یہی سنا ہے تم نہ مانو تو اور بات ہے' میں اصل میں الجھ گیا ہوں عشرت تمہاری الجھن سے' اپنے آپ کو سلجھالو' میرے بارے میں اگر کچھ غلط فہمیاں تمہارے دل میں ہیں تو انہیں دل سے نکال دو۔ میں بہت ہی پریشانی محسوس کر رہا ہوں تمہارا رویہ بھی میرے ساتھ اچھا نہیں ہے' اپنے آپ کو بلاوجہ بھٹکا رہی ہو' کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ ایسا نہ کرو۔؟"

"ہاں یہ مناسب نہیں ہو گا فیروز' تم مجھ سے میری شخصیت چھیننا چاہتے ہو' یہ میری شخصیت بھی ہے اور میرا پروفیشن بھی' میں بال کی کھال نکالتی ہوں' لیکن ایسے بال کی جو گندگی میں ڈوبا ہوا نہ ہو' فیروز ہم دونوں زندگی کے سفر کے سلسلے میں بہت سی باتیں کر چکے ہیں' کیا ہم یہ کہیں کہ وہ صرف باتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" فیروز کے چہرے پر سنجیدگی چھاگئی' اس نے کہا۔

"نہیں۔ وہ ساری باتیں سو فیصدی حقیقی ہیں' لیکن ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی۔ مان جاؤ تو مجھے معاف کرنے کی کوشش کرنا' نہ کر سکو تو تمہاری مرضی ہے' عشرت اگر تم یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تم نے ایک پیٹرول پمپ پر سروس بوائے کی حیثیت سے ملازمت کرنے والے لڑکے کو اپنے دل میں ایک مقام دیا ہے' اور بڑا ثواب کمایا ہے' بہت بڑا ایثار کیا ہی' بہت بڑے جذبوں کا اظہار کیا ہے' بہت بڑی شخصیت سمجھا ہے اپنے آپ کو تو عشرت اس کے لئے میں تمہیں صرف ایک بات کہوں گا ہر شخص کے اپنے وجود میں ایک دنیا آباد ہوتی ہے' کوئی بھی اپنے آپ کو کسی سے کمتر سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا' اگر تم یہ احسان کر رہی ہو اور اپنے آپ

کو ایک بہت بڑی شخصیت محسوس کر رہی ہو تو براہ کرم اصلاح کرلو' میں جو بھی ہوں جیسا بھی ہوں' اپنے آپ کو کمتر نہیں سمجھتا اور نہ کسی کو اجازت دے سکتا ہوں کہ وہ مجھے کمتر سمجھے یا سمجھانے کی کوشش کرے۔"

"ہاں میں بھی یہی کہنا چاہتی ہوں۔" عشرت کی آواز میں غراہٹ پیدا ہوگئی۔

"مطلب۔؟"

"میں بھی یہی کہنا چاہتی ہوں کہ تم بھی ایسا نہ سمجھو' ایک معمولی صحافی لڑکی سمجھ کر مجھے غلط راستوں پر بھٹکانے کی کوشش مت کرو' شاید یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہو گا۔"

"اوکے اوکے ٹھیک ہے۔ تم اب ایسا کرو کہ اپنی غلط فہمیاں دور کرلو۔ اگر ایسا کر سکو تو مجھے بتا دینا عشرت۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہی' میں اس حد کو تسلیم کر رہی ہوں۔" عشرت نے کہا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی' فیروز نے اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور پھر خود بھی اٹھ کھڑا ہوا' اس کے بعد بل وغیرہ ادا کر کے دونوں باہر نکل آئے تھے۔ باہر آکر عشرت نے کہا۔

"ٹھیک ہے فیروز چلتی ہوں' اگر یہ محسوس کرلو کہ اپنے دل میں مجھے کیا مقام دیتے ہو' تو مجھے فوراً مخاطب کرلینا' جھجکنا نہیں' میں بھی سوچوں گی تمہارے بارے میں اور یہ غور کروں گی کہ میرے اور تمہارے درمیان.........." فیروز نے پوری بات بھی نہیں سنی' پلٹ کر واپس چل پڑا' وہ بھی سخت طبیعت کا انسان تھا' عشرت پچھلے کچھ دنوں سے کافی تلخ ہوگئی تھی' اول تو بہت سے معاملات میں ناکامی اور پھر عشرت یا اس کے اخبار سے کچھ معلوم نہ ہونا' دونوں ایسی باتیں تھیں' جنہوں نے فیروز کو بد دل کر دیا تھا' وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا دور نکل گیا' کافی دور جا کر دیکھا تو

عشرت کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ غالباً" وہ کسی رکشہ یا ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی تھی، فیروز دیر تک اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔

اسی شام اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ سے گفتگو کی اور اس موضوع کا حوالہ دیتے ہوئے نجمہ کے بارے میں پوچھا۔

"سر اخبار یقیناً" آپ کی نگاہ سے گزر چکا ہو گا' اس نے اس لڑکی کے بارے میں لکھا ہے' سر کیا اخبار کے ایڈیٹر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ پولیس کی رہنمائی کرے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو اس سلسلے میں کوشش نہیں کی جا سکی ہو گی۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ نے اخبار کے ایڈیٹر سے رابطہ قائم کیا' لیکن اخبار کا ایڈیٹر کہتا ہے کہ کسی قیمت پر وہ لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس معصوم لڑکی کی حفاظت نہیں کر سکے وہ اس کے اہل خاندان کی کیا حفاظت کریں گے' ایڈیٹر سے کہا گیا کہ پولیس اس خاندان کی حفاظت کی ذمے داری لیتی ہے۔ تو ایڈیٹر نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا اور کہا کہ اسے گرفتار کر ے لاک اپ میں بند رکھ جائے' چھت سے الٹا لٹکا کر اس کے جسم پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے' وہ چیلنج کرتا ہے کہ وہ زبان نہیں کھولے گا' اصل میں بھائی یہ شعبہ بالکل مختلف ہے' غالباً" ان لوگوں سے تمہارا باقاعدگی سے واسطہ نہیں پڑا' سخت دل' سخت جان اور بڑے اقتدار کے مالک ہوتے ہیں' ایڈیٹر کے ان الفاظ کے بعد ظاہر ہے ہم بھی وحشی جانور تو نہیں ہیں کہ ایک ایسے شخص کو پکڑ لائیں جس کا سماج و معاشرے میں اپنا ایک مقام ہو اور اسے مجبور کر سکیں اس کا اپنا ایک موقف ہے' وہ کہتا ہے کہ جو کام پولیس نے نہیں کیا وہ ایک صحافی نے کیا' ہم نے اسے اور بھی راستوں سے ٹریپ کرنے کی

کوشش کی' ہم نے کہا کہ اس نے صرف اخبار کو چمکانے کے لئے یہ من گھڑت خبر بنائی ہے تو ایڈیٹر نے جواب دیا کہ اعلیٰ حکام کے پاس اس طرح کی باتوں کا جواز موجود ہے' اخبار بند کر دیا جائے' اسٹاف کو اٹھا کر جیل میں ڈال دیا جائے' مگر ظاہر ہے فیروز ہم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"جی سر۔" فیروز نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن خیر' ہم کوشش کر رہے ہیں' نرم راستہ اختیار کر کے شاید ہم ایڈیٹر سے کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں' دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"جی سر۔" فیروز نے جواب دیا' فون بند کرنے کے بعد اس نے دل میں سوچا کہ اب میں خود اس لڑکی کے بارے میں معلوم کروں گا۔ اگر صحافت کے شعبے سے تعلق رکھنے والی لڑکی عشرت صرف صحافی ہے تو پھر وہ نہ تو محبوبہ ہو سکتی ہے نہ بیوی' اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔

حیدر زمان کو ہوش آگیا' کچھ لمحوں تک تو وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے اطراف موجود در و دیوار کو دیکھتا رہا' پھر اس کی نظر سلاخوں والے دروازے پر پڑی' جس کی دوسری جانب کانسٹیبل ٹہل رہا تھا' اس کے جسم کے نیچے موٹا گدا اور تکیہ پڑا ہوا تھا' سر میں ہلکی سی دکھن تھی' اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر کی پشت پر پہنچ گیا۔ سر کی پشت پر ایک گومڑا ابھر ہوا تھا' اور اس گومڑے میں ایک انتہائی ہولناک داستان چھپی ہوئی تھی۔ اس دکھن نے اسے سب کچھ یاد دلا دیا۔ شیری کے بدن کے سوراخ' نزہت کی پیشانی کا داغ' چاروں طرف بکھرا ہوا خون' اور اس کے بعد وہ گھناؤنی کہانی جو ان تمام واقعات سے زیادہ قابل نفرت اور دردناک تھی' حیدر زمان ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے سینے میں دل بری طرح پھڑپھڑانے لگا' سارے وجود میں تشنج پیدا ہوگیا' دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخے۔ ان سارے در و دیوار کو توڑ کر پھینک دے' اپنا سر اپنا سارا وجود پاش پاش کرلے۔ عقل نے ایسا تو نہ کرنے دیا' آنکھوں سے آنسو بہے اور پھر ہچکیوں کا طوفان آگیا۔ دریا کی روانی تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ بلک بلک کر رویا۔ سلاخوں دار دروازے کی طرف سے رخ بدل لیا کہ

سپاہی دیکھنے نہ پائے۔ بڑی دلدوز کراہیں نکل رہی تھیں اس کے منہ سے۔ شیری میری بچی' لعنت ہو مجھ پر' یہ دیا بیٹا میں نے تجھے' نزہت ایسے تحفے تو دشمن بھی دشمن کو نہیں دیتے۔ میری وجہ سے ہوا یہ سب کچھ' میری وجہ سے ہوا' نزہت تیرے خون میں لتھڑے ہوئے وجود کو کتنے گھناؤنے کفن دیئے گئے' تیرے خوشنما کردار پر کیسا قابل نفرت داغ لگایا گیا' نزہت میری وجہ سے نا' کیا عجیب بات ہے' سوچا بھی نہیں تھا کبھی خواب میں' نزہت میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا ایسی بات کا۔ ارے میری بچی شیری' تیرا تو کوئی قصور نہیں تھا' تیرے ساتھ بھی اتنی وحشت برتی گئی' مجھے مار دیتے وہ' میرے وجود کو خاکستر کر دیتے' زندہ جلا دیتے مجھے' مگر یہ کیا کیا ہے' آہ کون ہیں وہ' کون ہیں' دل کا غبار آنکھوں کے راستے بہتا رہا۔ اور پھر بہت سی باتیں سوچتے سوچتے شاہ رخ کا خیال آیا۔ اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"شاہ رخ! دوست صرف چند لمحوں میں دشمن بن جاتے ہیں ایسا کیسے ہو جاتا ہے شاہ رخ۔ تم میرے دشمن کیوں بن گئے۔ تم نے وہ قابل نفرت الزام اپنے کانوں سے سن لیا۔ ویسے تو نزہت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ بھابھی بھابھی کہتے تھے اسے۔ تم نے برداشت کرلیا شاہ رخ۔" پہلی بار اس نے گردن گھما کر سلاخوں والے دروازے کی طرف دیکھا' رات ہو چکی تھی' بلب جل رہے تھے' اس نے آنسو خشک کئے اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' دروازے کے پاس آیا اور پھر اس نے بھاری آواز میں سنتری کو پکارا۔

"سنتری صاحب۔" سپاہی رک کر اسے دیکھنے لگا تو وہ بولا۔

"انسپکٹر صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں میرا پیغام دے سکیں گے آپ انہیں' ان سے ملنا چاہتا ہوں میں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں ابھی اطلاع دیتا ہوں صاب۔" سپاہی نے کہا اور

تھوڑی دیر کے بعد شاہ رخ پولیس کی وردی میں سلاخوں والے دروازے کے سامنے آگیا۔ اس نے سپاہی کو اشارہ کیا اور سپاہی نے لاک اپ کا تالا کھول دیا۔ شاہ رخ نے کہا۔

"آیئے مسٹر حیدر زمان۔ براہ کرم تشریف لایئے۔" بڑا عجیب سا انداز تھا لیکن اس میں طنز نہیں تلاش کیا جا سکتا تھا' ویسے بھی شاہ رخ کے چہرے پر افسردگی کی تر نظر آرہی تھی' وہ اسے لئے ہوئے ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے میں ایک ہی دروازہ تھا۔ بڑا سا کمرہ تھا۔ میز کرسیاں اور کچھ بنچیں بچھی ہوئی تھیں۔ شاہ رخ نے حیدر زمان سے ایک کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور حیدر زمان بیٹھ گیا تو شاہ رخ اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا تو حیدر زمان نے پوچھا۔

"لاشیں کہاں گئیں۔؟"

"سرکاری تحویل میں ہیں' وہ لوگ ان لاشوں کو شہر لے گئے ہیں۔"

"کون لوگ۔؟"

"متعلقہ حکام۔ اور تمہارے محکمے کے افراد۔"

"محکمے کے افراد کو اطلاع دے دی گئی۔؟"

"ہاں......... لیکن معاملہ اس قدر ذاتی نوعیت کا ہے انہوں نے صاف اپنا ہاتھ ہٹالیا ہے' تدفین کہاں چاہتے ہو۔؟" شاہ رخ نے کہا اور حیدر زمان نگاہیں اٹھا اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے شاہ رخ۔ کتنی بے دردی سے تدفین کی بات کر رہے ہو۔؟" شاہ رخ دیر تک خاموش رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"حیدر زمان! میں پہلے بھی حقیقت پسند تھا اور اب بھی اتنا ہی حقیقت پ

بھابھی اور منی کی تدفین تو ہونی ہے نا' کہاں چاہتے ہو۔؟"

"میرے سینے میں کردو۔" حیدر زمان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے تم سے پہلے بھی یہی بات کہی ہے کہ حقیقت پسند ہوں' اگر مجھے بتانا رو تو بتا دو۔"

"مجھے تدفین میں شرکت کی اجازت دو گے' لاشیں کب تک آجائیں گی۔؟"

"تمہیں اپنے رسک پر لے جاؤں گا وہاں' لیکن حیدر زمان۔"

"ڈرو مت.......... میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا' لیکن مجھے صرف بات بتا دو۔؟"

"تمہارے خیال میں کیا میں نے نزہت اور شیری کو قتل کیا ہے؟"

"اپنا جوتا اتار کر تمہارے سامنے ڈال دو' جتنے چاہو میرے منہ پر لگالو۔ اس کے ایک لاکھویں حصے پر بھی لعنت بھیجتا ہوں' میری بھابھی میری بہن تھی' کردار' باعصمت۔ جن لعنت کے ماروں نے ان پر یہ الزام لگایا ہے۔ تم دیکھنا عالم ان کے چہرے اور جسم کوڑھ سے بھر دے گا' کوڑھی ہو کر مریں گے وہ ان' تم یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو۔؟"

"تو پھر تم نے مجھے کیوں گرفتار کیا ہے' کیوں پکڑ لیا تھا تم نے مجھے' ان لوگوں کو چھوڑ دیا تھا تم نے میری اجازت کے بغیر جنہیں میں نے تمہارے حوالے کیا

"سنجیدگی سے سننا چاہتے ہو' جذبات کے طوفان سے نکل سکتے ہو کچھ لمحات ئے۔؟"

"بتاؤ میرے دوست بتاؤ' تم نے میرے سینے پر پہلی بار مرہم رکھا ہے۔ میری فرشتوں کی طرح پاکیزہ اور معصوم تھی' کیا درندگی ہوئی ہے ہمارے ساتھ۔"

"کیا میں نے پہلے نہ کہا تھا حیدر زمان' میں نے کہا تھا تم سے یہ قبائلی علاقہ ہیں' یہاں وہ تباہی پھیلتی ہے دشمنی کی بنیاد پر کہ صدیاں اس تباہی پر روتی ہیں۔ تم ہی نہیں تم نے میری بات' تم کیا سمجھتے ہو' کیا میں اپنے فرض' اپنی اس وردی سے مخلص نہیں ہوں' میرے دوست' دیکھو ذہن میں رکھنا اس بات کو' اپنے سینے سامنے والے حصے میں درجنوں گولیاں کھاؤں گا' اور یہی وردی میرے سینے پر ہو اس وردی کو اپنے خون سے رنگوں گا اور اس وردی کو یہ میرا خراج ہوگا۔ تم کہ شاید میں خوفزدہ ہوگیا کسی سے' تم نے سوچا کہ شاید میں اپنا مستقبل بنانے کی میں سرگرداں ہوں' رشوتیں لے رہا ہوں بڑے آدمیوں سے' نہیں میرے دوست ہمیں چالاکی سکھائی جاتی ہے۔ ہمیں مصلحت سے کام لینا بھی سکھایا جاتا ہے اس ضروری ہے ہمارے لئے۔ دلیری اور بہادری انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتی بزدلی کا بھی ایک عنصر ہوتا ہے انسانی وجود میں' لیکن ان تمام چیزوں کا اظہار کے چوراہوں پر کھڑے ہوکر نہیں کیا جاتا' اور نہ کیا جانا چاہیے۔ مصلحتاً میں نے دونوں کو چھوڑا تاکہ یہاں کی شخصیتیں میرے قریب آئیں' میں انہیں قریب دیکھوں' انہیں سمجھوں اور پھر ان کے لئے ایک طریقہ کار ترتیب دوں' تم نے یہی کہا تھا میں نے' تم نے نہیں مانا۔ دولت مند آدمی سب کچھ کر سکتا ہے بھابھی پر الزام بھی لگوا سکتا ہے وہ۔"

"اور تم برداشت کرو گے۔"

"نہیں' لیکن اسٹین گن لے کسی فلمی ہیرو کی طرح دہاڑیں مارتا ہوا نہیں پہنچ جاؤں گا' بلکہ ایک شکنجہ تیار کروں گا' اتنا مضبوط کہ اس میں پھنسنے کبھی نہ نکل سکے۔"

"مجھے کیا ملے گا' میری تو دنیا تاریک ہوگئی۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے' بھابھی اور شیری کو کبھی فراموش نہیں کیا ویسے تمہارا ان ملازموں کے بارے میں کیا خیال ہے' میری مراد ریاض اور ہے۔"

"وہ کتے' وہ غدار........" حیدر زمان نے دانت پیس کر کہا۔

"نہیں۔ تم یہ کہو کہ وہ مصلحت پوش........ وہ دنیا ساز........"

"ایک بات کہوں تم سے۔ انہیں بعد میں ملازم رکھایا گیا تھا۔ اور اس کے لئے کرنے والے' مگر ان کا تقرر تو میرے محکمے کے ذریعے ہی عمل میں آیا تھا۔"

"دماغ مت دوڑاؤ' ہر شخص نگاہوں کے سامنے ہے' لیکن اتنے محفوظ طریقے ہم اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

"ایک بات بتاؤ شاہ رخ۔؟"

"ہاں پوچھو۔"

"میرے گھر میں ایک قیدی تھا' جس نے ایک پرندے پر گولی چلا کر مجھے دھمکی ۔ میں اسے پکڑ کر لے گیا تھا' بند کر دیا تھا میں نے اسے' کیا وہ قیدی تمہیں ملا "شاہ رخ نے افسوس بھرے انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔

"نہیں وہاں کوئی قیدی نہیں تھا۔"

"آہ کیسا بھیانک منصوبہ بنایا گیا' تم تو پولیس آفیسر ہو تفتیش کرو گے تو پتہ چل کہ میں تو صبح کو آفس نکل گیا تھا' ارے ہاں میرا تو آفس جانے کا ارادہ بھی فون آیا تھا کہ کوئی سرکاری آدمی مجھ سے ملنے آیا ہے' یہاں آفس پہنچا تو نہیں تھا' شیری اور نزہت سے میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں آفس نہیں جاؤں گا وہاں بلالیا گیا' اور میرے پیچھے یہ واردات کی گئی' اگر تم وقت نوٹ کرو گے پتہ چل جائے گا کہ ان پر گولیاں کس وقت چلائی گئیں اور اس وقت میں کہا

تھا' یہ نہ سمجھنا شاہ رخ کہ مجھے اپنی زندگی کا خوف محسوس ہو رہا ہے' شاہ رخ ر
حقیقتیں منظر عام پر آنی چاہئیں' میری زندگی بچنی چاہیے۔ اب یہ زندگی میری
نہیں ہے۔ شاہ رخ مجھے اپنی بیٹی اور اپنی بیوی کا انتقام لینا ہے۔ شاہ رخ تمہیں
مدد کرنا ہوگی۔ تم میرا چالان پیش کرو گے نا۔"

"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے تمہیں یہاں سے ہیڈ کوارٹر منتقل کر
حیدر زمان' مگر میرے دوست صرف ایک بات پر یقین رکھنا' بھابی اور شیری
تمہاری ہی نہیں تھیں' بھابی میرے لئے بہن کا درجہ رکھتی تھی اور کوئی بھی
مند بھائی اپنی بہن پر ایسا گھناؤنا الزام برداشت نہیں کر سکتا۔ حیدر زمان تم اپ
کو کبھی کسی بھی لمحے تنہا نہ سمجھنا' میں تم سے پھر وہی بات کہوں گا کہ تم نے
کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ میں مصلحت سے کام لوں گا میرے دوست' کہیں غلط
شکار نہ ہو جانا۔ بس تم سے اتنی ہی درخواست کر سکتا ہوں" حیدر زمان کی
سے غیر محسوس انداز میں آنسو بہنے لگے' اس نے کرب زدہ انداز میں کہا۔

"آہ کتنا گھناؤنا الزام لگایا ہے انہوں نے میری نزہت پر' کاش کا
حقیقتیں تلاش کر سکتا۔"

"ابھی کچھ نہ کرنا' ان کی نگاہ تم پر بھی ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہ
میرے تم سے کیسے تعلقات ہیں۔ خیال رکھنا میرے دوست اب میں تمہیں
بھجوا رہا ہوں' کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمہیں' یہ میرا وعدہ ہے' کچھ کرنا نہیں
نہ ہونا۔"

"مجھے بیوی اور بیٹی کی تدفین میں تو شریک کرو گے نا؟" حیدر زمان
ہوئے کہا اور شاہ رخ نے غمزدہ انداز میں اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

سردار تیمور نے رائفل لوڈ کی اور باہر نکل آیا' تاحد نظر خاموشی اور سناٹے کا
اج تھا۔ پہاڑ اور در و دیوار گہری نیند سو رہے تھے' درختوں کے پتے ٹھنڈی
اسے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سردار تیمور نے ایک لمبا چکر لگایا اور پھر اس بلند
لہ پہنچ گیا جہاں سے وہ دور دور تک نظارہ کرتا تھا' لیکن یہاں بدر شاہ موجود تھا۔
ب وہ اچانک ہی ایک گوشے سے نمودار ہوا تو سردار تیمور نے فوراً ہی رائفل
نبھال لی' تبھی بدر شاہ کی آواز ابھری۔

"میں ہوں مالک' آپ کا غلام بدر شاہ۔"

"اچھا اچھا بدر شاہ تم جاگ رہے ہو؟"

"ہاں مالک' جب مالک سو رہے ہوتے ہیں تو بدر شاہ کا جاگنا تو ضروری ہوتا
ہے' آپ رات کو آرام کیا کریں مالک' آپ کا غلام جاگ رہا ہوتا ہے۔" سردار تیمور
نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بدر شاہ کی اس جانثاری کا کوئی جواب تھا بھی نہیں۔ کچھ
لمے خاموشی سے گزر گئے تو سردار تیمور نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔"

"جی مالک۔" بدر شاہ آہستہ سے بولا اور سردار تیمور بلندی سے نیچے اتر آیا' ایک عجیب سا اطمینان اسے حاصل ہوا تھا' اندر داخل ہوا۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے قدموں کی آواز بند کرلی تھی۔ الماس اور جہانگیر کے کمرے میں جھانکا' دونوں مدھم نیلی روشنی میں پرسکون نیند سوتے ہوئے نظر آئے' سردار تیمور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ٹھٹک جانا پڑا' خورشید بستر پر پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھی تھی اور خاموشی سے دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ تیمور آہستہ سے مسکرایا تو خورشید نے کہا۔

"ہاتھ میں رائفل ہے' چہرے پر تھکن اور پریشانی ہے' اس کے بعد یہ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی جائے تو شاید آپ کے خیال میں مجھے اطمینان ہو جائے' حقیقت میں نہیں۔"

"ارے واہ' بڑی گہری باتیں کرنے لگی ہو خورشید۔"

"اپنی پریشانی نہیں بتائیں گے مجھے' وعدہ تو یہی کیا تھا آپ نے کہ زندگی کے ہر راز کا ساتھی رکھیں گے۔" سردار تیمور نے رائفل ایک طرف رکھی۔ آکر بستر پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"ارے کیا بتائیں خورشید بیگم' وہ جو کہتے ہیں نا کہ کبھی کبھی بس ایک غلطی ہو جائے تو ساری زندگی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔"

"رائفل لے کر راتوں کو پہرہ دینا کوئی دشمن ذہن میں آگیا ہے کیا' کہیں سے کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے۔"

"یقین کرو خورشید بیگم ایسی کوئی بات دل میں نہیں آتی' بس اندر سے طبیعت کچھ بے چین ہے۔ نجانے کیوں یہ احساس ہوتا ہے کہ رائفل اٹھالی جائے تو اچھا ہے۔"

"مگر کس پر۔ ؟" خورشید نے پوچھا اور سردار تیمور دیر تک خاموش رہا' پھر ھنڈے سانس لے کر بولا۔

"بس سوچ رہا ہوں خورشید بیگم کہ موت سے زیادہ کوئی چیز سچی اور امید سے یادہ کوئی چیز جھوٹی نہیں ہوتی پھر بھی انسان امیدیں باندھنے سے باز نہیں آتا۔"

"خوبصورت الفاظ میں اب بھی مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بتائیں ے نہیں کیا بات دل میں لئے جاگ رہے ہیں۔"

"کوئی خطا ہوگئی ہے مجھ سے خورشید' اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری خطا کی زا صرف مجھے دے۔ میرے بچوں کو اپنی پناہ میں لے لے۔"

"اسی طرح پریشان رہے تو بیمار پڑ جائیں گے' حوصلہ کیجئے۔"

"باہر کی بیماری کا علاج تو ہو سکتا ہے خورشید' اندر کی بیماری کا علاج سمجھ میں یں آتا۔"

"اللہ سے سکون مانگیں' آپ کو بھی بہت کچھ کرنا ہے۔" خورشید کے ان ناظ پر سردار تیمور کے چہرے پر ایک عجیب سی سرخی پھیل گئی' اس کی آنکھوں میں رت کے آثار ابھر آئے اور پھر اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"کبھی کبھی بہت کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے اور جب دل میں یہ خیالات پیدا تے ہیں تو وہی وقت سب سے کٹھن ہوتا ہے میرے لئے' اسے ٹالنا سب سے نکل ہوتا ہے خورشید۔" خورشید شوہر کے لہجے میں چھپی ہوئی درندگی کو محسوس ئے بغیر نہ رہ سکی' لرز کر بولی۔

"آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں ہے سردار' بچے چھوٹے ہیں' غصے میں کوئی بڑا م نہ اٹھا بیٹھیں' میں نایاب کی ماں ہوں' مجھ پر بھی تو غور کریں' صبر کرتی ہوں اور اکرتی ہوں۔"

"غلطی ہوگئی نایاب کے معاملے میں' انجام کی خرابی آغاز کی غلطی سے ہوتی ہے۔ ہوگئی غلطی ہوگئی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" سردار تیمور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ خورشید خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ شوہر کی بے چینی کو محسوس کرکے اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا' لیکن ماں باپ مجبور اور بے بس ہوتے ہیں' بڑا مشکل فیصلہ ہوتا ہے' بیٹیوں کے بارے میں' اتنا بے بس ہوتا ہے انسان' کہ الاماں الحفیظ شیر کو چوہا بننا پڑ جاتا ہے اور یہاں بھی یہی کیفیت تھی۔ سو فیصدی یہی کیفیت۔

"وقت خاموشی سے گزرتا رہا اور خورشید شوہر کو دیکھتی رہی اچانک ہی سردار تیمور کو کچھ خیال آیا' اور وہ جلدی سے واپس پلٹا۔

"نہیں خورشید' یہ غلطی تمہاری نہیں میری ہے' مجھے جاگنے دو' صرف مجھے جاگنے دو۔"

"میں نے آپ کے ساتھ زندگی بھر جاگنے کی قسم کھائی ہے جب تک آپ آرام نہیں کرے گے میں کیسے آرام کر سکتی ہوں۔"

سردار تیمور نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے بستر کی جانب بڑھ گیا۔

پچھلی رات خاصی ہنگامہ خیز گزری تھی' پولیس سے مقابلہ ہوگیا تھا۔ گولیاں چلی تھیں اور سلطان کے ساتھیوں میں سے دو آدمی شدید زخمی ہوگئے تھے۔ ایک موٹر سائیکل پر دو زخمیوں کو سنبھالنا اور پولیس کے تعاقب سے بچنا آسان کام نہیں تھا۔ سلطان نے بمشکل تمام ان دونوں کو محفوظ جگہ پہنچایا تھا' پورا بدن خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ دونوں آدمی خاصی خطرناک پوزیشن میں تھے۔ لیکن بہرحال پولیس کی گولیوں سے بچتا ہوا محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا' ان لوگوں کو وہاں چھوڑا تھا اور لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد گھر واپس آگیا تھا' بگ باس کی طرف سے ابھی تک کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا گیا تھا' پھر صبح کو اتنی جلدی جاگنے پر غصہ کیوں نہ آتا۔ دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی' جھلائے ہوئے انداز میں کمرے سے باہر نکل کر دروازہ کھولا تو سیما ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ دروازہ صرف لاک کر دیا کریں' اندر سے چٹخنی نہ لگایا کریں۔ آپ سنتے ہی نہیں ہیں۔"

بڑی زور کا غصہ آیا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ اس غصے کا اظہار کیا جاتا سیما

اندر داخل ہوگئی تھی۔ سلطان کچھ لمحے دروازے کے پاس کھڑا رہا' سیما ناشتہ رکھنے کے بعد معمول کے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی' سلطان ہمیشہ ہی گھر میں داخل ہوکر جوتے کسی طرف' کپڑے کسی طرف پھینک دیا کرتا تھا' پہلے یہ کام زیبی کیا کرتی تھی اور اب بہت عرصے سے کوئی نہیں کرتا تھا' لیکن ایک بار پھر سیما نے یہ کام کرنا شروع کر دیا تھا' اس نے واش بیسن پر منہ ہاتھ دھویا' دانت صاف کئے' الٹے سیدھے بال سنوارے' شب خوابی کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ کمرے میں داخل ہوا تو سیما کو اسی انداز میں کام کرتے ہوئے دیکھا' سیما نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ناشتہ کر لیجیے ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"سنو۔" سلطان نے بھاری لہجے میں کہا۔ اور سیما گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ بہت زیادہ ہے سیما۔"

"ناشتہ۔" سیما نے حیرت سے ناشتے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ نہیں تم' میں اتنے احسانات کا متحمل نہیں ہو سکتا' تم میرے لئے بہت تکلیف اٹھا رہی ہو' اتنی تکلیف دینے کا حق مجھے نہیں پہنچتا۔"

"رات کو بہت دیر سے آئے ہیں آپ' ابھی تک ذہن پر نیند سوار ہے نا' اس طرح سوچتے ہیں کہیں۔"

"سیما! سچ کہہ رہا ہوں بہت احسان مند کر دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔"

"ایک بات بتایئے' ہم کچھ ہیں آپ کے۔ میں کچھ ہوں جواب دیجئے' آپ بار بار ایسی باتیں کرتے ہیں اب تو مجھے بھی جواب دینا ہی پڑتا ہے۔ آپ کی وجہ سے میرے جسم کی چوٹیں ٹھیک ہوتی جارہی ہیں' آپ کی وجہ سے میں گھر کے دروازے پر لوگوں کی نگاہوں کا نشانہ نہیں بنتی' جب ابا مجھے مار کر باہر نکالتے تھے تو میں لوگوں کی

نگاہوں سے بچنے کے لئے باہر کھڑے ہونے کا جواز پیدا کرنے کے لئے دروازے کے باہر صفائی کرنے لگتی تھی' لیکن یہ بات میں جانتی تھی کہ پڑوسی جانتے ہیں کہ مجھے گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوتا۔ اور امی جو بستر پر پڑی کھانسی رہتی تھیں اب آرام سے چلتی ہیں' اور آپ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے کون ہیں۔ آپ کے لئے تکلیف کیوں کرتے ہیں۔؟"

"میرا مطلب تھا سیما۔"

"نوکرانی سمجھ لیجئے اپنی دوسروں کے گھروں میں کام نہیں کر سکتی' آپ پر اعتماد ہے بس۔" سیما کی آواز رندھ گئی۔

"ارے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ غلط سمجھیں تم غور کرو' ایک بار غور کرو۔ سیما تمہیں تھوڑے سے پیسے دے کر میں نے تم پر احسان نہیں کیا' اسے احسان نہ سمجھنا خدا کے لئے' میں تو بس.........."

"ہاں میں تو بس.........." سیما نے کپڑے جمع کرتے ہوئے کہا۔ اور سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بابا جو تمہارا دل چاہے کرنا' لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"جی کیا شرط ہے۔؟"

"میرے ساتھ ناشتہ کرو آؤ۔" سلطان نے اس کے قریب آکر کہا۔ اور سیما نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتی رہی' سلطان کے ہونٹوں پر بڑی پر محبت مسکراہٹ تھی۔ سیما نے آہستہ سے سر جھکا لیا تو سلطان بولا۔

"آؤ۔" اور سیما کے لرزتے ہوئے قدم ناشتے کی میز کی جانب بڑھ گئے۔

کچھ زیادہ ہی اچھا موڈ معلوم ہوتا تھا نادر شاہ کا' نایاب مچھلیوں کے ایکیوریم کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ نادر شاہ خود اس کے پاس آگیا تھا۔ اور اس کے عقب میں کھڑے ہو کر مچھلیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مچھلیاں بہت پسند ہیں نایاب' میں نے ہانگ کانگ کی ایک فرم سے بالکل نئی اور خوبصورت مچھلیاں منگوائی ہیں' ایک ہفتے کے اندر اندر وہ پہنچ جائیں گی۔" نایاب نے نگاہ اٹھا کر دکھ بھری نگاہوں سے نادر شاہ کو دیکھا اور بولی۔

"کچھ اور مچھلیاں۔؟"

"ہاں اتنی خوبصورت کہ دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔"

"اور ان کا کیا ہوگا۔؟" نایاب نے مچھلیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ بھی یہیں رہیں گی' ایک اور ایکیوریم منگوا دوں گا تمہارے لئے۔" نایاب کے ہونٹوں پر ایک غمگین مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ اور قیدی کچھ اور قفس۔"

"تم بہت اچھی شاعرہ بن سکتی ہو نایاب' بلکہ میرا خیال ہے شاعری شروع کر

دو' مجھے شعرو شاعری بہت پسند ہے' ویسے یہ قیدی اور قفس واقعی خالص شاعری کی باتیں ہیں' ہم پہاڑی لوگوں کے لئے ان باتوں کا سمجھنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔"

"یہ شعر نہیں ہیں شاہ جی' یہ تو نوحے ہیں' ان بیچاری مچھلیوں کے لئے مرثیے ہیں یہ۔"

"خیر خیر جو بھی ہے' لیکن تم ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہیں نایاب' بابا جان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا' تم نے کہا تھا کہ بابا جان دو چار دن میں جواب دیں گے' ویسے میں ان کی طرف سے تشویش کا شکار ہوں کہیں وہ بیمار نہ ہو گئے ہوں۔"

"اللہ نہ کرے' میری عمر بھی انہیں لگ جائے' ہو سکتا ہے کوئی مجبوری آپڑی ہو' جواب آجائے گا دو چار دن میں۔"

"بہت ترسا رہے ہیں وہ ہمیں ایک چھوٹی سی چیز کے لئے' نجانے اتنی سختی کیوں برت رہے ہیں ہمارے ساتھ۔"

"بابا جان میرے لئے جان بھی دے سکتے ہیں' ہو سکتا ہے یہ زمین ان کی اتنی ہی بڑی مجبوری ہو۔" ان الفاظ پر نادر شاہ کے تیور بدل گئے۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے وہ انکار کر دیں گے۔ تم سے وعدہ کرنے کے باوجود۔؟"

"آپ کسی بیٹی کے باپ نہیں ہو شاہ جی' بیٹیاں جب رخصت ہو کر شوہر کے گھر آجاتی ہیں تو ان کا سب کچھ شوہر کا گھر ہی ہوتا ہے' ماں باپ کے گھر تو وہ صرف مہمان ہوتی ہیں وہ گھر ان کے لیے اجنبی ہو جاتا ہے' ایک چھوٹی سی چیز مانگنے میں بھی جھجک ہوتی ہے۔"

"کمال کے لوگ ہو تم باپ بیٹی' میں پوچھتا ہوں تمہارا کوئی دین ایمان ہے'

میری طرف سے ایک پیشکش کر دو سردار تیمور کو' اگر وہ چاہیں تو اس زمین کی منہ مانگی قیمت لے سکتے ہیں مجھ سے کیونکہ وہ زمین میری بھی مجبوری ہے۔" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور نادر شاہ نے غصیلی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"کون ہے مرو آکر۔؟" ایک ملازم اندر داخل ہوا تھا۔ موبائل اس کے پاس تھا۔

"آپ کا فون ہے شاہ جی۔ ضروری فون ہے' مجبوری تھی جی۔" نادر شاہ آگے بڑھا' ملازم کے ہاتھ سے فون چھینا' دروازے سے باہر نکل آیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں بولو' کون ہے کیا ہے۔" جواب میں دوسری طرف سے جو بھی آواز آئی تھی' لیکن نادر شاہ کے حلق سے دھارتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"کیا؟"

نادر شاہ کے انداز کو دیکھ کر نایاب کو فوراً ہی یہ احساس ہوا تھا کوئی اہم ہی بات ہوئی ہے' جیسے ہی نادر شاہ باہر نکلا نایاب بھی دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی۔ نادر شاہ نے باہر نکل کر کرخت لہجے میں کہا۔

"ہاں بکو' کیا بک رہے ہو.......... کیا.......... سارا مال پکڑا گیا' پکڑنے والے کون تھے.......... پولیس تھی یا کسٹم والے.......... رینجرز تو نہیں تھے .... ہاں.......... اچھا.......... کچھ لوگ بھی پکڑے گئے کیا.......... اوہو.......... بات بہت سخت ہوگئی.......... ہمارا کوئی آدمی.......... کیا .... مارا گیا.......... لاش کہاں ہے.......... لاش بھی پولیس لے گئی .... تم لوگ کیا جھک مار رہے تھے.......... مقابلہ کیوں نہیں کیا .... سب زندہ ہونا.......... حرام خور ہوگئے ہو سب کے سب.......... کوئی کام نہیں کر رہا.......... نقصان پر نقصان ہوا جارہا ہے.......... ہاں ہاں تو میں کیا کروں.......... سردار میرا باپ نہیں ہے کہ میں اس سے زبردستی وہ علاقہ لے لوں اور نہ میں کوئی راجہ ہوں کہ جنگ کرکے اس علاقے کو فتح کرلوں.......... میں دیکھتا ہوں کہ جو مال پکڑا گیا ہے اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں' ویسے ایک بات بتاؤ.......... کیا

مراد گڑھی کا انسپکٹر اس کام میں ملوث ہے.......... نہیں ہے.......... پتہ لگا چکے ہو.......... ہاں.......... ٹھیک ہے.......... کچھ نہیں کیا جاسکتا.......... جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے.......... ویسے اس انسپکٹر کو قبضے میں کرنا پڑے گا تاکہ اس علاقے میں ہونے والی کارروائیوں کی خبر ہمیں ملتی رہے۔ ٹھیک ہے.......... ہاں ٹھیک ہے.......... میں ڈیرے پر پہنچ رہا ہوں .... ڈیرے نمبر چار پر.......... ادھر ہی آجاؤ.......... مال بھی چھپانا ہے.......... ہمارا کوئی آدمی زندہ تو نہیں پکڑا گیا.......... چلو ٹھیک ہے.......... ہاں ہاں دیکھ لوں گا، دیکھ لوں گا، دفع ہو۔" نادر شاہ نے موبائل فون بند کر دیا، اب یہ اندازہ نہیں تھا نایاب کو کہ وہ کمرے کے اندر ہی آئے گا یا باہر سے باہر چلا جائے گا، لیکن وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور ایک جگہ جا بیٹھی تھی۔ دیر تک وہ نادر شاہ کا انتظار کرتی رہی لیکن پھر اسے یاد آگیا کہ نادر شاہ نے ڈیرے پر جانے کی بات کی تھی، اس کا مطلب ہے کہ وہ چلا گیا تھا۔ سارے شکوک و شبہات از سر نو تازہ ہوگئے تھے۔ اب اس گفتگو کے بعد بھی کوئی شک و شبے والی بات دل میں رکھنا بیوقوفی کی نشانی تھی۔ نادر شاہ ایک خطرناک اسمگلر تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ ایک معصوم اور سادہ لوح پہاڑی آدمی کی حیثیت سے سردار تیمور کے پاس پہنچا تھا۔ خود نایاب نے بھی اسے کام کرتے ہوئے دیکھا تھا، جانوروں کی طرح بوجھ اٹھانے کا عادی تھا، ہر کام اتنے قاعدے سے کرتا تھا کہ سردار تیمور ہی کیا کئی بار خود نایاب کو بھی احساس ہوا تھا کہ یہ آدمی نفیس ہے، اپنی شکل و صورت سے بالکل مختلف، ایک بد شکل آدمی کا برا ہونا بھی ضروری نہیں ہے، اور کچھ ایسی ہی کیفیت اس شخص کی بھی تھی۔ نرم مزاج اپنے کام سے کام رکھنے والا، اس نے کبھی نگاہیں اٹھا کر نایاب کو دیکھا بھی نہیں تھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خاموشی طاری رہتی تھی، لیکن نایاب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ خاموشی اپنے اندر ایک طوفان چھپائے ہوئے ہے۔ وہ خود بھی دھوکہ

ا گئی تھی۔ ماں باپ نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر حیران رہ گئی تھی، لیکن بہت اعتماد تھا ے اپنے باپ پر، سردار تیمور نے ہمیشہ اچھا سوچا تھا، اور ایک لمحے کے لئے بھی کبھی ب کے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ نادر شاہ کو اس کی زندگی کا مالک بنا دیا جائے ، لیکن جب سردار تیمور نے یہ فیصلہ کرلیا تھا تو اپنی ناپسندیدگی کے باوجود وہ یہ سوچ ، خاموش ہوگئی تھی کہ ساری زندگی باپ کے فیصلوں پر سر جھکایا ہے، اب اس لے میں سر اٹھانا مناسب نہیں ہے لیکن یہ جرائم پیشہ آدمی، یقینی طور پر یہ کسی وبے کے تحت ہی پہاڑوں میں داخل ہوا تھا۔ اور سردار تیمور تک پہنچا تھا، ضرور ی ہی بات تھی، آہ کاش کوئی صحیح فیصلہ ہو جاتا، کاش.......... وہ آہستہ آہستہ چلتی ی فش ایکیوریم کے پاس آپہنچی اور اس میں دوڑتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھتی رہی۔ ، رنگ کا ایک نر ایک بہت ہی خوبصورت مچھلی کو مار رہا تھا، خوبصورت مچھلی اس ، بچنے کے لئے بار بار مختلف گوشوں میں چھپ رہی تھی، لیکن وہ اس کا پیچھا نہیں ڑ رہا تھا۔ رفتہ رفتہ نایاب کی آنکھوں میں جنون ابھرنے لگا۔ اس کے منہ سے ب ناک آواز نکلی۔

"یہ کیا.......... کیا سارے طاقتور کمزور پر ظلم کر رہے ہیں.......... کوئی ایسا ہاتھ ا ہے جو اس ظلم کو روکے.........." اس نے ایکیوریم کا ڈھکن اٹھایا اور خونی وں سے مچھلی کو دیکھنے لگی، پھر اس کا ہاتھ پانی میں اترا اور اس نے سیاہ مچھلی کو مٹھی میں پکڑ لیا، مچھلی اس کے ہاتھ میں تڑپنے لگی، لیکن اس نے اپنے پنجے کو بوطی سے بھینچ لیا۔ پیچھے سے نوری اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی اور نایاب اس روپ کو دیکھ رہی تھی، نایاب کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، مچھلی اس کے میں بری طرح تڑپ رہی تھی، لیکن نایاب نے اسے چھوڑا نہیں تھا، وہ اسے ٹی اپنی مٹھی میں بھینچے ہوئے تھی، کچھ ہی لمحوں کے بعد مچھلی نے دم توڑ دیا اور

نایاب نے نفرت بھرے انداز میں اسے قالین پر پھینک دیا۔ نوری خاموشی سے کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی' تب نایاب کی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں' اس نے نوری کو دیکھا اور نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

"اسے اٹھاکر باہر پھینک دو۔ یہ سب مجھے جانور بننے کی دعوت دے رہے ہیں۔" نجانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ نوری اندر سے کانپ گئی۔ اس نے مچھلی کو دم سے پکڑ کر لٹکایا اور آہستہ قدموں سے باہر نکل گئی۔

زیبی نے اپنے وجود میں ایک دنیا آباد کرلی تھی' کچھ بھی نہیں تھا اس کے
ں' لیکن انسان جینے کے سہارے تلاش کر ہی لیتا ہے۔ شاہ رخ کی شوخ و شریر
رت اس کی کھلنڈری طبیعت نے زیبی کو نجانے کیسے کیسے احساسات سے دوچار کیا
۔ انسان کی زندگی میں کچھ آئیڈیل ہوا کرتے ہیں' کہیں نہ کہیں سے بٹن دبتا ہے'
ی میں سلطان بھی ایسی ہی شوخ فطرت کا مالک تھا' چوڑا سینہ' بڑی بڑی روشن
کھیں بلند و بالا قامت۔ نگاہ بھر کر بھائی کو نہیں دیکھتی تھی کہ کہیں نظر نہ لگ
ئے' لیکن دوسروں کی نظروں سے کیسے بچاتی' نظر تو لگ گئی تھی اور ایسی لگی تھی
، سب کچھ تلپٹ ہوگیا تھا' نجانے کیسی پتھر کی نظر تھی کہ ماں کے بعد بھائی بھی
ن گیا' اکثر تصور کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ ممکن ہے وہ آزاد ہوگیا ہو' ممکن ہے وہ
ر پہنچا ہو اور اس نے زیبی کو تلاش کیا ہو' پھر اسے نہ پاکر نجانے اس پر کیا گزری
' ایسی باتیں سوچتی تھی تو دل بے حد اداس ہو جاتا تھا اور غم و اندوہ کا طوفان
ڈنے لگتا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتی تھی' کچھ بھی تھا ایک قسم
ئی تھی' بس ضدی فطرت ہمیشہ روکتی تھی کہ واپس نہ جائے' جب اپنے آپ کو

دنیا کے ویرانے میں گم کر چکی ہے تو پھر گم ہی رہنے دے' ایسے بھائی سے دوبارہ نہیں ملنا چاہتی تھی جس نے اس گھر کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا' جس کے دروازے پر کبھی کسی نے بری نگاہ نہیں ڈالی تھی' لوگ ان کے والدین کی عزت ہی کیا کرتے تھے' زیبی نے کہا تھا کہ سلطان وقت بدل جائے گا۔ لیکن سلطان بددل ہو گیا تھا۔ بہن کی بات نہیں مانی تھی اس نے اور یہ بات زیبی کو آج تک جنون میں مبتلا کئے ہوئے تھی' یہاں بھی ایک ویران ہستی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا اس نے' زندگی بچ ہی گئی تھی' تو اس نے سوچا تھا کہ چلو جب اللہ نے اس نئی زندگی کے لئے یہ سب ماحول پیدا کیا ہے تو ٹھیک ہے خاموشی سے گزر ہو جائے' لیکن رفتہ رفتہ شاہ رخ اس کے دل کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا تھا' اور اب وہ اس آخری سیڑھی پر تھا جہاں زیبی اسے اپنے وجود میں سرایت پاتی تھی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس نے جو عزم کیا تھا اپنے بارے میں نہ بتانے کا اس پر اب بھی قائم تھی اور ویسے بھی زبان کھولنا بے معنی تھا' کیونکہ شاہ رخ کے انداز میں اس کے لئے ایک اپنائیت تو ضرور تھی' لیکن صرف اس حد تک جتنی کسی پر رحم کھا کر کی جا سکتی ہے' اس سے آگے کی بات ابھی تک زیبی کو نظر نہیں آئی تھی' ہاں اس نے دل میں یہ بات ضرور سوچی تھی کہ اگر بات اس سے آگے بڑھی اور یہ محسوس ہوا کہ ادھر بھی کچھ لگاوٹ ہے تو پھر سوچا جا سکتا ہے کہ اپنے بارے میں بتا دیا جائے۔ ان دنوں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہی تھی کہ شاہ رخ کے چہرے کے روشن چراغ بجھے ہوئے ہیں' اس کے دل میں بے انتہاء خواہش ابھری تھی کہ کسی نہ کسی طرح معلوم کرے' ماں کو اس بارے میں بتانا چاہتی تھی' کم از کم فرزانہ بیگم ہی یہ معلوم کرلیں کہ بات کیا ہے' لیکن وہی بات پھر پیدا ہو جاتی تھی کہ فرزانہ بیگم کو ہی کیسے بتایا جائے۔ ادھر شاہ رخ اپنی زندگی کے بد ترین غم سے گزر رہا تھا' حیدر زمان سے اس کی دوستی نئی نہیں

ھی۔ حیدر زمان کو بھی جانتا تھا اور نزہت کو بھی' معصوم بچی شیری سے تو اسے پناہ بت تھی اور وہ عالم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ حیدر زمان کسی مسئلے پر ریش ہو کر بیوی کے ساتھ بیٹی کو بھی مار دے گا۔ یہ بات تو سوچنا ہی شرمناک تھی کہ ہت کا کردار خراب ہو سکتا ہے لیکن کیا کرتا' جانتا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ مل معاملہ کیا ہی' سمجھایا تھا حیدر زمان کو' لیکن نہیں سمجھا تھا۔ اپنے طور پر اس نے اروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا تھا' اور اس کے علم میں تھا کہ کونسے پوائنٹ پر کسٹمز لے' مسلح چھاپہ مارنے والے ہیں' اس نے یہ تمام نقشے خفیہ طور پر اپنے محکمے کے ریعے کسٹم کو فراہم کئے تھے اور آخر کار کسٹم والوں نے پہاڑوں میں ایک زبردست اپہ مارا تھا اور بے شمار مال پکڑ لیا تھا۔ اس وقت اپنے ایس آئی کے ساتھ بیٹھا ہوا وہ ی موضوع پر بات کر رہا تھا' سامنے چائے رکھی ہوئی تھی۔ ایس آئی نے اسے چائے ردی تو شاہ رخ نے کہا۔

"مال کے بارے میں تو تمہاری انفارمیشن بالکل ٹھیک نکلی' بے شک مال برآمد لیا گیا ہے' مگر یہ کیسے پتہ چلے گا کہ مال کس کا ہے' کمبخت سب بھاگ گئے' کوئی ندہ نہیں پکڑا گیا۔؟"

"نہیں سر یہی تو افسوس کی بات ہے' ایک شخص مارا گیا اس کی لاش پولیس لے گئی ہے۔"

"کوئی شناخت ہو سکی اس کی۔؟"

"سر جی' ساری کوششیں کرلی ہیں' ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی سیارے سے نیچے ا ہو۔ آس پاس کی بستیوں کا کوئی بندہ اسے جانتا ہی نہیں۔" شاہ رخ نے تلخ انداز ا مسکراتے ہوئے چائے کے کچھ گھونٹ لئے پھر بولا۔

"سب جانتے ہوں گے اسے' لیکن کوئی کبھی نہیں بتائے گا کہ وہ کون ہے۔؟"

"جی صاحب جی' بات یہی ہے۔ آپ جانتے ہو کہ نادر شاہ کے پنجے زمین میں گڑھے ہوئے ہیں اور جب تک کوئی مائی کا لعل ان پنجوں کو زمین سے اکھاڑ کر نہیں پھینکے گا کوئی نادر شاہ کے خلاف زبان نہیں کھول سکتا۔" شاہ رخ نے نگاہیں اٹھا کر ایس آئی کو دیکھا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"بہرحال بات وہی آجاتی ہے کوشش کریں گے' کامیابی دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے' سمجھ رہے ہو نا' لیکن کوشش میں لگے رہو' ہم نہیں چاہتے کہ پہاڑوں میں رہ کر نادر شاہ کی نفرت مول لیں' کیونکہ بہرحال ہمیں یہ تھانہ بھی چلانا ہے اور زندہ بھی رہنا ہے۔ لیکن ایک بات میں بتائے دیتا ہوں کہ نادر شاہ کو ایک دن منظر عام پر آنا ہو گا۔"

"صاحب جی' بات تو یہی ہے اگر مجرم ایسے ہی عیش کرتے رہیں تو صاحب جی سچی بات ہے کہ پھر ہم بھی روایتی پولیس والے ہی کہلائیں گے' ہم یہ نہیں چاہتے کہ زندہ نہ رہیں' کھائیں پیئیں نہ' لیکن صاحب جی تھوڑا سا ضمیر تو زندہ رہنا ہی چاہیئے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" شاہ رخ نے افسردگی سے کہا پھر کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

اندر پہنچا تو زیبی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ شاہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں امی کہ اس صنوبر نے میرے سارے حقوق سلب کر لئے ہیں۔"

"آؤ یہاں آکر بیٹھو' وردی بعد میں اتارنا۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"اوہو اوہو' یہ گونگی لڑکی نے شاید میری کوئی شکایت کی ہے' حالانکہ میں نے

تو ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔"

"تم اس کے بارے میں اچھے الفاظ میں کوئی بات نہیں کر سکتے۔؟"

"کر سکتا ہوں کر سکتا ہوں۔ محترمہ صنوبر صاحبہ نے میرے بارے میں کوئی شکایت کر دی ہے جس کی وجہ سے آج آپ کا رویہ مجھ سے کچھ بدلا ہوا ہے۔ اب ٹھیک ہے۔"

"ہاں اب ٹھیک ہے' اسے اسی طرح مخاطب کیا کرو' تم جانتے ہو وہ میرے لئے کیا ہے۔؟"

"جان گئے ہیں بابا' کسی کا عہدہ اس طرح چھنتا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ں۔ کل کا دن تھا کہ صرف ہم ہی ہم تھے۔ شاہ رخ یہ ہے' شاہ رخ وہ ہے اور اب محترمہ صنوبر کی وجہ سے ہمیں ڈانٹ لگائی جاتی ہے۔" صنوبر کی گردن جھک گئی ی' لیکن اس کے باوجود وہ وہاں سے اٹھی نہیں۔ فرزانہ بیگم نے ایک نگاہ اسے یکھا' شاہ رخ بیٹھ گیا تھا۔ فرزانہ بیگم نے کہا۔

"شاہ رخ! میں ایک بات پر فخر کرتی ہوں کہ تم نے کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں لا' جہاں تک تمہارے دفتری معاملات ہیں یعنی قانونی معاملات ہیں اگر تم ان میں ے کچھ چھپاتے ہو تو میں تمہیں کبھی مجبور نہیں کرتی' لیکن کم از کم اتنا تو تم مجھے بتا تے ہو کہ کوئی ایسا معاملہ ہے جو قانونی نوعیت کا ہے اور اگر قانونی نوعیت کا معاملہ ہ تو خود تمہارا اس سے ذاتی تعلق کیا ہے۔"

"اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میں فوراً آپ کو بتا دیتا۔"

"پچھلے کتنے دن سے تم عجیب الجھے ہوئے سے ہو' میں نے راتوں کو تمہیں پنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے' ایک بار باہر بھی کرسی ڈالے بیٹھے ہوئے تھے' ل خاموش اور ویران' تمہاری فطرت یہ نہیں ہے۔ اگر اس بات کو چیلنج کرتے ہو

کہ میں تمہاری طبیعت کو نہیں جانتی تو ایک ماں سے اس کا حق چھین رہے ہو' اور ماں بھی وہ جو بالکل جاہل قسم کی نہیں ہے بلکہ تمہیں پڑھتی رہی ہے اور تمہیں حفظ کرلیا ہے۔"

"واہ کیا خوبصورت بات کہی ہے امی آپ نے' اس سے زیادہ حسین بات کہی نہیں جاسکتی کہ آپ نے اپنے بیٹے کو حفظ کرلیا ہے' امی آپ کی اس بات کو میں کبھی چیلنج نہیں کرسکتا۔"

"خوبصورت باتیں کرکے مجھے چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش مت کرو' جاننا چاہتی ہوں کہ پریشانی کی وجہ کیا ہے' کیا اسی قدر سرکاری نوعیت رکھتی ہے وہ کہ مجھے نہیں بتاسکتے۔؟"

"نہیں امی وہ خالص سرکاری نوعیت کی بات نہیں ہے۔" شاہ رخ کے لہجے میں ایک لمحے کے لئے افسردگی آگئی تھی۔

"تو پھر' کوئی ذاتی بات بھی ایسی ہوسکتی ہے جس کا مجھ سے چھپانا ضروری ہو۔"

"اصل میں بات ایسی ہے امی کہ آپ اسے سن کر بہت زیادہ افسردہ ہو جائیں گی۔"

"شاہ رخ فوراً" بتاؤ کیا بات ہے۔؟"

"امی ایک بہت بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔ اتنا بڑا حادثہ کہ میں آپ کو بتاتے ہوئے بھی لرزتا ہوں۔"

"ارے دیوانہ ہوا ہے کیا' بتا مجھے کیا بات ہے۔ ایسی کیا بات ہے آخر۔؟"

"بات کچھ حیدر زمان کی ہے۔"

"کیا ہوا اسے۔ تو نے اس سے رابطہ نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا تجھ سے۔؟"

"کرنا چاہتا تھا امی۔ رابطہ ہو بھی گیا' منع کیا تھا میں نے اسے اس وقت' آخر

پولیس کی نوکری کر رہا ہوں۔ دنیا کو جانتا ہوں' اچھے برے کی پہچان رکھتا ہوں' یہ علم ہے مجھے کہ کس سے لڑنا چاہئے اور کس سے نہیں لڑنا چاہیے۔ اس نے نہیں مانی میری بات' اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے دوچار ہوگیا۔"

"کیسا نقصان۔؟"

"امی بھابی اور شیری کو قتل کردیا گیا' وہ مرچکے ہیں' ان کے ساتھ کچھ وفادار ملازمین بھی مارے گئے ہیں۔ انہیں گولیوں سے چھلنی کردیا گیا ہے۔" زیبی اور فرزانہ بیگم سکتے میں رہ گئی تھیں۔ دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں' دیر تک وہ دونوں متوحش نظر آتی رہیں۔ پھر فرزانہ بیگم کی لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"خدا کی قسم اگر یہ کوئی جھوٹ ہے شاہ رخ تو اس جھوٹ پر میں تجھے معاف نیں کرسکتی۔"

"کاش یہ کوئی جھوٹ ہوتا امی چاہے آپ مجھے معاف نہ کرتیں' لیکن کاش یہ ھوٹ ہوتا۔"

"مگر کیسے' کون ہیں اس کے قاتل اور اور.......... حیدر زمان کہاں ہے۔؟"

"حیدر زمان کو اس بدنصیب نے اپنے ہاتھوں سے اس کی بیوی اور بیٹی کے ل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ کچھ دن یہاں لاک اپ میں رکھا ہے' اور اس کے د اسے شہر بھجوا چکا ہوں کیونکہ اس کی حفاظت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا اور ے اپنی قید میں رکھنا بھی میرے لئے ناقابل برداشت تھا' امی میں بھی مجرم بن جاتا' پنے دوست کو اتنے زیادہ عرصے تک قید نہیں رکھ سکتا تھا میں۔"

"افسوس.......... کیسی غم انگیز خبر سنائی ہے تو نے۔ بچی بھی ماری گئی اور نزہت ا.......... ہائے کیسے اچھے تھے یہ لوگ.......... ان کا غم تو میں اپنے سینے سے کبھی نہ سکوں گی۔ اور حیدر زمان.......... مگر یہ کیا.......... باپ کو معصوم بچی کے قتل اور

شوہر کو بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ کیا تجھے اس کے ثبوت ملے تھے۔؟"

"کچھ عینی گواہ موجود تھے وہاں جنہوں نے گواہی دی ہے کہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے اور ایسی گھناؤنی تصویر پیش کی ہے امی کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ فرشتہ صفت بھابی کو بد چلن کہا گیا ہے' اور یہ الزام لگایا گیا ہے حیدر زمان پر کہ اس نے اپنی بیوی اور بچی کو بد چلنی کے الزام میں ہلاک کیا ہے' ایک شخص کو اس میں ملوث بھی کیا گیا ہے دو ملازم گواہی دیتے ہیں۔"

"خدا کی قسم ایسا نہیں ہے شاہ رخ' میں بوڑھی ہو چکی ہوں عورت ہوں۔ برائی کی نگاہ تو لمحوں میں پہچانی جاتی ہے' اس کی آنکھوں میں تو تقدس اور پاکیزگی ایسے تھی کہ کوئی اندھا بھی دیکھ سکتا تھا۔"

"امی میں ہزار جان سے اس بات کی تصدیق کرتا ہوں' لیکن کمبختوں نے ایسا جال بچھایا اس بیچارے کے خلاف کہ وہ اس جال سے نکل نہیں سکا۔ سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے انہوں نے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔"

"کس نے کیئے آخر کس نے کیئے۔؟"

"بس جن لوگوں سے اس نے یہاں آتے ہی جھگڑے مول لے لئے تھے' ان لوگوں کی بات ہے یہ۔"

"شاہ رخ کچھ کرو گے نہیں اس کے لئے۔؟"

"نہیں ایسی بات نہ کہیں۔ زندگی کا کوئی ایک نہ ایک تو مقصد ہوتا ہی ہے میری ذمے داری یہ ہے کہ میں یہاں جرائم نہ ہونے دوں' لیکن یہ مقصد نہیں ہے کہ اگر کوئی کسی بے گناہ کو پھانسنے کی کوشش کرے تو اس بے گناہ کو بس موت کی سزا دلوادوں۔ امی! چاہے مجھے آخر کار اس ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے...... لیکن

حیدر زمان پر یہ الزام تو نہیں لگنے دوں گا اور جو کچھ بھی ہو جائے کم از کم میں اپنی بہن جیسی بھابی کو اس طرح داغدار نہیں ہونے دوں گا' اس پر سے یہ داغ ہٹانا ہی ہو گا' اور آپ دیکھ لیجئے انشاء اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔"

"سنا ہے مائیں اپنی اولادوں کو ہدایت کرتی ہیں کہ بیٹا یہ میرے دودھ کا حق ہے تو شاہ رخ اگر اس روایت میں کوئی سچائی ہے تو اسی کا سہارا لیتے ہوئے میں تجھے بھی ہدایت کرتی ہوں کہ یہ میرے دودھ کا حق ہے کہ حیدر زمان کو بے گناہ ثابت کر' اگر وہ بے گناہ ہے تو' اور اسے رہائی دلوا۔"

"میں انتہائی کوشش کروں گا امی' انتہائی کوشش۔" اور اس کے بعد تمام چہرے غم واندوہ میں ڈوب گئے تھے' ان میں زیبی بھی شامل تھی۔

فیروز عشرت کا تعاقب کر رہا تھا' عشرت آفس سے نکلی تھی اور اس کے بعد پیدل چل پڑی تھی۔ فیروز کے پاس اس وقت ایک پرانی موٹر سائیکل تھی جو اس نے پیٹرول پمپ سے کسی سے مانگ لی تھی۔ اس بات کا خطرہ تھا کہ عشرت اسے دیکھ نہ لے اس لئے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ بڑی خاموشی کے ساتھ وہ عشرت کا تعاقب کرتا رہا۔ کافی دور تک وہ پیدل چلتی رہی اور اس کے بعد اس نے ایک آٹو رکشہ روکا اور آٹو رکشہ میں بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ فیروز کے ذہن میں بہت سے خیالات تھے' ویسے بھی عشرت کی ناراضگی کچھ زیادہ ہی گہری ہوگئی تھی' لیکن اس کی اپنی کچھ مشکلات تھیں۔ جنہیں بہرحال ٹالا نہیں جاسکتا تھا' ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے' اپنا فرض سرانجام دیتے ہوئے دنیا کی ہربات کو نظرانداز کرنا پڑتا ہے' عشرت تو خیر بہل جائے گی لیکن اپنے فرض کو نہیں بھول سکتا تھا۔ ویسے اسے اس لڑکی کی تلاش بھی تھی' ہیڈ کوارٹر سے سب لوگوں کو یہ پیغام نشر کیا گیا تھا کہ اخبار نے لڑکی کے بارے میں پتہ چلا لیا ہے اخبار کا ایڈیٹر بھی خطرے میں ہے۔ ہرچند کہ وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے' اور بظاہر یوں لگ رہا ہے جیسے اسے سرکاری طور پر مجبور بھی کیا

جائے تو وہ باز نہیں آئے گا' لیکن بہرحال بات بھی کچھ ٹھیک ہی تھی' اس کا کہنا تھا کہ پولیس خود بھی کچھ کرے' حالانکہ حقیقتوں اور سچائیوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا' لیکن تسلیم نہ کرنے سے حقیقتیں گم نہیں ہو جاتیں' ابھی ایڈیٹر پر اعلیٰ پیمانے پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا تھا۔ اور صرف ان لوگوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور یہ خبر دیں کہ اس کے قاتل کون ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کوششیں ہو رہی تھیں اور یہ ذمے داری فیروز پر بھی ڈالی گئی تھی کیونکہ فیروز بھی اسی پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔ بہرحال مختلف جگہوں پر وہ عشرت کا تعاقب کرتا رہا' عشرت نے اسی ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا جہاں یہ دونوں عام طور سے بیٹھا کرتے تھے اور فیروز کو غصہ آنے لگا' اس وقت اسے بھی بھوک لگ رہی تھی اور وہ بھی کھانا چاہتا تھا' لیکن ظاہر ہے عشرت کے قریب جانا اس وقت خطرناک تھا' کھانے سے فراغت کرنے کے بعد وہ باہر نکلی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک آٹو رکشہ لے کر چل پڑی۔ اس بار وہ ایک ایسے رہائشی علاقے میں پہنچی تھی جو پسماندہ لوگوں کا علاقہ تھا' چھوٹے چھوٹے دو دو کمروں کے فلیٹ بنے ہوئے تھے' وہ یہاں پر رکشہ سے اتری اور ایک دروازے سے اندر داخل ہوگئی' یہ دروازہ فلیٹ میں اوپر جانے والی سیڑھیوں کے لئے تھا' چنانچہ جیسے ہی وہ اندر پہنچی فیروز نے بھی جلدی سے موٹر سائیکل ایک جگہ لگائی۔ اسے لاک کیا اور تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا اس دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ پہلی منزل کی سیڑھیاں طے کرکے وہ اوپر پہنچا ہی تھا کہ سامنے کی کھڑکی سے کمر ٹکائے عشرت کھڑی ہوئی نظر آئی۔ وہ جس بدحواسی سے اوپر پہنچا تھا۔ اسی بدحواسی کے ساتھ رک گیا' اب عشرت اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی' فیروز واقعی اس وقت عشرت کے سامنے نروس ہوگیا تھا۔

"اسے میری رحمدلی سمجھ لو کہ میں نے تمہیں چوتھی منزل کی سیڑھیوں تک

نہیں چڑھایا۔ ورنہ یہ ستون دیکھ رہے ہوتا' اگر میں اس کی آڑ میں کھڑی ہو جاتی تو تم آرام سے چوتھی منزل تک چڑھ جاتے' لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بھوکے ہو' پیاسے بھی ہو گے' کیونکہ کئی گھنٹے سے میرا تعاقب کر رہے ہو۔" فیروز سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اس وقت تمام حسن لطافت رخصت ہوگئی تھی' اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"اور جب تم کھانا کھا رہی تھیں اور تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہارے قریب موجود ہوں تو تم نے مجھے کھانے پر بھی مدعو نہیں کیا"

"نہیں مسٹر فیروز' وہ رابطے تو تم توڑتے جا رہے ہو جو ہمارے درمیان تھے۔ یہ تو اب شناسائی کے کچھ الفاظ ہیں' دیکھو جس طرح محبت آہستہ آہستہ ہوتی ہے' نفرت میں اتنی آہستگی نہیں ہوتی' بلکہ نفرت بڑی تیز رفتار ہوتی ہے' میں یہ نہیں کہہ رہی کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں لیکن ہم محبت کے راستے چھوڑتے جا رہے ہیں فیروز۔" فیروز نے بھینچے ہوئے ہونٹوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"اگر ایسا ہے عشرت تو ٹھیک ہے' یہ میری آخری کوشش تھی کہ میں تم سے رابطے استوار کروں یہ سمجھ لو کہ اگر تم اس پر آمادہ ہوگئی ہو تو میں بھی اسے اپنی مجبوری سمجھ لوں گا' اور جس دن میں نے اسے اپنی مجبوری سمجھ لیا اس دن تم۔ بہرحال ٹھیک ہے۔"

"تم الٹی گنگا بہا رہے ہو فیروز۔"

"نہیں میں اتنی گہری باتیں نہیں سمجھ سکتا' تم جرنلسٹ ہو اور میں ایک جاہل آدمی' نہ اتنی باتیں سمجھ سکتا ہوں نہ سمجھا سکتا ہوں"

"یہی تو نہیں ہے فیروز' ایسا ہی تو نہیں ہے فیروز' کاش میں تمہیں جان سکتی"

"جتنا جان لیا' اتنا ہی کافی سمجھو۔"

"ہاں یہی محسوس کر رہی ہوں اور آہستہ آہستہ کوشش کر رہی ہوں کہ اس

حد سمجھ لوں' اتنی ہی پرواز ہے سمجھوں اپنی' مگر کبھی کبھی دل چاہتا ہے فیروز کہ تمہارے اوپر سے گزروں' تمہیں اندر سے دیکھوں۔"

"تم شاعری کر سکتی ہو' کیونکہ پڑھی لکھی ہو' کاش تمہاری اس شاعری کا ب میں اسی انداز میں دے سکتا۔"

"میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے۔؟"

"دو وجوہات تھیں۔"

"پہلی۔؟" عشرت نے پوچھا۔

"بس بہت دن سے تمہاری ناراضگی برداشت کر رہا ہوں۔"

"تو تعاقب کرنے سے کیا حاصل ہوتا۔؟"

"دیکھ رہا تھا تمہیں مسلسل۔"

"اور دوسری۔؟"

"میں نے سوچا کہ شاید تم اس لڑکی کے گھر جانے کی کوشش کرو' مجھے بھی اس گھر معلوم ہو جائے۔"

"ایک سوال کروں۔؟"

"ہاں ہاں بالکل پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔؟"

"آخر تمہیں اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟"

"ایسی بات نہ کہو عشرت' انسانی نقطہ نظر سے تو میرا خیال ہے ہر شخص کو اس ے دلچسپی ہونی چاہیے۔ جس انداز میں اس سے زندگی چھین لی گئی ہے کم از کم کچھ ہ تو چلے اور کچھ نہیں تو حسب توفیق اس کے والدین کی مدد ہی کر دی جائے۔"

"ایک بات کہوں' اس وقت اس کے والدین کی مدد کرنے کی کوشش ان کی ندگی لینے کے مترادف ہے۔ یوں سمجھ لو دشمنوں کو یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے

اس لڑکی کو قتل کیا ہے' ان کے راستے پر لگانا ہے۔"

"لیکن ذرا ایک بات تو بتاؤ عشرت' اگر لڑکی کے کچھ دشمنوں کو لڑکی سے اتنی واقفیت تھی کہ وہ اسے قتل کر دیں تو کیا وہ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ لڑکی کہاں رہتی تھی۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے وہ جانتے ہوں گے' لیکن دلچسپ بات یہی ہے کہ ایڈیٹر صاحب نے محکمہ پولیس سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے طور پر بھی تحقیقات کر رہے ہیں' اخبارات حکومت کا ستون ہوتے ہیں اور بہت سی ذمے داریاں ان پر بھی عائد ہوتی ہیں' ہم نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا ہے اور گمنام جگہ پر رکھا ہے' جب تک کہ ان کے مکمل تحفظ کا یقین نہیں ہو جائے گا ہم کسی کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"لیکن عشرت یہ ایک مجرمانہ عمل ہے اور تم دیکھ لینا جلد یا بدیر پولیس بہرحال ایڈیٹر صاحب کو زبان کھولنے پر مجبور کر دے گی۔"

"اصول اصول ہوتے ہیں' اور اصولوں کے لئے قربانیاں ہی دی جاتی ہیں' ہاں تعاون کی بات الگ ہے' جس دن تم مجھے یہ بتا دو گے کہ تمہاری اصلیت کیا ہے اس دن میں بھی تمہیں اس لڑکی کے والدین کا پتہ بتا دوں گی سمجھے۔ میرے لائق اور کوئی خدمت۔" فیروز خاموشی سے عشرت کو دیکھتا رہا' اسے عشرت کے چہرے پر انتہائی سنگین تاثرات نظر آرہے تھے۔ اس نے کہا۔

"عشرت ان کا پتہ بہرطور لگ جائے گا۔" "ضرور لگا لینا۔ تم یہ بتاؤ موٹر بائیک لاک کر کے آئے ہو یا نہیں' ذرا پسماندہ لوگوں کا علاقہ ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے کچھ پارٹس غائب ہو جائیں جاؤ دیکھو اسے۔" فیروز نے عشرت کو گھورا اور پھر جھلائے ہوئے انداز میں واپسی کے لئے مڑ گیا۔

سردار تیمور ایک صوفے پر بیٹھا ہوا بیوی کو دیکھ رہا تھا جو چھوٹی بیٹی الماس کے ال سنوار رہی تھی' الماس کو نیا لباس پہنا کر اس نے اس کے بال سنوارنے شروع ئے تھے' پھر جب اسے سردار تیمور کی غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے ردن گھما کر سردار تیمور کو دیکھا۔ تیمور کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ ایک لحے تک تو وہ تیمور کو دیکھتی رہی اس کے بعد الماس کے کندھے پر تھپکی دیتی ہوئی لی۔

"جاؤ باہر دیکھو جہانگیر کیا کر رہا ہے۔؟" الماس باہر نکل گئی۔ خورشید سردار بور کے پاس آگئی۔

"کیا بات ہے سردار۔ اس طرح بیٹی کو کیوں دیکھ رہے تھے۔؟" سردار تیمور ے ہونٹوں پر ایک افسردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"سوچ رہا تھا کہ قدرت ماں باپ کو تقدیر بنانے کا عطیہ دے دیتی' ہر باپ اپنی ٹی کو اچھی تقدیر ضرور دے دیتا۔" خورشید کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"میں آپ کو بہت دن سے نڈھال دیکھ رہی ہوں اس طرح سوچتے رہیں تو بیمار پڑ جائیں گے۔"

"میں اندر سے بیمار ہوں خورشید' اور اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے میرے پاس۔"

"دعا کرتے رہیں بیٹی کے لئے' اللہ باپ کی دعا ضرور پوری کرتا ہے۔"

"کسی دن پیر بابا کے مزار پر حاضری دینے چلنا ہے' شاہ پیر بہت بڑے بزرگ ہیں۔"

"بڑی اچھی بات سوچی آپ نے' میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی آپ کی اداسی سے بچے بھی اداس ہو رہے ہیں۔"

"یہ جہانگیر کہاں ہے۔؟"

"شاید باہر ہے' آیئے باہر چلتے کھلی ہوا میں۔ کیسا چہرہ اتر گیا ہے آپ کا۔؟"

"چلو بھئی' کھلی ہوا کسی کسی کو ہی راس آتی ہے۔" میاں بیوی عظیم الشان مکان کے عظیم الشان احاطے میں آئے تو بدر شاہ گھوڑوں کی صفائی کر رہا تھا۔ اور سامنے ایک شاندار گھوڑے پر جہانگیر سواری کر رہا تھا اور آوازیں لگا رہا تھا۔ وہ زور سے چیخا۔

"بابا بدر شاہ دیکھو میں نے اس گھوڑے کو ٹٹو بنا دیا ہے۔" بدر شاہ نے خوشی سے چیخ کر کہا۔

"شاباش شیر جوان' شیروں کے سامنے گھوڑے کچھ نہیں ہوتے"

"یہ دیکھو یہ میرے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔"

"یہ تو گھوڑا ہے' تمہارے اشاروں پر تو شیر ناچیں گے چھوٹے سردار۔"

سردار تیمور اور خورشید بیٹے کو گھوڑا دوڑاتے دیکھتے رہے اور بدر شاہ بھی اٹھ کر ان

کے پاس آ گیا' تیمور نے کسی قدر پر مسرت لہجے میں۔

"بدر شاہ یہ تو بہت اچھی سواری کر رہا ہے۔"

"سردار! شیر کا بیٹا شیر ہوتا ہے۔ نر کا بیٹا نر ہوتا ہے۔ وہ شیر ہے' اور پھر مالک ہم نے اسے سواری سکھایا ہے۔ آپ کے بدر شاہ نے"

"واقعی بدر شاہ آپ نے تو اسے بہت اچھا سوار بنا دیا ہے۔"

"اللہ کی مہربانی ہے مالک۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔" جہانگیر نے ماں باپ کو کھڑے ہوئے دیکھا تو گھوڑے کو سنبھالے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر نیچے اتر کر بولا۔

"بابا! آپ نے میری گھوڑے کی سواری دیکھی' اب مجھے کوئی خطرناک سے خطرناک گھوڑا دے دیجئے' اسے ٹٹو بنا کر رکھ دوں گا۔" تیمور کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ آ گئی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ میں تمہاری شکل میں جوان ہو رہا ہوں تم نے بھی مجھے یہ احساس نہیں دلایا خورشید کہ میں بوڑھا نہیں ہوا بلکہ ایک اور شکل میں میں جوان ہو رہا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کے چہرے پر مجھے مسکراہٹ نظر آئی۔"

"ایک پھل ملا ہے مجھے' ایک پھل مل گیا ہے۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" سردار تیمور نے پر خیال لہجے میں کہا اور خورشید اس کی صورت دیکھتی رہی' جہانگیر ایک بار پھر دوڑ کر گھوڑے کی پشت پر چڑھ گیا تھا۔ سردار تیمور پر مسرت انداز میں اسے دیکھتا رہا' پھر اچانک ہی اس نے کہا۔

"بدر شاہ بہت دن ہو گئے' نایاب بیٹی آئی بھی نہیں' ہمیں اس کی خیریت بھی نہیں معلوم ہوئی۔ میرا خیال ہے تم کچھ وقت کے لئے ہو آؤ' تھوڑے سے تحفے

تحائف لے جانا' مل لینا اس سے' کہنا ہے کہ فرصت ہو تو آئے' کافی دن ہو گئے اسے یہاں آئے ہوئے۔"

"جو حکم سردار۔ آپ جیسا حکم کرو۔"

"ایسا کرو آج نہیں' کل صبح چلے جاؤ اور ذرا جا کر اس کی خیریت معلوم کرو' اگر ہو سکے تو اپنے ساتھ ہی لے آنا' اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس سے کہہ ضرور دینا اور اس بدبخت کے لئے بھی کچھ تحائف لے لینا' کیا سمجھے۔؟"

"ٹھیک ہے سردار۔" بدر شاہ نے جواب دیا۔

سلطان صوفے پر نیم دراز نیما کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا' اتنی لگن اتنی محنت سے ہر چیز کو صاف کر رہی تھی' جیسے اس سے ان چیزوں کا گہرا رابطہ ہو' سلطان کے ذہن میں عجیب سے خیالات گردش کر رہے تھے' زیبی ہوتی تو وہ بہن سے کہتا کہ سیما اسے پسند ہے' اسے میری زندگی میں شامل کر دو' لیکن زیبی تو ایسی روٹھی تھی کہ سب کچھ ہی ختم کر دیا تھا اس نے' سارے رشتے' سارے ناتے' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی زیبی' زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہ کی ہو گی' کبھی کسی نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہو گا جس کے بعد اسے معافی مانگنی پڑے' میں معافی مانگ لیتا تم سے زیبی' ایسے تو نہیں جانا چاہیے تھا۔ سب کچھ ہی چھوڑ دیا' انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ہی چیخ و پکار کی آوازیں ابھریں اور سیما کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ کوئی مرد چیخ رہا تھا اور کوئی عورت بھی آہستہ آہستہ چیخ رہی تھی۔ سیما کا رنگ فق ہو گیا' اس نے دہشت بھری نگاہوں سے سلطان کو دیکھا اور خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ابا آ گئے۔" سلطان نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں سیما کو دیکھا پھر بولا۔

"کیا کر رہے ہیں یہ۔؟"

"اماں کو مار رہے ہیں........ مار رہے ہیں وہ اماں کو۔" سیما کی آواز میں ایک دم سسکیاں شامل ہوگئیں۔

"تم جاؤ........ روکو انہیں۔"

"مم........ مار ہی ڈالیں گے مجھے تو، جان سے مار دیں گے اس وقت اگر انہوں نے یہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا مجھے۔" سلطان نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر بولا۔

"تم یہاں رک جاؤ، ادھر بیٹھ جاؤ، فکر مت کرو میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور دروازے سے باہر نکل آیا، باہر کا منظر واقعی دلدوز تھا، حالانکہ سیما کی والدہ ایک اچھی خاصی پڑھی لکھی معزز عورت تھی۔ لیکن اس وقت اس کی جو درگت بنی ہوئی تھی، وہ بہت ہی افسوسناک تھی، فرید خاں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں جوتا تھا اور مارتا ہوا اور دروازے سے باہر لے آیا تھا۔ گالیاں بکتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"بول کہاں بھیجا ہے اسے، کہاں بھیجا ہے۔ آوارگی کرتی ہو تم دونوں ماں بیٹیاں۔ بول کہاں ہے وہ جواب دے۔" محلے کے بہت سے افراد اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ صفدر خاں اپنے تین لفنگے ساتھیوں کے ہمراہ ایک گوشے میں کھڑا ہوا تھا، جلیل چچا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"بات تو سنو فرید خاں، گھر کے معاملات گھروں میں ہی نمٹائے جاتے ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے گھر کے اندر جاکر کرو، یہ سڑکوں پر جو بے ہودگی ہوتی ہے یہ بری بات ہے، محلے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں، جو کچھ بھی کرنا ہے گھر کے اندر جاکر کرو، جاؤ چلو اندر جاؤ۔"

"اے بابا جی! اپنے کام سے کام رکھو، محلے کے معاملات میں ٹانگ اڑانا بھی

اچھی بات نہیں ہوتی، میرا معاملہ ہے مجھے نمٹنے دو، ہاں بول کہاں گئی ہے وہ کہاں ہے۔؟"

"نن........ نوکری پر گئی ہے، نوکری پر گئی ہے۔ قسم لے لو، نوکری پر گئی ہے۔"

"بڑی اماں کیوں جھوٹ بول رہی ہو، جس کے پاس ہے وہ باہر نکل آیا ہے، جاؤ اسے تلاش کرنا ہے تو کوارٹر کے اندر دیکھ لو۔" اشارہ سلطان کے گھر کی جانب تھا۔ صفدر خاں بھی یہاں پرانا رہنے والا تھا اور سلطان کے ساتھ ہی جوان ہوا تھا۔ دو چار بار چھوٹی موٹی چوری چکاری کے چکر میں جیل جا چکا تھا۔ اپنے آپ کو بدمعاش کہتا تھا اور سمجھتا بھی تھا۔ لیکن آج پہلی بار اس نے سلطان کے بارے میں اپنے منہ سے کچھ الفاظ نکالے تھے۔ سلطان نے اسے دیکھا۔ جلیل چچا فوراً ہی بولے۔

"کیا بک رہا ہے تو صفدر خان۔؟"

"ہاں جلیل چچا، تم لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہوں تو کرلی ہوں، ہم تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، آخر محلے والوں کی بھی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں، کوئی فرض ہوتا ہے، یقین نہ آئے تو اندر جاکر دیکھ لو اندر ہی ہوگی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کئی بار جاؤ تلاشی لے لو۔" صفدر خان نے کہا اور سلطان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس نے صفدر خان کی طرف دیکھے بغیر فرید کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"بابا جی! جلیل چچا ٹھیک کہتے ہیں، گھر کے معاملات گھر میں ہی نمٹالئے جائیں تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ جائیے آپ اندر جائیے۔"

"اب پھر تو نے بیچ میں ٹانگ اڑائی میں کہتا ہوں تو ہوتا کون ہے۔"

"میری بات مان لیجئے۔" سلطان نے فرید کی کلائی پکڑلی جس ہاتھ سے وہ سیما

کی ماں کو مار رہا تھا۔ اور فرید زور لگانے لگا۔

"چھوڑ مجھے۔" سلطان اسے ڈھکیلتا ہوا اندر لے گیا اور سیما کی ماں بری ط
کانپتی ہوئی رونے لگی۔ سلطان نے فرید کو کوارٹر کے اندر کیا اور اس کے بعد اَیَ
زوردار ہاتھ اس کی گردن کے نچلے حصے پر رسید کیا۔ یہ ایسا ہاتھ تھا کہ اس کے بِ
ہوش و حواس کو قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہوتا تھا۔ فرید خاں نے دونوں ہاتھ خلاء مِ
مارے اور اس کے بعد چکراتا ہوا سا آگے بڑھ گیا۔ اور صحن میں پڑی ہوئی چارپائی
بیٹھ گیا' اسے بہت زور کا چکر آگیا تھا۔ سلطان باہر نکل آیا' صفدر خان کہہ رہا تھا۔

"جلیل چچا میری بات مانو' تلاشی لے لو' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جا
گا۔" سلطان نے اب بھی اس سے کچھ نہ کہا' خاموشی سے اندر گیا' سیما خوف
تھر تھر کانپ رہی تھی' سلطان کو دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"کیا ہوا......... کیا بات ہے......... کیا ابا اماں کو مار رہے ہیں......... کیا وہ گ
کے دروازے کے باہر نکل آئے ہیں۔؟" سلطان نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا
آہستہ سے بولا۔

"تمہیں بالکل خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ جب میں نے تمہاری ذمے دا
لے لی ہے سیما تو یا تو تم مجھ پر بھروسہ کرو' یا تمہیں خوفزدہ ہونا ہے تو جاؤ باہر نِ
جاؤ۔"

"نہیں نہیں' مم......... میں بھروسے والی بات نہیں کر رہی' ابا.....
مم......... مگر یہ ابا اس وقت آکیسے گئے۔؟"

"میں نہیں جانتا۔ سلطان نے کہا اور اس کے بعد وہ الماری کی جانب بڑھ گ
اس نے الماری سے پستول نکالا' اس کے چیمبر بھرے اور اس کے بعد خاموشی
آگے بڑھ آیا' باہر آتے ہی اس نے اندھا دھند تین چار فائر کئے' اور غرائی ہوئی آ

ں بولا۔"

"ہاں آجاؤ' تلاشی لے لو' آؤ کون کون میرے گھر میں گھسنے کی ہمت رکھتا ہے'
اجاؤ۔ مرد کے بچے' چور لفنگے۔ ادھر آجا تلاشی لے۔" اس نے صفدر کی جانب
ستول کی نال سیدھی کی تو صفدر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اور اس کے بعد جو وہ پلٹ
ر بھاگا تو برابر کی گلی میں ہی گھس کر دم لیا' باقی ساتھی بھی بھاگ گئے تھے' ادھر بقیہ
فراد بھی فائرنگ کی آواز سن کر دوڑ پڑے تھے اور اچھی خاصی بھگدڑ مچ گئی تھی۔ چند
ی لمحوں کے بعد گلی خالی ہو گئی۔ سلطان کے منہ سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

"تلاشی لیں گے۔"

نایاب خاموش بیٹھی ہوئی مچھلیوں کے ایکوریم کو گھور رہی تھی۔ نوری بھ
وقت اس کے پاس موجود نہیں تھی۔ غالباً باہر کچھ کام کر رہی تھی۔ بہت د
نایاب مچھلیوں کو گھورتی رہی۔ کوئی خاص خیال نہیں تھا ذہن میں، بس اپ
ہوئے دنوں کو یاد کر رہی تھی۔ بے حد پیار کرنے والے ماں باپ جنہوں نے
بہت پیار دیا تھا۔ اپنے گھر کی آزاد فضاؤں میں کھیلتا کودتا بچپن۔ پھر نوجوانی۔
سنہرے دن تھے وہ۔ اس کے بعد اچانک ہی ان سنہرے دنوں پر کالی گھٹائیں
تھیں، جب اس کی شادی نادر شاہ سے کر دی گئی تھی اور اس نے اسے تقدیر
سمجھ کر قبول کرلیا تھا۔

یہی باتیں سوچتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھی ہی تھی کہ اچانک ہی نا
اندر داخل ہوگیا اور نایاب نے اسے چونک کر دیکھا۔ نادر شاہ کے چہرے پر
کے آثار تھے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آیا اور نایاب سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوگیا
"نایاب تمہیں بابا جان کے پاس گئے ہوئے کتنے دن گزر گئے، کوئی
نہیں ملا ان کی طرف سے زمینوں کے بارے میں۔ اب اس بات میں کوئی شک

مجھے کہ وہ ٹال مٹول کر رہے ہیں۔"
"اگر وہ ایسا کر رہے ہیں شاہ جی تو ضرور ان کی کوئی مجبوری ہوگی۔"
"کوئی مجبوری نہیں ہے، ضد کر رہے ہیں وہ، حالانکہ بزرگوں کو ضدی نہیں
ہیے۔ بزرگ تو بچوں کی ضدیں پوری کرتے ہیں۔ انہیں کوئی جواب تو دینا
، میں کتنی بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں، حالانکہ مجھے ان زمینوں کے نہ
ے جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کی تلافی نہیں کی جاسکتی، نایاب تیار ہو جاؤ، اور
پھر تم بابا جان کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ میں آخری بار تمہارے پاس
ں۔"

"باپ کے گھر جانا تو بیٹیوں کے لئے دنیا کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے شاہ
ن بار بار کسی چیز کو مانگنے کے لئے جانا مجھے اچھا نہیں لگتا، میں بھی سردار کی بیٹی
بابا جان اگر مجھے وہ زمین نہیں دینا چاہتے تو ایک بار کے بعد بار بار اسے مانگنا
ھا نہیں لگتا۔"
"لیکن اس زمین کو حاصل کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔" نادر شاہ نے
نبھالتے ہوئے کہا۔
"تو پھر آپ مجھے بتایئے میں کیا کروں۔؟"
"پھر جاؤ، ان کے پاس انہیں مجبور کرو۔ ان سے کہو کہ یہ تمہارے مستقبل کا
ہے۔" نادر شاہ نے کہا اور پہلی بار نایاب کی آنکھوں میں کس قدر سختی نظر
وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نادر شاہ کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
"بیٹیاں باپ کے آنگن میں جوان ہوتی ہیں، بچپن سے جوانی تک باپ ان کے
کا درخت ہوتا ہے جس کے نیچے وہ دھوپ اور گرم ہواؤں سے محفوظ رہتی
یکن پھر ان کا آنگن بدل جاتا ہے، وقت کی زنجیر اسی طرح سے انہیں ایک جگہ

سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہے' اور جب وہ نئے آنگن میں نئے درخت کی چھاؤں میں چلی جاتی ہیں شاہ جی تو پرانا درخت اجنبی اجنبی ہو جاتا ہے۔ اس سے چھاؤں مانگ گالی سی لگتی ہے...... شرم آتی ہے...... بدنیتی محسوس ہوتی ہے' میرے مستقبل کی کیا بات کرتے ہیں آپ میرا مستقبل تو اب یہ گھر ہے' اور یہاں سے میں صرف اپنی مرضی سے اپنی خوشی سے جاسکتی ہوں' کوئی چیز مانگنے کے لئے کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"میں بھی۔" نادر شاہ نے سخت غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں شاہ جی یہ تو آپ کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔"

"بد تمیزی کرتی ہے مجھ سے' جانا ہے' زمین حاصل کرنا ہے۔" نادر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں شاہ جی ایسے نہیں' میں سردار کی بیٹی ہوں شاہ جی' اور آپ سردار نہیں ہیں' سمجھے' سرداروں کا مان سردار ہی جانتے ہیں۔"

"پھر بدتمیزی کی مجھ سے۔" یہ کہہ کر نادر شاہ نے ایک زور دار تھپڑ نایاب کے منہ پر رسید کر دیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ نایاب کا چہرہ گھوم گیا۔ تو نادر شاہ نے اس کے بال پکڑے اور اسے اپنی جانب گھسیٹ کر ایک اور تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"جانا ہے تجھے۔؟"

"نہیں شاہ جی ایسے نہیں۔"

"ایسے نہیں۔" نادر شاہ نے ایک اور تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا ہی تھا کہ ایک خوفناک اور گرجدار آواز سنائی دی۔

"نادرے......"

کچھ ایسی گرج کچھ ایسی وحشت تھی اس آواز میں کہ ایک لمحے کے لئے نادر
ہاتھ بھی لرز گیا' اس نے نایاب کے بال چھوڑ دیئے اور پلٹ کر دیکھنے لگا' بدر
ا جسے سردار تیمور نے بھیجا تھا اور جو باہر کھڑے ہوئے ملازم سے نادر شاہ اور
کے بارے میں معلوم کرکے اندر داخل ہوا تھا' لیکن اس وقت جو منظر اس کی
ں کے سامنے آیا تھا اس نے اس کے بدن کے اندر چنگاریاں بھر دی تھیں۔ اور
ت یہ ہے کہ نادر شاہ بھی اس وقت یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ بدر شاہ کا سامنا
طرح کرے' اب وہ نایاب کا شوہر تھا' سردار تیمور کا داماد تھا۔ اپنے علاقے کا
ار تھا' ایک خطرناک آدمی تھا' لیکن اس وقت جب وہ پہاڑوں میں داخل ہوا تھا
سردار تیمور نے اسے ازراہ کرم اپنے گھر رکھا تھا تو بدر شاہ ہی نے سب سے پہلے
اپنے کپڑے پہننے کے لئے دیئے تھے۔ اپنی شال اسے دی تھی تاکہ وہ سخت
ی سے بچے' یہاں تک کہ اپنی چارپائی بھی اسے دے دی تھی' اور کہا تھا کہ کوئی
نہیں ہے نادرے۔ کل تیرے لئے چارپائی کا بندوبست کردوں گا' کل اور آج
فرق تھا اور اس فرق کو کچھ لمحوں کے لئے سمجھنے کی ضرورت تھی' چنانچہ نادر شاہ

نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور بدر شاہ کے پر جلال چہرے کو دیکھنے لگا' ایک بار پھر اس کی ہمت نے تھوڑا سا ساتھ چھوڑا۔ لیکن اندر کی قوتیں ابھر آئیں اور اس نے دانت بھینچ کر کہا۔

"بدر شاہ اگر گھٹیا درجے کے انسان ہو تو کم از کم اچھے درجے کے لوگوں کے درمیان پلے بڑھے ہو' جانور تک سمجھ جاتے ہیں اور سدھر جاتے ہیں اور انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ مالکوں کے ساتھ کس طرح پیش آیا جاتا ہے' پہلی بات تو یہ کہ کیا باہر سب مرگئے' جنہوں نے تمہیں جنگل کے جانور کی طرح اندر آنے سے نہیں روکا اور تم اونٹ کی طرح منہ اٹھائے گھر میں چلے آئے۔ اپنی اوقات اپنی حیثیت جانتے ہو' یہ اندازہ ہے تمہیں کہ تم کون ہو' اور میں کون ہوں اور تم نے کیا کہہ کر مجھے مخاطب کیا ہے۔" بدر شاہ کے جبڑے مضبوطی سے ایک دوسرے پر بھنچے ہوئے تھے۔ آنکھیں خون ابل رہی تھیں۔ وہ غرائے ہوئے انداز میں آگے بڑھا اور اس کی آواز ابھری۔

"نادرے........" ایک بار پھر نادر شاہ کا حوصلہ پست ہونے لگا تھا۔ چوڑے چکلے جسم کے مالک بدر شاہ کے جسم کی قوتوں کا اسے بھی اندازہ تھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اس سے کم نہیں تھا لیکن دو چٹانوں کا ٹکراؤ جب ہو جاتا ہے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ نتیجہ کیا نکلے گا' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حویلی میں نادر شاہ کے اتنے مسلح افراد بکھرے ہوئے تھے کہ اگر نادر شاہ انہیں ایک اشارہ کر دیتا تو بدر شاہ کی ہڈیوں تک کا برادہ بن جاتا۔ بدن کے گوشت کی تو بات ہی کیا تھی' اسے تو قیمہ کہنا بھی ایک مذاق ہی لگتا' خون کے لوتھڑے پڑے ہوتے صرف اور صرف' لیکن یہ اس وقت کی بات ہوتی جب وہ لوگ یہاں پہنچ جاتے' سب جانتے تھے کہ بدر شاہ سردار تیمور کا خاص آدمی ہے اور کوئی اس وقت تک اندر نہ پہنچتا جب تک کہ نادر

شاہ اسے آواز نہ دے لیتا اور آواز دینے سے پہلے جو ہو جانا تھا نادر شاہ جیسے زیرک آدمی کے علم میں تھا۔ لیکن اس موقعے پر نایاب دہشت زدہ انداز میں کانپتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"شاہ بابا آپ........" وہ آگے بڑھ کر بدر شاہ کے قریب پہنچی تو بدر شاہ نے آگے بڑھ کر اس کے رخسار پر بنے ہوئے اس سرخ نشان کو دیکھا اور اسے دیکھتے ہوئے نادر شاہ سے بولا۔

"خدا کا قسم نادر شاہ' میں تیرے بدن کی کھال اس طرح اتار سکتا ہوں جس طرح دنبے کا کھال اتار لیا جاتا ہے' تو تو مجھے میری اوقات یاد دلا رہا ہے' مگر تھوڑی دیر کے لئے اپنی اوقات بھی یاد کر لے' وقت نے تجھے اس پھول کا مالک بنا دیا' مگر نایاب سردار تیمور کا بیٹی ہے' میری بیٹی نہیں ہے' وہ سردار تیمور مجھے نوکری سے نکال سکتا ہے' لیکن اس وقت تک میں تیرا جو حال کردوں گا تیرے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتا۔"

"بدر شاہ! آدمی کے بچے ہو' آدمی کے بچے بن کر بات کرو' تم میری پرانی حیثیت کو یاد نہ دلاؤ' میری حیثیت بدل چکی ہے اور تم وہی کے وہی ہو۔ کیسے آنا ہوا۔ اپنی بات کرو۔؟"

"شاہ بابا' آپ کو اللہ کا واسطہ' مہمان کی حیثیت سے آئے ہو' مجھے میرے گھر کی خبر سناؤ' سب لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔"

"نایاب بیٹے! تمہارے ساتھ اس گھر میں یہ سلوک ہوتا ہے۔ سردار تیمور کو کچھ نہیں کہہ سکتا میں' مگر چھوٹی ذات کا آدمی چھوٹی ہی بات کر سکتا ہے' ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے میں باہر جاتا ہوں ادھر رکتا ہوں جدھر میری جیسی اوقات کے لوگ رکتے ہیں' اس کے بعد اس سے کہو کہ میرے بارے میں فیصلہ کرے' مجھے سردار

نے بھیجا ہے' یہ مجھ سے بات کرے' اور تم' نادر شاہ' نادر شاہ نہیں ہو تم نادرے ہو' بلکہ نادرے بھی نہیں ہو' تم گندی نالی کے کیڑے ہو' ایک بات یاد رکھنا۔ سردار تیمور کی نوکری چھوڑ سکتا ہوں میں اور اس کے بعد تم پر جو قیامت بن کر ٹوٹوں گا تو تم دنیا کے کسی کونے میں منہ نہیں چھپا سکو گے' پہاڑی غار تمہیں پناہ نہیں دیں گے' بدر شاہ ہے میرا نام' میری جھکی ہوئی گردن سے یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہارا پاؤں اس تک پہنچ سکتا ہے' زیادہ سے زیادہ نمک حرام کہلاؤں گا نا باہر جاتا ہوں' وقت کا انتظار کروں گا' ایسا وقت جب میں کبھی تم سے بات کر سکوں۔"

"شاہ بابا' آپ باہر جاؤ' آپ کو اللہ کا واسطہ۔" نایاب نے کہا اور بدر شاہ باہر نکل گیا' نادر شاہ سناٹے میں کھڑا رہا تھا' نایاب بھی اپنی جگہ خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک یہ خاموشی برقرار رہی' پھر نادر شاہ نے کہا۔

"سردار تیمور کو میرا خیال ہے' میں پہلی بار اپنی طرف سے ایک تحفہ پیش کردوں۔ بدر شاہ کی لاش کا تحفہ۔" نایاب خاموشی سے نادر شاہ کو دیکھتی رہی۔ نادر شاہ نے پھر اس کی طرف رخ کر کے کہا۔

"کیا مشورہ دیتی ہو اس سلسلے میں نایاب۔؟"

"کچھ نہیں' میں کچھ کہوں گی تو اسے بھی گستاخی تصور کیا جائے گا' اور بابا جان نے کہا تھا کہ شوہر کی شان میں گستاخی مت کرنا۔"

"دو ٹکے کے ملازم نے' دو کوڑی کے آدمی نے جو گستاخی میرے ساتھ کرلی ہے' میں سمجھتا ہوں سردار تیمور کا سارا قرض ادا ہو گیا ہے' میں نے جسے برداشت کرلیا بس اتنا ہی کافی ہے۔ اتنا ہی کافی سمجھو نایاب۔"

"ٹھیک ہے' میں جو کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ میں نہیں جانتی' مجھے کبھی نہیں بتایا گیا کہ نادر شاہ کا ماضی کیا ہے' لیکن ان بلند و بالا پہاڑوں میں تو یہ سنا گیا ہے

کہ اگر صدیوں کا دشمن بھی کسی کے گھر میں جاتا ہے تو گھر کی چہار دیواری میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ بلکہ جب تک وہ اپنی منزل تک نہ پہنچ جائے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پہاڑوں کا تو یہی قانون ہے' پہاڑوں کی تو یہی شان ہے' نادر شاہ اگر پہاڑوں کی ان روایتوں میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے وہ نادر شاہ ہیں۔ انہیں روکنا کم از کم نایاب کے بس کی بات تو نہیں ہے۔" نادر شاہ' نایاب کو دیکھتا رہا۔ پھر بے اختیار ہنس پڑا اور بولا۔

"سردار کی بیٹی کافی چالاک ہے۔ لیکن شوہر کے ساتھ چال بازیاں کرنا شریف لڑکیوں کا کام نہیں ہوتا' پہاڑوں کی کچھ اور بھی روایات ہیں' ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے' خیر میں ابھی مفاہمت کے راستے بند نہیں کرنا چاہتا' تمہیں جانا ہے اور سردار تیمور سے بات کرنی ہے اس سے کہنا ہے کہ تمہارے اچھے مستقبل کا دارومدار ان زمینوں کو میرے حوالے کر دینے پر ہے ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔" نادر شاہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور نایاب سرد نگاہوں سے دروازے کو دیکھتی رہی' بہت دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے بہت سرد لہجے میں نوری کو آواز دی اور نوری اس کے پاس پہنچ گئی۔

"باہر شاہ بابا موجود ہیں' ان سے کہو مجھے ان کے ساتھ جانا ہے' نادر شاہ سے اجازت مل گئی ہے اور تجھے بھی میرے ساتھ چلنا ہے تیار ہو جا۔" نوری گردن جھکا کر باہر نکل گئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شاہ رخ پر کھانا پینا حرام ہوگیا تھا۔ وہ ایک پولیس آفیسر تھا' ہوشیاری ' ذمے داری اور مصلحت سے کام لینا اس کا فرض تھا' کیونکہ بہرحال اسے اپنے فرائض کے لئے حالات پر نگاہ رکھنا بھی ضروری تھا' لیکن وہ مستقل طور پر اس چکر میں لگا ہوا تھا کہ پہلی ہی پیشی میں حیدر زمان کو بے گناہ قرار دلوا کر صاف نکال لائے' شیری اور نزہت کو وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا' شیری اسے اپنی اولاد ہی کی مانند عزیز تھی اور نزہت بہنوں کی طرح۔ اس کا دل روتا تھا' بہرحال فاریسٹ آفیسر کے مکان کے قرب و جوار میں جو آبادیاں تھیں' وہ انہی کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھا اور پھر جو اس کی خوش قسمتی تھی کہ ایک دن جب وہ سادہ لباس میں مراد گڑھی کے پولیس اسٹیشن سے تھوڑے فاصلے پر جارہا تھا کہ اسے ایک نوجوان عورت ملی۔ یہ عورت پھٹے پرانے لباس میں ملبوس تھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے' شاہ رخ کو دیکھ کر اس نے کہا۔

"بھائی ہماری بات سن لو' بھائی ہم مظلوم ہیں' ستم رسیدہ ہیں' ہماری بات سن لو' اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔" شاہ رخ جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"کیا بات ہے بہن' کیا ہوگیا کیا بات ہے۔؟"

"گھر سے بھاگ کر آئے ہیں ہم کسی کو پتہ نہیں ہے کہ ہم اس طرف نکل آئے ہیں۔ ہماری مدد کرو' ہم پر رحم کرو' ہم مظلوم ہیں' ہمارا دیور ہمیں مار ڈالے گا' ہمیں پولیس کے پاس لے چلو' یہاں پولیس ہوتی ہے۔" شاہ رخ ایک دم سنبھل گیا تھا' اس نے کہا۔

"آؤ بہن! بے فکر رہو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" عورت کراہتی ہوئی پولیس اسٹیشن میں داخل ہوگئی تھی' وہ سہمی ہوئی نظر آرہی تھی۔ شاہ رخ نے اسے اپنے کمرے میں لے جاکر بٹھایا۔ ایس آئی سے کہا کہ ہر طرح نگرانی رکھے' کوئی اس عورت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتا ہے' ایس آئی نے فوراً ہی مسلح پولیس والوں کی ڈیوٹی لگا دی' اور اس کے بعد خود اندر چلا گیا۔ معصوم سی سادہ لوح عورت کو جب تک اپنے آپ کو وردی میں نہ دکھا دے' یقین نہیں دلا سکتا تھا کہ وہ خود پولیس آفیسر ہے' عورت اتنی سادہ لوح تھی کہ وردی میں یہ بھی نہ پہچان سکی کہ یہ وہی آدمی ہے جو اسے باہر ملا تھا۔ شاہ رخ نے کہا۔

"ہاں بہن کیا بات ہے' کہو کس سے خطرہ ہے تمہیں۔؟"

"افسر صاحب! جلدی سے ساری بات بتائے دیتے ہیں آپ کو' وہ کمینہ اگر یہاں پہنچ گیا تو ہماری تکا بوٹی کر دے گا' بیوہ کر دیا ہے اس نے ہمیں' مروا دیا ہے ہمارے گھر والے کو' ہمارا گھر والا تو شریف آدمی تھا' یہاں بستی میں ایک سردار ہیں نادر شاہ۔ وہ ہمارے دیور کا دوست ہے' پیسے دیتا ہے اسے اور ہمارا دیور اس کے لئے کام کرتا ہے' ہمارے دیور نے ہمارے میاں کو پٹی پڑھائی' تھوڑے سے پیسے بھی دیئے اور بنگلے والے بابو کے گھر بھیج دیا' ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ بنگلے والے بابو کی بیوی پر الزام لگا کر انہوں نے ہمارے میاں کو بھی مروا دیا ہے۔ اور اب کہتے ہیں کہ

بنگلے والے بابو کی بیوی سے ان کے ناجائز تعلقات تھے' افسر جی اللہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا عقل سے پہچانا ہے' اپنے میاں کو ہم اچھی طرح جانتے تھے' وہ تو بندہ ہی بڑا شریف تھا اور پھر ساری باتیں ہمیں معلوم ہو چکی ہیں اور پھر رمضان خود بھی ان لوگوں میں شریک تھا جنہوں نے بنگلے والے بابو کی بیوی اور بچی کو مارا ہے اور نوکروں کو بھی' وہیں پر انہوں نے ہمارے میاں کو بھی مار ڈالا ہے۔ افسر صاحب جی انصاف چاہیئے ہمیں۔ ہمارا دیور رمضان ہمیں قید کئے ہوئے تھا' قید سے نکل کر بھاگے ہیں ہم' ارے ہمارے جیون ساتھی کو ختم کر دیا انہوں نے' ہم کیسے کسی کو چھوڑ سکتے ہیں۔" شاہ رخ کے تن بدن میں شدید سنسنی پھیل گئی تھی۔ اس نے ایس آئی کو بلا کر کہا۔

"فوراً" تیاریاں کرو' ہمیں چھاپہ مارنا ہے' مگر احتیاط کے ساتھ" اور پھر اس عورت کو اس نے اپنے گھر پہنچایا اور دو پولیس والوں کی ڈیوٹی بھی لگا دی' ماں سے اس نے کہا۔

"یہ بے چاری جان کے خوف کا شکار ہے' آپ لوگ اس کی دلجوئی کیجئے' امی یہ حیدر زمان کے معاملے کی ایک عینی گواہ ہے۔ اس کی زندگی بہت ضروری ہے' میں اس کے دیور کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں' وہ ہاتھ لگ جائے تو حیدر زمان کے معاملے میں ہمیں بڑی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔"

"اس کی طرف سے بے فکر رہو' اللہ نے چاہا تو تمہیں کامیابی حاصل ہو گی۔ نزہت اور بچی کا خون رنگ لائے گا' اصل قاتل پکڑے جائیں گے۔" فرزانہ بیگم نے کہا اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ رخ کی جیپ عورت کے بتائے ہوئے پتے پر چل پڑی تھی' اس کے ذہن میں شدید سنسنی تھی اور وہ صورتحال کو مکمل طور سے سمجھ رہا تھا۔

اخبار والے معمولی حیثیت کے حامل نہیں ہوتے' سرکاری طور پر بھی ایڈیٹر نے اس لڑکی کا پتہ نہیں بتایا تھا اور کہا تھا کہ ایک ذمے دار شہری کی حیثیت سے وہ خود بھی ایک ایسے گھرانے کی حفاظت کرنا چاہتا ہے جو خطرے میں ہے' اگر پولیس زیادہ مجبور کرے گی تو وہ روپوش ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ پولیس یہ کر سکتی ہے کہ اسے گرفتار کر کے لاک اپ کر دے اور اس پر تشدد کرے' لیکن یہ بات پولیس کو بھی معلوم ہو جانی چاہیے کہ وہ ایڈیٹر کی زبان نہیں کھلوا سکے گا اور تشدد کے نتیجے میں جو کچھ ہو گا اسے بھگتنا پڑے گا۔ بہرحال ابھی تک کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی تھی' البتہ فیروز یہ بات جانتا تھا کہ عشرت کو لڑکی کے گھر کا پتہ معلوم ہے اور ان دنوں فیروز نے یہی کام شروع کر رکھا تھا' وہ عشرت کا تعاقب کرتا تھا اور پھر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ مختلف دنوں میں اس کوشش کے بعد ایک دن اسے کامیابی حاصل ہو ہی گئی۔ عشرت جس گھر میں داخل ہوئی تھی وہ ایک بوسیدہ اور عبرت کا نشان گھر تھا' فیروز کو عشرت کے بہت سے معاملات کے بارے میں پتہ تھا' یہ جگہ بالکل اجنبی تھی جہاں عشرت پھلوں کا ایک تھیلا لے کر داخل ہوئی تھی۔ فیروز نے

اس گھر کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا۔ بہرحال عشرت کی نگاہوں سے محفوظ رہنا بھی ایک مشکل ہی کام تھا۔

پھر کئی گھنٹے کے انتظار کے بعد جب عشرت وہاں سے چلی گئی تو فیروز نے بازار آکر کچھ ضروری اشیاء خریدیں اور اس کے بعد اس گھر کی طرف چل پڑا' گھر کے دروازے پر دستک دی تو نو یا دس سال کے ایک بچے نے دروازہ کھولا اور بولا۔

"جی صاب جی۔"

"تم نجمہ کے بھائی ہونا۔؟"

"جی صاب جی حکم' حکم کریں۔"

"نہیں ابھی وہ عشرت آئی تھیں نا' انہوں نے کچھ اور سامان بھیجا ہے' یہ اندر پہنچانا ہے۔"

"صاب جی آپ اندر آجایئے' عشرت باجی کے کون ہیں آپ۔ آیئے آیئے۔"

بچہ حالانکہ زیادہ عمر کا نہیں تھا لیکن بڑا ہی نفیس معلوم ہوتا تھا' چھوٹے سے عسرت زدہ گھرانے میں اندر داخل ہوکر لمحوں میں صورتحال کا پتہ چل جاتا تھا' ایک عمر رسیدہ خاتون اندر سے نمودار ہوئیں اور انہوں نے کہا۔

"جی بیٹے۔"

"وہ جی عشرت نے کچھ اور سامان بھیجا ہے۔"

"عشرت......... لاؤ بیٹے کیا بھیجا ہے' اسے تو منع بھی نہیں کرسکتے' حالانکہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ نجمہ اپنی قیمت دے گئی ہے' ابھی بہت دن تک ہمیں بیرونی امداد کی ضرورت نہیں پیش آئے گی' اور ہم آرام سے رہ سکیں گے' گھر والوں کے لئے اپنی زندگی کا نذرانہ دے کر وہ تھوڑا بہت سامان پیدا کرگئی ہے۔ مگر عشرت نہیں مانتی' بیٹے اس دنیا میں کون کسی کو مانتا ہے' وہ تو خلوص سے ہمارے لئے سب کچھ کر

رہی ہے' پر ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ وہ اپنے اخبار کے لئے ہم سے معلومات حاصل کررہی ہے۔ دنیا بڑی خود غرض ہے بیٹے۔ تم کون ہو اس کے۔؟"

"جی میں وہ بس عشرت کا منگیتر ہوں۔" فیروز نے شرماتے ہوئے کہا۔

"ارے......... اچھا......... آؤ بیٹھو بیٹا بیٹھو' کبھی تذکرہ نہیں کیا اس نے تمہارا۔"

"وہ جی بس ہمارے ہاں ذرا شرم و حیا کا کافی رواج ہے' مگر خالہ جان نجمہ کے بارے میں تو میرا دل بھی مطمئن نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ کا دل یہ نہیں چاہتا کہ نجمہ کے قاتل گرفتار ہوں۔؟" فیروز کے اس سوال پر عورت نے تو کچھ نہیں کہا لیکن اندر سے ایک غرغراتی آواز سنائی دی۔

"اس کے لئے ہم ہزار زندگیاں قربان کرنے کو تیار ہیں بیٹے' آواز ایک بزرگ کی تھی جو یقیناً نجمہ کے والد تھے' باہر آئے تو نجمہ کی والدہ نے کہا۔"

"ارے کیوں اٹھ گئے آپ بلاوجہ' آرام کریں' کتنا منع کیا ہے ڈاکٹر نے آپ لو ہلنے جلنے سے۔"

"ارے چھوڑو' کلیجے کے ٹکڑے ہو چکے ہیں' ہلنے جلنے سے اور کیا چیز خراب جائے گی' بیٹا! ہم اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں اگر ہماری نجمہ کے قاتلوں کا وئی پتہ چل سکے' آؤ میں تمہیں ایک چیز دیتا ہوں کسی کو نہیں پتہ چلا ہے اس چیز لے بارے میں' مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس شئے نے مجھے آواز دی ہو' جیسے نجمہ کا ن رنگ لانے والا ہو' آؤ ذرا اندر آؤ۔" فیروز تیزی سے اندر داخل ہوگیا تو عمر یدہ شخص نے اپنے بستر کی چادر کے نیچے سے پتلی سی ایک ڈائری نکال کر فیروز کو یتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اسے دیکھو' اسے نجمہ نے اپنے قاتلوں کی نشاندہی کی ہے' پتہ ہے یہ

مجھے کہاں سے ملی۔ نجمہ کی مسہری کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹی سی دراز ہے' جب یہ مسہری میں نے خریدی تھی تو اس چور دراز کو دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ اگر کبھی نجمہ کی شادی کے لئے کچھ زیور بنوائے تو اسی دراز میں محفوظ کروں گا' یہ دراز اس کے لئے تو نہ استعمال ہو سکی' لیکن جب میری نگاہ اس پر پڑی اور میں نے اسے کھول کر دیکھا تو یہ ڈائری اس سے برآمد ہوئی۔"

فیروز کا دل دھک سے رہ گیا تھا' اس نے بے چین نگاہوں سے ڈائری کا جائزہ لیا اور پھر جوں جوں وہ اس ڈائری کو پڑھتا گیا اس کے چہرے پر جہنم کی آگ سلگتی چلی گئی' اس نے بزرگ سے کہا۔

"محترم! کیا آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے' کیا نجمہ کے قاتلوں کو منظر عام پر لانے کے لئے میں یہ ڈائری اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔"

"لے جاؤ بیٹا لے جاؤ' یہ میرے پاس ہو بھی تو میں کیا کر سکتا ہوں' کچھ بھی نہیں کر سکتا' لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا' اگر واقعی نجمہ کے قاتل منظر عام پر آجائیں تو چاہے میں ہسپتال کے کسی کمرے میں آخری سانسیں بھی لے رہا ہوں مجھے ضرور آکر ان کے بارے میں اطلاع دینا اور ہو سکے تو مجھے ان کی صورت دکھا دینا۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔" فیروز نے کہا اور اس کے بعد وہ برق رفتاری سے وہاں سے باہر نکل آیا' پہلی ہی کوشش میں اسے جو حاصل ہو گیا تھا وہ اتنا تھا کہ شاید بعض لوگ زندگی بھر کی کوشش سے بھی اتنا حاصل نہ کر سکیں۔

بہرحال شاہ رخ ایک ذہین اور تربیت یافتہ پولیس آفیسر تھا۔ حیدر زمان اس کے دل کی کیفیت کو کیا سمجھتا وہ اپنے ہی جذبات میں ڈوبا ہوا تھا' لیکن یہ حقیقت ہے کہ شاہ رخ کے دل کے ٹکڑے ہو گئے تھے' وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا' لیکن انتظار کر رہا تھا' کسی ایسے ٹھوس ثبوت کا جس کی بناء پر وہ صحیح مجرم پر ہاتھ ڈال سکے' زمانے کے سرد و گرم سے پوری پوری واقفیت تھی اسے' وہ جانتا تھا کہ سردار نادر شاہ بڑی زبردست پہنچ رکھتا ہے' معلومات حاصل کر لی تھیں اس نے چنانچہ یہاں پہاڑوں میں وقت گزارنے کے لئے اسے نادر شاہ سے تعاون بھی کرنا تھا اور اپنے ہاتھ پاؤں بھی بچانے تھے' لیکن بد نصیبی سے حیدر زمان اس مصلحت سے کام نہیں لے سکا اور اس نے یہاں قدم جمائے بغیر نادر شاہ سے ٹکر لے لی۔ نادر شاہ کی طرف سے اس شدید رد عمل کی امید اسے نہیں تھی اور اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نادر شاہ انتقامی جذبے کے تحت حیدر زمان کی بیوی اور بیٹی کو ختم کر دے گا اور اس پر ایسا گھناؤنا الزام لگوائے گا۔ حیدر زمان کو سمجھانے کے باوجود حیدر زمان نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی' لیکن بہرحال اب نادر شاہ کا مسئلہ رہ گیا تھا۔

شاہ رخ یہ اشارہ ملتے ہی دوڑ پڑا تھا' نادر شاہ کو زیادہ دیر آزاد رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ حیدر زمان کو بھی نقصان پہنچ جائے۔ حالانکہ حیدر زمان اب ایک زندہ لاش کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جس کا سب کچھ اس سے لٹ گیا ہو۔ لیکن بہرحال حیدر زمان کی زندگی بچانا بھی شاہ رخ کا کام تھا' برق رفتاری سے راستے طے کرتا ہو وہ عورت کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا اور اس نے فوری طور پر پولیس کو اس مکان کے چاروں طرف پھیلا دیا' لیکن وہی ہوتا ہے جب راز منکشف ہونا شروع ہوتے ہیں تو قدرت ایسے اسباب مہیا کر دیتی ہے' پتہ نہیں کیوں پولیس سے خوفزدہ ہو کر اندر سے گولیاں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پولیس والوں نے فورا" ہی پوزیشن لے لی' فائر پستول سے کئے جا رہے تھے اور شاہ رخ کو خوشی ہوئی تھی کہ رمضان نے بدحواس ہو کر فائرنگ شروع کر دی تھی ورنہ اس کی زبان سے کچھ کہلوانا مشکل کام ہوتا۔ کوئی آٹھ منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد پولیس نے گھر پر دھاوا بول دیا' رمضان ایک تندرست آدمی تھا' چہرے ہی سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا' اس نے شاہ رخ سے ہاتھ پائی کرنے کی کوشش بھی کی تھی' لیکن پولیس کے تربیت یافتہ انسپکٹر نے کچھ ہی لمحوں میں اسے زمین چٹا دی تھی' اور پھر اسے کس کر دوسرے اہل خانہ کے ساتھ چل پڑا تھا' بستی کے لوگ دور دور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شاہ رخ جانتا تھا کہ رمضان نادر شاہ کا آدمی ہے اور کارروائی بہت جلد ہو گئی' لیکن اس سے پہلے وہ کام دکھا دینا چاہتا تھا' چنانچہ مراد گڑھی پہنچ کر وہ رمضان کو ڈرائنگ روم لے گیا اور اس کے بعد اندر سے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ نادر شاہ کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر کے شاہ رخ باہر نکلا اور اس نے ایس آئی سے کہا۔

"فورا" ہی ہمیں فاریسٹ آفیسر کے گھر پر ریڈ کرنا ہے' وہاں نادر شاہ کے دو آدمی اور موجود ہیں جو نادر شاہ کے لئے جاسوسی کرتے رہے ہیں اب چونکہ نادر شاہ کا

ام ختم ہو گیا ہے' اس لئے ہو سکتا ہے وہ انہیں وہاں سے واپس ہٹا لے' ہمیں اس ے پہلے ان پر قابو پانا ہے' چنانچہ فورا" چلو۔" اے ایس آئی کو اس نے رمضان کو ابو میں رکھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔

یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ نادر شاہ کے دونوں آدمی اس وقت تک فاریسٹ وَس سے فرار نہیں ہوئے تھے' پولیس نے انہیں فورا" ہی اپنے قبضے میں کر لیا' اور س کے بعد شاہ رخ کو پوری ذمے داری اور محنت کے ساتھ بقیہ کام سرانجام دینا ا' چنانچہ شدید مشقت کے بعد رمضان کی بھاوج' رمضان اور فاریسٹ ہاؤس سے رفتار ہونے والے نادر شاہ کے دونوں آدمیوں کو مراد گڑھی سے شہر روانہ کر دیا گیا' یہ کام انتہائی ذہانت اور ہوشیاری کے ساتھ کیا گیا تھا' اور اس تمام کام کی تکمیل کے عد شاہ رخ کو تھوڑی سی خوشی کا احساس ہوا تھا' اب وہ اپنے دوست کو بہت زیادہ مدد ور تحفظ فراہم کر سکتا تھا۔

نادر شاہ اندرونی طور پر کچھ بے چینی محسوس کر رہا تھا' کبھی کبھی انسان خود اپنی تلاش میں ناکام ہو جاتا ہے' اپنی اندرونی کیفیت کا اسے خود پتہ نہیں چل پاتا' ذہن میں الجھن' دھڑکنوں میں بے ترتیبی' اپنی تلاش میں سرگرداں لیکن اپنے آپ کو پانا مشکل' یہ سب کچھ ہوتا ہے اور بڑی ذہنی کوفت ہو جاتی ہے' لیکن اس کا کوئی حال نہیں ملتا' سب کچھ خود بخود ہی درست ہوتا ہے' نادر شاہ اسی کیفیت کا شکار تھا غالباً اس کی وجہ وہ زمین بھی تھی جو کسی بھی طرح اس کے ہاتھ نہیں لگ رہی تھی' اور بگ باس کا لہجہ اس سلسلے میں تلخ سے تلخ تر ہوتا جارہا تھا' بہرحال بدر شاہ نایاب کو لے کر چلا گیا تھا اور نادر شاہ اس بات کا منتظر تھا کہ نایاب کی طرف سے کوئی خبر ملے اور یہ مسئلہ کسی طور حل ہو' اس کے ذہن میں جھنجلاہٹیں بڑھتی جارہی تھیں۔

اس وقت بھی وہ اپنے ایک ڈیرے پر بیٹھا ہوا تھا' فاریسٹ آفیسر کا کانٹا تو نکل گیا تھا' اور نادر شاہ اس بات پر خوش تھا کہ ایک دشمن راستے سے ہٹا' قرب و جوار سے ہوشیار بھی تھا۔ شرجیل اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ نادر شاہ نے شرجیل سے کہا۔

"اصل میں ایک کام کرنے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ جانا کوئی عقل کی بات

نہیں ہے' فاریسٹ آفیسر کا معاملہ ابھی تازہ ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے کچھ لوگوں کو مخصوص کردو' یہ دیکھو کہ پولیس کیا کر رہی ہے' آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا مناسب نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی' میں کچھ بندے اس کام پہ لگا دیتا ہوں' مگر اصل مسئلہ تو ابھی درمیان میں رہ گیا ہے۔"

"سردار تیمور۔" نادر شاہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ پتہ نہیں بوڑھا سردار اس چھوٹی سی زمین کے سلسلے میں اتنی ضد کیوں کر رہا ہے' اپنی بیٹی کی بات بھی نہیں مان رہا وہ" نادر شاہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اگر تم بوڑھے تیمور کو بیوقوف سمجھتے ہو تو یہ تم سے بڑی بیوقوفی کسی اور کی نہیں ہوگی۔ وہ بہت چالاک ہے' تمام حقیقتوں کو سمجھتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا پھر رہا ہے اس سے ہمیں بھی بیشتر خطرات لاحق ہیں۔"

"یہی میں کہنا چاہتا تھا شاہ جی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم زمین زمین پکارتے رہ جائیں اور سردار تیمور کوئی بڑا قدم اٹھائے۔"

"خدا کی قسم اسے تہس نہس کردوں گا میں۔"

"معاف کیجئے گا شاہ جی ایک بات کہوں تو اسے چھوٹا منہ بڑی بات نہ سمجھے گا۔"

"کیا۔؟"

"مستقبل کے لئے جو بات کہی جاتی ہے وہ کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ ہمیشہ حال کی بات کرنی چاہیے۔"

"سمجھا نہیں۔" نادر شاہ نے کہا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا شاہ جی کہ سردار کے سلسلے میں آپ کو کوئی فوری قدم اٹھانا

ہو گا۔ کوئی ایسا قدم جس سے ہمیں کامیابی حاصل ہو۔"

"مثلاً"

"یہی جو آپ نے تہس نہس والی بات کہی۔"

"ہوں۔ ٹھیک لیکن شرجیل تمہیں ایک بات بتائیں' آج کل ہمارے دن بگڑے ہوئے ہیں' بہت پرانی بات ہے' میں جس بستی میں رہتا تھا وہاں ایک بزرگ بھی رہتا تھا' اور میری اس سے خاصی دوستی تھی' بڑا دانا آدمی تھا' ایک بار اس نے مجھ سے ایک بات کہی تھی جس کا میں نے جب بھی تجربہ کیا مجھے وہ بات صحیح لگی اس نے کہا تھا کہ اپنے اندر کا جائزہ لیتے رہو' تمہیں تمہاری الجھنوں کا جواب ملتا رہے گا' باہر کا ماحول دیکھنا ہے تو اپنے اندر جھانک لیا کرو' اگر دل کو سکون ہے تو سمجھو سب ٹھیک ہے' لیکن اگر دل بے سکونی کا اظہار کرتا ہے تو غفلت مت کرو' غور کرو کہ کیا ہو رہا ہے' اور کیا ہونے والا ہے۔" سردار تیمور کے بارے میں میں نے بھی کئی بار یہ سوچا ہے کہ بڈھے کو اس کے خاندان سمیت ختم کر دوں بالکل اسی طرح جیسے میں نے فاریسٹ آفیسر کا تیہ پانچہ کیا ہے' لیکن تھوڑا سا غور کرنا پڑے گا اس پر' تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا' گھی سیدھے ہاتھوں نکل آئے تو اچھا ہے' نایاب بھی مطمئن رہے گی حالانکہ مجھے کسی کے اطمینان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' جو کچھ کر رہے ہیں اس کا پھل پائیں گے وہ لوگ' لیکن پھر بھی تھوڑا بہت دیکھنا پڑے گا' سوچنا پڑے گا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں یہ نہیں کہتا کہ آج کام ختم کر لیا جائے لیکن سردار تیمور مجھے سیدھا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اسے سیدھا کرنے کے لئے محنت کرنا پڑے گی' بڑی ضروری چیز ہے یہ۔" نادر شاہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر اچانک ہی دور سے اسے اپنے دو گھوڑے سوار آتے نظر آئے' اس نے چاروں طرف اپنے آدمیوں کو تعینات کر دیا تھا اور وہ جنگل اور اس کے آس پاس ہونے والی تمام باتوں کا

ں رکھتے تھے' یہ دو بھی انہی افراد میں سے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ قریب
ئے اور ان کے بگڑے ہوئے حلیے نادر شاہ کو تشویش میں مبتلا کرنے لگے۔

"دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم دور سے آرہے ہو' لیکن ظاہر ہے کوئی پیغام ہی
ے ہو گے' اپنے اندر ہمت پیدا کرو اور مجھے انتظار نہ کرنے دو' بتاؤ کیا بات ہے۔؟"

"شاہ جی! وہ انسپکٹر.......... وہ مراد گڑھی والا۔"

"ہاں پھر۔؟"

"شاہ جی وہ فاریسٹ آفیسر کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہے' پہلے وہ رمضان
ے گھر پہنچا' اصل میں رمضان کی بھابھی نے سارا راز کھول دیا۔ انسپکٹر کے پاس پہنچی
ی اور اس نے انسپکٹر کو ضرور کوئی ایسی تفصیل بتائی تھی جس کی وجہ سے انسپکٹر نے
مضان کے گھر ریڈ کیا اور سے گرفتار کر کے لے گیا' حالانکہ رمضان نے مقابلہ بھی
لیا تھا۔ خاصی گولیاں بھی چلی تھیں۔ اس کے بعد شاہ جی انسپکٹر شاہ رخ نے فاریسٹ
فیسر کے گھر چھاپہ مارا اور ریاض اور جاگیر کو پکڑ کر لے گیا۔"

"کیا۔؟" نادر شاہ غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں شاہ جی! وہ دونوں بھی اس کے قبضے میں پہنچ گئے ہیں"

"مگر وہ وہاں کیا کر رہے تھے۔؟"

"بس شاہ جی لاپرواہی ہوئی تھی ان سے۔ ہٹے نہیں تھے' عیش کر رہے تھے
کا گھر سمجھ کر۔" آنے والوں نے کہا اور صورتحال کا اندازہ کر کے نادر شاہ کا چہرہ
ب سا ہو گیا۔ کچھ لمحے وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"جاؤ ٹھیک ہے جاؤ' تم جاؤ۔" وہ دونوں چلے گئے' شرجیل کے چہرے پر بھی
یش کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ خاصی الجھن اور پریشانی میں مبتلا تھا۔ نادر شاہ
شرجیل سے کہا۔

"ہم نے کہا تھا نا تم سے' ہمارے دن بہت برے ہیں' اندر کی آواز بتا رہی ہے کہ ہمیں سنگین حالات کا سامنا ہے۔"

"نہیں شاہ جی' سنگین حالات ہر طرح کے ہوتے ہیں' لیکن ہر طرح کے سنگین حالات پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے' اتنی پریشانی کی بات بھی نہیں ہے جتنے آپ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"کیا کرو گے' کیا کرو گے بتاؤ۔؟"

"شاہ جی' اب تو یہ ضروری ہے کہ بگ باس سے رابطہ قائم کیا جائے' آپ تو پوری طرح اب روشنی میں ہیں' اگر ہم انسپکٹر شاہ رخ سے کوئی بات چیت کرتے ہیں یا اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوسکیں گے' اس پر دوسری طرف سے وار ہونا چاہیے' شاہ جی اگر آپ اجازت دیں تو میں بگ باس سے بات کروں۔" نادر شاہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بولا۔

"ٹھیک کہتے ہو' ہم اگر خود کوئی قدم اٹھائیں گے تو کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔ ہاں اگر بگ باس کوشش کرے تو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے اسے۔ بات کرو' بات کرو اس سے۔" اور پھر شرجیل نے وہیں سے موبائل پر بگ باس کا نمبر ملایا' اسے خصوصی ہدایات حاصل تھیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد بگ باس سے رابطہ قائم ہوگیا تو شرجیل نے کہا۔

"سر آپ کا خادم شرجیل بول رہا ہے۔"

"ہاں بولو کہو کیا بات ہے۔؟"

"سر نادر شاہ صاحب اس وقت شدید خطرے میں پڑ گئے ہیں' تھوڑی سی غلطیاں ہوگئی ہیں ہم سے' لیکن سر اگر ایسا کام جاری رہا تو شاہ جی کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اصل بات بتاؤ۔" بگ باس نے کہا اور شرجیل اسے پوری تفصیل بتانے لگا' حیرت کی بات تھی کہ ساری تفصیل سننے کے بعد بگ باس نے کوئی سخت بات نہ کہی اور بولا۔

"انسپکٹر کو ختم کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔؟"

"باس' اگر ہم یہ کوشش کریں گے تو مزید نقصان اٹھا جائیں گے۔ اور ہمیں خاصی مشکل پیش آئے گی۔"

"ٹھیک ہے تم ایسی کوشش مت کرو' کام ہو جائے گا۔ بس احتیاط رکھو۔"

"باس! آپ یہ ذمے داری لے رہے ہیں۔؟"

"ہاں کہہ دیا نا تم سے' کام ہو جائے گا۔" بگ باس نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔ شرجیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"شاہ جی! باس کا موڈ بہت اچھا ہے میرا خیال ہے وہ آسانی سے آپ کی مشکل حل کر دے گا۔ نادر شاہ تشویش زدہ انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔"

بدر شاہ نایاب اور نوری کو لے کر سردار تیمور کی حویلی پہنچ گیا' دونوں بہن بھائی بہن سے لپٹ گئے' نوری بھی بہت دن کے بعد حویلی آئی تھی۔ سب کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی' سردار تیمور اس وقت گھر میں نہیں تھا کسی کام سے باہر نکلا تھا۔ ماں نایاب کو اندر لے گئی اس نے نایاب کی پیشانی پر لگے ہوئے ایک ہلکے سے نشان اور رخسار پر نظر آنے والی نیلاہٹ کو دیکھا تو لرز کر رہ گئی اور اس نے نایاب سے پوچھا۔

"نایاب یہ نشان کیسے ہیں۔؟" نایاب کی آنکھوں سے نفرت کی آگ ٹپک پڑی اس نے کہا۔

"شرافت کے نشان ہیں ماں' بیٹی کے شانوں پر باپ کی عزت کا جو بوجھ ہوتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ تو خراج ادا کرنا پڑتا ہے' یہ اسی خراج کے نشان ہیں۔"

"مطلب۔؟" ماں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کچھ نہیں' نادر شاہ نے مجھے مارا ہے اور اکثر مارتا رہتا ہے' بہت برے الفاظ سے یاد کرتا ہے وہ مجھے' انہی زمینوں کی وجہ سے' ایک بات بتاؤ ماں' یاد ہے تمہیں

ایک بار جب ہمارے ہاں ایک بھینس بگڑ گئی تھی' اچھلتی پھر رہی تھی' میں نے اسے ٹانگ پھنسا کر گرا دیا تھا' تو تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ایسے مظاہرے نہ کیا کر نایاب نظر لگ جاتی ہے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔" ماں نے کہا۔

"نادر شاہ اس بھینس سے زیادہ طاقتور نہیں ہے' لیکن بس مذہب اور باپ کے وقار نے میرے پیروں میں جو زنجیر ڈال دی ہے' میں اسی سے بندھی ہوئی ہوں ماں' ورنہ پہاڑوں کی بیٹی اتنی کمزور نہیں ہے کہ آسانی سے مظالم برداشت کرلے۔"

"یہ تو حد ہوگئی' نادر شاہ اتنا کمینہ ہے ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا۔" اسی وقت سردار تیمور کی آواز ابھری۔

"واقعی مجھے اس بات کا علم نہیں تھا' لیکن اب علم ہوگیا ہے' نایاب اب علم ہوگیا ہے' دیکھ بیٹے غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے مجھ سے بھی ہوئی ہے' لیکن میری غلطی سے تجھے جو نقصان پہنچا ہے' میں صرف زبان سے اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتا' زبان سے ہی کیا ویسے بھی میں تجھے پہنچنے والی تکلیف کا ازالہ نہیں کر سکتا۔ تجھے میری وجہ سے جس ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں اس کے لئے ہمیشہ تجھ سے شرمندہ رہوں گا۔ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے' اب تو وہاں نہیں جائے گی۔" نوری بدر شاہ کو بلا کر لاؤ۔ نوری جو ایک گوشے میں دبک گئی تھی' تیزی سے باہر نکلی اور تھوڑی دیر کے بعد بدر شاہ سامنے پہنچ گیا۔ نوری نے بدر شاہ سے کیا کہا تھا یہ نہیں معلوم لیکن بدر شاہ کا اپنا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

"بدر شاہ! کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے۔ کیا اس ٹکڑگدے نے ہماری بیٹی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔؟"

"یہ بات ہمارے سامنے کی ہے سردار۔"

"بدر شاہ تمہارے سامنے کی بات ہے۔"

"ہاں سردار' آپ نے جو رشتے بنا دیئے ہیں میں ان رشتوں کی دیوار کو عبور نہیں کر سکتا' دو باتیں کہنی ہیں آپ سے' آپ یقینی طور پر میرے لئے ہمیشہ مالک ثابت ہوئے ہیں' لیکن ہر انسان کا اپنا ایک مان ہوتا ہے' ایک وقار ہوتا ہے' آپ کو معلوم ہے کہ نایاب کو میں نے اپنی گود میں پروان چڑھایا ہے' سردار پیٹ تو کتے بھی بھر لیتے ہیں' میں صرف روٹی کے لئے نہیں جیتا' میرا اس گھرانے سے دلی رشتہ ہے' میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے نادر شاہ کے خلاف کارروائی کی اجازت نہیں دیں گے تو آج میں آپ کی نوکری چھوڑ کر آپ کو سلام کرکے یہاں سے چلا جاؤں گا' نادر شاہ سے میرا جو نیا رشتہ قائم ہوگا وہ میری مرضی کے مطابق قائم ہوگا۔"

سردار تیمور کے بدر شاہ کو دیکھا اور پھر نفرت بھرے انداز میں بولا۔

"بدر شاہ جاؤ نادر شاہ کو اٹھا کر لے آؤ' زندہ یا مردہ' زندہ آجائے تو اچھا ہے تاکہ تھوڑا سا حساب کر لیں گے ہم اور اگر زندہ ہاتھ نہ لگے تو مردہ اٹھالاؤ' چاہے اس کے لئے کتنی ہی خونریزی کیوں نہ کرنی پڑے۔" بدر شاہ کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ گئیں اس نے گردن خم کرکے کہا۔

"وہ چھ گھنٹے کے اندر اندر آپ کے قدموں میں ہوگا سردار۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سردار تیمور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' اس نے کہا۔

"اسے سردار میں نے بنایا ہے' وہ مزدور بھنگی اگر کوئی شیطانی قوت حاصل کر چکا ہے تو خدا کی قسم سردار تیمور نے سامنے وہ اب بھی کچھ نہیں ہے۔"

سلطان کشمکش کا شکار تھا' اس کی فطرت میں ایک تبدیلی رونما ہوگئی تھی' سیما ب اس کے وجود کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ وہ سیما سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں سوچتا ھا' ہر خیال سیما کے متعلق ہوتا تھا اور اس کی پریشانی یہ تھی کہ جب تک زیبی نہ مل بائے سیما سے شادی کیسے کرے' بعد میں اگر زیبی مل گئی تو اسے کبھی معاف نہیں کرے گی' وہ یہ کہے گی کہ سلطان کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی' بہرحال یہ ساری پنی جگہ۔ دوسری طرف وہ بگ باس کے چنگل سے نکلنا چاہتا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے' کس طرح اس عمل کا آغاز کرے' انہی الجھنوں میں گرفتار تھا کہ ٹنڈا بابا اس کے پاس پہنچ گیا' پہلی بار ٹنڈا بابا نے اس کے گھر کے دروازے سے اندر قدم رکھا تھا' سلطان نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"دیکھو میں جو کچھ بھی ہوں وہ ایک الگ بات ہے' یہ ایک شریف آدمی کا گھر ہے' دوبارہ اگر تم نے اس گھر کے دروازے پر قدم رکھا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' میری بات کا برا مان جاؤ تو مان لو' لیکن یہ بد نصیبی ہے میری کہ جب کوئی بات آخری لہجے میں کہہ دیتا ہوں تو مجھے زندگی کی پرواہ نہیں ہوتی۔" جواب میں ٹنڈا

بابا ہنس پڑا پھر بولا۔

"اچھے لگتے ہیں مجھے ایسے بچے جن کا اپنا کوئی معیار ہوتا ہے' پسند آئی مجھے تمہاری بات' اور یہ بات بھی میرے علم میں آچکی ہے کہ تم بگ باس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو۔ وہی بات تم جانتے ہو کہ بگ باس کوئی فلمی باس نہیں ہے اور نہ ہی اس قدر کمزور اور کچا کہ اپنے کسی گرگے کو آزاد کرکے کسی خوف کا شکار ہو جائے' ہم لوگ یوں سمجھ لو ایک ٹریننگ اسکول کھولے ہوئے ہیں' اور مجھے یقین ہے کہ اس ٹریننگ اسکول کے بارے میں تم کوئی سوال نہیں کروگے کیونکہ تم خود جانتے ہو' لیکن تربیت دینے کے درمیان ہمیں تھوڑی سی محنت بھی کرنا ہوتی ہے' اس محنت کا صلہ وصول کرنا تو ہمارا حق ہے' تسلیم کرتے ہو اس حق کو........."

"کہتے رہو۔"

"تم بگ باس کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتے ہو نا۔؟"

"ہاں۔"

"کوئی ایک بڑا کام کردو اس کے لئے' اپنا حصہ وصول کرو' اپنے سارے فنڈز لو اور بگ باس کو بھول جاؤ' اب لازمی بات ہے کہ تم سے یہ کہا جائے گا کہ اس کی دوستی ختم کرکے دشمنی مت شروع کردینا کیونکہ اپنی پسند سے الگ ہو رہے ہو' بیس لاکھ روپے ملیں گے تمہیں' بگ باس کا ایک آخری کام کرکے چاہو تو یہ رقم ایڈوانس بھی مل سکتی ہے' لیکن وہ کام تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی سن لو کہ اگر تم وہ کام نہیں کروگے تو پھر بگ باس تمہارے دشمنوں میں ہوگا۔ اور بگ باس اپنے دشمنوں کو چھوڑتا نہیں ہے۔" سلطان نے ایک لمحے تک سوچا پھر بولا۔

"کام کیا ہے۔؟"

"ایک انسپکٹر کو زندگی سے محروم کرنا ہے۔ یہ ضروری ہے" سلطان سوچ میں

ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"بیس لاکھ روپے نقد لینے ہیں مجھے۔"

"نقد مل جائیں گے۔"

"کام اس کے بعد کروں گا۔"

"کام اس کے بعد کرنا۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں انسپکٹر کون ہے۔؟"

"مراد گڑھی میں اس کی پوسٹنگ ہے' نام شاہ رخ ہے' تھانے کے عقبی حصے میں اس کا گھر آباد ہے' سارا نقشہ ساری تفصیل نوٹ کرلو' پیسے کل مل جائیں گے' انہیں اپنے نام سے کسی بھی بینک میں جمع کروا دینا یا جو کچھ بھی تمہارا دل چاہے ان کا کرو' انسپکٹر شاہ رخ کو ختم کرکے وہاں سے نکل جاؤ اور بگ باس کو بھول جاؤ' ٹنڈا بابا کو بھی نہیں جانتے تم کسی کو بھی نہیں جانتے' یہ ایک شریف آدمی کا گھر ہے' تم ایک شریف آدمی کے گھر میں شریف آدمی بن کر رہو' ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"پیسے کل کس وقت مل جائیں گے۔؟"

"گیارہ بجے۔"

"اور کام کس وقت کرنا ہوگا۔؟"

"تین دن کے اندر اندر۔" ٹنڈا بابا نے جواب دیا۔

"جاؤ۔" سلطان آہستہ سے بولا اور ٹنڈا بابا مزید کوئی گفتگو کئے بغیر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

اعلیٰ حکام کی یہ میٹنگ فیروز کے طلب کرنے پر ہوئی تھی۔ فیروز ایک اچھا عہدیدار تھا اور بہرحال ایک ذمے دار شخص کی حیثیت سے اس نے یہ جرات مندانہ قدم اٹھایا تھا۔ سکیورٹی کے خاص ڈیپارٹمنٹ کے لوگ میٹنگ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ فیروز نے ان سب کا استقبال کیا تھا' جب تمام افراد پہنچ گئے تو فیروز نے اپنے افسر اعلیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی آپ نے حکم دیا تھا کہ جس پروجیکٹ پر میں کام کر رہا ہوں' اس کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم کر کے ہی اپنے فرائض کو پورا کروں اور ایجنسی کے تمام افراد کو جمع کر کے رپورٹ پیش کروں۔"

"ہاں! کیا تم یہ محسوس کرتے ہو فیروز کہ تم نے وہ کرلیا ہے جس کی تمہیں ہدایت کی گئی تھی۔"

"جی سر' میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اصل معاملے تک پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک مائکرو فلم تیار کی ہے جو اس وقت میں آپ لوگوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تم نے یقینی طور پر کوئی بہت ہی موثر کام کیا ہے' تمہارے چہرے اور تمہاری آنکھوں سے پتہ چلتا ہے۔"

"جی جناب عالی! پہاڑی علاقے کو جانے والی سڑک کے پیٹرول پمپ پر جو میری ڈیوٹی لگائی گئی تھی' اس سے مجھے صرف تھوڑی سی معلومات حاصل ہوئی ہیں' وہ معلومات یہ ہیں کہ اسلحہ اور منشیات اسی علاقے سے ادھر لائی جاتی ہیں اور پہاڑوں میں کچھ ایسے گروپ کام کر رہے ہیں جو ان چیزوں کی ترسیل کے ذمہ دار ہیں۔ ان گروپوں کے بارے میں سچی بات ہے کہ مکمل تفصیلات نہیں مل سکیں لیکن میں نے مرکز پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ اور مرکز پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ایک معصوم لڑکی میری معاون بنی ہے۔" فیروز نے پروجیکٹر آن کیا اور نجمہ کی تصویر اسکرین پر آگئی۔ بہت سی آوازیں نکل گئیں۔ پھر ایک آفیسر نے کہا۔

"یہ تو وہی مقتول لڑکی ہے' تمہیں ہدآیت کی گئی تھی کہ........."

"جی اس کا نام نجمہ ہے' ایک بہت بڑے سنڈیکیٹ کے جال میں پھنس گئی تھی۔ سنڈیکیٹ اس سے بہت سے کام لیتا تھا جس کی تفصیل میرے پاس موجود ہے' لیکن جب لڑکی کو اس بات کا علم ہوا کہ وہ ایک ایسی جماعت میں کام کر رہی ہے جو ہر طرح کے جرائم کر کے ملک کے خلاف کام کر رہی ہے۔ تو اس نے ان لوگوں سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ایک افسر اعلیٰ کو اطلاع دینے کے لئے یہ اس عمارت کی لفٹ میں داخل ہوئی' وہاں اسے ہلاک کر دیا گیا۔' جناب عالی! پہاڑوں میں ہونے والی کارروائیاں اور وہاں کام کرنے والے گروپ ابھی تک تفصیل سے میرے علم میں نہیں آسکے' لیکن جو راستہ میں نے اختیار کیا ہے اس کے تحت ان کا پتہ خودبخود چل جائے گا۔"

"وہ کیسے۔؟" دوسرے آفیسر نے سوال کیا۔

"میں نے عرض کیا ہے پہلے بھی کہ میں نے مرکز تلاش کرلیا ہے' ایک عمارت ہے گرین چیمبر اور گرین چیمبر میں اس سنڈیکیٹ کی پوری ٹیم رہتی ہے' اور وہیں سے پورے ملک میں یہ گھناؤنا کاروبار کنٹرول کیا جاتا ہے۔ جو اسلحہ ہیروئن' قیمتی پتھر اور وہ تمام اشیاء سرحدی ملک سے حاصل کرتا ہے اور ہمارا قیمتی اثاثہ پڑوسی ملک کو بھیجتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ بدعنوان لوگ ان کے لئے کام کر رہے ہیں' سنڈیکیٹ کا سربراہ ایک ایسا شخص ہے جو ماضی میں بھی جرائم کرتا رہا ہے۔ نجمہ نے تمام تفصیلات اس ڈائری میں محفوظ کر رکھی تھیں' اور اب لازم ہے کہ پورے طور پر پوری قوت کے ساتھ گرین چیمبر پر ریڈ کیا جائے' میں خود اس ریڈ کی قیادت کروں گا' آپ لوگوں کی منظوری چاہیے۔"

"مسٹر فیروز! کیا تم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کام کرو گے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بعد میں اس سلسلے میں ہمیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔"

"میری نوکری تو ایک معمولی سی چیز ہے جناب' اگر میں ناکام رہا تو لکھ کر دیتا ہوں کہ اپنی زندگی ختم کر لوں گا' چاہے وہ میرے لئے سزائے موت ہی کیوں نہ ہو۔" افسران خاموش ہو گئے تھے۔

پھر فیروز سے اس کی ضروریات کے بارے میں پوچھا جانے لگا۔ اور اس سلسلے میں ایجنسی کے سربراہ نے ہدایت کی کہ فیروز کو اس کے ماتحت نمبر ایک کا درجہ دیا جاتا ہے اور ایجنسی کا ہر فرد اس وقت وزارت داخلہ کے توسط سے فیروز کے احکامات کی پابندی کرے گا' کوئی ڈھائی گھنٹے تک میٹنگ ہال میں ضروری اقدامات پر غور کرکے ذمے داریاں تقسیم کی جاتی رہیں اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔ فیروز کے پاس اس آپریشن کے لئے ابھی تیس گھنٹے موجود تھے' جو پروگرام منتخب کیا گیا تھا۔ اس کے تحت اس آپریشن کو فیروز کی ماتحتی میں ایک مخصوص وقت پر کیا جانا تھا۔

یہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد فیروز سیدھا اپنی رہائش گاہ پہنچا' اپنے قیمتی اور خوبصورت بنگلے میں داخل ہونے کے بعد اس نے وہی لباس پہنا جو پیٹرول پمپ کے سروس بوائے کا تھا' البتہ اپنی قیمتی گاڑی لے کر وہ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد عشرت کے گھر جا پہنچا' منگل کا دن تھا اور یہ دن شاید فیروز نے خصوصی طور پر منتخب کیا تھا عشرت گھر میں ہی موجود تھی' اس کی منتظر نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ جاتی تھیں' اور ان میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ فیروز سے کافی کشیدگی چل رہی تھی۔ بہرحال فیروز کو دیکھ کر عشرت نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا' عشرت کی امی سے تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فیروز نے کہا۔

"عشرت! آپ تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چلیں گی۔ بہت ہی ضروری کام ہے۔"

"سوری' گھر کے کچھ ایسے معاملات ہیں جو مجھے سرانجام دینے ہیں' پھر کسی دن سہی۔" عشرت خشک لہجے میں بولی۔

"نہیں آپ کو چلنا ہے عشرت' گھر کے کام کتنے ہی ضروری کیوں نہ ہوں آپ انہیں ملتوی کردیجئے گا۔" فیروز کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ عشرت اسے دیکھ کر رہ گئی' فیروز نے اپنی گاڑی بہت دور کھڑی کی تھی۔ بہرحال تھوڑی دیر امی کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ عشرت کو لے کر باہر نکل آیا' کافی دور تک پیدل چلتا رہا' عموماً ایسا ہوتا تھا وہ لوگ اگر کہیں جاتے تو رکشہ یا ٹیکسی کے لئے اتنے فاصلے پر آتے' لیکن جب فیروز اس قیمتی اور چمچماتی ہوئی کار کے پاس رکا اور اس نے جیب سے چابی نکال کر اس کا دروازہ کھولا تو عشرت نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت! کیا اب کار لفٹنگ شروع کر دی ہے۔؟"

"آیئے اس طرف گھوم کر آیئے' تشریف رکھئے۔" فیروز نے کہا اور عشرت اس کے برابر کار میں آبیٹھی' فیروز نے کار کی اسٹیپنی سے کار کے کاغذات نکالے اور عشرت کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

"آپ ذرا براہ کرم ان پر نگاہ ڈال لیجئے گا۔" یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ عشرت نے کاغذات میں فیروز رانا کے نام پر یہ گاڑی دیکھی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی فیروز بڑے ماہرانہ انداز میں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور یقیناً" آپ نے اس پر درج شدہ تاریخ بھی پڑھ لی ہو گی' اور آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ گاڑی میں نے آج نہیں خریدی نہیں' ویسے میں نے آپ سے کہا تھا مس عشرت کہ وقت آنے پر میں آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتادوں گا' میرے اپنے خیال میں وہ وقت آگیا ہے' میرا نام فیروز رانا ہی ہے' ایک سیکورٹی ایجنسی میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہوں' پیٹرول پمپ پر میری ڈیوٹی ایک خاص مقصد کے تحت لگائی گئی تھی' جب ہم لوگ اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں تو ہم سے کہا جاتا ہے کہ اپنے ماں باپ سے بھی ہم وہ تمام حقیقتیں چھپائیں گے' جو ملکی مفاد میں ہوں۔ آپ کو اپنے بارے میں نہ بتانا میری مجبوری تھی' لیکن آپ سے میں زندگی کے تمام رشتے قائم کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں نے اپنے حلف میں آپ کو شامل کیا ہے کہ آپ میری زندگی کا ایک ایسا اہم جز ہیں جس سے میں اپنے آپ کو بھی نہیں چھپا سکتا' بہرحال جس مقصد کے لئے میں کام کر رہا تھا اس کی تکمیل ہو گئی ہے' چنانچہ میں نے آپ کو اپنے بارے میں بتا دیا ہے' میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اس عہدے کی تربیت بھی' پیٹرول پمپ پر سروس بوائے کی حیثیت سے کام کر کے میں نے آپ کو دھوکہ دینے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ بلکہ اس علاقے

ں اس حیثیت سے تعیناتی میری مجبوری تھی' یہ دیکھیے یہ میرا گھر ہے۔" اس ‌ران فیروز نے ڈرائیونگ جاری رکھتے ہوئے شہر سے باہر کا رخ اختیار کیا تھا اور ہوڑی دیر کے بعد وہ اپنی شاندار کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا۔

"عشرت کو لمحہ لمحہ ذہنی جھٹکے لگ رہے تھے' فیروز کے انداز میں اس نے کبھی نی سنجیدگی نہیں پائی تھی۔ اس قیمتی اور شاندار گھر کے ایک کمرے میں بیٹھ کر فیروز نے کہا۔"

"مس عشرت! نجمہ کے قاتلوں کا پتہ چلا لیا گیا ہے اور اس سنڈیکیٹ کا بھی ں نے ملک میں تباہی مچا رکھی ہے۔ میری خواہش ہے مس عشرت کہ آپ میرے اتھ بیٹھئے اور اپنے اخبار کے لئے تفصیلی خبریں تیار کر لیجئے' میں نے آپ کے لئے یہ سویریں بھی مہیا کی ہیں۔ آپ آج رات کو یہ تمام چیزیں تیار رکھیئے' کل صبح سات بجے ہم سنڈیکیٹ کے آفس پر ریڈ کریں گے اور ان سب کو گرفتار کر لیں گے۔ آپ ااخبار ساڑھے آٹھ بجے تک مارکیٹ میں آجانا چاہیے کیونکہ اس سے پہلے کسی بھی خبار کو اس سلسلے میں کوئی بھنک نہیں ملے گی۔" عشرت جو اپنے کام کی شیدائی تھی بے اختیار ہنس پڑی پھر بولی۔

"ایک اور جھوٹ تو نہیں بول رہے۔"

"نہیں اپنے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا جاتا۔" فیروز نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"مائی گاڈ! جو کچھ تم نے بتایا ہے وہ واقعی بہت سنسنی خیز ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس کی تفصیلات سب سے پہلے میرے اخبار میں آگئیں تو اخبار کی عزت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔ ویری گڈ ویری گڈ' نجمہ کے قتل کے سلسلے میں بھی مارے ہی اخبار نے سب سے پہلے خبر چھاپی تھی اور نجمہ کے بارے میں معلومات کی

خبر بھی ہمارے ہی اخبار نے دی تھی ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ.........."

"نہیں تم مجھے نہ بتاؤ کہ نجمہ گوالی لین کے مکان نمبر نو میں رہتی تھی' اس کے ماں باپ بہن وغیرہ اب بھی اسی مکان میں ہیں اور.........." فیروز نے اتنا کہا اور خاموش ہو گیا' عشرت پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی' پھر اس نے کہا۔

"تم واقعی ایجنسی کارکن معلوم ہوتے ہو' اچھا اب مجھے تمام تفصیلات شروع سے بتاؤ۔"

"صلے میں کیا ملے گا۔؟" فیروز نے سوال کیا۔

"عشرت۔" عشرت بولی اور فیروز حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

ضمیر پر بڑے کچوکے لگ رہے تھے' اس سے پہلے اگر کوئی ایسی بات سامنے آتی تو اطمینان کے ساتھ کام کر بھی لیتا' لیکن اب جب سے سیما کا ساتھ ہوا تھا اور ایک طرح سے سیما اس کی زندگی کا جز بن گئی تھی' کوئی وحشت ناک کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کسی کی زندگی لینا کتنا مشکل کام ہے یہ بات سلطان اچھی طرح جانتا تھا' لیکن بہرحال وعدہ کرلیا تھا' وعدہ پورا کرنا ضروری تھا' چنانچہ تیار ہوگیا۔ اور ضروری تیاریاں کرنے کے بعد مراد گڑھی روانہ ہوگیا' کام اتنا آسان نہیں تھا' ایک پولیس آفیسر کی ہلاکت بڑی ہی سنسنی خیز تھی' لیکن سلطان پر اس سلسلے میں اعتماد کیا گیا تھا' چنانچہ چاروں طرف سے ہوشیار ہو کر یہ کام سرانجام دینا تھا۔ بس نے اسے طویل سفر کرنے کے بعد مراد گڑھی کے خوبصورت علاقے میں اتار دیا' پہاڑی آبادی تھی۔ سرسبز و شاداب میدانوں میں گھری ہوئی' برف پوش پہاڑی سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے' بے حد پر فضا مقام تھا۔ بے اختیار سلطان نے سوچا کہ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی کے برعکس یہ خاموش اور پرسکون زندگی کتنی حسین ہے' اگر تقدیر نے کبھی موقع دیا۔ وہ رقم یقینی طور پر ہاتھ لگ گئی جس کا وعدہ کیا گیا ہے تو اس آبادی میں ایک

گھر بنالے گا' یہاں زمین لے کر کھیتی باڑی کرے گا اور زندگی یہیں گزار دے گا' اس زندگی میں سیما بھی ساتھ ہوگی اور اس کے ماں باپ بھی' سدھار لے گا ان سب کو' کم از کم ایک گھر تو بن جائے گا' زندگی گزارنے کا کچھ لطف تو آئے گا۔ پھر وہ اپنے کام کے لئے مستعد ہوگیا۔ انتہائی ناخوشگوار کام سرانجام دینا تھا اسے' وہ طے کرچکا تھا کہ پستول یا بندوق سے کام نہیں لے گا' بلکہ احتیاط کے ساتھ خنجر استعمال کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے وہ پولیس آفیسر کو دیکھ لینا چاہتا تھا۔ اس کی مکمل تفصیلات اسے مہیا کر دی گئی تھی' شکل و صورت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ تھانے کے قرب و جوار کا جائزہ لے کر اسے علم ہوگیا کہ تھانے دار تھانے کی عقبی حصے میں رہتا ہے۔ اس کے معمولات کا بھی جائزہ لینا تھا اس تمام کام میں ایک دن صرف ہوگیا۔

دوسرا دن اس نے مراد گڑھی کی ایک سرائے میں گزارا اور دن بھر پلنگ پڑ پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ شام کے جھٹپٹے میں وہ پھر باہر نکل آیا اور اس نے تھانے کے اطراف میں گھوم کر اس کا بھرپور جائزہ لیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک دور کی جگہ منتخب کی۔ یہاں سے وہ گھر کے دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا' یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ تھانے دار کو اس نے اپنے گھر میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر رات کو کوئی ساڑھے نو بجے وہ اس مکان کے احاطے سے اندر داخل ہوگیا۔ کام بے شک دیر میں کیا جائے لیکن مکان میں داخل ہو جانا ضروری تھا' پولیس والے کا گھر ہے' ہو سکتا ہے' رات میں پہرہ لگ جاتا ہے۔ اپنا کام کرکے تو وہ آسانی سے نکل سکتا ہے' لیکن کام کرنے سے پہلے اگر پولیس آفیسر ہوشیار ہوگیا تو پھر کام کرنا مشکل ہو جائے گا' چنانچہ چھپنے کے لئے اس نے ایک بہتر جگہ منتخب کی اور وہاں چھپ گیا۔ رات کچھ اور آگے بڑھی تو وہ اپنے آپ کو سنبھال کر وہاں سے باہر نکلا۔ ایک راہداری میں آگے بڑھنے لگا' راہداری میں تین چار کمرے نظر آرہے تھے۔ ان میں

ے چند کمروں میں روشنی بھی تھی۔ سلطان آگے بڑھتا رہا' وہ ان روشن کمروں میں ھانک رہا تھا۔ اچانک ہی عقب میں اسے کچھ آہٹیں سنائی دیں' اگر بھاگ کر آگے اتا تو آنے والا اسے دیکھ لیتا۔ اس وقت ایک روشن کمرے کے سامنے سے گزر رہا ا جس کا دروازہ پورا بند نہیں تھا' اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس ھلے دروازے سے اندر داخل ہو جائے چنانچہ برق رفتاری سے وہ اندر داخل ہوگیا' طے کرچکا تھا کہ اندر مداخلت ہوئی تو ایک سے زیادہ قتل کرنے پڑ جائیں گے' لیکن ام واپسی نہیں ہوگی۔ یہ اس کی زندگی کا آخری جرم تھا۔ اندر کوئی موجود تھا' ایک اری میں کپڑے ٹانگ رہا تھا یہ کوئی نوجوان لڑکی تھی' تیز روشنی میں اس کا عقبی ہ نظر آرہا تھا' آہٹ محسوس کرکے وہ ایک دم پلٹی اور سلطان پر بجلی گر پڑی' یہ بی تھی اس کی بہن اس کی زندگی اس کی آنکھوں کی روشنی۔ زیبی بھی تعجب بھری ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں بہن بھائی ایک لمحے کے لئے پتھرا گئے تھے۔ ں یہ اندازہ بھی نہیں ہوسکا تھا کہ جو آہٹ انہوں نے سنی تھی وہ شاہ رخ کی تھی . شاہ رخ نے اسے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا' پولیس آفیسر تھا۔ بڑی یاط سے دروازے پر آکر رک گیا تھا اور پوری طرح ہوشیار تھا کہ آنے والا جو اً کسی برے ارادے سے اندر آیا ہے' کوئی کارروائی کرے تو اپنی زندگی میں ناکامی زا بھی چکھ لے' کچھ لمحوں کے بعد زیبی کو ہوش آیا اور اس نے کہا۔

"تم۔"

"زیبی' میری بہن' میری زندگی' میری روح۔"

"سلطان' بے شک تم نے ایک بہت بڑا کام کیا ہے کہ مجھے اس گمنام گوشے تلاش کرلیا' لیکن کیوں' میرے اور تمہارے درمیان تو ایک معاہدہ تھا کہ تم اگر ا کوئی جرم کرو گے تو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گی' دیکھ لو سلطان میں

قول کی کس قدر پابند ہوں' میں نے تمہاری دنیا چھوڑ دی' بھول گئی تمہیں۔"

"لیکن میں تجھے نہیں بھولا زیبی' میرے دل پر اگر تو میرے زخموں کو دیکھ لے تو اپنا سارا غصہ بھول جائے گی۔ میری بہن' میری زندگی.........."

"نہیں سلطان' دیکھو انسان کو کسی ایک آدھ ہی شخصیت پر مان ہوتا ہے' اپنے بھائی پر مجھے جو مان تھا وہ ٹوٹ گیا ہے' میں نے تم سے کہا تھا سلطان تمہیں نوکری مل جائے گی' عزت کی دو روٹیاں پورے دن کے لئے ہمیں مل جاتیں تو خدا کی قسم ان سے زیادہ قیمتی شئے اور کوئی نہ ہوتی' لیکن تم' تم جس دن پولیس کی تحویل میں گھر آئے اسی دن میرا تم سے سارا رشتہ ختم ہوگیا۔"

"زیبی میں نے تجھ سے اپنا رشتہ ختم نہیں کیا ہے۔ بے شک غلطی ہوگئی تھی' جرم کیا تھا میں نے' لیکن میری بہن' ایک بات کہوں' آج تک شرمندہ ہوں' بہنیں تو بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہیں' معاف کر دیتی ہیں انہیں۔"

"لیکن میں اپنی لعنت سے معافی کا لفظ نکال چکی ہوں۔"

"تو جانتی ہے زیبی میں کس قدر جذباتی انسان ہوں تو اگر مجھے کبھی نہ ملتی تو میں نہیں جانتا کہ میرا کیا ہوتا' لیکن اب تو مجھے مل گئی ہے' اگر تو نے مجھے اب بھی اسی طرح ٹھکرا دیا تو زیبی آج ایک ایسا تماشہ دکھاؤں گا تجھے جو بہنوں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ گردن کاٹ لوں گا اپنی اور یہیں مرجاؤں گا' اپنے ماں باپ کی قسم میں ایسا ہی کروں گا۔"

"میرے بارے میں تو نے نہیں سوچا تھا سلطان۔ میرے بارے میں نہیں سوچا تھا' گھر سے نکل تھی میں ایک ایسی عورت کی یا لڑکی کی حیثیت سے جو ایک مجرم بھائی کی بہن تھی' ایک پل سے کود کر میں نے خود کشی کرنے کی کوشش کی' شاہ رخ ایک پولیس آفیسر ہیں انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر میری زندگی بچائی' زندگی میں کوئی ایسا

نیک کام کیا تھا جس کی وجہ سے یہ دو افراد جو ماں بیٹے ہیں' مجھے مل گئے' انہوں نے جس قدر احترام اور عزت و آبرو کے ساتھ مجھے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے' سلطان وہ عزت احترام اور آبرو مجھے کبھی نہیں ملی' یہاں تک کہ تم نے بھی مجھے نہیں دی میرے بھائی' تم میری موت کی بات کرتے ہو' میں کتنی بار مری ہوں تم نہیں جانتے۔ یہاں کیوں آئے ہو' کیسے تلاش کیا تم نے مجھے۔؟" سلطان نے اپنے لباس سے خنجر نکال لیا اور بولا۔

"مجھے بھائی کہہ زیبی' میرے سینے سے لپٹ جا' اپنا سر میرے سینے پر رکھ دے' ورنہ انتظار کر اس لمحے کا جب تو کبھی کسی کو بھائی نہیں کہہ سکے گی۔ کوئی بھائی کہنے والا نہیں ہوگا تیرے لئے۔" چمکدار خنجر کو دیکھ کر زیبی کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہوگئے۔

"تو زیادتی کر رہا ہے سلطان میرے ساتھ' تو نے میری بات نہیں مانی تھی' میں نے قسم کھائی تھی۔"

"ساری قسمیں توڑنی پڑیں گی تجھے زیبی' ورنہ ورنہ.........."

"زیبی قسمیں توڑ دے گی سلطان' زیبی کو یہ قسمیں توڑنا ہوں گی' ہم بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔" شاہ رخ کی آواز عقب سے سنائی دی اور وہ اندر داخل ہوگیا۔"

زیبی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا تھا۔ سلطان پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"لاؤ' یہ خنجر مجھے دے دو۔" شاہ رخ نے ہاتھ بڑھایا اور ہاتھ پھیلا دیا' سلطان عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تم شاہ رخ ہو۔؟"

"ہاں تمہارا دوست' تمہارا بھائی۔" شاہ رخ نے محبت بھرے انداز میں کہا اور سلطان کے ہاتھ میں خنجر لرزنے لگا' اس کا ہاتھ خاموشی سے آگے بڑھا اور اس نے وہ

خنجر شاہ رخ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"شاہ رخ بھائی یہ میری بہن ہے' میری روٹھی ہوئی بہن' میں اس قدر خوش نصیب نہیں تھا کہ یہ مجھے مل جائے' شاہ رخ بھائی ایک جرم کیا تھا میں نے زندگی میں' غلطی ہوگئی' ایسی غلطیاں تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے' مجھے آپ اس سے معافی دلوادیں۔" شاہ رخ نے مسکرا کر زیبی کو دیکھا پھر بولا۔

"ان محترمہ کے کل پرزے ایک بزرگ خاتون کے ہاتھ میں ہیں۔ آؤ ان سے بات کرتے ہیں اور محترمہ زیبی! باہر نکل کر بھاگنے کی کوشش نہ کیجئے گا' سب سے پہلے میں دروازے پر پولیس کا پہرہ لگوائے دیتا ہوں۔ اور معذرت کے ساتھ یہ دروازہ مجھے باہر سے بند کرنا پڑے گا یا پھر چھوڑیئے ان باتوں کو' چلئے آج ہم بھی اپنے آپ کو آزمالیں' زیبی آپ باہر نہ جایئے گا' یہیں انتظار کیجئے گا' یہ آپ سے ہماری پہلی فرمائش ہے' باقی آپ جانیں آپ کا کام' آؤ سلطان! تمہیں امی سے ملاؤں۔" اور اس کے بعد شاہ رخ نے اسے فرزانہ بیگم سے ملوایا اور جب فرزانہ بیگم نے تفصیل سنی تو دنگ رہ گئیں۔ پھر جلدی سے بولیں۔

"تم اسے اکیلا چھوڑ آئے ہو' وہ جس قدر ضدی ہے اندازہ ہو رہا ہے' خدا کی پناہ خوشی بھی ہو رہی ہے اور غصہ بھی آرہا ہے۔ وہ بول سکتی تھی لیکن اس نے آج تک ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ چلو ذرا میری لڑائی ہو جائے اس سے۔" فرزانہ بیگم کمرے میں آئی' شاہ رخ نے دھڑکتے دل سے اندر نگاہ دوڑائی تو زیبی ایک کرسی پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ فرزانہ بیگم نے اسے آواز دی۔

"زیبی۔" تو اس نے گردن اٹھا کر فرزانہ بیگم کو دیکھا اور آہستہ سے آگے بڑھ کر بولی۔

"معاف کیجئے گا امی۔ آپ لوگوں سے بڑی غداری کی ہے میں نے اس قابل

بھی نہیں ہوں کہ آپ سے معافی مانگوں' لیکن میرے خاموش رہنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ زبان کھولتی تو میری زبان سے سلطان کا نام نکلتا' میں اپنے بھائی کو اتنے اچھے لوگوں کے سامنے رسوا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کسی سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی میں۔"

زیبی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"سلطان صاحب تشریف لایئے یہ مسئلہ تو حل ہوگیا' ویسے یار بڑے باکمال آدمی ہیں آپ' آپ نے ایک گونگی لڑکی کو بولنا سکھا دیا' آیئے ہم اپنے کمرے میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" سلطان شاہ رخ کے پاس اس کمرے میں پہنچا جو شاہ رخ کا اپنا کمرہ تھا تو اس نے کہا۔

"شاہ رخ بھائی ایک بات کہوں آپ سے۔"

"ہاں بولو۔"

"میں آپ کو قتل کرنے آیا تھا۔ یہ خنجر آپ کے لئے تھا زیبی اچانک مل گئی تھی مجھے۔"

"کیوں۔؟"

"وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔" اور اس کے بعد سلطان شاہ رخ کو الف سے لے کر یہ تک ساری کہانی سنانے لگا تھا' شاہ رخ اچھل پڑا تھا۔ اس نے حیران لہجے میں کہا تھا۔

"اور تم اس سنڈیکیٹ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔"

"کافی۔ خاص طور سے میں آپ کو ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو اس سنڈیکیٹ کا روح رواں ہے۔ اسے ٹنڈا بابا کہتے ہیں۔"

"مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔" شاہ رخ نے سنسنی خیز لہجے میں کہا اور سلطان اسے ساری تفصیلات بتانے لگا۔

جانم نے تشویش بھری نظروں سے یاقوت کو دیکھا۔ افضال اس کے پاس کھڑا تھا۔

"آخر یہ کیا دیوانگی اس پر طاری ہوئی ہے"

"خدا جانے۔ راتوں کو جاگتی رہتی ہے۔ شعر موزوں کرتی رہتی ہے۔"

"مگر یہ گڑھا........"

"اس کے بارے میں آپ خود پوچھ لیں۔ افضال بولا اور جانم حویلی کے اس حصے کی طرف بڑھ گئی جو بھی حصہ تھا اور جہاں یاقوت مزدوروں سے ایک گڑھا تیار کروارہی تھی۔ جانم کو دیکھ کر یاقوت مسکرادی۔"

"یہ کیا دیوانگی ہے........ جانم نے کرخت لہجے میں کہا اور یاقوت مسکرا دی۔ پھر بولی"

زندگی میں درس عبرت بے ثبات گل سے ہے
شب کو چٹکا، صبح مہکا، دن ڈھلے مرجھا گیا۔

"میں جانتی ہوں افضال نے تمہیں تباہ کر دیا ہے۔ مجھے تمہیں اس کے پاس

نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ آخر یہ گڑھا کیوں کھودا جارہا ہے۔"

"مدفن تیار کر رہی ہوں۔"

"کس کا۔"

"ذہنی نسوانیت کے غرور کا........ جو مقتول ہو چکا ہے........!"

"یاقوت کرب سے مسکرا کر بولی۔ افضال بھی اس کے پاس آگیا تھا۔ جانم نے تیکھی نگاہوں سے افضال کو دیکھا اور بولی۔"

"یہ کیا بک رہی ہے افضال، اگر تم اس کی بکواس سمجھ سکو تو مجھے بھی سمجھا دو۔" افضال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، کہنے لگا۔

"یہ اب جذب کی منزل میں داخل ہو چکی ہے کسی مجذوب کی باتیں سمجھ میں آجائیں تو سمجھ لو وہ مجذوب نہیں ہے۔"

"تم دونوں پاگل ہو چکے ہو، میں پوچھتی ہوں یاقوت، یہ گڑھا تم کیوں خود رہے ہو۔؟" یاقوت کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"تجربہ کر رہی ہوں اماں، لوگ کہتے ہیں نا کہ کسی کے لئے گڑھا کھودو تو خود اس میں گروگے، بات میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی تھی، اسے سمجھنے کی کوشش کروں گی۔" جانم جھلائے ہوئے انداز میں وہاں سے واپس پلٹ گئی، افضال کھڑا مسکراتا رہا تھا، جانم گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تو یاقوت نے مسکراتے ہوئے افضال سے کہا۔

"تم بھی تو پریشان ہو گے اس کے لئے۔"

"میری زندگی میں سمجھ میں نہ آنے والی باتوں کا اتنا ذخیرہ ہے کہ اب اگر کوئی بات سمجھ میں آجائے تو مجھے افسوس ہوتا ہے۔" افضال نے جواب دیا۔

شرجیل دوڑا ہوا نادر شاہ کے پاس پہنچا تھا' جو اس وقت اپنی کوٹھی میں بڑے کمرے میں خاموش بیٹھا پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھ رہا تھا جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا' بس جینے کے لئے جی رہی تھیں' لیکن شرجیل کے چہرے کا ہیجان اور اس کا بغیر اجازت لئے ہوئے اندر گھس آنا نادر شاہ کے لئے حیران کن تھا' اس نے غصیلی نگاہوں سے شرجیل کو دیکھا تو شرجیل نے اخبار سامنے کر دیا۔

"شاہ جی' اخبار پڑھ لیا آپ نے۔؟"

"کوئی ایسی ہی خبر ہے جس نے تمہیں دیوانہ کر دیا ہے اور تم ادب و آداب بھول گئے ہو۔"

"شاہ جی' غضب ہو گیا ہے' بگ باس پکڑا گیا' سیکورٹی ایجنسی نے پولیس کی مد سے وہاں چھاپہ مارا ہے' پولیس آفیسر اپنا مراد گڑھی کا وہی شاہ رخ ہے اور سیکورٹ ایجنسی میں بھی کسی نوجوان آفیسر نے ہی سارا کھوج نکالا ہے' شاہ جی اگر تم یہ سوچ ہو کہ ان دونوں اداروں کا رخ ادھر نہیں ہو گا تو یہ ہماری غلطی ہے' شاہ جی جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی' میں نے غلطی کی کہ موبائل پر فون کر کے اخبا

کی اس خبر کی تصدیق کی ادھر سے جس بندے نے موبائل اٹھایا اس کی آواز بہت کرخت تھی اور اس نے غصیلے لہجے میں کہا کہ سی ایل آئی پر نمبر دیکھا لیا گیا ہے فوری طور پر پولیس سے رابطہ قائم کرو ورنہ گرفتار کر لئے جاؤ گے' شاہ جی بات کنفرم ہو گئی۔" نادر شاہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا' اسی وقت باہر سے شور شرابے کی آوازیں بلند ہوئیں اور شرجیل دہشت زدہ انداز میں کھڑکی کے پاس پہنچ کر باہر دیکھنے لگا۔ نادر شاہ بھی اس کے قریب آ گیا تھا۔ لیکن باہر جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا' کوئی پندرہ مسلح افراد تھے جو اسٹین گنوں سے لیس تھے۔ سب سے آگے بدر شاہ موجود تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔

"او خنزیر! اوولد الحرام' باہر آ ٹکڑ گدے' جس کے ٹکڑوں پر پرورش پائی اس کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے' باہر آ' تیرا وقت ختم ہو گیا ہے۔" نادر شاہ کے چہرے پر تشویش کی لہریں نمودار ہو گئیں' ایک لمحے تک سوچتا رہا اور اس کے بعد شرجیل سے بولا۔

"جاؤ اس سے بات کرو اس سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے وہ کیسے گالیاں دے رہا ہے۔"

"شاہ جی بڑے غضب ناک نظر آ رہے ہیں وہ لوگ' شاید آپ کی بیگم صاحب نے.........."

"شرجیل' جاؤ باہر جا کر اس سے پوچھو۔"

"جی شاہ جی۔" شرجیل آہستہ آہستہ باہر نکل گیا' نادر شاہ کھڑکی سے جھانکتا رہا۔ انہوں نے شرجیل کو دبوچ لیا تھا اور سخت غضب ناک نظر آ رہے تھے' ایک لمحے کے اندر اندر شرجیل کو کس کر ڈال دیا گیا' نادر شاہ برق رفتاری سے واپس پلٹا' الماری سے چابی اور پستول نکالا اور اس کے بعد عمارت کے اندرونی حصے میں بھاگا'

چالاک آدمی تھا' ہر طرح کے کام تیار کر رکھے تھے۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر اس نے کسی مشینی عمل سے کمرے کی دیوار میں دروازہ نمودار کیا' اور پھر سیڑھیاں اتر کر ایک سرنگ میں دوڑنے لگا' کوئی دو سو گز لمبی سرنگ تھی اور اس عمارت سے باہر ایک ایسی چھوٹی سی جگہ تک پہنچتی تھی جو پہاڑی پتھروں سے بنائی گئی تھی' بس یہ ایک گیراج تھا جس میں گاڑی کھڑی ہوئی تھی اور سرنگ کا راستہ اسی گیراج میں جاکر نکلتا تھا' اس گیراج میں نادر شاہ کی پجارو کھڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ نادر شاہ اس گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑا' اندازہ ہوگیا تھا کہ سردار تیمور کے آدمی سے اٹھانے آئے ہیں' اگر بگ باس گرفتار نہ ہوا ہوتا تو اس وقت بہترین مقابلہ کیا جاتا اور ان سب کو یہیں موت کی نیند سلا دیا جاتا لیکن اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لئے فرار ہونا بے حد ضروری تھا۔ نادر شاہ بے حد چالاک تھا جانتا تھا کہ اس وقت سارے ڈیرے خطرے میں ہیں' کسی ڈیرے پر پہنچنے کا مطلب ہے کہ پولیس سے مقابلہ کیا جائے اور سردار تیمور کے آدمیوں کو بھی سنبھالا جائے' یہ بات تو صاف ظاہر ہوگئی تھی کہ سردار تیمور بدلہ لینے پر اتر آیا' اور نایاب نے بھی کوئی بہتر عمل نہیں کیا ہے بلکہ اس سے باغی ہوگئی ہے' ایسی صورت میں تھوڑی سی خاموشی' تھوڑا سا سکون ضروری ہے' اور چھپنے کے لئے ایک بہتر جگہ اس کے پاس موجود تھی' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"یاقوت۔"

سیکوریٹی ایجنسیاں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھیں' بگ باس اور اس کی بہت بڑی ٹیم گرفتار ہوگئی تھی' لاتعداد انکشافات ہو رہے تھے۔ بگ باس کو گرفتار کرنے والی ٹیموں میں شاہ رخ اور فیروز سرفہرست تھے' خفیہ طور پر سلطان بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ فیروز کو شاہ رخ نے ساری تفصیلات بتا دی تھیں' پھر اعلیٰ حکام کے خصوصی اجازت نامے کے ساتھ جیل میں بند حیدر زمان کو فوری طور پر رہا کرایا گیا' عدالتی کارروائی کا مسئلہ بعد میں بھی شروع ہو سکتا تھا' لیکن خاص ضمانت پر جو جج صاحب سے ان کے گھر جاکر لی گئی تھی' حیدر زمان کو جیل سے نکلوالیا گیا۔ شاہ رخ اس بے گناہ شخص کو اب ایک لمحے کے لئے جیل میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اپنی کارروائیاں مکمل کر کے شاہ رخ حیدر زمان کو لے کر سلطان کے ساتھ اپنے گھر آگیا تھا' حیدر زمان فرزانہ بیگم سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا' فرزانہ بیگم بھی آنسو بہانے لگی تھیں' شاہ رخ' سلطان اور زیبی بھی گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ سب حیدر زمان کے غم میں شریک تھے۔

"اماں' شیری اور نزہت ہمارے درمیان نہیں ہیں' اگر وہ ہوتیں تو ہم رونے

کے بجائے ہنس رہے ہوتے۔" پھر حیدر زمان شدت جوش سے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"شاہ رخ! نادر شاہ آزاد ہے' کیا اس کی آزادی کے ساتھ میری زندگی مناسب ہے۔؟"

"نفری تیار کرا رہا ہوں' چھاپے میں تم میرے ساتھ ہو گے' دل کی جتنی بھڑاس نکالنا چاہو میری طرف سے اجازت ہے' بوٹیاں ادھیڑ کر رکھ دینا اس کی' میں تم سے کہتا ہوں' اس طرح مارنا کہ آسانی سے اسے موت بھی نہ آئے' لمحہ لمحہ موت کا مزہ چکھاؤ اسے حیدر زمان' بات اگر کھل گئی تو زیادہ سے زیادہ میری نوکری پر آبنے گی۔ میرے دوست تمہارے جذبہ انتقام کی تسکین۔ بھابھی اور شیری کو موت کے بدلے نوکری جاتی ہے تو میں خوشی سے تیار ہوں۔" حیدر زمان خوفناک انداز میں کھڑا ہو گیا تھا' اور اس کے بعد یہ پوری ٹیم نادر شاہ کے گھر کی طرف چل پڑی۔ لیکن وہاں انہیں کوئی نہیں ملا تھا' قرب و جوار میں دور دور تک انسانوں کا پتہ نہیں تھا۔ جگہ جگہ وہ لوگ تلاش کرتے پھرے' لیکن نادر شاہ کہیں بھی نہیں ملا تھا۔ حیدر زمان نے کہا۔

"اب اگر تم میرے اوپر ایک مہربانی کر سکو تو میں تمہارا دلی شکر گزار ہوں گا۔؟"

"بولو۔"

"مجھے ایک جیپ دے دو' میں نادر شاہ کو تلاش کروں گا۔ اور تمہاری اجازت سے اپنا انتقام اس سے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے' ایک جیپ تم اپنے استعمال میں رکھو اور سنو جب بھی اپنے دل کا سکون پا لو' گھر واپس آجانا۔" شاہ رخ بھی مردانہ وار حیدر زمان کا ساتھ دے رہا تھا' سلطان نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حیدر زمان جوش کے عالم میں اس شیطان تک پہنچے اور وہ انہیں کوئی نقصان پہنچا دے۔" تو شاہ رخ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یہ بات میں بھی جانتا ہوں لیکن اس وقت اسے روکنا اس کا اعتماد کھو دینے کے مترادف ہو گا' وہ دنیا کی کوئی بات تسلیم نہیں کرے گا' جس آگ میں وہ جل رہا ہے اسے سرد کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔" سلطان نے گردن خم کر دی تھی۔

نادر شاہ یاقوت کی رہائش گاہ میں داخل ہوگیا۔ مضبوط اعصاب کا آدمی تھا' مسکراتا ہوا نیچے اترا تھا۔ اور افضال نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔ نادر شاہ بولا۔

"کیسے ہو شاعر۔؟"

"ٹھیک ہوں جناب' شعر کی کائنات اس قدر وسیع ہے کہ دنیا بہت چھوٹی لگتی ہے اس کے سامنے' اس وسیع کائنات میں بھٹکتا رہتا ہوں' دل بہل جاتا ہے۔"

"بڑی اچھی بات ہے لو ذرا یہ چابی لو اندر ٹول کٹ رکھی ہوئی ہے اس میں سے پیچ کس نکالو اور گاڑی کی اگلی پچھلی نمبر پلیٹیں اتار لو' انہیں احتیاط سے اپنے پاس رکھو' میں کچھ دن یہیں قیام کروں گا' ڈرائیونگ آتی ہے۔؟"

"آتی ہے جناب۔"

"گاڑی کی نمبر پلیٹیں نکال کر اسے عقبی حصے میں لے جاؤ اور وہاں کھڑا کر دو سمجھ رہے ہو نا میری بات' نمبر پلیٹیں احتیاط سے رکھنا' اگر اس نمبر کے بارے میں کوئی پوچھنے آئے تو خبردار بتانے کی بات نہیں ہے۔" افضال ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ضروری تو نہیں کہہ دیں لبوں سے داستان اپنی
زباں ایک اور بھی ہوتی ہے اظہار تمنا کی"

"قیامت ڈھا دیتے ہو' کبھی کبھی شعر کیا مزہ دے جاتا ہے' لطف آجاتا ہے' کوئی اور اچھا شعر سناؤ۔"

"آپ آئے کب شاہ جی' بتایئے تو سہی۔؟"

"بس ابھی ابھی آئے ہیں۔ جب دنیا میں بہت زیادہ الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہم سکون کے لئے تمہارے پاس آجاتے ہیں۔"

"بہت شکریہ شاہ جی۔ آپ کی مہربانی ہے۔؟"

"کچھ پلاؤ' گرمی لگ رہی ہے۔"

"ابھی لائی۔"

"ملازم سے کہو کسی سے۔ ارے ہاں' تمہارے ہاں ملازم نہیں ہے' کیوں نہیں ہے۔"

"بس شاہ جی' اس لئے نہیں ہے کہ گھر کے راز گھر ہی میں رہیں۔ میں ابھی آئی بس۔" یاقوت نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ نادر شاہ خاموشی سے کمرے کے ماحول کو دیکھتا رہا' اچانک ہی زندگی کی ڈگر بدل گئی تھی۔ نایاب نے یقینی طور پر اپنی داستان اپنے باپ کو سنا دی تھی اور سردار تیمور بہرحال سردار تھا' خود نادر شاہ اس کے پاس رہ چکا تھا' سردار کی قوت سے ناواقف نہیں تھا اور سردار بھی وہ جو فوج میں رہ چکا تھا۔ ٹکر تولی تھی اس نے سردار تیمور سے' نہ لیتا اور اپنا کام جاری رکھتا اگر اس کمبخت زمین کا معاملہ نہ ہوتا' بگ باس بدبخت خود تو گیا میرا اقتدار بھی لے گیا' سردار تیمور کا سہارا ہوتا تو بگ باس جہنم میں جاتا میرا اپنا سارا معاملہ چلتا رہتا۔ بڑا برا ہوا ہے' دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے' اوہو بڑی غلطی ہوگئی۔ شرجیل کو

ہلاک کر دینا چاہیے تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ شرجیل پر سختی کی جائے اور جب میں نہ ملوں تو شرجیل یاقوت کے گھر کا پتہ بتا دے' ایک شدید اضطراب نادر شاہ کے دل میں پیدا ہوگیا' اسی وقت یاقوت ایک خوش رنگ مشروب جگ میں بھر کر لے آئی۔ کچھ گلاس بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ نادر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جس مشروب کا رنگ اتنا خوبصورت ہو' اس کا ذائقہ بھی یقیناً" اچھا ہوگا۔"

یاقوت نے مسکرا کر گلاس بھرا اور نادر شاہ کو پیش کر دیا۔ نادر شاہ نے چند گھونٹ لئے اور بولا۔

"بہت اچھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ پورا گلاس پی گیا اور بولا۔

"اور دو۔"

"جی شاہ جی' ویسے تو وہی ایک کافی تھا' لیکن اتنا پیئیں کہ دل سے ہر خوف مٹ جائے۔" نادر شاہ نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا پھر چونک کر بولا۔

"خوف! کیا مطلب کیسا خوف۔؟"

"اپنے دل کی بات کر رہی ہوں شاہ جی۔ اپنا کام ہو چکا ہے۔ آئے تھے بری شکل برے حوال' ایسے تو نہ تھے آپ کہ دل کا دروازہ کھول دیا جاتا' مگر جس ماں کی بیٹی تھی اس نے یہی سکھایا تھا کہ کون جانے کون کیا ہو۔ پذیرائی کرو۔ تم نے مجھ سے مجھے مانگا' میں نے قیمت بتا دی شاہ جی' نجانے کیوں تم میری قیمت سن کر ناراض ہو گئے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہو ہی چکا تھا کہ ہم دکاندار ہیں' برا ماننے کی کیا بات تھی۔ اور پھر ساری حقیقتیں معلوم ہونے کے بعد شاہ جی' برائی نے ایک لمحے کے لئے دل توڑا' دل نے سوچا کہ جو بدن کا راز دار ہو اسے زندگی کا راز دار بھی کیوں نہ بنا لیا جائے۔ شاہ جی' سوال کیا تم سے تو اتنے درے مارے تم نے روح لہولہان ہوگئی' اور شاہ جی جب روح انتقام انتقام پکارنے لگے تو بدن کی مجال نہیں ہوتی کہ اس سے منحرف ہو

جائے' سوچتی رہی تھی کہ تمہیں کیسے کچلوں۔ تم تو ایک طاقتور آدمی ہو۔ اور شاہ جی آخر کار تقدیر نے ساتھ دیا' یہ مشروب جو تم نے پیا ہے اس کی خوش رنگی جانتے ہو کیسی ہے۔" نادر شاہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا' دفعتہ" ہی اسے اپنے سینے میں ایک شدید جلن کا احساس ہوا اور اس کا ہاتھ سینے تک پہنچ گیا۔ اس وقت یاقوت کہہ رہی تھی۔

"یہ ایک زہر ہے شاہ جی جو اسی رنگ کا ہوتا ہے' شربت تو عام ہے' دیکھو کیسی عجیب بات ہے کچھ زہر کتنے خوبصورت لیکن کتنے قاتل ہوتے ہیں۔ تم سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ ہوگا' لطف لے رہے ہوگے اس کا۔" یاقوت مزے لے کر بولی۔

نادر شاہ کے سینے میں ہونے والی جلن اب ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' پورے بدن نے پسینہ اگل دیا تھا۔ یاقوت مسرور لہجے میں بولی۔

"فرمائش تھی ناشعر کی' چلو اپنی زندگی کا آخری شعر سن لو' اسی کی یادیں لے کر دنیا سے جانا۔"

یہی ایک خطاء کہ پجارن تھی اور نہ دیوی تھی
بڑی خطاء تھی کہ خود کو بھی میں نے چاہا تھا

"لیکن نادر شاہ نے پورا شعر بھی نہیں سنا تھا' وہ اوندھے منہ نیچے آرہا تھا' یاقوت کے حلق سے ایک آسودہ قہقہہ نکلا' اور وہ بولی۔"

"بری تھی' اس لئے کہ بری ماں کی بیٹی تھی' بری ہوں نہیں اس لئے کہ ماں کی آرزو پوری کر دی۔ اب بھلا کون ہے جو مجھے میری پسند کی زندگی گزارنے سے روکے گا۔ میرے ہاتھوں اگر اس مردود کی موت کا راز نہ کھلا تو باقی زندگی عیش سے

گزر جائے گی۔" وہ وہاں سے باہر نکلی اور افضال کے پاس پہنچ گئی۔ افضال نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا اور بولا۔

"یقیناً" اس پہاڑی نے کوئی بد تمیزی کی ہوگی۔؟"

"ہاں تم باپ ہو میرے۔" یاقوت نے سوال کیا اور افضال کی گردن جھک گئی۔

"نہیں گردن نہ جھکاؤ، آج پہلی بار شفقت کا خراج ادا کردو، بولو میرا ساتھ دو گے۔؟"

"کہو کیا چاہتی ہو۔؟"

"آؤ۔ وقت اچھا ہے۔" یاقوت نے کہا اور افضال کو ساتھ لے کر اندر آگئی۔ افضال نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نادر شاہ کو دیکھا اور بولا۔

"یہ مرچکا ہے میں نے اسے مار دیا ہے، زہر دے دیا ہے میں نے اسے، اور اسکے لئے جو گڑھا تیار کرایا ہے میں نے، اب تمہیں میرا ساتھ دے کر اسے اس گڑھے تک لے جانا ہے، اسے زمین میں دفن کردو اور گڑھے کے اوپر ترنج کی بیلیں پھیلا دو تاکہ اس کی موت کا ہر نشان مٹ جائے، بولو میرا ساتھ دو گے میرے باپ، میرا ساتھ دو گے شاعر۔" افضال نے نگاہیں اٹھا کر بیٹی کو دیکھا اور بولا۔

"ہاں۔"

سلطان زیبی کو اپنے گھر لے گیا تھا، اس نے شاہ رخ کو اپنے گھر کا پورا پتہ بتا دیا تھا، اور جب زیبی یہاں سے چلی گئی تو شاہ رخ کو زندگی ایک ویرانہ معلوم ہوئی، گونگی لڑکی تو صحیح معنوں میں ایک بہار تھی۔ اب کوئی بہاروں سے غافل رہے تو یہ بہاروں کا قصور تو نہیں ہے۔ فرزانہ بیگم بھی دیوانی ہو رہی تھیں، پھر جب حیدر زمان نادر شاہ کی تلاش میں مایوس ہو کر تھکا ہارا شاہ رخ کے پاس پہنچا تو زندگی میں تھوڑی سی ہلچل پیدا ہوئی۔ حیدر زمان نے بتایا کہ سردار تیمور اور اس کی بیٹی نایاب نے جو نادر شاہ کی بیوی تھی، اس کا بڑا ساتھ دیا، انہیں خود نادر شاہ کی تلاش تھی۔ وہ کمبخت نہیں مل سکا، لیکن بہرحال میری زندگی کا مشن یہی ہے کہ نادر شاہ کو تلاش کروں، یہ سلطان کہاں گیا۔ اسی شام فرزانہ بیگم نے حیدر زمان کو شاہ رخ کے دل کی بات بتائی تو حیدر زمان نے فوراً ہی تیاریاں کر ڈالیں۔ شاہ رخ کو کچھ بتانا ضروری نہیں تھا اسے اور فرزانہ بیگم کو لے کر سلطان کے ہاں پہنچ گیا، زیبی نے گھر کو بالکل صاف ستھرا کرلیا تھا، دلچسپ بات یہ تھی کہ سیما اس کا ساتھ دے رہی تھی، فرزانہ بیگم نے سلطان سے زیبی کا رشتہ مانگا تو سلطان ہنس کر بولا۔

"کمال کر رہی ہیں آپ اماں جی' اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جائیں بلکہ وہیں لے جاکر اس کا نکاح کر ڈالیں شاہ رخ بھائی سے۔ میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو گی' البتہ میرا ایک کام آپ کو ضرور کرنا ہے۔؟"

"وہ کیا۔؟"

"اسے بھی بہو بنا کر اپنے گھر لے جایئے' آپ کا ایک بیٹا تو نہیں ہے نا' میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔" سلطان نے سیما کی طرف اشارہ کر کے کہا اور فرزانہ بیگم ہنس پڑیں۔

"ارے واہ' دیکھا شاہ رخ' زندگی میں جب گلاب کھلتے ہیں تو کیسے کیسے کھلتے ہیں۔"

"ٹھیک' ٹھیک ہے' ہم بھی یہ گلاب کھلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور جل رہے ہیں دل ہی دل میں' کیونکہ ہمارے سہرے کے پھولوں کی کسی کو پرواہ ہی نہیں ہے۔" یہ آواز فیروز کی تھی۔ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر شاہ رخ نے کہا۔

"بھائی۔ آپ بھی سر پر پھولوں کے گچھے سجانا چاہتے ہیں۔"

"جناب۔"

"مگر وہ مظلومہ کون ہے جسے آپ اپنے جال میں پھانسنے کے چکر میں ہیں۔؟"

"عشرت ہے اس کا نام' اور آپ لوگ یہاں سے فارغ ہو جائیں تو میرے ساتھ عشرت کے گھر چلیئے۔ شاہ رخ آپ کے گھر سے آ رہا ہوں ساری معلومات حاصل کر کے' کمال ہے یار' ہماری کسی کو فکر ہی نہیں ہے۔"

"چاروں طرف قہقہے گونج اٹھے تھے اور حیدر زمان کی آنکھوں میں اپنی بیوی اور بچی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ بھی ساتھ ہوتے۔ لیکن.........."

